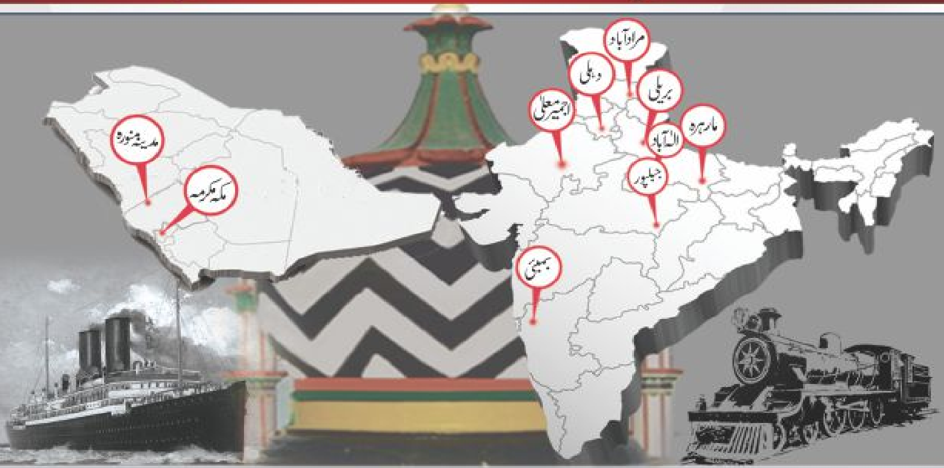
باب رضویات کا ایک نیا رخ، نیا ورق، پہلی بار منظر عام پر

جشن صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء کے زریں موقع پر خصوصی اشاعت

سفر نامۂ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ



تحقیق و تدوین

امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس دامت برکاتہم

بانی و سربراہ

مرکز برکات رضا ایجوکیشن ٹرسٹ، میرا روڈ، بمبئی

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ضیاء کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب رضویات کا ایک نیا رخ، نیا ورق، پہلی بار منظر عام پر

جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء کے زریں موقع پر خصوصی اشاعت

سفر نامۂ اعلیٰ حضرت

تحقیق وتدوین

امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس دامت برکاتہم

بانی وسربراہ

مرکز برکاتِ رضا ایجوکیشن ٹرسٹ، میرا روڈ، بمبئی

ناشر

ادارہ ضیائے رضا، کراچی، پاکستان

کتاب: سفرنامۂ اعلیٰ حضرت
ازقلم: ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی
تقاریظ: مشائخ کرام ودانشوران
تصحیح: مولانا افتخار عالم اشرفی بھاگل پوری
کمپوزنگ: ابوالرمان قادری وحافظ حیدر علی، بمبئی
صفحات: ۵۳۷
اشاعت اول: بموقع عرس رضوی ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۵ء
ناشر: امام احمد رضا مومنٹ، بنگلور، کرناٹک، ہند
تعداد: گیارہ سو، ۱۱۰۰ رسو
اشاعت دوم: بموقع جشن صدسالہ اعلیٰ حضرت ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء
ناشر: ادارہ ضیائے رضا، کراچی، پاکستان
تعداد: گیارہ سو، ۱۱۰۰ رسو
اہتمام: مرکز برکاتِ رضا ایجوکیشن ٹرسٹ، میرا روڈ، بمبئی
قیمت:

مصنف سے رابطہ کا پتا

Dr.GhulamJabirshamspurnavi
201,GazalaGalaxynrKurnalshoppingCentre
NayaNagarMiraRoad[e]4011o7MumbaiM.S.
ph:09869328511E-mail:ghulamjabir@yahoo.com

کتاب ملنے پتے

☆ دارالعلوم صادق الاسلام،10 / 483 لیاقت آباد کراچی
☆ مکتبہ برکات مدینہ، بہار شریعت مسجد کراچی

انتساب:

☆ اللہ کا گھر، بیت اللہ العتیق کے نام
☆ رسول کا گھر، روضۂ رسول اور 'رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنّۃ' کے نام

☆ بابِ کعبہ، سقفِ کعبہ، جدارِ کعبہ، ارضِ کعبہ اور حطیم اور مقامِ ابراہیم کے نام
☆ رکنِ شامی، رکنِ یمانی، حجرِ اسود، منیٰ، مزدلفہ، عرفات کے نام

☆ علمائے حرمین شریفین کے نام
☆ مشائخِ حرمین کریمین کے نام

☆ مہاجر علما و مشائخ کے نام
☆ آفاقی علما و مشائخ کے نام

☆ حرمین شریفین کے مکانوں اور مکینوں کے نام
☆ حرمین شریفین کی ہواؤں اور فضاؤں کے نام

غلام جابر شمس پورنوی
بن قاضی عین الدین رشیدی و شمس النسا رشیدی غفر لہما
قاضی ٹولہ ہری پور، امور، پورنیہ

ہدیہ:

- ☆ حضرتِ اجمیر
- ☆ حضرتِ دہلی
- ☆ حضرتِ بلگرام
- ☆ حضرتِ مارہرہ
- ☆ حضرتِ کچھوچھہ
- ☆ جنابِ خیرآباد
- ☆ جنابِ سیتاپور
- ☆ جنابِ گنج مرادآباد

اور

- ☆ جملہ خواجگانِ ہندوستان
- ☆ جملہ مخدومانِ ہندوستان
- ☆ جملہ مجاذیبِ ہندوستان
- ☆ تمام اقطابِ ہندوستان
- ☆ تمام اولیائے ہندوستان

کی خدماتِ عالیات میں
مہکتا مسکراتا ہدیۂ عاطرہ
غلام جابر شمس پورنوی
بن قاضی عین الدین رشیدی و شمس النسا رشیدی غفر لہما
قاضی ٹولہ ہری پور، امور، پورنیہ



رَحلَتانِ اِلیٰ الحِجازِ
اسفارِ حرمین شریفین



☆ امام احمد رضا اور علمائے حجاز ☆ تین اہم عربی مکی تصانیف کا سببِ تصنیف و تعارف

☆ الدولۃ المکیۃ فی المادۃ الغیبیۃ ☆ حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین

☆ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام القرطاس والدراہم



اسفارِ ہند
رَحلَۃٌ مِنَ السُوقِ اِلیٰ السُوقِ

☆ ☆ ☆



اعلیٰ حضرت کی دینی وعلمی مصروفیات اور عذرِ سفر

☆

قطب الارشاد اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری قدس سرہ فرماتے ہیں:

’......فقیر حقیر کے ذمہ کاموں کی بے انتہا کثرت ہے اور اس پر نقاہت و ضعف کی قوت اور اس پر محض تنہائی و وحدت ہے۔ امور ہیں کہ فقیر کو دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہونے سے مجبورانہ باز رکھتے ہیں۔ خود اپنے مدرسہ میں قدم رکھنے تک کی فرصت نہیں ملتی۔ یہ خدمت کہ فقیر سراپا تقصیر سے میرے مولائے اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محض اپنے کرم سے لے رہے ہیں، اہلِ سنت و مذہبِ اہلِ سنت ہی کی خدمت ہے۔ جو صاحب چاہیں اور جتنے دن چاہیں، فقیر کے یہاں اقامت فرمائیں۔ مہینہ دو مہینہ، سال دو سال اور فقیر کا جو منٹ خالی دیکھیں یا جس وقت فقیر کو کوئی ذاتی کام کرتے دیکھیں، اسی وقت مواخذہ فرمائیں کہ تو اتنی دیر میں دوسرا کام کر سکتا تھا اور جب بحمدہ تعالیٰ سارا وقت آپ ہی کے مذہب کی خدمت گاری میں گذرتا ہے، تو اب یہ کام اگر فضول یا دوسرا اس سے اہم ہو، تو مجھے ہدایت فرمائی جائے، ورنہ فقیر کا عذر قابلِ قبول ہے۔

’......میں جہاں ہوں اور جس حال میں ہوں، مذہبِ اہلِ سنت کا ادنیٰ خدمت گار اور اپنے سنی بھائیوں کا خیر خواہ و دعا گو ہوں۔ البتہ وجوہِ مذکورہ بالا سے نہ کہیں آنے جانے کی فرصت و طاقت، نہ اپنا کام چھوڑ کر دوسرا کام لینے کی لیاقت۔ و حسبنا اللہ و نعم الوکیل و اللہ یقول الحق و یھدی السبیل‘۔

[الف: فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی ۱۲/ ۱۴۱، ۱۴۰، ب: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع کلیر شریف، ۲/ ۸۶، ۲۸۵]



اعلیٰ حضرت کا سفر سے گریز



دانائے رضویات ملک العلما

حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادر رضوی لکھتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت کا سفر ایک خاص اہتمام چاہتا۔ اس لئے کبھی بے ضرورت شدید تشریف نہ لے گئے۔ کبھی کہیں جانے کی دینی ضرورت پیش آتی یا مریدین کا اصرار ہوتا یا کسی دینی مدرسہ اہلِ سنت میں دستار بندی کا جلسہ ہوتا اور وہاں کے لوگوں اور مدرسہ کے اراکین کی خواہش ہوتی کہ اعلیٰ حضرت ہی کے دستِ مبارک سے دستار بندی ہو، تو البتہ سفر کا ارادہ فرماتے تھے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۶۹۴]



سفر سے گریز کی وجہ



دانائے رضویات ملک العلما

حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادر رضوی لکھتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت برابر مکان ہی پر قیام فرماتے۔ عام مشائخ کی طرح سفر میں زندگی بسر کرنا کیا معنیٰ؟۔ کسی جگہ سفر کرنا، اس درجہ شاذ و نادر تھا، گویا عدم کے حکم میں تھا۔ بلکہ خود ارشاد فرماتے کہ مجھے سفر سے اس درجہ کوفت ہوتی ہے کہ جب سفر کا خیال ہوتا ہے، تو دو تین دن قبل سے اس کی پریشانی رہتی ہے اور سفر سے واپسی پر بھی دو تین دن تک اس کا اثر طبیعت پر رہتا ہے'۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۶۹۳]



اعلیٰ حضرت کی تمنا



اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بہت کم سفر کیا۔ جب کبھی بھی سفر کیا، وہ انتہائی علمی، افادی، مقصدی تھا۔ یہ سفر یا تو شدید دینی و مذہبی ضرورت کے تحت ہوتا یا پھر از راہِ محبت و عقیدت۔ سفرِ حرمین شریفین کی مجمل روداد کے ضمن میں فرماتے ہیں:



'اس قسم کے وقائع بہت تھے کہ یاد نہیں۔ اگر اسی وقت منضبط کر لئے جاتے، محفوظ رہتے۔ مگر اس کا ہمارے ساتھیوں میں سے کسی کو احساس بھی نہ تھا۔' [الف: الملفوظ، طبع بریلی، ۲/ ۲۸، ب: حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۳۸۹]

☆

'یہ تمام وقائع ایسے نہ تھے کہ ان کو میں اپنی زبان سے کہتا، ہمراہیوں کو توفیق ہوتی اور آتے اور جاتے اور ایام قیام ہر دو سرکار کے واقعات روزانہ تاریخ وار قلم بند کرتے، تو اللہ اور رسول کی بے شمار نعمتوں کی بحمدہ یادگار ہوتی۔ ان سے رہ گیا اور مجھے بہت کچھ سہو ہو گیا۔ جو یاد آیا، بیان کیا۔ نیت اللہ عزوجل جانتا ہے۔ قال تبارک و تعالیٰ: **واما بنعمت ربک فحدث۔** اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔ یہ برکات ہیں ان دعاؤں کی کہ حضور اقدس سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائیں۔ **والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی الحبیب الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین۔** [الف: الملفوظ، طبع بریلی، ۲/ ۴۴، ب: حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۴۰۵]



رازآشنائے رضا ملک العلما کی آرزو



’اعلیٰ حضرت کے جہاں دوسرے علمی کارنامے حدِ احصا [گنتی] سے فزوں ہیں، ادبی لطیفے بھی اپنی شان میں خاص جدت رکھتے ہیں۔ اگر سب قلم بند ہو جاتے، تو شائقینِ ادب کے لئے وہ مجموعہ ایک نادر تحفہ ہوتا‘۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص:۱۲۹]



’......افسوس کہ اس وقت ان [اعلیٰ حضرت] کی علمی باتوں کے لکھنے کا خیال نہ ہوا۔ ورنہ خدا جانے، کیسے گراں مایہ نکاتِ علوم و معارف اکٹھا ہو جاتے۔ جن کی قدر علما کرتے اور عوام ان سے بے شمار فائدہ اٹھاتے‘۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص:۱۳۶]



عرضِ مرتب

اللہ کے لئے ساری تعریفیں، کیا ہی وہ ساعتِ سعید تھی جب میری مشفقہ ماں مرحومہ و مغفورہ نے فرمایا تھا: بیٹا! ’دین کی تعلیم حاصل کرو اور دین کی خدمت کرو۔ اللہ کریم عزت والی زندگی اور برکت والی روزی عطا فرمائے گا‘۔ یہ جملے آج بھی ذہن کا حاشیہ نہیں، متن بن کر محفوظ ہیں۔ پھر جب کبھی گھر سے دور ہوا کرتا۔ پہلے حصولِ تعلیم کے لئے اور بعد میں فروغِ تعلیم اور خدمتِ دین کے لئے، تو ہر بار ایڑیاں تول کر بوسہ لیتیں اور فرماتیں: جا ’بیٹا! اپنی عزت کا خیال رکھنا اور حلال روزی کھانا، کمانا‘۔ یہی جملے میری حیات کے لئے دستور و منشور بن کر رہ گئے۔

آج جو کچھ ادنیٰ سی خدمت، دین و مذہب اور علم و ادب کی ہو رہی ہے۔ یہ انہیں بابرکت جملوں کی برکات واثرات ہیں۔ اس میں میرے اساتذۂ کرام کی تعلیم و تربیت کا حصہ بھی ہے اور میرے مشائخِ عظام کی دعاؤں کا دخل بھی ہے۔ میرے والدِ کریم، سارے بھائی، خاص کر بڑے بھائی اور اکلوتی بہن ’حسن آرا‘ اور اب میری اہلیہ اور میرے بچے بھی اس میں شراکت دار ہیں۔ میرے اللہ کریم! اس دینی کام کے عوض تو جو بھی اجر و ثواب اپنی عطا و فضل سے عنایت فرماتا ہے اور آئندہ فرمائے گا، اس میں مع میرے قرابت دار واحباب و مخلصین سب کو بھی شریک فرما!

اپنی ریسرچ کے دوران میں نے کئی اشاریئے تیار کئے تھے۔ وہی اشارات و نکات میری عملی سرگرمی کا حصہ بن کر رہ گئے۔ ایک ایک اشاریہ اٹھا کر اس کی تنقیح و تہذیب اور تحقیق و ترتیب میں میری خلوت بھی اور جلوت بھی ہمہ لحہ مصروفِ کار رہے۔ یہ ’سفر نامۂ اعلیٰ حضرت‘ بھی انہیں یادگار لمحوں کے ایک اجمالی اشاریہ کا تفصیلی و توضیحی بیانیہ و اظہاریہ ہے۔ بس یہ ادنیٰ سی کوشش ہے۔ میرے اللہ کریم اور اس کے حبیب لبیب علیہ و آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی رضا و خوشنودی کا باعث بن جائے اور میرے مشائخ و اساتذہ و اسلافِ اہلِ سنت، خصوصاً اعلیٰ حضرت و مفتیٔ اعظم اور ان کے مشائخِ کرامِ مارہرہ کی ارواحِ مقدسہ مسرور ہو جائے۔ یہی میرا انعام، سامانِ بصیرت اور توشۂ آخرت ہے۔

یہ مبارک سفر نامہ برسوں سے تیار اور منتظر طباعت تھا۔ کوئی سبیل پیدا نہ ہو سکی۔ بالآخر یہ سعادت اراکین ’امام احمد رضا مومنٹ‘ بنگلور، کرناٹک کے حصے میں آئی اور ۲۰۱۵ء میں عرس اعلیٰ حضرت کے موقعے پر زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر آئی۔ ہم سنیوں کا ہر کام جلدی میں ہوتا ہے۔

اس جلد بازی نے کتاب کی سیٹنگ میں ایک قباحت بھی پیدا کر دی۔ کتاب کے خوبصورت چھپنے کے باوجود سیٹنگ اور صفحہ نمبر میں ذرا تبدیلی آ گئی۔ جس سے قاری کو الجھن پیدا ہونا فطری امر تھا اور بھی یہ کہ یہ کتاب دکن سے چھپی اور دکن ہی میں دب کر رہ گئی۔ شمال ہند کے باذوق افراد کے دست رس قریب قریب باہر ہی رہی۔ اس لیے کوشش اور خواہش تھی اور ہے کہ اتنی اہم ہند و پاک کے عام علمی حلقوں میں پہنچائی جائے۔

اس جذبے کے تحت ابھی واٹس ایپ پر میری تازہ ترین سات اہم تحقیقی و نادر کتابوں کے ساتھ اس کو بھی شامل فہرست کر دی گئی۔ پاک پروردگار جب چاہے اور جس سے چاہے، اپنی رضا کا کام لے لے، ہندوستان سے تو ابھی تک کوئی پیش رفت اور پیش کش نہ ہوئی۔ لیکن پاکستان سے کچھ دردمند حضرات اس سعادت علمی کے خدمت کے لیے تیار ہو گئے اور کمال یہ کہ نہ صرف یہی ایک کتاب، بلکہ جشن صد سالہ کے تاریخی موقع پر اس خاکسار کی تالیف و تصنیف کردہ کل آٹھ کتابوں کی طباعت کا ذمہ اپنے باہمت کاندھوں پر اٹھا لیا۔

'ادارہ ضیائے رضا' کراچی اور اس کے سارے اراکین سے یہ خاکسار کما حقہ واقف نہیں۔ تاہم جو اطلاع ملی، وہ یہ ہے کہ یہ ادارہ ابھی نوعمر و نوخیز ہے۔ یہ ادارہ اعلیٰ حضرت اور محدث کبیر حضرت ضیاء المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم العالیہ کے نام نامی سے منسوب ہے۔ اس کی لائبریری میں علمی کتابوں کا ذخیرہ اور نوادرات کا ایک حصہ بھی محفوظ ہے۔ مدبر قوم حضرت علامہ محمد امان صاحب رضوی نے اس کی بنا ڈال کر اپنی علم دوستی اور معارف پروری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس کی سرپرستی شہزادۂ محدث کبیر حضرت علامہ مفتی محمد عطاء المصطفیٰ صاحب اعظمی کر رہے ہیں۔ سرگرم و مخلص اراکین و کارکنان کی حیثیت سے حضرت مولانا محمد صابر اختر القادری صاحب اور حضرت مولانا محمد ریاض المصطفیٰ قادری صاحب اپنا دینی و علمی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اس کے معاون خاص، جنھوں نے دل کھول کر مالی تعاون کیا ہے، خدا کے اس خاص بندے کے نام سے مجھے واقفیت نہیں۔ اللہ کریم اپنے کرم خاص سے ان سب کی خدمات کو قبول فرمائے اور 'ادارہ ضیائے رضا' کو اپنی رضا کے لیے بیش از بیش دینی و ملی خدمات کی توفیق عطا فرمائے، آمین

خاکسار فقیر: غلام جابر شمس پورنوی



عرض ناشر

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین

اللّٰہ رب محمد صلی علیہ وسلما

اللہ تبارک وتعالی نے دین کی خدمت اور اسکی ترویج واشاعت کی توفیق بے شمار علمائے کرام کو عنایت فرمائی مگر جو فضل وکرم اور لطف وعنایت اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا شیخ الاسلام والمسلمین مجد دِدین وملت امام اہلسنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی محدث بریلوی پر ہوا اُس کی مثال کم ہی ملتی ہے اور اِس خدمت کا انعام انہیں یہ عطا ہوا کہ آج دنیا انہیں مجد دِاعظم کے نام سے یاد کرتی ہے۔

بہت سے حضرات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر ریسرچ میں مصروف عمل رہے اور مزید کر رہے ہیں جامعات میں کئی حضرات امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی (PHD) کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں نئی نئی تحقیقات، اعلی حضرت کے حوالے سے سامنے آ رہی ہیں جس سے ان کی علمی قدر ومنزلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس صد سالہ عرس رضوی کے مبارک موقع پر ہم اس عظیم شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی محبت کا اظہار اس انداز میں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اعلی حضرت کی شخصی تحقیق پر مشتمل چند کتب کا تحفہ عاشقانِ اعلی حضرت اور تشنگان اعلی حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اِس اُمید پر کہ یہ رضویات میں ایک اہم اضافہ شمار ہو اور یہ تحقیقی عمل یونہی آگے بڑھتا رہے۔ ان شاءاللہ عزوجل ادارے کا مقصدِ اول حضور سیدی اعلی

حضرت کی وہ تصنیفات جو اب تک شائع نہ ہوسکیں ان کو شائع کرنا اور جو شائع ہوچکی ہیں ان کو عصر حاضر کے جدید انداز میں شائع کرنا ہے لیکن!

ے کام ہے اُن کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

کے مصداق اعلیٰ حضرت کی نہ سہی اعلیٰ حضرت پر ہی سہی کتب کی اشاعت کی کوشش کی ہے کہ کچھ عرصہ قبل برادرم نبیرۂ صدر الشریعہ مولانا ریاض المصطفیٰ قادری اعظمی نے حکم فرمایا کہ فی الوقت اعلیٰ حضرت پر ہی کتب شائع کی جائیں جس کے لیے مولانا موصوف نے اعلیٰ حضرت پر تحقیق کے حوالے سے ایک قابل قدر اور قابل تحسین نام امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی دامت برکاتہم کی تحقیقاتِ اعلیٰ حضرت پر مبنی کچھ کتب کے کمپوز شدہ نسخے عطا فرمائے۔ ہم امیر القلم کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہم پر اعتماد کرتے ہوئے یہ نسخے ہمیں عطا فرمائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب اور مولانا ریاض المصطفیٰ قادری اعظمی کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور انکے لیے مزید آسانیاں فرمائے اور ادارے کی اس سعی کو قبول فرمائے۔ آمین

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

فقیر امان اللہ خان قادری
بانی ومہتمم
ادارہ ضیائے رضا، کراچی، پاکستان



قابلِ اعتماد علمی کام

قائدِ تحریکِ تعلیم، زیبِ سجادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

امینِ ملت حضرت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی

صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ہمارے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا کیا کہنا! کہنے والا اور لکھنے والا اپنی سمجھ کے مطابق سب کچھ کہہ اور لکھ چکا ہوتا ہے۔ پھر آخر میں وہ یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہے کہ: ع،
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لئے۔

اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ہمارے خاندان کے 'چشم و چراغ' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی تہہ دار شخصیت اور طرحدار خدمات پر بہت کچھ تو ہو چکا ہے اور تاہم اب بھی بہت کچھ ہونا باقی ہے، جو ہم پر قرض ہے۔ اسے ہمیں کرنا ہے اور وہ قرض اتارنا بھی ہے۔

عزیز القدر ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی تازہ کار بھی ہیں اور منفرد اسلوبِ نگارش کے مالک بھی۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ خلوص اور خاموشی کے ساتھ نئی جہت اور نئے زاویئے پر کام کرنے کا ہنر جانتے ہیں اور چل پھر کر تحقیق کرتے ہیں۔ اس لئے مواد اور سوادِ تحریر میں نیاپن اور اچھوتا پن ہوتا ہے۔ ان کا انداز اور اسلوب جدید تقاضوں کا احاطہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ابھی حال ہی میں عزیز گرامی نے میرے سامنے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' کا کتابت شدہ مسودہ رکھا اور دعائی کلمات کے لئے کہا۔ اپنی سفری مصروفیات کے ہجوم میں نگاہِ غور سے میں دیکھ نہیں سکا۔ مگر ان کے ماسبق کے علمی کاموں کو دیکھ کر اعتماد ہے کہ انہوں نے اس موضوع کا بھی حق بھر پور ادا کیا ہوگا۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو صحت و عافیت کے ساتھ مزید توفیق عطا فرمائے کہ وہ اسی طرح رضویات اور اہل سنت کے دیگر موضوعات پر نادرہ کاری کرتے رہیں اور یوں ہی دولتِ قلم کے امیر بنے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

فقیر محمد امین قادری

☆......☆......☆



حقائق کی تحقیق و تفتیش

ممتاز الفقہا سلطان الاساتذہ محدثِ کبیر
حضرت علامہ شاہ محمد ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ
بانی وسربراہ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مولانا غلام جابر شمس رضوی مصباحی اپنی شائستہ تحریروں میں ایک ماہر قلم کار نظر آتے ہیں اور حقائق کی تفتیش وجستجو میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ مزاج میں نرمی ہے اور قلم میں سرگرمی ہے۔ آپ نے امام اہل سنت مجددِ دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے چند مخصوص کارناموں پر کئی مفصل کتابیں تالیف کی ہیں۔ اس وقت انہوں نے اپنی تازہ ترین تصنیف کا مبیضہ بنام 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' تقریظ کے لئے مجھے پیش کیا۔ عدیم الفرصتی کی بنا پر میں اس کے چند صفحات کی ورق گردانی کر کے سرسری نگاہ سے جائزہ لیا۔ کتاب کے اندازِ بیان میں ندرت اور لسانی چاشنی پیدا کرنے کے ساتھ آپ نے واقعات کی تفتیش وتحقیق کی پوری رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے گرداگرد کاموں کا ہجوم ہوتا۔ فتاوی نگاری، وہ بھی انتہائی تحقیقی قوی ترین دلائل سے مبرہن، تنقیح اقوال اور ترجیح وتصحیح سے مزین، نیز علمائے کرام کی بے مثال علمی وفکری تربیت، عامۃ الناس کی حاجت روائی ومشکل کشائی، تجدیدی کارناموں کی کثرت اور اوراد ووظائف کے معمولات وغیرہ روزانہ کے مشاغل تھے۔

ان حالات میں اعلیٰ حضرت کے لئے سفر کی گنجائش نکالنا دشوار گذار مرحلہ تھا۔ اس کے باوجود جب کوئی اہم ترین دینی ضرورت درپیش ہوتی یا اپنے پاکیزہ مشن کی کسی بڑی

کانفرنس میں شرکت ناگزیر ہوتی، تو سفر کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے جھیلتے۔ پھر سفر میں بھی اپنے معمولاتِ حضر کی جلوہ سامانیوں کو متاثر نہ ہونے دیتے۔ اسی قسم کے چند اہم سفروں کا نام ہے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت'۔ مولانا موصوف نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ان تمام اسفار پر تحقیق وتفتیش کی ہے۔ جو ہندوستان کے مختلف بلاد کی طرف واقع ہوئے یا وہ سفرِ مقدس، جو زیارتِ حرمین طیبین کے لئے دشوار گذار پر خطر بحری و بری راہوں کی جادہ پیمائی سے حاصل ہوئے۔

اعلیٰ حضرت علم وحکمت اور زہد وتقوی کا پیکرِ کامل تھے۔ آپ جہاں بھی ہوتے، پرچمِ حق کی سر بلندی اور افکارِ باطل کی بیخ کنی کا ظہور ہوتا۔ آپ سے کشف وکرامات کا بھی صدور ہوتا۔ عوام تو عوام، اکابر علما و مشائخ بھی اعلیٰ حضرت کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے۔ حرمین شریفین کے علما، لاینحل مسائل کا حل اعلیٰ حضرت سے حاصل کرتے۔ '**الدولة المكية**' اور '**كفل الفقيه الفاهم**' جیسی بے مثال دلائل سے مزین کتابیں اکابر علمائے حرمین طیبین کے استفسار پر چند ساعات میں قلم بند فرمائیں۔ اسی لئے ان مشائخ نے اعلیٰ حضرت کو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کی کسوٹی قرار دیا۔ مزید معلومات کے لئے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' کی ورق گردانی کیجیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں مولانا غلام جابر شمس کو راہِ حق پر قائم رکھے اور زورِ بیان میں برکت دے۔ آمین بجاہِ حبیبہ الکریم

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

وارد حال بمبئی

۱۲/صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

۷/دسمبر ۲۰۱۴ء

☆......☆......☆



قابلِ قدر تاریخی کارنامہ

مناظرِ اہلِ سنت مرشدِ طریقت

حضرت مفتی محمد عبدالمنان کلیمی صاحب قبلہ

مفتی شہر مرادآباد، یوپی

علم وادب، فکروفن اور تاریخ وثقافت کے تعلق سے معلوماتی سفر وسیاحت اور دعوتی صحرانوردی وخاک پیمائی کی زبردست اہمیت وحیثیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اوراحادیثِ کریمہ سے لے کر تاریخِ اقوامِ عالم میں بے شمار واقعات وحکایات، مشاہدات وتجربات اوران کے اثرات و نتائج اس امر پر شاہد عدل ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے زیرنظر کتاب 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' کی تلاش و جستجو، تحقیق وتفتیش اور جمع وترتیب دے کر شائع کرنا، حلقۂ علم وادب اور خصوصاً جماعتِ اہلِ سنت کے لئے بہت بڑا علمی وادبی، تاریخی وتحقیقی اور دینی وجماعتی قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ سیدنا امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سفر وحضر، تصنیف وتالیف، تحقیق وتدقیق، فقہ وافتا، شعروادب اوردعوت وتبلیغ پر محیط پوری زندگی جماعت اہلِ سنت کا عظیم الشان اور رفیع المکان سرمایہ ہے۔ اس سراپا سعادت زندگی کا ایک اہم علمی وتبلیغی حصہ ان کے اسفار بھی ہیں۔

اس دنیائے فانی میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کا سفر اور سیر وسیاحت خالص لہوو لعب اور بے معنی وغیر مفید مشاغل ومصروفیات پر منحصر ہوتا ہے۔ لیکن انبیا وصحابہ، علما وصلحا، مصلحین و مبلغین اور اربابِ فکر ودانش کے اسفار کبھی بے معنی وفضول نہیں ہوتے، بلکہ وہ دین ومذہب، قوم وملت اور سماج ومعاشرہ کے لئے خیر وبرکت، فوز وفلاح اور نجات واصلاح کے سامان وسبب ہوتے ہیں اوران کے سفر نامے آنے والی نسل کے لئے سرمایۂ حیات ہوتے ہیں۔ زیر مطالعہ کتاب 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' جماعتِ اہلِ نست اور جہانِ فکر وتحقیق کے نامور فرزند فاضلِ گرامی امیر القلم محققِ عصر ماہر رضویات حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب پورنوی زید علمہ وحبہ کے تتبع وتلاش اور تحقیق وجستجو کا وہ اہم اور قابل قدر شاہکار ہے، جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے، کم ہے۔ کیوں کہ

فاضل مصنف گرامی نے اپنی اس کتاب میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے اسفارِ مبارکہ کو صرف سفر و سیاحت اور رودادِ سفر کے طور پر مرتب و مدون نہیں کیا ہے، بلکہ آپ کے ان تجدیدی کارناموں، اصلاحی و تبلیغی مساعی، اور فکری و نظری تحقیق و اجتہاد کو، جو امام علام موصوف کا طرۂ امتیاز و اختصاص ہے، اسے پیشِ نظر رکھ کر کتاب مذکور کی ترتیب و تالیف کی ہے۔ یہی اس کتاب کا مرکزی نقطہ و خیال بھی ہے۔

گرامی قدر امیر القلم ڈاکٹر موصوف رازآشنائے علم و تحقیق بھی ہیں اور خصوصاً رضویات پر بہت ہی گہری نظر بھی رکھتے ہیں۔ اپنے علمی و ادبی اور تحقیقی و تصنیفی وقیع و عظیم کارناموں کی بنیاد پر ہند و پاک کے علما و مشائخ میں نہایت قدر و محبت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اتنے کاموں کے بعد بھی ان کے پاس مخطوطات و نوادرات کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اسے بہر صورت باہر آنا چاہیے۔ اس کے لئے بھلے ٹیم ورک کرنا پڑے۔

اس عظیم و اہم کتاب کی تصنیف و تحقیق اور طباعت و اشاعت پر مصنف و ناشر شمس ملت امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب قبلہ پوری جماعت اہلِ سنت کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ وھو المعین والمستعان وعلیہ التکلان

فقیر ابو الضیا محمد عبد المنان الکلیمی المصباحی عفی عنہ

مفتیٔ شہر مرادآباد و صدر مجلس علمائے ہند و منیجینگ ٹرسٹی

علامہ فضل حق ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، بہار، ۴ر دسمبر ۲۰۱۴ء





رضویات کا ایک اہم تاریخی گوشہ

برصغیر پاک و ہند کے مستند ناقد و محقق
پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی
سابق صدر شعبۂ اردو یونیورسیٹی آف مظفر پور

رضویات کے ایک اہم شارح اور مفسر کی حیثیت سے ڈاکٹر غلام جابر شمس کا نام علمی و ادبی حلقوں میں اب محتاجِ تعارف نہیں رہا۔ وہ جس ذوق و شوق، حوصلہ مندی و اولوالعزمی اور اخلاصِ نیت کے ساتھ امام احمد رضا کی عبقری شخصیت اور ان کے متنوع کارناموں کو انفس و آفاق میں متعارف کرا رہے ہیں، وہ انتہائی قابلِ قدر اور لائقِ صد مبارک باد ہے۔ ان کاموں کی قدر و قیمت اور اہمیت و افادیت کا برملا اعتراف اربابِ علم و تحقیق اور اصحاب قلب و نظر تو کر ہی رہے ہیں، عالمِ بالا کے ساکنین اور روح القدس بھی کر رہے ہوں گے۔

ہندوستان میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ولدِ اعز و اسعد، جانِ پدر و جان برابر ملک العلما حضرت شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ نے 'رضویات' کی مضبوط و مستحکم جو بنیاد رکھی اور پاکستان میں سعادتِ لوح و قلم، محقق و ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ نے رضویات کو جو ترفع و توسع عطا کرنے میں مثالی کارنامے انجام دیئے ہیں، انہیں حضرات کے نقشِ قدم پر چل کر یا انہیں سے اثر پذیر ہو کر اکیسویں صدی کے ہندو پاک میں ڈاکٹر غلام جابر رضویات کے تعلق سے نئے نئے زاویئے اور گوشے ڈھونڈنے، سجانے سنوارنے اور تحقیق و طباعت کے جاں گداز مراحل سے گذارنے میں، جس غیر معمولی دلچسپی، انہماک اور ارتکاز سے کام لے رہے ہیں۔ اس کا بین ثبوت پھر یہ پیشِ نظر کتاب 'سفرنامۂ اعلیٰ حضرت' ہے۔

حضرت سیدنا امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیاتِ مبارکہ کا یہ اہم ترین علمی و تحقیقی گوشہ عام نگاہوں سے یقیناً اوجھل تھا۔ امام علام اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے غایت درجہ علمی

اشتغال اور ہجومِ افکار کے باوجود، دین وسنیت اور علم وفن کے فروغ واشاعت کی خاطر مارہرہ، مطہرہ، بدایوں، پیلی بھیت، گنج مرادآباد، رام پور، مرادآباد، کان پور، لکھنؤ، کلکتہ، عظیم آباد پٹنہ، آرہ، جبل پور، بمبئی، اجمیر شریف، دہلی، احمد آباد اور حرمین طیبین وغیرہ کے اسفار فرمائے، جن کی کہیں مختصر اور کہیں قدرے مفصل روئیداد تو ضرور ملتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر غلام جابر کا کارنامہ یہ ہے کہ ان بکھرے ہوئے قیمتی مواد کو یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کرنے کی اولین سعادت حاصل کی ہے۔ جس کے لئے وہ تمام اہلِ سنت کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے ان اسفار واحوال کو بلا تکلف علوم ومعارف اور معلومات واکتشافات کا خزانۂ عامرہ کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس نے ان اسفارِ مبارکہ، اور احوال وکوائفِ مقدسہ کی ہنر مندانہ ترتیب وتہذیب اور توضیح وتشریح میں، جس محنت وجاں سوزی اور جگر کاوی سے کام لیا ہے، اس کا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی دے گا اور اس کی صحیح داد تو خود امام احمد رضا قادری قدس سرہ ہی دے سکتے ہیں۔ مصنفِ کتاب کو کسی اور سے اس کی تمنا اور توقع ہے بھی نہیں۔ خدا کرے، نگاہِ امام [سیدی اعلیٰ حضرت] میں مصنف کی یہ خدمت مقبول وسرخرو ہو۔ مولیٰ تعالیٰ عزیز گرامی ڈاکٹر غلام جابر شمس کے علم وعمل اور عمر ورزق میں برکتیں عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

خیر اندیش
فاروق احمد صدیقی

☆......☆......☆



اپنی نوعیت کا پہلا مفرد کام

مرشدِ طریقت وشیخ الحدیث وقاضیٔ شہر رام پور
حضرت علامہ مفتی سید شاہ شاہد علی حسنی نوری جمالی
خانقاہِ عالیہ نوریہ جمالیہ، لال مسجد رام پور، یوپی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین ۵** (پ ۷، انعام، آیت ۱۱) تم فرمادو! زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا (کنزالایمان)۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''**السفر قطعة من العذاب یمنع أحدکم طعامه وشرابه ونومه فاذا قضیٰ أحدکم نهمته من وجهه فلیعجل الی أهله**''۔ (بخاری، **باب اَاسفر قطعة من العذاب**، رقم الحدیث: ۱۶۸۸، مسند احمد: ۲۲۴۷، موطا امام مالک: ۱۷۶۸، مسلم: ۱۹۲۷، ابن ماجہ: ۲۸۸۲، ، نسائی: ۸۷۸۳، طبرانی معجم اوسط: ۷۶۳)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر عذاب کا ٹکڑا ہے جو تم میں سے کسی کو کھانے، پینے اور نیند کرنے سے روک دیتا ہے۔ جب کوئی اپنی حاجت پوری کرلے تو اپنے گھر جلدی لوٹ جائے۔

علامہ غلام رسول رضوی شارح بخاری اس حدیث کی تشریح میں رقم طراز ہیں کہ:

اس باب سے پہلے سات بابوں میں سفر کا ذکر ہے اور سفر

مشقت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے مناسب یہ تھا کہ سفر کا حال بیان کیا جائے اس لئے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس لئے بلاضرورت گھر سے باہر رہنا مکروہ ہے اور سفر میں ہوتو حاجت پوری ہوجانے کے بعد گھر کی طرف جلدی لوٹنا مستحب ہے۔خصوصاً گھر سے غائب ہونے کی صورت میں نقصان ہوتا ہوتو بلاوجہ سفر میں رہنا سخت مکروہ ہے اور گھر رہنے میں آرام ہوتا ہے۔جس سے دین ودنیا کے امورسرانجام دینے میں مددملتی ہے۔ نمازیں اور جمعہ باقاعدہ ادا کرسکتا ہے، جوشخص گھر میں رہے عرب اس کوامیر سے تشبیہ دیتے ہیں۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگرلوگوں کوسفر کی فضیلت معلوم ہوجائے تو وہ سفر میں ہی رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مسافر پرایک دن میں دومرتبہ نظرِ کرم فرماتا ہے۔نیز ابن عباس اورابن عمررضی اللہ عنہم سے مرفوع روایت ہے کہ ''سفرکروغنیمت پاؤگے۔''ایک روایت میں ہے ''سفرکروتمہیں رزق دیاجائے گا''۔ایک روایت میں ہے کہ ''سفرکروصحت یاب ہوگے''۔مذکورہ احادیث باب کی حدیث کی مخالف ہیں اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ کی حدیث غریب ہے۔اس کی کوئی اصل نہیں اورابن عباس اورابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث باب کے مخالف نہیں۔ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا سفر میں چلنا، پھرنا پڑتا ہے اوراس میں جسم کی ریاضت ہے۔اس کو یہ لازم نہیں کہ سفرعذاب کا ٹکڑا نہ ہوجبکہ اس میں مشقت پائی جاتی ہے۔یہ تو کڑوی دوا کی طرح ہے جس سے مریض صحت یاب ہوجاتا ہے۔اسی طرح سفرعذاب کاٹکڑا ہے اوراس سے صحت بھی ہوجاتی ہے۔لہٰذا یہ حدیثیں باب کی حدیث کے مخالف نہیں۔واللہ ورسولہ اعلم

(غلام رسول رضوی، علامہ، تفہیم البخاری شرح صحیح البخاری، ج۳، ص۱۱۰-۱۱۱، مطبوعہ

پور بندر گجرات۔)

''تفسیر'' جس کا مادہ ''فسر'' ہے۔فسر کے معنی کشف معانی کے آتے ہیں۔معانی کو کھولنا، بیان کرنا، اس کی توضیح وتشریح کرنا اور''سفر''،''فسر'' کا مقلوب ہے جس کے معنی کشف احوال ہے۔سفر کرنے سے ایک طرف ملکوں شہروں،قصبات،اور گاؤں دیہات کے احوال کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہاں کی تہذیب، تمدن، زبان و بیان اور کلچر کا علم ہوتا ہے۔ وہاں کی تاریخ اور معاملات کا پتہ چلتا ہے وہیں دوسری طرف اگر چہ دنیا بھر میں ہر ملک کے حکمرانوں نے سفر بہت آسان کر دیا ہے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کر دی ہیں مگر اس کے باوجود دوران سفر خطرناک خار دار وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔نشیب وفراز کی مشقتیں جھیلنا پڑتی ہیں۔مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بے آرامی، بے خوابی،شب وروز کے معمولات کی بد نظمی،فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کی ادائیگی میں غیر معمولی خلل برداشت کرنا پڑتا ہے۔مزاج،طبیعت اور عادت و معمول کے خلاف آب وہوا اور غذا کا ناموافق ہونا اس پر مستزاد ہے ان سب اذیتوں سے صحیح معنی میں وہ ہی آشنا ہوتا ہے جو شب وروز سفر در سفر رہتا ہے۔اسی کی طرف مذکور بالا حدیث میں ارشاد ہے کہ سفر عذاب کا ایک حصہ ہے یعنی اس میں تکلیف اور مشقتیں بہت ہیں۔

سفر لغوی: **السَّفْر**: سین کے فتحہ اور فاء کے سکون کے ساتھ ''**کشف الغطا**'' پردہ ہٹانے کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے سر سے عمامہ ہٹانا، چہرہ سے دوپٹہ ہٹانا، اور ''**أسفر عن الشی**'' کے معنی ''کشف وایضاح'' کے آتے ہیں۔

السِّفْر: سین کے کسرہ اور فاء کے سکون کے ساتھ، وہ کتاب جس سے حقائق کا کشف و ایضاح ہو اور ترکیب اصلی کے اعتبار سے یہ ''ظہور وانکشاف'' پر دلالت کرتا ہے۔

السَّفَر: سین وفا کے فتحہ کے ساتھ، نقل مکانی کے لئے نکلنے اور قطع مسافت کے آتے ہیں۔

سفر شرعی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''**واذا ضربتم فی الأرض**'' جب تم زمین میں سفر کرو۔ یہاں وہ سفر مراد ہے جو بستی سے باہر تین دن کی راہ تک جانے کے ارادہ سے ہو۔اور اس سفر کے لئے ضروری ہے کہ جہاں سے چلا وہاں سے تین دن کی راہ کا ارادہ ہو اور اگر دو دن کی راہ کے ارادہ سے نکلا وہاں پہنچ کر دوسری جگہ کا ارادہ ہوا کہ وہ بھی تین دن سے کم کا

راستہ ہے، یونہیں ساری دنیا گھوم آئے مسافر نہیں۔
(بہار شریعت: ج ۱ ص ۷۴۰، ۷۴۳، حصہ چہارم، تخریج شدہ، مکتبۃ المدینۃ)
سفر حقیقت: سفر اہل حقیقت کے نزدیک ''سیر القلب'' کا نام ہے۔ یعنی جب توجہ حق تعالیٰ کی جانب ہو اس وقت ذکرِ حق تعالیٰ میں دل کی سیر کا نام ''سفر'' ہے۔ اور اس ''سفر'' کے چار مراتب ہیں۔

السفر الأول: هو رفع حجب الكثرة عن وجه الوحدة و ''هو السير الى الله من منازل النفس بازالة التعشق من المظاهر و الأغيار الى أن يصل العبد الى الأفق'' وهو ''نهاية مقام القلب''۔

السفر الثانى: وهو رفع حجاب الوحدة عن وجوه الكثرة العلمية الباطنية و هو السير فى الله بالاتصاف بصفاته و التحقق بأسمائه و ''هو السير فى الحق بالحق الى الأفق الأعلىٰ'' وهو ''نهاية حضرة الواحدية'' **السفر الثالث**: هو زوال التقييد بالضدين الظاهر و الباطن بالحصول فى أحدية عين الجمع و '' هو الترقى الى عين الجمع و الحضرة الأحدية '' وهو مقام ''قاب قوسين'' وما بقيت الاثنينة فاذا ارتفعت فهو مقام أو أدنى وهو نهاية الولاية۔

السفر الرابع: عند الرجوع عن الحق الى الخلق فى مقام الاستقامة وهو أحدية الجمع و الفرق بشهود اندراج الحق فى الخلق و اضمحلال الخلق فى الحق حتى يرى عين الوحدة فى صورة الكثرة و صورة الكثرة فى عين الوحدة و'' هو السير بالله عن الله للتكميل'' و هو '' مقام البقاء بعد الفناء'' و الفرق بعد الجمع۔ (التوقيف على مهمات التعاريف للمناوى: باب السين، ج ۱، ص ۱۵۷)

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی قدس سرہٗ عالم اسلام کی وہ یگانہ روزگار وحید العصر، فرید الدہر شخصیت ہے جو ہشت پہلو ہیرے کی مانند ہے جس کی حیات کا ہر گوشہ روشن و تابناک ہے۔ جس جہت سے اسے دیکھا جائے وہ بے مثال ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی بیک وقت عالم و فاضل بھی ہیں، مدرس و معلم بھی، فقیہ و مفتی بھی ہیں، مفسر و محدث بھی، مرشد و مربی بھی، مناظر و متکلم بھی، واعظ و مبلغ بھی، مصنف و مؤلف بھی، محقق و محشی بھی، ادیب و شاعر بھی، فصیح و بلیغ بھی، صوفی و صافی بھی، عابد و زاہد بھی، قانع و متوکل بھی، صابر و شاکر بھی، مخلص و مومن کامل بھی اور عاشق صادق بھی ہیں۔ آپ کی مصروفیات کا یہ عالم کہ خود فرماتے ہیں کہ: ''اب تو اپنے مدرسہ میں بھی قدم رکھنے کی فرصت نہیں''۔

یہ بات ۱۳۳۰ھ کی ہے۔ پھر عرب و عجم کے مختلف مقامات کا طول وطویل سفر یہ کب، کیسے اور کیوں کر ہوتا تھا۔ یہ نہایت تعجب خیز ہے۔ غم والم، فرحت و سرور، عیادت و مزاج پرسی حتی کہ عقیقہ و شادی کی محافل میں شرکت کے لئے سفر، دلجوئی اور دلنوازی کے لئے عقوبت سفر کا برداشت کرنا یہ صرف ایک مرد مجاہد اور مومن کامل ہی کا کام ہے۔

''سفر نامۂ اعلیٰ حضرت'' جو اپنی نوعیت کا پہلا منفرد کام ہے۔ اس میں کیا ہے؟ کیا نہیں ہے؟۔ وقت سے پہلے کچھ کہنا فقیر نوری کے لئے قدرے دشوار ہے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ مصنفِ موصوف کی تالیف ''کلیات مکاتیب رضا'' اور ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' اور دیگر کتب و مقالات سے جس طرح درس رضا، فکر رضا، عشق رضا، تحریک رضا اور عمل رضا کے نئے ابواب اور عنوانات کام کرنے والوں کے لئے قائم ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کتاب سے بھی اک نئی صبح نمودار ہوگی، جس کی روشنی آفاق میں پھیلے گی اور ارباب علم و دانش کے لئے تحقیقی راہیں کھلیں گی، کام آسان ہوگا، جستجو اور تلاش آسان ہوگی اور اصحاب فکر و فن اور قرطاس و قلم کے شہسوار اس کے تیکھے نقوش' خط و خال، زلف و رخ کو ایک نئی آب و تاب سے زیر بحث لائیں گے۔ چونکہ یہ کتاب موضوعاتی اعتبار سے ایک علمی، ادبی، تاریخی دستاویزی مرقع ہے۔ قارئین کرام کو نئی راہ، نئے آفاق سے آشنا کرے گی۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے زندگی کی ابھی چوالیس بہاریں دیکھی ہیں، ابھی بہت کچھ دیکھنا باقی ہے مگر پھر بھی ۴۴ سال کی عمر میں اتنا کچھ پڑھ لیا اور لکھ لیا ہے کہ اب وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی حیات کے قیمتی لمحات سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ اپنے وقت اور مال و دولت کو ضائع کرنے والے مسلمانوں کے لئے شمس مصباحی کی زندگی ایک نمونہ ہے۔

موصوف نے بہت قلیل وقت میں کم خرچ پر بہت کچھ حاصل کیا جو انشاء اللہ تعالیٰ موصوف کیلئے صدقہ جاریہ رہے گا۔ شمس مصباحی کی قلمی خدمات کا آغاز ۱۹۹۳ء سے ہوا تھا اور تا حال اسی آب و تاب کے ساتھ تیز روی سے جاری ہے۔ ایک درجن سے زائد کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ارباب علم و دانش سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ دو درجن کے قریب تحقیقی مسودات و مبیضات بالکل فائنل شکل میں تشنۂ طباعت رہ کر الماری کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ اہل ثروت اور علم دوست حضرات کو دعوت طباعت واشاعت دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر شمس مصباحی نے علوم و فنون اور ادبیات کے مختلف شعبہ جات میں تحریر کے جوہر دکھائے ہیں۔ مگر بنیادی طور پر وہ تحقیق کی دنیا کے شہسوار ہیں یہی ان کا فطری مزاج اور مذاق بھی ہے اسی میں وہ دن ورات لگے رہتے ہیں۔ ہمارے اس دعوے کی صداقت پیش نظر کتاب ''سفر نامۂ اعلیٰ حضرت'' سے ظاہر و باہر ہے۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب فاضل درس نظامی ''جامعہ اشرفیہ مبارکپور'' و ''جامعہ منظر اسلام بریلی شریف''، عالم مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ، منشی، کامل عربی فارسی بورڈ الہٰ باد، ایم۔ اے مگدھ یونیورسٹی گیا بہار سے ہونے کے ساتھ بہار یونیورسٹی مظفر پور سے پی۔ ایچ۔ ڈی بھی ہیں۔ موصوف کا پسندیدہ اور محبوب مشغلہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، اشاعت و طباعت اور دعوت و تبلیغ ہے۔ تصنع و بناوٹ اور ریا کاری و دکھاوے سے پاک وسادہ بے ریا زندگی، خوش اخلاقی، خوش مزاجی، تواضع و ملنساری، عاجزی و انکساری، نفاست و نظافت، لطافت و حلاوت، دینی حمیت و حرارت اور عالمانہ وقار و تمکنت، جاہ و حشمت کے اجزائے ترکیبی سے جو پیکر جمیل اور عکس لطیف تیار ہوا۔ اسی کا نام ''غلام جابر شمس مصباحی'' ہے۔

میرے ان سے دیرینہ روابط اور روحانی رشتے ہیں، مخزن برکات مارہرہ مطہرہ اور مرکز علم و عرفان بریلی شریف کے اعراس مقدسہ کی محافل مبارکہ میں خصوصاً اور دیگر اسفار میں عموماً ملاقاتوں میں علمی و تحقیقی مسائل پر تبادلہ خیال کا موقع بارہا میسر آیا مگر خصوصی طور پر صرف بغرض ملاقات اور رضا لائبریری رامپور کے ذخیرے سے استفادہ کے لئے موصوف متعدد بار فقیر نوری کے یہاں خانقاہ نوریہ لال مسجد رامپور تشریف لائے اور کئی کئی روز قیام رہا۔ قیام کے دوران پنج

وقتہ نمازوں کی پابندی اور معمولات کا التزام دیکھ کر میرے لئے یہ فیصلہ دشوار ہے کہ ان کا ظاہر زیادہ روشن ہے یا باطن۔ مجھے دونوں میں یکسانیت نظر آئی۔

محب گرامی وقار مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی محققین علمائے اہل سنت کی نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ سوچنے والے ذہن، محسوس کرنے والے دل اور محنت کرنے والے ہاتھوں کے مالک ہیں۔ وہ اس وقت ایک چڑھتے سورج کے مانند ہیں۔ ان کی تحقیقات علمیہ انھیں معاصرین میں ممتاز و منفرد کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ عطائے کریم اور فضل رب جلیل ہے۔

موصوف اگر فارغ البال اور خوش حال ہو کر کامل توجہ کے ساتھ قلم وقرطاس سنبھالیں، تو ان کی نثر اک جداگانہ طرز اور منفرد اسلوب اختیار کرسکتی ہے۔ ہماری نئی نسل کے علماء میں ٹھوس علمی تحقیقی کام کرنے والے اچھے نثر نگار اور قلم کاروں کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر شمس مصباحی اچھے نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ پختہ قلم کار بھی ہیں، رضویات پر عقابی نگاہ رکھنے والے بھی۔ کہاں کہاں سے موتی چن کر خوبصورت ہار تیار کرلیتے ہیں اور کس کس گلشن سے پھول چن کر مہکتے گلدستے تیار کرتے ہیں۔ اور اس راہ میں انہیں کن خارداروادیوں اور صبر آزما ماحول سے گزرنا پڑتا ہے یہ سب کچھ وہ ہی خوب جانتے ہیں۔ اس پرخطر راستے میں پھولوں سے زیادہ کانٹوں سے پیار کرنا پڑتا ہے۔ چمن کا مالی بن جانا آسان کام نہیں دل گردے کا کام ہے۔ مگر چمن ایسے ہی لوگوں سے پھلتا پھولتا ہے۔ ؂

چمن کے مالی اگر بنالیں، چمن کے موافق شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن کی روٹھی بہار اب بھی

اس میدان کے جو شہسوار نہیں ہوتے، وہ اس کے دردوکرب کی لذت کے آشنا بھی نہیں ہوتے، مختصر لفظوں میں اگر یوں کہہ دیا جائے کہ موجودہ دور میں مذہب ومسلک کے لئے کام کرنے والوں میں اسلاف واکابر کی سیرت وسوانح اور تذکرہ نگاری میں موصوف کام کرنے کی ایک مشین نظر آتے ہیں۔ تو بے جا نہ ہوگا۔

فقیر نوریؔ دل کی گہرائیوں سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بوسیلۂ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم وبتصدق سیدنا وسندنا غوث وخواجہ وبرکات وجمال ورضا وحامد ومصطفیٰ علیہم الرحمۃ والرضوان

علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی علمی، تحقیقی صلاحیتیں، فکری اور قلمی طاقتیں کسی منصوبہ بند مقصد کو حاصل کرنے میں منظم طور پر صرف ہونے لگیں۔ تاکہ وہ قوم وملت اور مذہب اہل سنت وجماعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے لئے زیادہ سے زیادہ فیض بار اور فیض رساں ثابت ہوں۔ آمین

(فقیر نوری سید شاہد علی حسنی رضوی جمالی کریمی)

قاضی شرع ومفتی اعظم ضلع رامپور

ناظم اعلیٰ وشیخ الحدیث مرکزی درسگاہ اہل سنت الجامعۃ الاسلامیہ رامپور۔

Mob.:9837171808,9720152786

یادِ رضا کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں

ڈاکٹر مفتی محمد ارشاد احمد ساحلؔ سہسرامی [علیگ]

'سفر وسیلۂ ظفر' کہا جاتا ہے۔قرآن حکیم میں بھی اس کی ہدایت ملتی ہے: **'قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق ثم اللہ ینشئ النشأۃ الآخرۃ ان اللہ علی کل شئی قدیر'** [العنکبوت:۲۰] تم فرماؤ، زمین میں سفر کر کے دیکھو، اللہ کیوں کر پہلے بناتا ہے۔ پھر اللہ دوسری اٹھان اٹھاتا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔[کنز الایمان] آیات الٰہی کے مشاہدے کے لیے سفر بندگان خدا کا وظیفہ رہا ہے۔جس سے جذبۂ ایمان کو توانائی اور روح کو تازگی ملا کرتی ہے۔لیکن جو شخصیات، خود آیاتِ الٰہیہ میں شمار ہوتی ہیں، ان کے سفر سے ایک جہان ایمان کی بہاریں لوٹتا ہے اور اپنے قلب و روح کی بالیدگی کا سامان کرتا ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا شمار انہیں شخصیات میں ہوتا ہے۔

عاشق ماہ رسالت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، قطب الارشاد، نائب غوث اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تبارک وتعالی عنہ کی ذات گرامی ایمان کی ساری توانائیاں رکھتی تھی۔اقبال کے لفظوں میں ان کے مردِ مومن کے احاطۂ ہستی میں سارا جہان گم تھا: مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق'۔اس لیے سفر ہو حضر، ہر جگہ آپ کی مبارک فیض و کرم کا سر چشمۂ سیال تھی۔آپ جدھر سے گذرے، ایمان کی بہاریں دے گئے۔اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جہان مصروفیت تھے۔ان کے پاس کام کا تناسب، وقت کے تناسب سے بہت زیادہ تھا۔اسی لیے کہ آپ تنہا ایک انجمن، بلکہ ایک صدی کا کام کر گئے۔آپ کو فراغ کہاں تھا کہ سفر کے لیے وقت نکالتے۔ترجمۂ قرآن کی سعادت تو قیلولے کے وقفے کی مدت میں حاصل ہوئی۔آپ اپنے شہر مقدس بریلی میں بہت کم کہیں تشریف لے جاتے۔ہاں! غریب کی دعوت بطیب خاطر قبول فرماتے۔

سفر کئی طرح کے ہوتے ہیں۔تجارتی، تعلیمی، تفتیشی، تفریحی، جنگی، مذہبی، دعوتی اور

فکری، ان میں ہر قسم کا سفر ایک الگ قسم کی شناخت اور خصوصیات رکھتا ہے۔ ہر ایک کے الگ مقاصد، اسباب اور نتائج ہوتے ہیں۔ ان میں ایک عارف اور عالم کا سفر خالص للّٰہی اور مذہبی ہونا چاہیے۔ اس نقطۂ نظر کی تکمیل امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے سفر سے بخوبی ہوتی ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے مبارک اسفار کے تین قسم ملتے ہیں۔ [۱] برائے زیارت حرمین شریفین، [۲] برائے مذہبی امور، [۳] احباب کے شدید اصرار پر برائے تبدیلئ آب و ہوا کی خاطر۔ لیکن سفر جس قسم کا بھی ہو، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہر لحہ دین مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کی خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ایک سرسری مطالعے کے بعد سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے مبارک اسفار کی جو خصوصیات اس ناچیز کے ذہن میں آتی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

☆ ہر سفر میں فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کی پوری پابندی ملتی ہے، جو خاصان خدا کا حصہ ہوتا ہے۔ نماز باجماعت کا اہتمام، نماز کے لیے ٹرین وغیرہ کا چھوڑ دینا، اس کی واضح دلیل ہے۔

☆ شریعت کے احکام پر پوری استقامت کے ساتھ پابندی اور دوسروں کو اس کی تلقین، آپ کے ہر سفر کا خاصہ رہا۔ سفر حج میں خواتین خانہ گھنٹوں دھوپ میں لیے کھڑے رہنا، صرف اس لیے کہ نامحرموں سے الگ تھلگ رہ کر باہر نکلیں، بہت بڑی استقامت فی الدین کی مثال ہے۔ جس کا اندازہ صرف اس حالت میں گرفتار لوگوں کو ہی ہوسکتا ہے۔

☆ ہر سفر میں آپ کے خاص مشاغل، یعنی افتا، تصنیف اور رد بد مذہباں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سفر حرمین طیبین اور دیگر اسفار میں رقم ہونے والی تصانیف اس کی بہترین شاہد ہیں۔

☆ سفر میں بھی آپ کے اوراد حسب سابق جاری رہے۔ بلکہ اس میں اضافہ ہی رہا۔

☆ بیعت وارشاد، تلقین شریعت اور اجازات اسانید وسلاسل کا سلسلہ بھی جاری رہا، بلکہ ان مشاغل دینی میں ان اسفار بالخصوص سفر حرمین طیبین میں کثرت سے اضافہ رہا۔

☆ ہر سفر میں کثرت سے لوگ بد مذہبی اور گناہوں سے تائب ہوئے اور متعدد افراد صرف آپ کی زیارت باسعادت کی برکت سے مشرف باسلام ہوئے، یہ بھی آپ کا اور آپ کے خانوادۂ کریمہ کا ایک خاص شرف ہے، جو بارگاہ الٰہی سے ارزاں ہوا۔

☆ ہر جگہ بے مثل و بے مثال مقبولیت اور اعزاز واکرام سے نوازا گیا اور اس اعزاز وتکریم میں صفر عوام یا عامۂ علما نہیں، بلکہ اجلۂ علما ومشائخ کی صفیں نظر آتی ہیں۔ اس کی تفصیل کے لیے خاص طور

سے سفر حرمین طیبین کا گوشہ ملاحظہ کیجیے۔ یہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ قدس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کی خاص مقبولیت کی دلیل ہے۔

☆ ہمارے مشائخ قادریہ رضویہ رضی اللہ تعالی اجمعین کے یہاں کرامات کا اظہار کم کم ہوتا ہے ۔یہاں اخفائے حال کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جو دنیائے طریقت میں عظیمت کی راہ کہی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ قادریہ رضویہ سے کرامات کا صدور بھی ہوتا رہا ہے ۔قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے اسفار میں خاصان خدا سے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی رہا۔ رجال غیب کی آمد آمد رہی اور بہت سی کرامتوں کا صدور بھی ہوا۔

☆ سفر اور احباب کی محفلوں میں عموما احتیاط جاتی رہتی ہے اور بہت سے خواص سے بھی قہقہہ اور بذلہ سنجی میں احتیاط کی حدیں چھوٹ جاتی ہیں ۔لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ سے اس عالم میں بھی کبھی یہ حدیں ہاتھ سے نہ گئیں۔ ہمیشہ مسنون طرز گفتگو ملحوظ رہا، یاوہ گوئی کا شائبہ بھی کہیں نہ دیکھا گیا۔ بظاہر یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کا لحاظ رکھنا توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

سفر نامے دو طرح کے ہوتے ہیں ۔[ا] روداد سفر خود صاحب سفر نے مرتب کی ہو۔ [۲] سفر کی تفصیل صاحب سفر کے کسی نیاز مند نے ترتیب دی ہو۔ اعلیٰ حضرت کا سفر نامہ، خود نوشت سفر ناموں کے ذیل میں نہیں آتا، بلکہ یہ دوسری صنف کا حصہ ہے۔ سفر ناموں کا ایک قدیم اور طویل سلسلہ ہے۔ سیاحت کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ یہ انسان کی سرشت ہے۔ ہمارے جد اعلیٰ سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ السلام نے بھی خوب سیاحت فرمائی۔ خود قرآن حکیم میں اس کی تلقین ملتی ہے۔ اس لیے سفر ناموں کا بھی ہر خطے، ہر قوم اور ہر زبان میں ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے۔ اردو زبان کی ولادت تو آٹھویں صدی ہجری میں ہو چکی تھی ۔لیکن با ضابطہ زبان کی شکل میں رواج اسے بارہویں صدی میں نصیب ہوا ہے۔ اردو سفر ناموں میں میری معلومات کی حد تک سب سے پہلا نام 'دید مغرب' کا آتا ہے۔ جسے خود صاحب سفر سید المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ عطا حسین فانی چشتی منعمی ابوالعلائی گیاوی قدس سرہ [م ۱۲۸۵ھ] نے تصنیف فرمایا۔ یہ سفر نامہ آپ نے اپنے سفر حج ۱۲۶۲ھ سے واپسی کے بعد تصنیف فرمایا۔ اس میں حضرت عطا نے اپنے سفر حرمین طیبین کی روداد بیان فرمائی ہے اور جس میں اپنے مشاہدات، تجربات، نوازشات اور حصول سعادت کی تفصیلات بیان فرمائی ہے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل پڑا۔ اب تو یہ صنف

ادب، اردو زبان میں بھی ایک مبسوط تحقیق کا موضوع ہے۔ جس پر کئی تحقیقی مقالے یونیورسٹیاں لکھوا چکی ہیں۔ لیکن آئے دن اس صنف ادب کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا جا تا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ سفر نامہ بھی اس صنف ادب میں ایک قابل قدر اور بافیض اضافہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان مبارک اسفار کی تفصیلات کو بہت خوبی کے ساتھ عالم رضویات حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس رضوی پورنوی صاحب زید مجدہ نے یکجا اور مدون کیا ہے۔ حضرت شمس اہل سنت کا سرمایہ اور جہانِ رضویت کا گنج گراں مایہ ہیں ۔ بہت خلوص اور یکسوئی کے ساتھ رضویات کی خدمت اور توسیع میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ یہ یادِ رضا کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس عاشق رسول قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افکار کریمانہ کو عام کرنے کے لیے خاص کر رکھا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ رضویت کے اس شجر سایہ دار کو سلامت رکھے اور ان کے فیوض دینیہ وعلمیہ کو عام وتام فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

ساحل شہسرامی [علیگ]
۲۸/اکتوبر ۲۰۱۵ء





اس کتاب کی ایک جھلک

از قلم: مرتب کتاب غلام جابر شمس، بمبئی

پہلا سفرِ حج

[ص: ۵۲ تا ۵۵]

☆والدین کریمین کی معیتِ مبارکہ، ☆مناسکِ حج کی ادائیگی ☆اکابر علمائے مکۂ مکرمہ، سید احمد دحلان[مفتی شافعیہ] شیخ عبدالرحمٰن سراج[مفتی حنفیہ] سے علوم وفنون کی سند☆امامِ شافعیہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے پیشانی میں اللہ کا نور پایا اور علوم اسلامیہ وسلاسل طریقت کی سند عطا فرمائی،☆ النیرة الوضیة فی شرح الجوهرة المضیة، کی تصنیف،☆میدانِ منیٰ کی مسجد میں مردِ غیب سے ملاقات،☆زمزم شریف سے قلبی رغبت اور اس کے فوائد☆میلاد کے موضوع پر ایک ہندی وہابی کے سوال کا جواب☆واپسی میں دریائی طوفان اور ارشادِ حدیث پر آپ کا یقینِ کامل وغیرہ وغیرہ۔



دوسرا سفرِ حج

[ص:۵۶ تا ۹۲]

☆بغیر کسی تیاری کے اچانک روانگی، ☆غیر متوقع طور پر والدۂ کریمہ کی اجازت، ☆وضو کا پانی رکھا رہا، جب تک واپسی نہ ہوئی، ☆بریلی سے روانگی، ☆راستے میں پریشانی اور سہولت، ☆بمبئی میں استقبال اور تمام تر سہولت، ☆آناً فاناً ٹکٹ کا مہیا ہونا، ☆بمبئی سے روانگی، ☆کامران میں دس دن قیام، ☆اور مسائلِ شرع کا بیان☆ترکی افسران کا حسنِ انتظام، ☆مزار مبارک کی زیارت، ☆مرض وعلالت، سرکارِ غوثیہ میں استغاثہ اور فوری افاقہ، ☆جدہ میں ورود، خواتین ساتھ، مرد و زن کا ازدہام، مردِ غیب کی آمد اور مدد، ☆جدہ میں بھی سخت علالت، بارگاہِ الٰہی میں دعا، بارگاہِ نبوی میں استغاثہ، مناسکِ حج ادا کرنے تک مکمل راحت و

آرام، ☆بعدِ حج کتب خانۂ حرم میں حاضری، علما وفقہا، سادات ومشائخ سے ملاقات وتعارف اور علمی مباحثے و مذاکرے، ☆ ہندی وہابیوں کی ریشہ دوانی، گورنر مکہ تک رسائی، قاضیٔ مکہ شیخ صالح کمال سے ملاقات، کامل دو گھنٹے دلائل سے لبریز علمِ غیب کے موضوع پر پر مغز تقریر، ☆ شاہ سلامۃ اللہ رام پوری کا رسالہ ’اعلام الاذکیا‘ پر سوال و جواب کی گونج، ☆ اعلیٰ حضرت سے شیخ صالح کمال کا شوقِ ملاقات، ☆ کتب خانۂ حرم کی سیڑھی پر ساتھ ساتھ، ☆ ’الدولۃ المکیۃ‘ کی تقریبِ تصنیف، قاضیٔ مکہ شیخ صالح کمال مکی کی فرمائش، اعلیٰ حضرت کی آمادگی، دو دن کا وقفہ، سخت بخار کی حالت، کتاب کی تصنیف اور حجۃ الاسلام کی تبییض، شیخ الخطبا شیخ احمد میر داد کی طلبی، اعلیٰ حضرت کی حاضری، علوم خمسہ بڑھانے کی فرمائش، اعلیٰ حضرت کی منظوری، اعجاز و اکرام کے ساتھ واپسی، ☆ ملکِ مغرب کے شیخ کبیر صاحبِ تصانیفِ کثیرہ علامۃ السید عبد الحیٔ کا اشتیاقِ ملاقات، ان کو مدینہ جانے کی جلدی، اعلیٰ حضرت کو کتاب کی تکمیل کی تعجیل، آخر تشریف لائے اور اجازتیں لکھوائیں، ☆ ’الدولۃ المکیۃ کی تکمیل، شیخ صالح کمال مکی کا کامل مطالعہ وکمالِ فرح، گورنر مکہ کے دربارِ عام پیش، وہابیہ کا اعتراض، قاضیٔ مکہ کی تنبیہ، پھر اعتراض، پھر تنبیہ، گورنرِ مکہ کا عتاب و پھٹکار، آدھی رات تک آدھی کتاب ختم، وہابیۂ نابکار پر اوس پڑ گئی، ساری تدبیر الٹی، مکہ کے نوجوان لڑکے وہابیہ کا مذاق اڑانے لگے، اب دھوم دھام سے تقریظیں لکھی جانے لگیں، وہابیہ کی شیطانی چال، شیخ احمد میر داد کو دھوکہ، فضیلۃ السید اسماعیل خلیل نے یہ چال بے کار کر دی، ☆ وہابیہ کا ایک اور وار، یہ وار بھی بے کار، سفید جھوٹ کا سہارا، خود احمد راتب پاشا نے پانسہ پلٹ دیا، ☆ ’الدولۃ المکیۃ‘ کے ساتھ ساتھ ’حسام الحرمین‘ پر بھی تقاریظ کا طویل سلسلہ، خلیل احمد انبیٹھوی سے قاضیٔ مکہ شیخ صالح کمال کا مکالمہ، ’تقدیس الوکیل‘ پر قدیم تقریظ میں زندیق لکھ چکے تھے، قاضیٔ مکہ کی سخت گرفت اور خلیل احمد انبیٹھوی مکہ سے فرار، قاضیٔ مکہ نے محافظِ کتب حرم فضیلۃ السید اسماعیل خلیل کو خط لکھا اور خلیل احمد کے فرار ہونے کی اطلاع دی، ☆ قاضیٔ مکہ کا عربی خط اور اس کا اردو ترجمہ، ☆ علما و مشائخ مکہ کی دعوتیں اور ضیافتیں، مقامی و آفاقی ملاقاتیوں کا ہجوم، علالت وعلاج کا ماحول، سید اسماعیل کو اشعار کا ہدیہ اور ان کا سرور واشتیاق، ☆ شیخ الدلائل علامہ عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی کی جلالتِ شان اور علمی مقام، ☆ مفتیٔ حنفیہ مکۂ مکرمہ شیخ عبد اللہ

بن صدیق کے ملے کی کیفیت، رسالہ 'کفل الفقیہہ' کی تصنیف و تبییض، شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی کا استعجاب وانبساط، شدید علالت ومرض اور ہندی وترکی ڈاکٹروں کا علاج، زمزم شریف کی خوبیاں، باسی پانی پینے کی حکیم وزیرعلی کی ممانعت، تین مہینے قیامِ مکہ میں چار من زمزم شریف کا استعمال، ☆ سید اسماعیل خلیل مکی کی بریلی آمد، زمزم شریف کا ذکر، مکہ سے زمزم بھیجنے کی پیش کش، سیدِ عالی کا بابِ عالی ترکی کا سفر اور وصال، ☆ علالت و نقاہت کا زور، ملاقاتیوں کا ازدہام، علمائے مکہ کی طرف سے پلنگ کا انتظام، اجازات وسندات لینے والوں کی بھیڑ، تصنیفی سرگرمیاں، اجازت ناموں کی تسوید، مدینۂ منورہ جانے کی شدید تڑپ، مرض و بیماری کی حالت اور ضعف و کمزوری، مشائخِ مکہ کی کچھ رکنے اور افاقہ ہونے کی خواہش وگذارش، شیخ صالح کمال مکی کا پایۂ علم وادب، اجازت وخلافت سے سرفراز، اپنے عہدِ قضا کے فیصلوں کا سنانا، اعلیٰ حضرت کی اصلاح و ترمیم سے خوش ہونا، ☆ اذان واقامت اور تکبیرات وانتقالات میں لحن وترنم پر بحث، خطبہ میں ائمہ کرام حضرت امیر حمزہ وعباس کے ساتھ ابو طالب کی شمولیت، پاسِ شرع کی خاطر بھرے دربارِ الٰہیہ میں اعلیٰ حضرت کا جرأت مندانہ احتجاج، ☆ اعلیٰ حضرت کی زیارتِ مدینہ کی شدید تڑپ اور علمائے مکہ کی طولِ قیام کی شدید خواہش، ☆ والد ماجد علیہ الرحمہ کا خواب میں تشریف لانا اور 'باون برس فرمانا، خواب میں پیر بھائی کی زیارت، ان کی قبر میں اترنا اور لازوال خوشبو کا محسوس کرنا، والدِ ماجد کے فرمان 'ابھی تو باون برس مدینہ میں' کی وجہِ جمیل اور تعبیرِ جلیل، ☆ فضیلۃ السید اسماعیل خلیل کی طرف سے طائف میں قیام کی پیش کش، شیخ صالح کمال مکی کی طرف سے شادی کی تجویز، اعلیٰ حضرت کا جواب، مرض کی شدت ونقاہت اور چالیس زینے چڑھنا، اترنا، مسجدِ حرام میں مردِ غیب کا خیریت معلوم کرنا اور پانی دم کر کے دینا اور شفایاب ہونا، ☆ نمازوں کا اہتمام اور حنفی وقتوں کا التزام، ہم حنفی ہیں، نہ کہ یوسفی اور شیبانی، علما ومشائخ کا امامت کے لئے مجبور کرنا، اس ضمن میں کثیر مسائل وجزئیات کا بیان کرنا،، ☆ شیخ عمر صبحی کا مکان کرایہ پر لینا، پھر عمر رشیدی بن ابوبکر رشیدی کا اپنے مکان پر لے جانا، بالاخانہ پر وسطانی در میں نشست، کبوتروں کی آمد ورفت، دروازوں اور طاچوں پر قبضہ جمائے رہنا، تنکے لانا اور گرانا، کبوتروں کا لحاظ کرنا، کبوتروں سے صلح وجنگ، پرندہ اور جانور، کون سا فاسق اور کون سا غیر فاسق،

حرم شریف میں ان پرندوں اور جانوروں کا حکم، ☆ایک جملہ تمنائی کا، سلطانی حمام میں نہانا، باہر نکلنا، ابر کا چھانا اور برستے مینہ میں طوافِ کعبہ کرنا، ایک مردِ غیب کا برآمد ہونا اور عورتوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا، جی بھر کر سنگِ اسود کا باطمینان بوسہ لینا، منیٰ سے آمد اور منیٰ کو روانگی، ☆علومِ حدیث کی سندِ عالی وجید کی تلاش، مگر آپ ہی کی سندِ حدیث سب سے عالی وجید، یوں ہی جفار و جفر داں کی جستجو، مگر جو ملے، آپ ہی سے سیکھنے لگے، بلکہ بریلی تک تشریف لائے اور کئی مہینے قیام کیا، ☆علمِ جفر سے توجہ ہٹانے کی غرض، ایک امیر وکبیر کا سوال، سید شاہ مہدی میاں مارہروی کی سفارش، ایک مریضہ کی موت کی نشاندہی، جب کہ اس فن میں کوئی استاذ نہیں، سوائے ایک قاعدہ کے، جو حضرت نوری میاں مارہروی نے تذکرۃً تعلیم فرمائی، شیخ اکبر کی کتابوں سے استفادہ، 'سفر السفر عن الجفر بالجفر' کی تصنیف، ☆ شیخ عبد الغفار بخاری بریلی میں، حضرت نوری میاں قبلہ مارہروی کی ہدایت، بخاری صاحب کا آٹھ مہینے قیام، سنگاپور سے یادآوری کا خط، چین کو روانگی، شیخ حسین شامی مدنی جیسا بے طمع عرب، شیخ ابراہیم شامی مدنی کی آمد، شیخ سید احمد خطیب کے خطوط، شیخ سید محمد مدنی کی تشریف آوری، ☆اب مدینۂ طیبین روانگی، مرض و ضعف و کمزوری سے نڈھال، علمائے مکہ مکرمہ کی ممانعت، جمال اونٹ اور اشرفیاں لے کر روانہ، ڈاکٹر رمضان آفندی کا علاج، ۲۴؍صفر المظفر کو کعبۂ تن سے کعبۂ جاں کی طرف کوچ، سرکارِ ابد قرار سے استعانت ودستگیری، مرض وضعف میں دفعۃً افاقہ، اہلِ مکہ کی آنکھیں بھر آئیں، جنگل کی تاریک رات روشن، حبشی ملاح کا 'سیدنا غوثِ اعظم' سیدی احمد کبیر، سید احمد رفاعی، سیدی اہدل، پکارنا، چوتھے دن رابغ، رابغ کے سردار شیخ حسین کے بھائی کا مقدمہ کا شرعی فیصلہ، خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ سے سامان رہ گیا، بئیرِ شیخ پر وقتِ فجر، کرچ کا ڈول اور رسی ندارد، عمامہ باندھ کر پانی نکال کر وضو کرنا اور نماز کی ادائیگی، من جانب اللہ سواری کا انتظام، سردارِ رابغ، جمال اور اونٹ، سب مہربان، چھٹے دن مدینۂ طیبہ، عربی لباس میں حاضری، چھوٹے ہوئے سامان دوسرے ہی دن مدینۂ طیبہ پہنچ گئے، ☆اہلِ مدینہ سراپا مشتاق ومہربان، مدینۂ پاک میں ۳۱؍ دن قیام، بارھویں ربیع النور یہیں ہوئی، ملنے والے وعظما کی قطار در قطار، مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی کی حاضری، مصروشام وبغداد کے علما ومشائخ نے 'الدولۃ المکیۃ' کی نقلیں لیں اور تقاریظ

لکھیں، اجازت و خلافت لینے والوں کی بے تابی، شیخ الدلائل حضرت سید محمد سعید مغربی کا اشتیاق، حضرت مولانا سید عباس رضوان، حضرت تاج الدین الیاس مفتی حنفیہ سابق، حضرت شیخ عثمان بن عبد السلام داغستانی، حضرت مولانا سید مامون البری، حضرت مولانا احمد جزائری، حضرت مولانا ابراہیم خربوطی مفتیٔ حنفیہ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم، کا اشتیاق، 'الدولۃ المکیۃ' اور 'حسام الحرمین' کی تقاریظ کی دھوم دھام، سید احمد برزنجی کی تقریظ، قبا شریف میں تقاریظ، سید عبداللہ کے مکان پر مجلس، اعلیٰ حضرت کا مسکت جواب، شیخ سید کے دل میں غبار، شیخ عبدالقادر طرابلسی کا سوال، مولانا حامد رضا خان کا جواب، قبا شریف کی حاضری، سید الشہداحضرت امیر حمزہ کے مزار پر، ☆ ۳۱/دن قیام کے بعد وطن واپسی، علما و مشائخ کا دور تک مشایعت کرنا، ہندوستان آنے کے بعد بھی سند و اجازت ناموں کی درخواستیں آنا اور روانہ کرنا، حجاز اقدس کا گرم ماحول، تپتا ہوا ریت اور موسم، علامہ نذیر احمد اور حاجی کفایت اللہ یاد رکھی جانے والی خدمت و محبت، مدینہ، جدہ، عدن، کراچی ہوتے ہوئے ساحلِ بمبئی پر پر جوش خیر مقدم، نوساری، احمد آباد، اجمیر شریف ہوتے ہوئے ایک ماہ بعد بریلی ورود، ہر جگہ مخلصانہ استقبالیہ، خیر مقدم، جوش و خروش، جشنِ فتح کا سماں، اپنوں کا دل باغ باغ، غیروں کا دل داغ داغ، مگر کچھ اپنے بھی حسد و جلن اور آتشِ مخالفت میں جل کر راکھ۔



اجمیر شریف

[ص: ۹۴ تا ۱۰۲]

☆ ایک حسین خواب ☆ خواب میں دیدارِ خواجہ ☆ وہ خوب صورت خواب اور اس کی حسین تعبیر ☆ قبر انور کا شق ہونا اور مٹی کا آنکھوں پر ملنا ☆ آشوبِ چشم کا دور ہونا اور دکھتی آنکھ کا شفا یاب ہونا ☆ قرآن کریم کی تلاوت، خدام کا خشمگیں ہونا اور حضورِ غریب نواز کا دلاسہ دینا۔



پہلا سفر

☆ سفرِ حج و زیارت سے واپسی ☆ بمبئی کے ساحل پر ورود ☆ احبابِ جبل پور کی دعوت اور اصرار ☆ بارگاہِ خواجہ میں حاضری کی تڑپ ☆ روضۂ غریب نواز پہ حاضر ☆ سلطانی شاہ جہانی

مسجد میں قبلِ جمعہ خطابِ مستطاب ☆ مابقیہ خطاب بعد نمازِ عشا ☆ نظام حیدر آباد کا خطاب سے متاثر ہونا ☆ ملاقات کے لئے قیام گاہ پر آنا ☆ سلطنتِ آصفیہ کے عہدۂ صدارت کی پیش کش ☆ اعلیٰ حضرت کی نامنظوری ☆ نظامِ دولتِ آصفیہ کا تاثر۔



دوسرا سفر

☆ مشاہداتی بیان ☆ نماز کا اہتمام ☆ ٹرین کا ماجرا ☆ کھلی کرامت کا کھلا اعتراف ☆ انگریز گارڈ کا دل دہلنا، اجمیر معلیٰ آنا اور اسلام قبول کرنا۔



بریلی میں وصال اور اجمیر میں ایصالِ ثواب

☆ امام احمد رضا کا وصال ☆ اجمیر معلیٰ میں سوئم کی مجلس ☆ سادات وعلما کا تعزیتی خطاب ☆ فاتحہ خوانی اور ایصالِ ثواب ☆ سادات وخدام کی دعا خوانی ☆ دربارِ معلیٰ کا انعامِ خسروی۔



سفرِ دہلی

[ص: ۱۰۳ تا ۱۰۸]

☆ سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاضری ☆ مزامیر وقوالی کا شور ☆ امام احمد رضا کی خاموش التجا ☆ حضرتِ محبوبِ الٰہی کا تصرف ☆ خامۂ رضا سے مدحت ومنقبت کے اشعار ☆ 'قصیدہ اکسیرِ اعظم' کی تصنیف ☆ دہلی میں نماز کی اصلاح وتلقین ☆ وہابی کا درپئے آزار ہونا اور مناظرہ ☆ مقدمہ بازی اور غیبی نصرت ومدد سے فتح یابی۔



مارہرہ مطہرہ کی حاضریاں

[ص: ۱۰۹ تا ۱۱۸]

☆ برکات بھرے دربار میں حاضریاں ☆ والدِ گرامی اور تاج الفحول کی معیتِ مبارکہ ☆ بیعت وارادت اور اجازت وخلافت ☆ مرشدِ گرامی خاتم الاکابر کی مراد ☆ مریدِ بامراد شاد شاد ☆ متعدد مرتبہ حضور اور

حصولِ سعادات و برکات☆مخدوم زادوں کی فرمائش پر میلاد خوانی اور خطاب☆مسائلِ شرعیہ کا بیان☆ساداتِ بابرکات کی فرمائش پر شجرۂ عربیہ اور شجرۂ صلوٰتیہ کا قلم برداشتہ تحریر کرنا☆علمِ تکسیر اور علمِ جفر کی تحصیل☆دونوں فنون میں کتابوں کی تصنیف☆ قصیدۂ نوری 'مشرقستانِ قدس' کی تصنیف و تبییض☆حضرتِ نوری میاں کا سرِ رضا پر عمامہ باندھنا☆حضرتِ نوری میاں کا نورنور ارشاد☆اعلیٰ حضرت سے محبت دینداری کی علامت اور صحتِ عقیدہ کی دلیل☆چشم و چراغِ خاندانِ برکات کا نایاب خطاب۔

☆

گنج مرادآباد

[ص:۱۱۹ تا ۱۲۳]

☆ تلاشِ مرشد☆ گنج مرادآباد کا سفر☆ شاہ فضلِ رحماں کی خدمت میں حاضری☆ خانقاہ سے نکل کر شاہ صاحب قبلہ کا استقبال کرنا☆ ارکانِ شریعت اور اسرارِ معرفت پر تبادلۂ خیال☆ اپنی ٹوپی دے دینا اور ان کی ٹوپی لے لینا☆ ماہِ رمضان کا آخری عشرہ، تین روزہ قیام اور بریلی واپسی۔

☆

بدایوں شریف

[ص: ۱۲۴ تا ۱۳۳]

☆علمائے بدایوں و بریلی☆حسبِ مراتب وضرورت آمد ورفت اور محبت و یگانگت☆مسجدِ شمسی میں خطاب☆مسجدِ خرما میں نمازِ فجر کی امامت☆ درگاہِ قادری میں 'قصیدۂ نوری' کا رقت انگیز سماں☆ سرکارِ نوری میاں کی قابلِ رشک مقبول دعا☆عرسِ قادری میں کامل چھے گھنٹے کی تقریر☆مولانا سراج الدین آنولوی کی تقریر☆ اعلیٰ حضرت کی تادیب واصلاح☆ حضرتِ تاج الفحول کی تاکید وفہمائش☆ شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی کا پسندیدہ خطاب☆شاہ عبدالقادر بدایونی کے لئے 'تاج الفحول' خطاب کا انتخاب۔



پیلی بھیت

[ص: ۱۳۴ تا ۱۴۶]

☆پیلی بھیت کا تاریخی تناظر☆حجۃ العصر شاہ وصی احمد محدث سورتی کا ورود☆اعلیٰ حضرت سے ربط و تعلق☆بریلی اور پیلی بھیت :خطِ توام کے دو صفحے☆پیلی بھیت میں اعلیٰ حضرت کا ورود☆والہانہ شاندار استقبال☆'عقود الدریہ' کا مطالعہ اور عبارات و مفاہیم کا محفوظ کر لینا☆'مدرسۃ الحدیث' سنگِ بنیاد☆فنِ حدیث پر لاجواب تقریر☆مجذوب سے ملاقات☆ مریض بچہ کو دیکھنا اور صحت یاب ہونا☆ خاموشی، مگر دلپذیر تبلیغ☆محدثِ سورتی کی بیمار بیٹی☆مسجد سے اوراقِ گم شدہ کا ملنا☆سیدانی کا روپیہ مل گیا☆محدثِ سورتی کا وصال☆اعلیٰ حضرت کی بے قراری اور حاضری☆مادۂ تاریخِ وصال☆سالانہ اعراس میں شرکت☆ محدثِ سورتی کے صاحب زادے کی بارات میں شرکت☆لٹیروں کا حملہ☆ پھر تائب ہو کر بیعت ہونا☆نواب گنج اسٹیشن پر نماز اور ٹرین کا نہ چلنا☆شیر پور روانگی☆پورن پور اسٹیشن پر جاں نثارانہ استقبال۔



بیسل پور

[ص: ۱۴۷ تا ۱۵۲]

☆بیسل پور پہلی بار آمد☆واپسی میں ٹرین کا لیٹ آنا☆کھلی کرامت کا ظہور☆دوسری بار☆ دوسری بار آمد☆والہانہ استقبال☆ جھنڈے جھنڈیوں کی بہار☆خیر مقدمی نظم اور نظم خوانوں کی نظم و نعت خوانی☆اعلیٰ حضرت کا ایثار اور داد و دہش کا خوش نما منظر☆مریدین اور زائرین کا پر مسرت عقیدت مندانہ ضیافت و میز بانی☆



خیر آباد و سیتا پور

[ص: ۱۵۳ تا ۱۵۶]

☆سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کی معیت☆ تاج الفحول شاہ محمد عبد القادر بدایونی

کی ہمراہی ☆ والدِ ماجد کے ساتھ ☆ خیرآباد کی زیارت ☆ سیتا پور میں تقریر ☆ سیتا پور میں 'آئینۂ احمدی' کا مطالعہ ☆ سادات گرامی سے شرفِ ملاقات۔



رام پور

[ص:۱۵۷ تا ۱۶۴]

☆ چودہ سالہ مفتی کا فتویٰ ☆ علمائے رام پور کی سراسیمگی ☆ شاہ ارشاد حسین رام پوری کی بے نفسی اور تقویٰ ☆ نواب رام پور کا اعزاز و مشورہ ☆ علامہ عبدالحق خیرآبادی سے علمی مذاکرہ ☆ امام احمد رضا کا ذہنی تکدر اور کڑا سا جواب ☆ علامہ محمد عبدالعلی رام پوری سے علمی استفادہ ☆ سفر رام پور میں مردِ غیب کی آمد ☆ امام احمد رضا کی دعا کا اثر اور خوفناک بھنور سے باہر۔



مرادآباد

[ص:۱۶۵ تا ۱۷۰]

☆ سفر کی تیاری ☆ مراد آباد روانگی ☆ بریلی اسٹیشن پر جلوس کی شکل کی الوداعی ہمہ ہمی ☆ رام پور اسٹیشن پر دیدار کے لئے ہزاروں افراد کا ہجوم ☆ رام پور سے علمائے رام پور کا قافلے میں شامل ہونا ☆ مرادآباد اسٹیشن پر پر جوش خیر مقدم کے لئے امنڈ آیا انسانی سروں کا سیلاب ☆ راستوں اور گذرگاہوں میں سرخ قالینوں، بینروں، جھنڈے جھنڈیوں کے ساتھ انسانوں کی دورویہ قطار ☆ اشرف علی تھانوی کا فرار ☆ روضہ شاہ بلاقی علیہ الرحمہ کے میدان میں خطاب ☆ دیندار رئیسانِ مراد آباد کی شاہانہ ضیافت اور خاطر مدارات ☆ صدرالافاضل سید شاہ محمد نعیم الدین علیہ الرحمہ کے حسنِ اہتمام، حسنِ قیادت اور حسنِ عقیدت کے خوش گوار اثرات ☆ تاریخِ مرادآباد کا ایک حسین ورق۔



الہ آباد

[ص:۱۷۱ تا ۱۷۶]

☆ جغرافیائی تناظر ☆ دائرۂ شاہ اجمل ☆ شاہ محمد بشیر کا انتقال ☆ تعزیت کے لئے اعلیٰ حضرت کی آمد ☆ الہ آباد اسٹیشن پر اہلِ دائرہ کا شاندار استقبال ☆ رسمِ تعزیت کی ادائے گی ☆ مزارات پر فاتحہ ☆ تبرکات کی زیارت ☆ علمی مجالس ☆ جبل پور سے واپسی ☆ دائرۂ شاہ اجمل میں شاہ نذیر احمد کی طرف سے چائے نوشی کی دعوت اور دوسری بار آمد ☆ افتخار الحق کی آمد اور مجلس کی بدمزگی اور شاہ نذیر احمد کی پھٹکار ☆ یادیں، جو تاریخ کا حصہ بن گئیں۔



لکھنؤ

[ص:۱۷۷تا۱۷۹]

☆ تاج الفحول شاہ محمد عبد القادر بدایونی کی معیتِ مبارکہ ☆ لکھنؤ کا سفر ☆ نادر کتابوں کا مطالعہ ☆ سبق آموز واقعات۔



کوہ بھوالی نینی تال

[ص:۱۸۰تا۱۸۵]

☆ متعدد اسفار ☆ فرض روزوں کا انوکھا اہتمام ☆ کوہ بھوالی اور نینی تال کی شرعی حیثیت اور جغرافیائی کیفیت ☆ نمازِ جمعہ کی کئی بار امامت ☆ نمازِ عید کی ایک بار امامت ☆ امراض، علاج اور دعائیں ☆ احباب کی آمد ☆ عیادت کرنے والوں کی بھیڑ ☆ تصنیفی سرگرمیاں ☆ ملک العلما کا بیان ☆ شاہ محمد ضیاء الدین مہاجر مدنی کا مشاہدہ ☆ تحریکِ ترکِ موالات کا زور ☆ اعلیٰ حضرت کا شرعی قلمی توڑ ☆ 'المحجۃ المؤتمنۃ' کی تصنیف ☆ متعدد رسائل اور کتب کی تصنیف و تبییض ☆ متعدد اہم فتاویٰ اور خطوط کا امضاء و املا اور ارسال ☆ آخری بار چودہ محرم الحرام کو واپسی اور کوہ بھوالی غمگین۔



کان پور

[ص:۱۸۶]

☆ مدرسہ فیض عام کان پور سالانہ جلسہ ☆ ندوۃ العلما کی پہلی نشست ☆ علما کا وفود ☆ امام احمد رضا

کی شرکت وحمایت ☆ نصابِ تعلیم پر مشورہ ومقالہ ☆ فراستِ مومنانہ کی کارفرمائی ☆ ارکانِ ندوہ کی دسیسہ کاری کی آہٹ اور احساس ☆ اصلاحی مساعی کی شروعات ☆ پورا برصغیر آپ کا ہم زبان۔



آرہ، بہار

[ص: ۱۸۷ تا ۱۸۹]

☆ شہر آرہ کی کشش ☆ مفتی رحیم بخش رضوی آروی کی مساعی جمیلہ ☆ مدرسہ فیض الغربا کا قیام ☆ سالانہ جلسوں میں امام احمد رضا کی دعوت وشرکت ☆ فارغین طلبہ کی دستِ رضا سے دستار بندی ☆ امام احمد رضا کی سعیٔ بلیغ ☆ فیض الغربا کا اپنا ذاتی مکان ☆ حضرت شاہ محمد فرید الدین کا تاریخی کردار ☆ اعلیٰ حضرت سے سید شاہ محمد محی الدین پھلواروی کی ملاقات۔



بنارس

[ص: ۱۹۰ تا ۱۹۱]

☆ آرہ سے واپسی ☆ بنارس اسٹیشن پر مختصر وقفۂ قیام ☆ تانگہ کی سواری ☆ بھبھوت ملے مردِ مستور کی ملاقات ☆ اجنبی زبان میں گفتگو ☆ خادمِ خاص حاجی محمد کفایت اللہ کا استفسار ☆ اعلیٰ حضرت کا پر اسرار فرمان۔



عظیم آباد، پٹنہ

[ص: ۱۹۲ تا ۲۰۱]



پہلا سفر

☆ تاریخِ ہند کا تاریخی اجلاس ☆ تمام اطرافِ ہند سے کوئی سات سو علما ومشائخ کا جمِ غفیر ☆ تاج الفحول شاہ محمد عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی خصوصی شرکت ☆ اعلیٰ حضرت کا خطابِ نایاب ☆ ندویوں کا فرار ☆ قصیدہ ’آمال الابرار‘ کی فوری تصنیف ☆ حکیم عبد الحمید پریشاںؔ کا جواب ☆ ’صمصامِ حسن‘ کا وجود ☆ آزاد مزاج افراد سے مکالمہ۔



دوسرا سفر

☆کلکتہ میں اجلاسِ اہلِ سنت☆امام احمد رضا کی خصوصی شرکت☆ قاضی عبدالوحید فردوسی کی دعوت☆امام احمد رضا کی پٹنہ دوسری بار آمد☆ سلسلۂ بیعت وارشاد☆ اہلیۂ قاضی صاحب موصوف کا مرید ہونا☆ شاہ محمد لطف الرحمٰن کا نذر پیش کرنا☆امام احمد رضا کی بے نیازی و بے نفسی کا مظاہرہ☆ اعلیٰ حضرت کی بریلی واپسی۔



تیسرا سفر

☆ قاضی عبد الوحید فردوسی کی علالت☆بریلی سے اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی کی روانگی☆مریض کی عیادت و خیریت پرسی☆ قاضی عبد الوحید فردوسی کی وفاتِ حسرت آیات☆ اعلیٰ حضرت کا نمازِ جنازہ پڑھانا☆ اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی کا قبر میں اترنا اور میت اتارنا☆ کفن ہٹا کر نوجوان مجاہدِ اہلِ سنت کا آخری دیدار کرانا☆ 'نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ' کا دل کش منظر کا پیش ہونا☆ آیتِ کریمہ سے مادۂ تاریخ وصال کا استخراج☆ منظوم عربی قطعۂ تاریخ لکھنا☆ پہلے عیادت، بعد میں تعزیت☆ تین دنوں تک قیام☆مجلسِ سوم کے بعد بریلی واپسی۔



کلکتہ

[ص:۲۰۲ تا ۲۰۵]

☆ تاریخ ساز اجلاسِ اہلِ سنت☆اہلِ کلکتہ کی دعوت واصرار☆امام احمد رضا کی شرکت☆ ہوڑہ اسٹیشن پر فدا کارانہ استقبال☆امام احمد رضا کا خطابِ مستطاب☆علمی مجالس☆اعتقادی مذاکرے☆احباب وعشاق کی آمد☆، ملاقاتیوں کا سلسلۂ نور ونکہت☆علامہ خیر الدین [والد ماجد ابوالکلام] سے خاص ملاقات☆اہلِ سنت کی شاندار فتح☆ ندویوں، صلح کلیوں کا شرمناک فرار☆ کلکتہ سے پٹنہ، پٹنہ سے بریلی واپسی۔



جبل پور

[ص:۲۰۶ تا ۲۵۸]



پہلا سفر

☆ علامہ حسن رضا کا حج ☆ حج کے بعد بمبئی واپسی ☆ امام احمد رضا کا بمبئی سفر ☆ شاہ عبد السلام جبل پوری کی دعوت ☆ درمیانِ سفر جبل پور میں چار دن کا قیام۔



دوسرا سفر

☆ امام احمد رضا کی علالت ☆ آب وہوا کی تبدیلی اور صحت یابی کے لئے جبل پور تشریف لانے کی شاہ عبد السلام کی گذارش ☆ مفتی محمد برہان الحق قادری بریلی روانہ ☆ سفر جبل پور کی تیاری ☆ کاروانِ رضا کا اہتمام ☆ احباب واعزہ اور خدام کے ساتھ شدِ رحال ☆ بریلی اسٹیشن پر جلوس کا سا منظر ☆ الہ آباد اسٹیشن پر وقفہ اور نماز ☆ کٹنی اسٹیشن پر اہلِ کٹنی اور اہلِ جبل پور کا والہانہ استقبال ☆ نماز کا خیال اور ٹرین کا رکا رہنا ☆ جبل پور اسٹیشن پر استقبال کے لئے ٹھٹھ کے ٹھٹھ انسان ہی انسان اٹے پڑے تھے ☆ بدقت تمام قافلۂ رضا اسٹیشن سے باہر آیا ☆ کاروانِ رضا کی سواریاں آگے پیچھے ہو کر قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئیں ☆ قیام گاہ پر مجلسِ استقبالیہ اور نعت خوانی ☆ قبلۂ مسجد کی درستگی اور باجماعت نمازیں ☆ اہلِ جبل پور کے لئے ہر صبح، صبحِ بنارس، ہر شام شامِ اودھ اور ہر دن عیدِ سعید ☆ ملنے اور بیعت ہونے والوں کا ہجوم ☆ پے در پے دعوتیں اور ضیافتیں ☆ سلامی برہانی خانوادہ کی بچیوں پر شفقت ☆ پنچ مڑھی، بندر کودنی، چوسٹھ جوگنی کی سیر وتفریح ☆ دھواں دھار اور دودھ متھن کا نظارہ ☆ عبد الکریم پہلوان کے کرتب ☆ دریائے نربدا کی سیر ☆ امام احمد رضا کی اذان ☆ خاندانی نزاعی معاملات ومقدمات کی صلح وصفائی ☆ درجنوں لوگوں کی توبہ واستغفار ☆ ایک ماہ چار کا قیام ☆ واپسی کی تیاری اور جبل پوریوں کی سرد آہیں اور پرنم آنکھیں ☆ الوداعی جشن۔



عروس البلاد بمبئی

[ص:۲۵۹تا۲۷۳]

☆ پہلا سفر ☆ دوسرا سفر ☆ بمبئی اسٹیشن پر علما وعمائدینِ بمبئی کا پرخلوص استقبال ☆ حجازِ مقدس فوراً روانگی ☆ ماثور

دعاؤں کی تاثیر و برکت ☆ ٹکٹ کی تبدیلی ☆ نماز صحیح سمت پر ادا ہوئی ☆ حرمین شریفین میں طویل قیام کے بعد بمبئی واپسی ☆ علمائے بمبئی کا تہنیتی اجلاس ☆ قصائی محلہ بمبئی میں دورانِ تقریر ایک روحانی واقعہ ☆ [اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا] موضوعِ خطاب ☆ گورے بابو کے یہاں قیام ☆ قطبِ کوکن مخدوم ماہمی کے روضہ پہ حاضری اور فاتحہ خوانی ☆ مسجدِ مخدوم میں نمازِ مغرب ☆ باندرہ میں مولانا بابا علیہ الرحمہ سے ملاقات ☆ آنکھوں آنکھوں میں گفتگو ☆ جبل پور سے شاہ محمد عبد السلام اور مفتی محمد برہان الحق کی آمد ☆ احبابِ احمد آباد کی آمد ☆ ملاقاتیوں کا ازدحام ☆ علما و خواص کا داخلِ سلسلۂ قادریہ ہونا ☆ حاجی محمد ہاشم ☆ حاجی نور محمد چھوٹانی ☆ حاجی محمد اسحاق آدم ☆ حاجی محمد قاسم ☆ حاجی محمد عیسیٰ ☆ باشندگانِ بمبئی کا نصیب جاگ اٹھا۔



احمد آباد

[ص: ۲۷۴ تا ۲۷۸]

☆ سفر حرمین سے واپسی ☆ بمبئی میں پر جوش خیر مقدم ☆ بمبئی سے احمد آباد ☆ درمیان میں نوساری کا واقعہ ☆ احمد آباد میں شاندار استقبالیہ ☆ مجلسِ وعظ ☆ مجلسِ گفتگو ☆ مولانا محمد عبد الرحیم نقشبندی اور اہلِ احمد آباد کی دلی تمنا بر آئی ☆ حضرت مجذوب موسیٰ سہاگ کی زیارت ☆ حضرت موسیٰ سہاگ کا واقعہ۔



امرتسر، رہتک، پنجاب

[ص: ۲۷۹ تا ۲۸۲]

☆ رہتک سفر کی وجہ ☆ مناظرہ کی تاریخ طے ☆ تھانوی کا فرار ☆ امرتسر کا تاریخی اجلاس ☆ علمائے ہند و پاک کی شرکت ☆ امام احمد رضا کی خصوصی شرکت کا اعلان ☆ مناظرِ اسلام علامہ غلام قادر بھیروی کا پہاڑوں کا سینہ دہلا دینے والا خطاب ☆ امام احمد رضا سے شرفِ نیاز و ملاقات کی شدید تڑپ۔



قصرِ عارفاں: لاہور

[ص: ۲۸۳ تا ۲۸۶]

☆ محقق سید نور محمد قادری کی شہادت ☆ مفتی تقدس علی خان کی تائید ☆ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

کا مسموعہ بیان☆ پروفیسر مجید اللہ قادری کے مطالعاتی شواہد☆ شاہ مانا میاں پیلی بھیتی کا بیان☆ اعلیٰ حضرت سے ڈاکٹر محمد اقبال کی ملاقات☆ کلامِ اقبال پر امام احمد رضا کی اصلاح ☆ انجمنِ نعمانیہ لاہور کے سالانہ اجلاس میں شرکت۔



بابِ مکہ: کراچی

[ص: ۲۸۷ تا ۲۹۰]

☆سفرِ حرمین سے مراجعت☆ بےارادہ کراچی میں قیام☆ احبابِ کراچی پھولے نہ سمائے☆ علامہ محمد عبدالکریم کی دعوت☆ مدرسۂ درسیہ میں قیام☆ درس فیمیلی کی مثالی ضیافت☆ اٹوٹ رابطوں کی استواری☆ کراچی سے بمبئی ورودِ مسعود۔

☆......☆......☆



مقدمہ

سفر ناموں کا ارتقائی سفر

ایک تحقیقی و تاریخی جائزہ

از قلم: مرتب کتاب غلام جابر شمس، بمبئی

حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے۔ اس تشریف ارزانی پر چھ ہزار ایک سو ترسٹھ برس بیت گئے۔ تب ہمارے پیارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دنیائے رنگ و بو میں جلوہ گری ہوئی۔ ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وصفِ نبوت سے سرفراز تھے۔ ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو اکہتر برس کا زمانی فاصلہ ہے۔ اس فاصلہ کو زمانۂ فترت کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام منصبِ نبوت پر فائز تھے۔ دونوں کے درمیان قریب دو ہزار سال کا فرق ہے۔ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت اسحاق کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطنی تعلق سرزمین عراق سے تھا۔ ان کا شہر 'اُذر' دریائے فرات کے مغربی ساحل پر کوفہ کے قریب تھا۔ اب یہ شہر 'اُذر' موجود نہیں۔ مگر آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے دوران، جو کتبے، ظروف اور سکے برآمد ہوئے ہیں، جن سے اس شہر کے سماجی و معاشرتی اور تہذیبی و تمدنی احوال پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی شہر سے ہجرت فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرزمین فلسطین کو اپنی نبوی سرگرمیوں کا محور بنایا۔

حضرت آدم و حوا ہی کی آفرینش سے انسانی نسل کی افزائش ہوئی۔ انسانی آبادی وجود میں آئی اور پھر بڑھتے بڑھتے زمین کے اور حصوں میں آباد ہونے لگی۔ اسی بڑھوتری اور کثرت نے بارشادِ قرآن کریم شعوب و قبائل کو جنم دیا۔ خاندان اور کنبے و قبیلے بنتے چلے گئے۔ حوائجِ اصلیہ،

انسانی ضروریات نے کبھی سیر و سیاحت اور کبھی با مقصد اسفار پر مجبور کیا اور پھر لوگ باگ دور و نزدیک، یہاں سے وہاں کا سفر کرنے لگے اور ان کی ضرورتیں پوری ہونے لگیں۔ تعلقات و معاملات کی اس لین دین نے لوگوں کو ایک دوسرے سے جوڑا بھی اور توڑا بھی۔ جوڑ توڑ کے اس عمل نے کبھی محبت و یگانت کی دھومیں مچائیں اور کبھی تیر و تفنگ کی دھونیں رمائیں۔ نتیجے میں غیر مقامی افراد نے اپنے گھر بسائے اور بسے بسائے لوگ نقل مکانی پر مجبور بھی ہوئے۔ اختیاری و اجباری اور فاتحانہ و مجبورانہ اسفار وجود میں آئے۔

سفر عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا اور مسافت طے کرنا ہے۔ سفر ایک حالت اور کیفیت کا نام ہے۔ جب یہ عرض ہے، تو اس کے لئے کوئی ذات چاہیے، یعنی مسافر اور یہ سب کو پتا ہے کہ دنیا بھر کے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اب یہ بآسانی معلوم ہوا کہ پہلے انسان حضرت آدم، پہلا سفر بھی انہی کا اور پہلے مسافر بھی وہی ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ سفر زمین سے زمین کی طرف نہیں تھا، بلکہ جنت سے زمین کی طرف تھا۔ اب جب زمین پر جلوہ افروز ہوئے، تو زمین سے زمین کی طرف سفر شروع ہو گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت آدم، جو سرندیپ [ہندوستان] پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لائے تھے، وہاں سے آپ نے کوئی چالیس بار حج بیت اللہ کے لئے مکۂ مکرمہ تشریف لے گئے اور زمین کے دوسرے خطوں کی جانب بھی کوچ کیا۔ یہیں سے سفر اور مسافر کی ابتدا ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نہ اپنا سفر نامہ لکھا اور نہ ان کی اولاد و اعزہ نے۔ البتہ ان کے احوالِ سفر کو قرآن کریم نے کچھ نہ کچھ ضرور مقید کر لیا ہے۔ اردو ادب کے ادبا اس کو بھلے ہی نہ مانیں۔ ان کے انکار اور عدمِ اقرار سے کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر تشریف لائے۔ سرندیپ سے حجازِ اقدس کا کئی مرتبہ سفر اختیار فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سفر کیا اور اس طرح نیک نہاد بندگانِ خدا کی جانیں ضائع ہونے سے بچ گئیں اور باقی سب غرقِ آب ہو کر رہ گئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کا سفر عجیب و غریب طریقے پر ہوا۔ حتیٰ کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں بمشیتِ الٰہی ایک عرصے تک رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام براہِ خشکی عراق سے فلسطین تشریف لائے، مصر گئے اور پھر

اپنے ننھے نونہال حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کو لے کر مکہ مکرمہ آئے۔ اس وقت وہاں آبادی نہیں تھی۔ حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کے وجودِ ناز سے انسانی آبادی وجود پذیر ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تقریباً چار بار فلسطین سے مکہ مکرمہ کا سفر فرمایا اور خانۂ کعبہ کی جدید تعمیر فرمائی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قریب ایک سو سینتیس [۱۳۷] برس کی عمر پائی۔ ساری عمر شریف خانۂ کعبہ کی پاسبانی و سربراہی میں گزری۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے بھی مصر کا سفر فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنعان کے کنویں سے مصر کے بازار، ایوان اور جیل تک کا سفر کر کے ایک بھاری نبوی انقلاب برپا کر دیا۔ بھلے ان کا یہ سفر اختیاری نہیں، اجباری تھا۔ عزیز فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے تختِ شاہی پر متمکن ہونے کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام نے بھی مصر کا سفر فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی دریائے نیل کی لہروں پر سفر کرنا پڑا۔ مصر سے وادئ سینا اور کوہِ طور کا سفر کیا۔ اس سفر نے ان کی حیاتِ مبارکہ کا ایک نیا باب رقم کیا اور وہ سفر، جو حضرت موسیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ فرمایا۔ ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف بلادِ عرب کا سفر فرمایا۔ سفر ہجرت تاریخ اسلام کا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے اور اس سے اہم ترین سفر، سفرِ معراج ہے، جو زمین سے آسمان اور آسمان سے عرشِ اعظم تک کا سفر فرمایا۔ یہ سفر حضرت آدم علیہ السلام کے سفر کے بالعکس تھا۔ وہ جنت سے زمین کی طرف تھا اور یہ زمین سے آسمان کی طرف ہوا تھا۔ جو آج تک ہر دور کے عقلا کے لئے چیلنج اور حیران کن بنا ہوا ہے۔

خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام علیہم السلام نے بلادِ عرب میں یہاں وہاں کا سفر کیا۔ شروع اسلام میں قریب تیرہ صحابہ و صحابیات نے حبشہ ہجرت کی اور پھر دوسری بار تراسی خوش نصیب صحابۂ کرام ہجرت فرمائی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں روم کا سفر کیا۔ سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینۂ منورہ، مکہ مکرمہ اور کوفہ کا ایسا سفر فرمایا کہ تاریخ ہر دور میں یاد کرتی رہے گی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندلس کا سفر کیا۔ بعض صحابہ کرام نے ہندوستان کا بھی سفر کیا۔ تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، اولیائے کاملین، مشائخ عظام، عرب تجار و سیاح نے عرب و عجم کے مختلف مقامات و بلاد کا سفر کیا۔

حملۂ تا تار و منگول نے بالخصوص ارباب فضل و کمال اور اصحاب جبہ و دستار کو دور دراز کے اسفار پر مجبور کر دیا اور یہ سارے لٹے پٹے قافلوں نے دنیا کے کناروں تک کا سفر کر لیا۔ انبیا و مرسلین، شہدا و صالحین، صوفیا و اولیائے کاملین، مہاجرین و مبلغین اسلام، فاتحین و حکمران، سیاح و تجار کے یہ تمام اسفار اور ان کے اسباب و احوال، قدیم تاریخی کتب، قرآن کریم، احادیث و آثار، سیر و تراجم اور تواریخ و عمرانیات کے دفاتر و صحف، کتبات و کرسی ناموں، انساب و شجرات، مکتوبات و فرامین میں کہیں اجمال و اشارہ اور کہیں تفصیل و توضیح کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں ان کی تہوں اور تہہ داریوں پر بحث کی نہ گنجائش، نہ یہ تحریر اس کی متحمل۔ بس یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔ اقوام عالم کے اسفار کا ایک ایسا آئینہ ہے، جس میں محض ان کا عکس ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

سفر کا معنی، سفر کی تعریف، سفر کی قسمیں، سفر کے اسباب و وجوہ، سفر کے وسائل و ذرائع، سفر کے اغراض و مقاصد، سفر اور اس کی اہمیت و افادیت، سفر کے مشکلات و مصائب، سفر کے خطرات و خدشات، سفر کے تجربات و مشاہدات، سفر کے نتائج و اثرات، سفر اور سیر و سیاحت میں فرق، اسی طرح سفر نامہ کیا ہے؟۔ سفر نامہ نگاری کے ابتدائی خدوخال، سفر نامے کا فن اور اس کے ارتقائی ادوار، سفر ناموں کی اقسام، سفر ناموں کے موضوعات، سفر ناموں کا مختلف اسلوب و انداز، قدیم و جدید سفر ناموں میں فرق اور قدر اشتراک، سفر ناموں کی زبان اور زمان، سفر اور سفر ناموں کی جہت اور نوعیت، سفر ناموں اور حج ناموں میں فرق، اردو ادب اور تقدیسی ادب کا شوشہ، اردو کے ادیبوں کی سہل پسندی، ذہنی عیاشی، مذہب کے نام سے فرار و بیزار ہونے کی روش یا پھر استعمار و استشراق اور اشتراکیت سے مرعوبیت و مغلوبیت، سفر ناموں کی تاریخی و تذکاری حیثیت، سفر ناموں کی علمی و ادبی حیثیت، اصناف ادب میں سفر ناموں کا مقام و مرتبہ، یہ وہ پہلو ہیں، جن پر ایک اجمالی گفتگو درج ذیل ہے۔

سفر ایک عام فہم لفظ ہے۔ جو عربی زبان سے آیا ہے اور اردو زبان میں کثرت سے استعمال ہوا اور ہو رہا ہے۔ جس کا معنی و مفہوم پڑھا لکھا، تو پڑھا لکھا، ایک عام دیہاتی انسان بھی خوب سمجھ رہا ہے۔ سفر ہی سے اسم فاعل 'مسافر' بنا ہے۔ یہ بھی خوب خوب متعارف و مستعمل ہے۔ یہ بات بھی بالکل طے ہے کہ پہلی انسانی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ہی پہلا سفر کیا اور

پہلے مسافر ہونے کا اعجاز بھی انہیں کو حاصل ہے۔انسان کی سرشت میں تنوع پسندی شامل ہے۔ اس کی فطرت وطبیعت میں تغیر پذیری داخل ہے۔ایک مقام پر قیام، ایک ہی طرزِ رہائش، ایک ہی طرح کا لباس، ایک ہی طرح کا کھانا، ایک حالت و کیفیت پر ثابت قائم رہنا، اکتاہٹ اور جھنجھلاہٹ کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی وہ تنوع پسندی اور تغیر پذیری اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پر اکساتی اور ابھارتی ہے۔ چنانچہ وہ نقل مکانی کرتا ہے۔ مسافتیں قطع کرتا اور راستے عبور کرتا ہے۔ نئی جگہ، نئے مکان، نیا ماحول، نئی تہذیب و معاشرت اور نئے لوگوں سے آشنا ہوتا ہے۔ وہاں کے کچھ اثرات وہ قبول بھی کرتا اور منافع و مشاہدہ کا ذخیرہ جمع کرتا ہے۔ جب کہ کچھ خصائص و اثرات وہ خود وہاں چھوڑتا ہے۔ یوں زبان وتہذیب، لباس ومعاشرت اور افکار وخیالات کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

اولادِ آدم کی کثرت و بہتات نے نئے قبیلے، نئے معاشرے، نئی آبادیاں اور نئے ادیان و مذاہب بھی تشکیل دیئے۔نئی قومیں، نئے تمدن، نئی طرزِ زندگی، نئے فلسفے اور نظریے وجود میں آئے۔ ان جدت طرازوں نے نئے اصول وضابطے وضع کئے۔ انسانی آبادیوں کو الگ الگ دھروں اور جہتوں کی طرف ہانکنے لگے۔ طبیعت کی افتاد، ضروریاتِ زندگی اور کاروباری نظامِ زندگی نے لوگوں کو اِدھر اُدھر بکھیر بھی دیا۔ آپس کی وہ محبت ومفاہمت، جو کبھی قائم تھی، اس کی جگہ نفرت وعداوت اور کبھی جنگ وجدال نے بھی لے لی۔ نئے نظاموں اور تمدنوں کے رہنماؤں نے کبھی امن و بھائی چارہ کی فضا ہموار کی، تو کبھی بے چارگی ولا چارگی پر بھی مجبور و بے بس کیا۔ محبت ونفرت کے یہ سفر کبھی بستیاں بساتے ہیں اور کبھی جمی جمائی بستیوں کو اجاڑ کر کھنڈرات میں تبدیل کرتے ہیں۔ بناؤ اور بگاڑ کے اس عمل نے تاریخ عالم کے صفحات پر ہر قسم کے نقوش چھوڑے ہیں۔ مگر سفر جاری ہے اور جاری رہے گا۔

موضوعات ومقاصد کے اعتبار سے سفر کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ دینی و مذہبی سفر، دعوتی و اصلاحی سفر، جیسے انبیا و مرسلین اور مصلحین ومفکرین کے اسفار، علمی و تعلیمی سفر، ادبی و مذاکراتی سفر، تہذیبی وتمدنی سفر، سفارتی وخیر سگالی سفر، جیسے طلبہ، علما، مدبرین، ادبا اور دانشوروں کے اسفار، شاہی وسیاحتی وتفریحی سفر، جیسے، امرا، نوابین، راجاؤں اور بادشاہوں کے اسفار، جو کبھی محض سیر

وتفریح کے لئے ہوا کرتے تھے، سرکاری واقتداری سفر، فوجی وعسکری سفر، جنگ جویانہ ومہماتی سفر، جیسے فتوحات ومقبوضات کے جذبے سے کئے گئے اسفار، اس قسم کے اسفار کی کارستانیوں اور کتھونیوں سے تاریخ کے اوراق لبالب ہیں اور اس دور بلا خیز میں یہ ریت زیادہ ترقی پذیر ہوئی ہے، ان کے علاوہ وہ اسفار بھی ہیں، جو ذہنی وفکری اور خیالی وتصوراتی ہوا کرتے ہیں۔ جن کے سامانِ سفر، وسائلِ سفر اور نقل وحمل کی ضرورت نہیں ہوا کرتی ہے۔ ایسے سفر، جن کے ابعاد بڑے وسیع ہوتے ہیں، بیٹھے بٹھائے یہ اسفار کر لئے جاتے ہیں۔ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مسافر محو پرواز رہتا ہے اور ہر طرح کے لطف ولذت سے ہمکنار رہتا ہے۔

سفر کے وسائل واسباب بھی مختلف ہوا کرتے ہیں۔ پہلے زمانوں میں سفر آسان نہیں تھے۔ وسائل محدود تھے۔ راستے پر خطر تھے۔ نقل وحمل اور مواصلات کے ذرائع کم سے کم تھے۔ بحری وبری راہوں کے خطرات ومشکلات زیادہ ہونے کی وجہ مسافر بہت محتاط طور طریقے سے سفر ہوا کرتا تھا۔ دورِ جدید کی بحری وبری اور فضائی ترقیات وسہولیات نے اب سفر کو آسان سے آسان تر کر کے چھوڑ دیا ہے۔ پل کے پل اور دم کے دم میں انسان کہیں سے کہیں جا سکتا اور واپس آ سکتا ہے۔ ان جدید ذرائع نے مسافتیں سمیٹ دی ہیں اور طول وعرض سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے لوگ عام طور پر اب ہوائی سفر ہی کرتے ہیں۔ صبا رفتار بسیں، کاریں اور ٹرینیں بھی ہیں، جن میں اعلیٰ واوسط درجے کے لوگ سفر کیا کرتے ہیں۔ ہر شخص ہر طرح کے سفر اور اخراجات برداشت بھی کر سکتا ہے۔ وہ اپنی صوابدید پر سواری کا انتخاب کرتے ہیں۔ دیہاتوں میں آج بھی بیل گاڑیوں کا رواج باقی وبرقرار ہے۔ پہاڑی، صحرائی، میدانی اور ریگستانی خطوں میں آج بھی گھوڑے، گدھے، خچر، ہاتھی اور اونٹ بطور سواری استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں پہلے کے بہ نسبت اب پگڈنڈیوں کی جگہ چکنی سڑکوں نے لے لی ہے۔ شہری ودیہی چوک چوراہوں میں اب تقریباً ہر جگہ سواریاں موجود ملتی ہیں۔ ان تمام سہولتوں کے باوجود بعض افراد پیدل سفر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ غرض اب سفر مشکل نہ رہا۔ بہت حد تک آسان اور محفوظ ہو گیا ہے۔ جس کی جیسی قوتِ برداشت ہوتی ہے۔ وہ ویسا ہی سفر اور سواری اختیار کرتا ہے۔

سفر اور سیر و سیاحت کا مفہوم بظاہر یکساں لگتا ہے۔ مگر غور کریں، تو نمایاں فرق معلوم ہوگا۔ سیر و سیاحت میں کوئی خاص مقصدی و افادی پہلو غالب نہیں ہوتا۔ بلکہ تفریح و خوش طبعی، خوش اوقات گزاری، خوش گپی، منورنجن، ریلیکس اور ریفریش منٹ پیش نظر ہوتی ہے۔ یہ خوش حال، خوش اوقات، خوش پوش، خوش خور، ہر طرح سے فارغ البال قسم کے افراد اس طرح کی سیر اور سیاحت پر نکلتے ہیں۔ تا کہ ذہنی و جسمانی تکان دور کر سکے۔ جب کہ سفر کسی نہ کسی مقصد سے جڑا ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی غرض مسافر کے سامنے ہوتی ہے۔ وقت اور نقد دونوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ فضولیات و فواحش اور وقت گزاری اور پیسے کی بربادی سے وہ کوسوں دور رہتا ہے۔ اسے اپنے سفر، اپنی منزل، اپنے وقت اور اپنی جنس عزیز اور منظورِ نظر ہوتی ہے۔ کم سے کم وقت اور نقد میں وہ اپنا کام نپٹانا اور زیادہ سے زیادہ فائدہ و منافع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے، تو سیاح و سیار ایک آزاد پنچھی اور کٹی پتنگ ہوتا ہے۔ جہاں چاہتا ہے، گھومتا پھرتا اور منڈلاتا رہتا ہے۔ جب کہ مسافر اپنے مقصد کی ڈور سے جڑا اور بندھا ہوتا ہے۔ وہ اپنی منزل سے ٹکا اور سٹا ہوتا ہے۔ نتیجے میں وہ اپنا گوہرِ مراد پا لیتا ہے۔

اس لئے سیر و سیاحت کے بجائے سفر کی اہمیت اور اس کی افادیت ہر دور اور دیار میں مسلم رہی ہے۔ ہر قوم اور ہر قرن میں سفر کو کامیابی و کامرانی کا وسیلہ تسلیم کیا گیا ہے۔ عربی کی کہاوت 'السفر وسیلة الظفر' اسی طرف واضح اشارہ کرتی ہے۔ مذہبی پیشواؤں، سیاسی رہنماؤں، طالب علموں، تاجروں نے کبھی پیدل چل کر بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اب تو اس برقی دور مواصلات میں فتح و ظفر اور کامیابی و کامرانی کے حدود و امکانات نہایت روشن ہو گئے ہیں۔ پہلے زمانوں میں پیغمبرانِ عظام نے اپنے پیروں ہی چل کر کارِ پیغمبرانہ سر انجام دیا تھا۔ مفسرین و محدثین، فقہا و مجتہدین، مصلحین و مبلغین، ادبا و شعرا اور طلبائے دین و دانش نے طول طویل فاصلوں اپنے پاؤں تلے روندر وندڈالے اور دنیا کے نقشوں پر انمنٹ نقوش ثبت کئے۔ اس دور جدید میں، جب کہ ساری سہولتیں مہیا و میسر ہیں، تاہم پیروں اور پاؤں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جو اسفار انہوں نے تاریک راتوں اور چاند ستاروں کی روشنی میں کئے تھے، وہ آج دن کے اجالوں میں ہم سے نہیں ہو پا رہے ہیں۔ قدیم و جدید

اسفار میں یہ ایک واضح فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔

سفر نامہ کیا ہے یا سفر نامہ کسے کہتے ہیں۔ مسافر اور سیاح جب اپنی قوم سے دوسری قوم، اپنے ملک سے دوسرے ملک یا اپنی تہذیب و معاشرت سے کسی اور تہذیب و معاشرت میں داخل ہوتا ہے اور پھر جب واپس آتا ہے، تو لوگ اسے انہماک سے سنتے، سمجھتے اور پوچھتے ہیں۔ تب وہ مسافر یا سیاح فطری طور پر اپنے مشاہدات و تجربات، آنکھوں دیکھی چیزیں، عادات و اطوار، نئی معلومات و انکشافات کو بڑی دلچسپی سے بیان کرتا ہے۔ سفری تاثرات و احساسات کے سننے سنانے کی اسی ریت نے سفر نامہ نگاری کی روایت کی طرح ڈالی۔ سفر نامہ نگار کا موئے قلم ایک محض بے کیمرہ نہیں، جو صرف تصویریں اتارتا ہے، مسافر کا ذہن اور قلم افراد و اشیا کی تہوں تک پہنچتا ہے۔ بھلے برے، حسن و قبح، پسند و ناپسند اور ظاہر و باطن کی تہہ داریوں کا تجزیہ کرتا ہے۔ تب کہیں جا کر وہ اپنے سامعین و قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس پیش کش میں ایک نوع کی رعنائی، دلکشی، کھچاؤ اور رچاؤ ہوتا ہے۔ جو سامع و قاری کو ایک غیر محسوس، مگر پر کشش اور دلچسپ دھاگے سے باندھے رکھتا ہے۔ سفر نامہ نگار کا یہی وہ وصف ہے، جو وہ اپنے سامع و قاری کے ذہنوں اور دماغوں پر حاوی اور چھایا رہتا ہے۔ نئی معلومات اور نئے انکشافات کی وافر فراوانی، سفر نامہ نگار کی یہ وہ خوبی ہوتی ہے، جو انہیں مقبول و محبوب بناتی ہے۔ دیکھا دیکھی دوسرے مسافر و سیاح بھی اس روش و روایت کو اپنانے لگتا ہے۔

ادبی صنف اور اسلوبی اعتبار سے سفر ناموں کو بیانیہ صنف کی چیز کہا گیا ہے۔ جس کا جواز یہ ہے کہ سفر نامہ نگاری، سفری داستان نویسی اور سرگذشتِ سفر لکھنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہ عمل تو چاہتا ہے ذہنی دراکی کو، تیز حس کو، گہرے مشاہدہ کو، قوی حافظہ کو اور قوتِ اخذ و استنباط کو اور ہاں! اس فن کو منظر نگاری و پیکر تراشی بھی مطلوب ہے۔ خاکہ نگاری و مرقع نویسی کا بھی یہ فن طالب ہے۔ لوگوں اور چیزوں کو برت کر اور سمجھ کر خوبی و خامی کا بے لاگ اظہار بھی اس فن کے لوازمات میں شامل ہے۔ بے جا رورعایت اور سر دیکھ کے سلام اور پگڑی دیکھ کر انصاف کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ یہ خوبیاں نہ ہوں، تو سفر نامہ نگار ادب کے اس مطلوبہ معیار اور اس فن کے فنی و تکنیکی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ اسلوب و پیش کش کی یہ وہ خاص کمزوری ہے، جو سفر نامہ

نگار کے سفری احوال کو بے فیض و بے روح کٹھونی بنا دیتی ہے۔ پھر وہ سفر نامہ صنفی و اسلوبی لحاظ سے سفر نامہ نہیں رہ جاتا۔ اب چاہے، اسے جو کچھ بھی کہہ لیا جائے۔ جو بھی نام دے دیا جائے۔

انبیا و مرسلین اور صوفیا و مشائخین کے احوالِ سفر اور اسی طرح حج نامے و زیارت نامے، جو ثقہ، قوی، معتمد اور عدالت و صداقت کے کھلے کھلے اور صاف و شفاف آئینہ دار ہیں اور جو قرآن، تفاسیر، احادیث و آثار، سیر و تراجم اور بے داغ تاریخ و فلسفہ کا حصہ ہیں، خدا بیزار اور اشتراکیت زدہ یا استعمار و استشراق کی مزعومہ و مزخرفہ ذہنیت سے مرعوب و مغلوب ادبا و دانشور نے مذہبی و تقدیسی ادب کے زمرے میں ڈال رکھا ہے، یہ بڑا ہی حیران کن امر ہے اور تباہ کن سوچ و فکر کا اپچ بھی۔ جو نہ انسانیت ہی کا بھلا ہے، نہ شرافت و دیانت کا اور نہ ہی وہ معیاری و اخلاقی، تعمیری و ترقیاتی ادب کہے جانے کا مستحق ہے۔ ہاں! فحاشی و عریانی، حیوانی و شہوانی، فحش نگاری و برہنہ نویسی، حیا باختہ فکر و اسلوب، جس کی کسی بھی سماج کی سماجی و اخلاقی شریعت ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتی اور نہ کسی بھی سماج کا ایک شریف انسان اسے برداشت کرسکتا ہے، کو ایک فرضی معیار بنا لیا گیا ہو، تو یہ معیارِ بد اور بدی و بدکاری کا محور انہیں سو بار مبارک ہو۔ یہی وہ معیار و محور ہے، جس نے اس جنتِ ارضی کو جہنم کدہ بنا ہے۔

جس طرح سفر کی کئی قسمیں ہیں، اسی طرح سفر ناموں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ موضوع، مواد اور اسلوب و پیش کش کے لحاظ سے یہ بات خود بہ خود صاف ہو جاتی ہے کہ وہ کس قسم کا سفر نامہ ہے۔ خالص دینی و مذہبی، دعوتی و تبلیغی، اصلاحی و تعمیری، ارشادی و تذکیری، ہدایتی و تلقینی، خالص تعلیمی و تدریسی، علمی و ادبی، مذاکراتی و مناظراتی، مناقشتی و مجادلاتی، سیمیناری و کانفرنسی، خالص سرکاری و حکومتی، سیاسی و سفارتی، صحافتی و ثقافتی، فوجی و عسکری، کاروباری و تجارتی، سیاری و سیاحتی۔ سفر ناموں کی تقسیم و تفہیم کے سلسلے میں تھوڑی گفتگو آگے بھی آئے گی۔ وہاں یہ وضاحت کر دی جائے گی کہ یہ کس نوعیت کا سفر نامہ ہے۔

قدیم و جدید سفر ناموں میں، جو نمایاں فرق پایا جا ہے، وہ یہ ہے کہ قدیم سفر ناموں میں تاریخ اور جغرافیہ پر زیادہ زورِ قلم صرف کیا گیا ہے۔ گویا مسافر جس ملک و قوم میں گیا ہوا ہوتا ہے، اس کی توجہ کا بیشتر حصہ اس ملک و قوم کی تاریخ و جغرافیہ سے وابستہ ہے۔ دیگر امور مثلاً سماج و

معاشرت، تہذیب وثقافت، آداب واخلاق، رہن سہن، کھان پکوان اور دیگر داخلی وخارجی امور ومعاملات میں اسے کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی یا وہ ان پر اپنی توجہ مبذول نہیں کرتا۔ یہ قدیم دور کی ایک ضرورت بھی تھی اور تقاضا بھی تھا۔ چوں کہ اس بات کی زیادہ ضرورت کہ درست معلومات لوگوں تک بہم پہنچائی جائیں۔ اب یہ ضرورت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ تاریخ وجغرافیہ سے بہت حد تک لوگ واقف وآگاہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب جدید سفر ناموں میں یہ باتیں بالکل نا کے برابر ہوتی ہیں اور آداب اخلاق ومعاشرت، طریقۂ تعلیم وتربیت، اصولِ تجارت و حرفت، منہجِ تعمیر وترقی، امن وآشتی، محبت ویگانگت، آپسی میل جول وخیر سگالی جیسے امور پر جدید سفر نامہ نگار اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ جو بہر صورت بہتر اندازِ فکر ہے۔

سفر ناموں کی ساخت، اساس اور اٹھان، دراصل کہانیوں، مثنویوں اور داستانوں کے بطن سے ہوئی ہے۔ بقول مادر پدر آزاداد با کے، تقدیسی ادب، اصنافِ ادب اور ادب پاروں کو چھوڑ کر پہلے کہانیاں لکھی جاتی تھیں، مثنویاں اور داستانیں تحریر کی جاتی تھیں۔ ان میں تمثیلی انداز میں جو افراد واشخاص، پلاٹ وکردار تراشے جاتے تھے، ان تمثیلی وتخیلاتی افراد وکردار سے جو تانا بانا بنا جاتا تھا، تقریباً مسافر اور اس کے مسافرانہ احوال وکوائف کا عکس اس میں اتر آتا تھا۔ نوابوں اور بادشاہوں کے سفری حالات، جو روز نامچے، خود نوشت، جنگی مہمات ومحاذ آرائی، سیر وشکار اور احوال حیات کے ضمن میں، جو کچھ قلم بند کیا جاتا تھا، اس میں بھی سفر نامہ کا غیر ارادی وغیر مرتب مواد موجود ہوتا تھا۔ خطوط اور یومیہ رپورٹس بھی اجزائے سفر نامہ لئے ہوئے ہوتے تھے۔ غرض سفر ناموں کی تحریر کا چلن پہلے پہل بھی تھا۔ لیکن وہ ارادی، مقصدی اور براہِ راست نہیں ہوتا تھا۔ غیر ارادی، ضمنی طور پر سفر ناموں کا مواد ومیٹریل موجود ومہیا ہوتا رہتا تھا۔ جب مستقلاً اور بالذات سفر نامہ نگاری کی ریت رواج پکڑی، تو پھر وہی اجزا وعناصر بنیادی اینٹ کا کام کر گئے اور پھر سفر نامہ نگاری روایت آگے بڑھی اور آج یہ ایک مستقل فن ہے اور ادبی زمرے اور فنی قبیلے میں شامل بھی ہے۔

مذکورہ بالا پیراگراف سے معلوم ہوا۔ سفر نامہ نگاری کا آغاز تاریخ نویسی کے ساتھ ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ البتہ اصناف واسالیبِ ادب میں اس کے مقام ومرتبہ کا تعین بعد میں ہوا۔ سب کو پتا

ہے کہ فنِ تاریخ کی ایجاد و اجرا کا سہرا بھی اہل اسلام ہی کے سر سجا ہوا ہے۔ تو اب نتیجہ ہوا کہ فن تاریخ و عمرانیات کی طرح فن سفر نامہ نگاری کا موجد بھی مسلمان ہی ہے۔ مغربی رائٹر شپلے [shiply] کی پیروی میں آزاد خیال و فکر کے ادیبوں نے دنیا کا پہلا سفر نامہ نگار یونانی سیاح 'ہیروڈوٹس' کو قرار دیا ہے، جو کسی طرح بھی جائز و درست نہیں اور نہ ہی وہ فن تاریخ کا بانی و موجد ہے۔ ہیروڈوٹس کا دور ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوا کہ گزرا ہے۔ ہیروڈوٹس کا زمانہ ۴۲۵ قبل مسیح ہے۔ اس لئے مغربی مفکرین کا معیار و قول ہرگز قابل نہیں، بلکہ بہر گام لائقِ ردو استرداد ہے۔ ہم نے اوپر بتا دیا ہے کہ دنیا کی اولین انمول پہلی انسانی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی ہے۔ جب وہ پہلے انسان ہیں، جو سب کو تسلیم ہے، تو پہلا سفر بھی انہوں نے ہی کیا۔ حضرت آدم کا سفر نامہ مرتب نہیں، مگر اس کے اجزائے ترکیبی بالکل ثقہ صورت میں یقیناً موجود و مسلم ہیں۔ اسی طرح تمام رسولوں اور نبیوں کے حالاتِ اسفار بھی۔ پھر ہر رسول و نبی کے حواری و صحابہ اور صلحائے امت کے حالات و واقعات بھی مستند انداز میں موجود و میسر ہیں۔ خود ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام اور ان کی امت کے پاک باز و راست باز افراد و اخیار کے تاریخ ساز اسفار کا نہ کوئی جواب ہے، نہ کوئی جوڑ ہے۔

اسی طرح دیگر نو پید مذاہبِ عالم کے مذہبی رہنماؤں کے حالاتِ ہستی اور احوالِ اسفارِ مستی، ان کے اپنے عقائد و اعتماد کے مطابق بالکل صحیح صورت و شکل میں بیان کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر فیثا غورس، مانی، سقراط، کنفیوشش، زرتشت یا زردشت، بودھ، رام، کرشن وغیرہ۔ یہ سب کے سب 'ہیروڈوٹس' سے بلا شبہ سینیئر ہیں اور زمانۂ سابق میں ہو گزرے ہیں۔ ان تاریخی شواہد کی روشنی میں پھر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ 'ہیروڈوٹس' تاریخ، جغرافیہ اور سفر نامہ نگاری کا پہلا و اول شخص ہے۔ مغرب کی اس کھلی تاریخی دھاندلی کو بطیب خاطر آج کے ادبا و دانشور کیوں کر سچ مانے لیتے ہیں۔ انتہائی جائے حیرت اور حد درجہ باعثِ استعجاب ہے۔ وہی مغرب، جو تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھا، جہالت و درماندگی کی گہری غار میں دفن تھا، بلکہ تاریخ و ثقافت کس چڑیا کا نام ہے، جانتا تک نہ تھا، مصر، ایران، بغداد، اندلس، ہندوستا، چین اور جاپان علم و ہنر، تہذیب و ثقافت، تاریخ و فلسفہ، سیاست و معاشرت اور حسن آداب زندگی کے آبدار و تابدار گہر و جوہر لٹا

رہے تھے۔ تب پھر کس منہ سے یہ دعوی ہے کہ 'ہیروڈوٹس' علم تاریخ و جغرافیہ اور فنِ سفر نامہ نگاری کا پہلا بانی و سربراہ ہے؟

سفر نامہ کیسے وجود میں آتا ہے۔ یہ اصولی بات گزر چکی کہ سفر نامہ کی بنیاد درحقیقت وہ تحریریں ہیں، جو سفر و حضر کی یادگار چیزیں، یادداشتیں، ذاتی نوعیت کے اہم نوٹس، ڈائریاں، روز نامچے، خطوط، دورانِ سفر کی ناقابل فراموش باتیں اور یادیں، جو روز بروز لکھ لی جائیں، آپ بیتیاں، جگ بیتیاں، خودنوشت سوانح عمریاں، اعزہ و اقارب اور دوست و احباب کو بھیجی گئی اور سنائی گئی تحریریں اور باتیں، جو بذریعہ خط پتر یا ہوزبانی طور پر ہو، یہی چیزیں حقیقتاً سفر ناموں کے بنادی گارا چونا اور اینٹ پتھر ہیں۔ اسی بنیاد پر سفر نامہ کی پر شکوہ عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ایک صورت وہ بھی ہے کہ مسافر من اور ذہن بنا کر گھر سے نکلے اور قدم قدم پر جزئیات نگاری کرتا جائے اور پھر واپس آکر اپنے لکھے کی ترتیب و تنقیح کر لے۔ اس طریقِ عمل سے بھول چوک اور رطب و یابس کا خدشہ ختم ہو جاتا ہے۔ جو کچھ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔ راست انداز میں اپنے سفر نامہ کا حصہ بنا دیا۔ ایسا سفر نامہ تصنع، آمیزش، بناوٹ اور ملاوٹ سے پاک تصور کیا جائے گا اور اس کی تاریخی و استنادی حیثیت مسلم مانی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے سفر ناموں کو تاریخی و تحقیقی ماخذوں میں راست ماخذ کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔

سفر نامہ کبھی مسافر خود ہی مرتب و مدودن کر لیتا ہے اور اس کی زندگی میں ہی چھپ بھی جاتا ہے۔ ایسا سفر نامہ اصولِ تحقیق کی روشنی میں اپنی مستندیت و معتبریت بہر صورت بحال و برقرار رکھتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کی حیات میں یا وفات کے بعد اس کے نسبی و نسبتی اعزہ و تلامذہ یا احباب و رفقا میں سے کوئی شخص اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس مسافر کی مذکورہ بالا مستند مانا و توانا مواد سے اس کا سفر نامہ ترتیب دے ڈالتا ہے۔ اگر یہ عمل مسافر کی حیات میں ہوتا ہے اور اس مسافر کی نظر سے گزر بھی جاتا ہے، تب بھی وہ سفر نامہ اولین ماخذ کے اولین زمرے و ذخیرے ہی میں شمار کیا جائے گا اور اگر یہ مسافر کی وفات کے بعد یہ ترتیبی عمل جامۂ عمل پہنتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مرتب مسافر کی تحریر کردہ اور بیان کردہ امور و اشیا کو من و عن، جوں کا توں با حوالہ نقل کرتا چلا جائے، تب یہ صورت بھی اسی اول و راست زمرے ہی کی چیز

قبول وتسلیم کی جائے گی اور اگر مرتب مسافر کے اس مواد کو بالذات نہیں، بلکہ بالمعنی تحریر و بیان، یعنی اپنے لفظوں میں ترتیب دیتا ہے، تو پھر یہی وہ تغیر پذیری ہے، جو اس سفر نامہ کو کچھ اور تو بنا سکتی ہے۔ مگر وہ مرتب اس کی استنادی حیثیت کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ وہ لاکھ گارنٹی کی کوشش اور جتن کیوں نہ کر ڈالے، اصولِ تحقیق کے میزان پر اپنا سندی وزن اور اعتمادی وقار بحال نہیں کر سکتا۔ ایک سفر نامہ ہی کیا، تحریر کی دنیا میں قریب ہر صنف کا یہی حال و مآل ہے۔

اسلام کے پیغمبروں اور دیگر مذاہبِ باطلہ کے رہنماؤں کے اسفار، چاہے وہ سفر نامے کی شکل میں مرتب ہوں یا نہ ہوں، بہر حال تاریخ عالم اور مذاہب عالم کے سمجھنے میں مددگار اور ان کی تفہیم میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ یوں ہی اسلام کے پیرو کاروں اور دوسرے ادیان و مذاہب کے تابعداروں میں اہم اہل علم و ہنر کے اسفار اور ان کے سفر نامے بھی کائنات کے مدو جزر کے جاننے میں معین و مددگار رہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے سفر ناموں پر ایک جامع نگاہ ڈالنے سے پہلے قدیم ادیان و مذاہب کے رہبروں، رہنماؤں، سیاحوں اور سفارت کاروں کے سفری حالات و معاملات اور مرتب سفر ناموں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کر دیا جائے۔

انبیا و رسل علیہم السلام حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کی سفر پسندی و سفری احوال، ہر نبی و رسول کے پاکانِ امت کے سفری آثار و اخبار ہی اولین اسفار اور سفر نامے ہیں۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ شروعات تو بہر حال حضرت آدم علیہ السلام ہی سے ہوئی۔ پھر مابعد کے انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم ہیں۔ اب رہی بات تاریخ دانوں اور اہل تحقیق کی، تو یہ ایک اعتباری و تخمینی آکڑا ہے، نہ کہ حتمی و یقینی اور اذعانی و اعتقادی۔ اہل تاریخ و تحقیق نے جو کچھ بھی اپنے ظن و تخمین سے ڈھونڈ نکالا ہے۔ وہ یہ ہے:

ایران، بابل، مصر، بغداد، یونان، ہندوستان، چائنا، یہ ممالک دورِ قدیم ہی سے قدیم تہذیب و ثقافت کے مراکز رہے ہیں۔ ہندوستان اپنے علم و فن کی برتری، طلبہ کی کثرت، راہوں، رہگذروں کی سہولت اور مذہبی تشخص میں اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔ یونان اپنی قدامت، تاریخ و تمدن میں پہلے سے ہی مشہور تھا۔ یونانی قوم جفا کش بھی تھی اور جاں باز بھی۔ یہ اپنے ملک کے علاوہ پاس پڑوس اور دور دراز کے خطوں کا بھی سفر کرتی تھی۔ مسافری و کوچہ گردی، سپہ گری،

بہادری، شعر وشاعری، کھیل کود، ڈرامہ اس قوم کے شوق و دلچسپی کے بہترین مشغلے تھے۔ روما گرچہ ایک بہتر طرزِ حکومت رکھتا تھا۔ لیکن سفر کے سلسلے میں کسی حد تک خطرات و خدشات رہا کرتے تھے۔ ہندوستان میں جب رامائن، مہا بھارت اور گیتا جیسی ہندو دھرم کی مذہبی کتابیں منظر عام پر آئیں، جن میں ملک کی علمی تگ و تاز، امن و آشتی، زمین کی زرخیزی اور یہاں کی عظمت بیان کی گئی، تو ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک کے طلبہ، تجار اور سیاح بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ ادھر بابل بھی اس دور میں اپنی علمی عظمت، تہذیبی فوقیت، ثقافتی برتری کا ایک بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ روم و یونان کے سفر پسند افراد اور علم کے متلاشیوں کا رخ ادھر ہی ہونے لگا۔ چھٹی صدی قبل مسیح مسافروں، سیاحوں، تاجروں اور صحرا نوردوں کے لئے ہندوستان باعث کشش بنا ہوا تھا۔

ہیروڈوٹس

یہ شخص یونان کا ایک ذی علم آدمی تھا۔ اسے علم تاریخ، جغرافیہ دانی اور شوقِ سفر کا دلدادہ تھا اور اپنا سفر نامہ لکھتا تھا۔ جس میں یونان کے باہر کی دنیا کی معلومات فراہم کرتا تھا۔ یہ شخص ۷۲۵ قبل مسیح موجود تھا۔

پیمانۂ مغرب

مغربی دانشوروں اور مشرقی روشن دماغ ادیبوں نے اسے 'بابائے تاریخ' اور سفر نامہ نگاری کا 'پہلا سفر نامہ نگار' کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ جو ہمیں تسلیم نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت عیسی علیہ السلام سے قریب دو ہزار سال پہلے ہوئے ہیں۔ ایک سو سینتیس سال [۱۳۷] عمر پاک پائی ہیں۔ مکۂ مکرمہ کی خدمت و پاسبانی اور دنیا جہان کی قیادت و رہنمائی فرمائی ہیں۔ حضرت اسماعیل خود فلسطین سے سفر ہجرت کر کے مکۂ مکرمہ آ بسے تھے۔ ان کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام بغداد سے فلسطین اور پھر فلسطین سے مکۂ مکرمہ کم از کم چار بار سفر فرمایا۔ ان سے پہلے کے انبیا اور ان کی امتیں بہت پہلے ہو کر گذری ہیں۔ پھر اس یونانی شخص کو تاریخ، جغرافیہ اور سفر نامہ نگاری کا پہلا بندہ کیوں کر مانا جا سکتا ہے؟۔ پس اسلام کے پیروکاروں کو چاہیے کہ وہ مغرب کا ہر پیمانہ پائے حقارت سے پاش پاش کر کے ٹھیکریاں بنا کر ہوا میں اڑا

دے۔ مغرب کے مستشرق اور مشرق کے مستغرب کی یہ بنیاد جب ختم ہوگئی۔ تو بس اب صرف ایک سلسلۂ بیان رہ گیا، نہ کہ اولیت واقدمیت کا سہرا اس کے سر سجا۔

میگس تھیز

یہ بھی یونان کا ایک جیالا فرد تھا۔ سیر و سیاحت اور سفر کے شوق نے میگس تھیز کو پا بہ جولاں کر رکھا تھا۔ اس نے ۳۰۳ قبل مسیح ہندوستان کا دورہ ہی نہیں، بلکہ ایک تفصیلی سفر کیا تھا۔ اس کا 'سفر نامۂ ہند' سفر ناموں کی تاریخ میں دریافت شدہ ہونے کے اعتبار سے پہلا سفر نامہ مانا گیا ہے۔ جو [انڈیکا] کے نام سے مشہور ہے۔

سکندر کا سفیر

سکندر اعظم یونان کا بادشاہ تھا۔ اس کا جانشین سیلوقس تھا۔ یہی سیلوقس نے میگ تھیز کو بحیثیت سفیر ہندوستان روانہ کیا تھا۔ اس وقت ہندوستان میں چندر گپت کی حکمرانی تھی اور اس وقت کے ہندوستان کی راجدھانی پاٹلی پتر [عظیم آباد، پٹنہ] میں تھی۔ میگ تھیز وہیں پاٹلی پتر میں وارد ہوا اور کئی برس قیام کیا اور ہندوستان کا مطالعہ بہت قریب سے اور غور وخوض سے مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ یہ وہ دور تھا، جس میں یہاں کی برہمن وادلابی افضل و برتر پوزیشن میں تھی۔ جین مت اور بودھ مت کے پیروکاروں نے اس لابی کے خلاف اعلانِ جنگ چھیڑ رکھا تھا۔ یہ چوتھی صدی قبل مسیح کی بات تھی۔ میگ تھیز کا سفر نامۂ ہند ایک ایسا آئینہ ہے، جس میں چندر گپت دورِ حکومت کی ہر طرح کی تصویر اتر آئی ہے۔ یہ سفر نامہ ہندوستان کی تاریخ اور چندر گپت موریہ عہد حکمرانی کا ایک مستند ماخذ کی حیثیت سے مانا گیا ہے۔

چین کا فاہیان

یہ فاہیان چین کا باشندہ تھا۔ بودھ دھرم سے متاثر تھا اور اس میں خاصی دلچسپی رکھتا تھا۔ وہ پانچویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا۔ تو یہاں قریب قریب ہر طرف بودھ مت کی حکمرانی وعملداری قائم ہو چکی تھی اور تب یہاں راجہ بکر ماجیت سیاسی اقتدار حاصل کر چکا تھا اور تختِ اقتدار پر براجمان تھا۔ چینی سیاح 'فاہیان' کا مقصدِ سفر بودھ مت کی تعلیم حاصل کرنا تھا اور اور اس دھرم کی مذہبی کتابوں کو نقل کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے

ہندوستان کا دورکیا اور خصوصاً بودھ مت کے قدیم مراکز ویشالی، پاٹلی پتر، کپل وستو اور کشی نگر وغیرہ کا جاں کاہ سفر کیا۔ میگ تھیز کے سفر نامہ کی طرح ’فاہیان‘ کی کتاب ’بودھ حکومت کے حالات‘ بھی مورخین کے نزدیک ایک اہم ماخذ مانی گئی ہے۔

بودھ مت کا بانی

اس دھرم کا بانی مہاتما بودھ تھا۔ وہ یہیں پیدا ہوا اور اپنے مذہب کا خوب پرچار کیا۔ جو جلد ہی مقبولیت حاصل کرلیا۔ بودھ مت اور برہمن واد میں رسہ کشی جاری رہی۔ نتیجے میں بودھ مت نے مشرق میں چین اور جاپان کا رخ کیا۔ وہاں خوب پھلا پھولا۔ لیکن بانی کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے اس کا رشتۂ عقیدت ومحبت برابر قائم رہا۔ یوں بودھ مت کے مقدس مقامات غیر ملکی سیاحوں اور زائروں کے لئے مرکزِ توجہ رہے اور یہاں کا شعبۂ سیر وسیاحت متواتر ترقی پذیر رہا اور اب تک ہے۔

ہیونگ سانگ

ان غیر ملکی زائروں میں ایک نمایاں نام، چائنا سے آنے والے سیاح ’ہیونگ سانگ‘ کا ہے۔ یہ ہندوستان اس وقت آیا تھا۔ جب عرب میں ہمارے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی۔ ادھر ہندوستان میں راجہ ہرش چندر کی عملداری قائم ہو چکی تھی۔ یہ سیاح ہندوستان میں ۶۳۰ء میں وارد ہوا اور ۶۴۵ء تک قیام پذیر رہا۔ اس طویل مدت میں اس نے ملک کا کونا کونا چھان مارا۔ ہیونگ سانگ کا مقصد بھی بودھ مذہب کا مطالعہ ہی تھا۔ اس کے لئے اس نے علاقہ مگدھ بودھ گیا، نالندہ یونیورسیٹی کا دورہ کیا۔ قنوج میں منعقد ایک دربار میں حاضر ہوا۔ سوات گیا اور کابل تک پہنچا۔ اس کے سفر نامہ میں راجہ ہرش چندر کے دور حکومت کے ہندوستان کی قریب ہر چیز کا بیان موجود ہے اور اس سفر نامہ کو مؤرخوں نے ماخذ کے طور پر استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔ ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب ’تمدن ہند‘ میں اس سفر نامے کی اہمیت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

پیغمبر امن وانقلاب

چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر میں پیغمبر امن وانقلاب ہمارے آقا حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی سرزمین عرب میں آمد مبارک ہو چکی تھی۔ ۵۷۱ء کے فوراً بعد جب یہ تحریک امن و انقلاب پوری شان وشوکت کے ساتھ شروع ہوئی، تو ساری دنیا ایک نئے نظام حیات سے آشنا ہوئی اور جوش وقوت کے ساتھ وہ اکنافِ عالم تک پھیلتی چلی گئی۔ روم و یونان وفارس، جو اس دور کی مضبوط سے مضبوط تر حکومتیں، ملتیں، قومیں اور تہذیبیں تھیں، اس اسلامی تحریک کی آہٹ سے نہ صرف چوکس ہو گئیں اور ان کے کان کھڑے ہو گئے، بلکہ کچھ ہی دنوں بعد ان کی لہلہاتی شوکتیں سرد ہو گئیں اور لہراتے پرچم سرنگوں ہو کر رہ گئے۔ عربوں کی جہاز رانی اور شوقِ سفر مثالی تھا۔ وہ جاں باز وشہباز تھے۔ انہیں جہاں گردی، جہاں بینی اور جہاں گیری قدرت نے بتا دی تھی۔

ان کا پہلا سفر، بلادِ عرب کے باہر حجاز سے حبشہ کی جانب ہوا، جو محض تیرہ نفوس قدسیہ پر مشتمل تھا۔ دوسرا قافلہ جب اسی حبشہ کی طرف روانہ ہوا، تو اس میں تراسی [۸۳] افراد کی شمولیت تھی۔ خود اندرونِ عرب آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف قبائل، شام، طائف کے تبلیغی دورے کئے اور پھر مدینۂ منورہ سفر ہجرت اختیار فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام تمام عرب کا چپہ چپہ کھنگال ڈالا، اِدھر ہندوستان، اُدھر اندلس [اسپین] تک کا سفر کیا۔ کشتیاں جلا کر جانوں کو ہتھیلیوں پر لے کر سفر پر سفر کرتے رہے۔ مالا بار اور گجرات کے ساحلی علاقوں کی بندرگاہوں پر ان کے جہاز لنگر انداز ہوتے رہے۔ دعوت، اعلائے حق، اتمام حجت، تجارت، فتح، نصرت، ان کا مقصدِ سفر تھا۔ چھٹی صدی عیسوی کا ربع آخر، ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی اس تحریک امن وامان کا عہدِ زریں ہے۔ بعد کی صدیاں بھی کسی حد تک اسی زریں عہد کا تسلسل رہا۔ تا آں کہ دنیان جہان کے کناروں تک پہنچ کر یہ سلسلہ ذرا تھم سا گیا اور اب جو حالات ہیں، سب کے سامنے ہیں۔

سلیمان تاجر

یہ پہلا عرب تاجر تھا، جو ہندوستان کے ساحل پر اترا تھا۔ اس نے یہاں تجارت بھی کی۔ راجوں اور نوابوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ طرز حکومت اور طرز معاشرت کا غور وفکر کے ساتھ مطالعہ بھی کیا۔ وہ ہند سے چین بھی گیا اور ہند وچین کے حالاتِ حکومت اور طرز زندگی کا تقابلی جائزہ بھی لیا۔ ۲۳۷ھ میں اس نے اپنی یادداشتوں کو مرتب کر کے اپنا سفر نامہ تیار کیا۔ جو

ایک عرصہ بعد 'سلسلۃ التواریخ' کے نام سے شائع بھی ہوا۔

ابوزید حسن

یہ بھی تیسری صدی ہجری کا ایک سیاح تھا۔ جو فارس کی معروف بندرگاہ 'سیراف' کا رہنے والا تھا۔ مشہور مؤرخ وسیاح ابوالحسن مسعودی سے اس نے یہیں ملاقات کی تھی۔ ابوزید حسن سیراف سے چین گیا تھا اور وہ ہندوستان بھی آیا تھا۔ پچیس تیس برس بعد انہوں نے سلیمان تاجر کے سفرنامے کا 'تکملہ' لکھا۔ جو 'سفرنامۂ سلیمان' کے ساتھ یہ 'تکملہ' بھی ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔

ابوالحسن مسعودی

یہ شخص بڑا ہی عالم وفاضل تھا۔ تاریخ نویسی، جغرافیہ دانی اور سیر وسیاحت سے اس کو حد درجہ شغف تھا۔ ملکوں اور قوموں کے حالات وخصائص جاننے کا اس کو نہایت ہی شوق اور جستجو تھی۔ بغداد کا رہنے والا یہ فاضل شخص قریب اپنی آدھی عمر صحرانوردی، بادیہ پیمائی اور سیاحت وسفر میں گزار دی۔ کوئی پچیس برس وہ گھومتے گھامتے ہی رہے۔ وہ اپنے وطن بغداد سے نکلے۔ شام گئے، روم گئے، ایشیائے کوچک کا دورہ کیا۔ وہ مصر بھی گیا اور سوڈان بھی۔ وہ عرب کی سیر کی اور ایران کی بھی۔ وہ ہندوستان بھی آیا اور سری لنکا اور تبت بھی گھوم آئے۔ اس کے ذوقِ سیاحت کو چائنا جا کر ہی چین ملا۔ بحری وبری اسفار کے نتیجے میں جو انہیں معلومات وتجربات حاصل ہوئے۔ تمام تر مشاہدات ومعلومات کو انہوں نے ایک ضخیم تصنیف میں سمیٹ اور سمو کر رکھ دی۔ اسی تصنیف لطیف کا نام 'مروج الذہب ومعادن الجواہر' ہے۔ اس بلند پایہ مصنف کی یہ نہایت بلند پایہ کتاب ہے۔ جو تمام اقوام عالم اور ممالک کے ذکر سے مملو و مالا مال ہے اور استناد کا یہ عالم ہے کہ کوئی مؤرخ ومحقق اسے نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ بھی مسعودی کئی اہم تصانیف کے مصنفِ علام ہیں۔

احمد بن فضلان

احمد بن فضلان نے روس کا سفر کیا۔ یہ وہ دور تھا، جو مسلمانوں کا دورِ عروج کہلاتا تھا۔ ایسے دورِ عروج اور عہد ارتقا میں احمد بن فضلان نے روس کو بہت قریب سے دیکھا اور مطالعہ کیا

اور اپنا سفر نامہ مرتب کیا۔ جو 'سفر نامۂ روس' کے نام سے معروف ہے۔ چوتھی صدی ہجری کا یہ سفر نامہ ایک مستند ماخذ ہے۔

ابراھیم اصطنجری

ابو اسحٰق ابراہیم اصطخری اسی عروج عہد اسلامی کا ایک نہایت مشہور و معتبر مؤرخ، محقق، سیاح اور جغرافیہ داں ہے۔ جس نے ایشیا بھر کا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو، جو اس نے وہاں کا سفر نہ کیا ہو۔ ۳۴۰ھ میں جب وہ وارِدِ ہندوستان ہوا، تو اس کی ملاقات ابن حوقل سے یہیں ہوئی۔ فن جغرافیہ میں اصطخری کی دو کتابوں نے بڑی شہرت پائی۔ ایک 'الاقالیم' اور دوسری 'المسالک والممالک'۔ دونوں شائع شدہ ہیں۔ پہلی کتاب، جس میں برصغیر کے متعدد شہروں خاص کر سندھ کا جغرافیائی نقشہ بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔ جب کہ دوسری کتاب میں عرب اور عربوں، ایران اور ایرانیوں اور ہندوستان اور ہندوستانیوں کا تذکرہ تفصیلاً کیا گیا ہے۔

المقدسی

ابوعبید اللہ المقدسی، یہ وہ فرد فرید اور رجل عظیم ہے، جس نے ساری اسلامی دنیا کی سیر کر ڈالی اور بڑی طمانیت اور فراخ دلی سے کی۔ اس کی سیر و سیاحت کا دورانیہ کوئی بیس سال بتایا گیا ہے۔ مراکش سے تاشقند کا سفر ایک تاریخ ساز سفر ہے۔ سیاحتوں اور ملاقاتوں کے نتیجے میں معلومات کا جو ذخیرہ انہوں نے اکٹھا کیا، وہ ایک مستند تاریخی ذخیرہ ہے۔

ابن حوقل

محمد ابوالقاسم ابن حوقل، یہ بغداد مقدس کا باشندہ تھا۔ علم و فضل سے مالا مال یہ شخص، ایک کامیاب تاجر و سوداگر بھی تھا۔ انہوں نے بیشتر بلادِ عربیہ اور اسلامی ممالک کا جی جان لگا کر سفر کیا۔ کچھ ستائیس برسوں تک وہ مسافرانہ زندگی گزارتے رہے۔ ۳۳۱ھ کو وہ اپنے گھر سے قدم باہر نکالا تھا، تو ۳۵۸ھ میں اس کا قدم گھر کی چوکھٹ پہ پہنچا۔ دوران سفر ہی اس کی ملاقات ابو اسحٰق اصطخری سے ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کی یادداشتوں سے استفادہ بھی کیا۔ ابن حوقل کی کتاب 'اشکال البلادیۃ' تاریخ و جغرافیہ کے ماخذوں میں بڑی اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔

ابو النیا بشاری

یہ عرب سیاح ابو النیا بشاری مقدسی تمام عالم اسلام کے رقبوں کی اپنے پاؤں سے پیمائش کی۔ خشکی اور دریائی راہوں کا یہ مسافر اور اقوام وملل کا یہ مطالچی برصغیر ہند آیا اور سندھ کو بہت قریب سے دیکھا بھالا۔ بشاری کا ذخائر معلومات و مشاہدات نے، جو سفر نامہ کا روپ دھارن کیا، وہ 'احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم' کا عرفی نام لے کر سامنے آئی۔ تاریخی و جغرافیائی ذخائر معلومات پر مشتمل یہ کتاب ۳۷۵ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ وقار و اعتبار اور استناد میں یہ سفر نامہ اپنا جواب آپ ہے۔

ناصر اصفہانی

وسط ایشیا اصفہان [ایران] کا یہ سیاح محض ایک سیاح نہیں، وہ ایک بڑا ہی معقول عالم وفاضل ترین فرد ہے۔ حکمت، طبابت، فلسفہ، اسلامی حس، فارسی زبان وادب سے دلچسپی، بہترین شاعری سے اشتغال رکھنے والے حکیم ناصر خسرو بلخی ۱۰۴۵ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کی نیت سے اپنے دیار سے روانہ ہوا، تو ۱۰۵۲ء تک مسلسل سفر ہی سفر کرتا رہا۔ پہلے تو انہوں نے مناسک حج ادا کئے۔ پھر مختلف ملکوں اور شہروں کی سیاحت و زیارت کی۔ خصوصاً فلسطین، قدس، دمشق، شام، حلب، بغداد، قاہرہ اور اسکندریہ وغیرہ کا طول طویل دورہ کیا۔ سات سالوں کی مسافری، سیاحی، زیارت و ملاقات کے بعد جب انہوں نے اپنے اسفار کے ماحصل کو مرتب کیا، تو 'زاد المسافرین' کے لقب سے ملقب کیا۔ مولانا عبد الرزاق کان پوری نے اس فارسی سفر نامہ کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے، جو چھپ چکا ہے۔ ناصر اصفہانی جن ایام میں اپنا شوقِ سفر کی تکمیل میں تھے، تو اس وقت ہندوستان کی پیشانی پر سلطان محمود غزنوی کی حکمرانی کا پرچم لہرا رہا تھا۔

البیرونی

خوارزم، وسط ایشیا کے مسلم علاقوں میں ایک ممتاز علاقہ تھا۔ فضل وکمال، دین ودانش، ہیئت و ہندسہ، فلسفہ و ریاضی، فلکیات، تحقیقِ لسانیات، فن جغرافیہ، سیاحت، مسافرت، صحرا نوردی، حقائقِ اشیا کی تلاش اور شعر وادب میں یدِ طولیٰ اور مہارتِ تمام رکھنے والے علامہ ابو

ریحان البیرونی اسی خوارزم کا طرۂ افتخار تھا۔ علمی دنیا میں جس کا غلغلہ آج بھی بلند ہے۔ علم و دانش اور تلاش و جستجو کا یہ پیکر اس وقت ہندوستان کا رخ کیا۔ جب یہاں سلطان محمود غزنوی سریر آرائے تختِ حکومت [۹۹۸ءتا۱۰۳۰ء] تھا۔ باوجود اس کے کہ البیرونی کا قیام ملتان میں زیادہ رہا۔ لیکن اس نے اپنے ذہنِ رسا اور اخاذ طبیعت سے سارے ہندوستان کی قوموں، علوم وفنون، طرزِ سیاست و معاشرت، آداب و اخلاق، سماجیات و ماحولیات، معاشیات و اقتصادیات، ہنود، یہود، نصاریٰ کی خصوصیات و اوصاف کا تجزیہ ایسی باریک بینی اور جزرسی سے کیا ہے۔ جس کے منطقی استدلال اور اخذِ نتائج کے طنطنہ و طمطراق کے سامنے ہر دور کے عقلا و فضلا سر دھننے پر مجبور ومحتاج ہیں۔ دیگر تصانیف کے علاوہ البیرونی کی ’کتاب الہند‘ انہی جوکھم بھرے اسفار کی تاریخ ساز یادگار ہے اور ان کی زندگیٔ جاوداں کی علامت بنی ہوئی ہے۔

ابن جبیر

اسلامی اسپین کے شہروں کی دلہن اور قدیم اندلس کے ماتھے کا جھومر ’غرناطہ‘ علم و فن، فضل وکمال، متمدن طرزِ حکومت و حیات، امن و یکجہتی، خوش حالی و خیر سگالی اور حسن و رعنائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ ابن جبیر کا اصل وطن تو ’شاطبہ‘ تھا۔ لیکن اس نے ’غرناطہ‘ کو اپنا وطن ثانی بنالیا تھا۔ ابن جبیر اسی اسلامی اندلس کا شاہکار سیاح تھا۔ تین تاریخی اسفار کا مجموعہ ’رحلۃ ابن جبیر‘ وسیع و وقیع معلومات و ماحصل کے علاوہ عربی زبان و ادب کا ایک حسین شاہکار ادب پارہ ہے۔ ابن جبیر کا پہلا سفر حج بیت اللہ کے لئے ہوا تھا۔ فریضۂ حج کے بعد دمشق، شام اور عراق کی سیاحت و زیارت کے بعد ۵۸۱ھ میں وطن واپس لوٹا۔ دوسرا سفر بھی سفرِ حج ہی کا کیا۔ اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی بیت المقدس فتح کر چکے تھے۔ ابن جبیر حج کے بعد آزادانہ طور پر بیت المقدس کی زیارت کی اور ملکی حالات کا بنظر غائر جائزہ لیا۔ یہ سفر ۵۸۵ھ میں کیا گیا تھا۔ تیسرا سفر ابن جبیر نے اس وقت کیا۔ جب ان کی اہلیہ ’عاتکہ ام المجد‘ کی وفات ہو چکی تھی۔ اب کی بار انہوں نے پہلے حج و زیارت کا فریضہ ادا کیا۔ پھر گھومتے گھماتے مصر پہنچے۔ وہاں کی ہوا و فضا ان کو ایسی راس آئی کہ وہیں انہوں نے مستقل طرح اقامت ڈال لی۔ ابن جبیر کے قلم کی خوبی و شادابی ایسی

پر کشش ہے کہ کیا ادیب وشاعر، کیا محقق ومؤرخ اور کیا سیاست داں وسیاح، سب نے ان سے خوشہ چینی کی ہے، حتی کہ سیاحانِ عالم کے سرتاج ابن بطوطہ نے بھی ان سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔

ابن بطوطہ

چودھوی صدی عیسوی کا یہ قابل ترین اور فاضل ترین مرنجامرنج خوبرو نوجوان مراکش کے مقام 'طنجہ' میں پیدا ہوا۔ شیخ ابوعبداللہ معروف بہ ابن بطوطہ، جو اپنی نوجوانی میں اپنے گھر سے نکلا، تو چھبیس [۲۶] سالوں بعد اپنے بوڑھاپے میں اپنے گھر اس وقت لوٹ آیا۔ جب اس کے بالوں کی سیاہی کی جگہ، سفیدی نے لے لی تھی۔ یہ اخاذ ونباض فاضل شخص ۱۳۲۵ء میں اپنی سیاحت پر نکل کھڑا ہوا، تو ۱۳۵۱ء کو اپنے وطن کا منہ دیکھا۔ تئیس [۲۳] برس کی عمر میں یہ بانکا سجیلا مراکشی مسافر پہلے حجاز دیکھا، حج وزیارت کا فریضہ ادا کیا۔ پھر یمن گیا، تب دمشق، شام، مصر، ترکی، عراق، ایران، بخارا، ماوراءالنہر، بدخشاں، افغانستان سیر کرتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ انہوں نے ہندوستان کا سفر جی بھر کر کیا۔ جنوب وشمال، مغرب ومشرق گھوم پھر کر دیکھا۔ دکن میں مدراس، کیرالا، کرناٹک، بمبئی، گجرات، شمال میں دہلی، یوپی، بہار، بنگال وِزٹ کرتا ہوا چائنا تک جا پہنچا۔ دہلی میں ان ایام میں محمد تغلق تختِ شاہی وشہنشاہی کی زینت بنا ہوا تھا۔ محمد تغلق اس فاضل فرد کی صلاحیت وقابلیت سے ایسا متاثر تھا کہ انہیں عہدۂ افتا وقضا پر بیٹھا دیا اور ابن بطوطہ کامل دو سالوں تک اس منصبِ جلیل کی منصبی ذمہ داریاں بحسن وخوبی سرانجام دیں۔ پھر محمد تغلق نے انہیں اپنا رازدار سفیر بنا کر چین کے خاقان کے پاس روانہ کیا۔ ابن بطوطہ کی سفر پسندی اور شوقِ سیاحت کا مجموعی رقبہ پچھتر [۷۵] ہزار میل بتایا گیا ہے۔

ابن بطوطہ علوم اسلامیہ اور فنون ادبیہ میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا۔ مذاہبِ اربعہ کے کلیات و جزئیات پر عبور اور فقہِ مالکی پر مہارتِ تامہ رکھتا تھا۔ غالباً وہ مالکی المذہب تھا۔ آثارِ شریفہ اور مقاماتِ مقدسہ اور زیارت گاہوں کا وہ فدائی، شیدائی اور سودائی تھا۔ اولیاء اللہ سے انہیں بے حد انس وانسلاک تھا۔ تصوف وسلوک کا دلدادہ تھا۔ معجزات وکرامات، مزارات ومقابر، کشوف و

خوارقِ عادات، صوفیانہ طرز تبلیغ اور عاشقانہ و عارفانہ منہج سے حد درجہ تعلقِ خاطر اور اشتغال تھا۔ حسن آمد، حسن تکلم، حسن خلق، حسن ادا کا وہ پیر جمیل تھا۔ آشنا و نا آشنا دونوں پر چھا جانے والی ان کی غیر معمولی مقناطیسی شخصیت اور میگنیٹی سیرت و صلاحیت، جہاں جاتا، امرا ہوں، شرفا ہوں، نوابین ہوں، شاہانِ وقت ہوں یا علما و فضلا اور صوفیا و مشائخ ہوں، اپنا پر جوش خیر مقدم کروا لیتی تھی اور وہ جلد ہی اس نئے سماج، نئی معاشرت، نئے ماحول میں گھل مل جاتا تھا۔ ابن بطوطہ کی علمی فراوانی، ادبی چاشنی، شیریں بیانی، شاداب طرزِ کلام، مشاہدہ و تجربہ کی تیز حس، مافوق ذہانت و فطانت، شخصی کشش، خوش پوشی و جامہ زیبی، درویشانہ رکھ رکھاؤ، منطقیانہ و فلسفیانہ استدلالی اخذِ نتائج کی دراکیت، افہام و تفہیم کا قابل قبول حسین انداز، قدرت نے کچھ ایسا ودیعت فرمایا تھا کہ بگڑتی بنا دینا، الجھتی سلجھا دینا اور ناسازگار حالات پر فوراً قابو پالینا، اس کے بائیں دستِ ہنر مند کا کھیل تھا۔

اتنے ملکوں کی سیر اور سفر، اتنی قوموں اور جہانِ حیات کا قریب سے مطالعہ، کتنا گہرا مطالعہ و مشاہدہ، کتنی معلومات اور کتنے تجربات کا عظیم ذخیرہ ابن بطوطہ کی زنبیل میں جمع ہو گیا ہو گا۔ جب وہ واپس مراکش پہنچا، تو وہاں کے سلطان ابو عنان کو سب کچھ کہہ سنایا۔ محمد بن محمد جزالکلبی نے اسے ترتیب کا لباس پہنایا۔ تب 'رحلۃ ابن بطوطہ' تیار ہو گیا اور اسے 'عجائب الاسفار' کا نام دیا گیا۔ یہ ایک ایسا سفر نامہ وجود میں آیا، جس میں چودھویں صدی عیسوی کا نصف اول اپنی تمام تر کیفیات کے ساتھ سانسیں لے رہا تھا۔ علمی مواد، لسانی خوبی، عربی ادب کا بانکپن، دنیا جہان کی تہذیبوں، ثقافتوں، جہانگیری و جہاں بانی کے اصول و قواعد، امن و جنگ اور حلف و حرب کے ضابطوں، قضایا و مقدمات کے فیصلوں، فلاح و رفاہِ عام و خوش حالیٔ رعایا و عوام، فلک شگاف پہاڑوں، لق و دق صحراؤں، پرشور دریاؤں، پرخطر راہوں، پر سوز نغمہ سنجیوں، سبزہ زاروں و مرغزاروں کی لہک و لہلہاہٹ، مور و ملخ کا رقص، مرغانِ چمن کی چہچہاہٹ، سنسان جنگلوں و بیابانوں کی سنسناہٹ، کوتاہ قصہ یہ کہ ایک عہد اور ایک عالم کی متحرک تصویروں کا وہ ایک زندہ جاوید البم اور نگار خانہ ہے۔

سفر ناموں کے میدان میں 'رحلۃ ابن بطوطہ' نے جو شہرت و عظمت پائی اور اپنی استنادی حیثیت قائم کی، وہ کسی اور سفر نامے کو قطعاً نصیب نہ ہوئی۔ مؤرخین مشرق کے علاوہ دانشورانِ

فرنگ بھی اس سے بے حد متاثر ہوئے اور استفادہ کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک مدت تک یہ خزانۂ عامرہ نظروں سے اوجھل رہا۔ ایک مستشرق قلمکار ڈاکٹر سموئیل نے اس کی دریافت کی اور ۱۸۲۹ء میں اس کی تلخیص شائع کی۔ چند برسوں کے بعد الجزائر میں اس کا مکمل مسودہ دست یاب ہوگیا۔ پیرزادہ حیات الحسن نے 'عجائب الاسفار' کا پہلا اردو ترجمہ کیا اور پہلی بار امرتسر سے ۱۹۰۱ء میں 'سفر نامہ ابن بطوطہ' کے عرفی نام سے شائع ہوا۔ دوسرا ایک کامل ترجمہ رئیس احمد جعفری نے ۱۹۶۱ء میں کیا۔ یہی ترجمہ اب اردو دنیا میں زیادہ تر رائج و مستعمل ہے۔

تزک بابری و جہانگیری

جریدۂ عالم پر ہندوستان ایک ایسا طلائی ورق اور سیم صفحہ تھا کہ جس کی صباحت و ملاحت آمیز چمک دمک نے اقوام عالم کی آنکھوں اور کانوں میں دید و شنید کی چمک پیدا کردی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تیمور و بابر اپنی زمین سے اٹھا۔ جن کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور ٹاپوں کی سرسراہٹ نے ہندوستان کے بن میں ایک حیات تازہ کی روح پھونک دی۔ شہنشاہ محمد ظہیر الدین بابر اپنے وطن 'فرغانہ' سے اٹھا، تو سیدھے دہلی آیا اور پھر آگرہ تک جا پہنچا۔ ہندوستان کی دھرتی نے جیالے، جفاکش، جاں باز، مہم جو بابر کے پاؤں یوں پکڑ لی کہ پھر تو وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ اپنے اس وطن ثانی کو بابر نے ایسا سجایا اور سنوارا کہ یہاں کی مسندِ اقتدار خود بہ خود اس کے لئے خالی ہوئی اور پھر وہ اس پر مسند نشین ہوگیا۔ 'تزک بابری' ہے تو اس کی ایک خودنوشت سوانح عمری۔ مگر یہ خودنوشت بجائے خود ایک داستانِ سفر ہے۔ جو اس کے آغازِ سفر فرغانہ سے شروع ہوتی ہے اور دہلی و آگرہ کی شہنشاہی کے آخری موڑ پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ یوں من وجہ یہ ایک سفری داستان یا سفر نامہ ہی ہے۔ بابر کی زبان ترکی تھی۔ یہ داستان بھی اسی زبان میں لکھی گئی۔ اکبری عہد میں اسے عبدالرحیم خان خاناں نے اسے فارسی میں منتقل کیا۔ اردو تراجم بھی کئی ہوئے۔ ان دنوں رشید اختر ندوی کا ترجمہ مقبول و متداول ہے۔ اس سفر نامے میں بابر ایک عظیم شہنشاہ، ایک عظیم مؤرخ، ایک عظیم سیاح اور ایک عظیم سفر نامہ نگار کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ 'تزک جہانگیری' اسی کی ایک توسیعی کڑی سمجھنا چاہیے۔ وہی جہانگیر، جس نے بابر کے خوابِ پریشان کو شرمندۂ تعبیر کیا اور ہندوستان کو 'جنت نظیر' بنا کر چھوڑا۔

مارکو پولو

جہانگیر وشاہ جہاں کا ہندوستان ’جنت نشان‘ بن چکا تھا۔ چنانچہ مشرقِ بعید اور شرقِ اوسط کے زائروں اور سیاحوں کے بعد مغرب کی آنکھ کھلتی ہے۔ مارکو پولو کا باپ بہت بڑا حوصلہ مند سیاح تھا اور بادشاہِ چین ’قبلائی خان‘ کا درباری رہ چکا تھا۔ دشت پیمائی، دریا عبوری، سیاحت ماسرت کا شوق اور جان جوکھم میں ڈالنے کا حوصلہ اسے وراثت میں ملا تھا۔ شوقِ سیاحت نے مارکو پولو کو اس کے گھر سے اس وقت نکال دشت وجبل کی سیاحی کے راستے پر ڈال دیا۔ جب اس کی عمر بالکل کھیل کود کی تھی۔ مہم جو معرکہ پسند طبیعت کا یہ بالک چھوکرا پہلے چین گیا۔ پھر ہندوستان کے ساحل مالابار، کیرلا آیا اور ۱۲۶۵ء تا ۱۲۶۷ء یہاں وہ قیام پذیر رہا۔ ان ایام میں یہاں سلطان غیاث الدین بلبن کی حکمرانی تھی۔ یورپ کا یہ پہلا کم عمر سیاح ومسافر تھا، جو ہندوستان آیا تھا۔

پارتھولوموڈاز

مشرقی وعربی سیاحوں کے سفرناموں نے مغرب کی آنکھیں کھول دی تھیں اور اس کے شوقِ سیاحت اور جستجوئے سیر کو آتش زیر پا کر دیا تھا کہ ہندوستان کتنا حسین وزرخیز ہے۔ پرتگال کے بادشاہ لزبن نے مارتھولوموڈاز کو ہندوستان کی تلاش کے لئے تیار کیا۔ مارتھولوموڈاز ۱۴۸۶ء میں پرتگال سے ہندوستان روانہ ہوا۔ افریقہ کے مغربی ساحل سے جنوبی ساحل تک سفر کیا۔ ہندوستان کی طرف بڑھنے کی کوشش میں تھا کہ سمندری طوفانوں اور دریائی تھپیڑوں نے اس کی ہمت وحوصلے کو توڑ کر رکھ دیا اور وہ ناکام ونامراد واپس لوٹ گیا۔

کرسٹوفر کولمبس

یہ تیسرا یورپی سیاح تھا۔ جو ہندوستان کی مہم جوئی پر اسپین کے بادشاہ کے حکم و تعاون سے اس جادہ پیمائی پر روانہ ہوا۔ سمندروں کی طغیانیوں اور دریاؤں کی پرشور موجوں نے اسے ہراساں ومایوس تو نہیں کیا۔ مگر سمتِ سفر کے تعین میں اس سے فاش غلطی ہوگئی اور وہ ہندوستان کے بجائے امریکی جھیل، جھاگ، جھنکار اور ویران جزیروں پر پہنچ گیا۔ کرسٹوفر کولمبس کا یہ سفر ۱۴۹۲ء میں ہوا تھا۔

واسکوڈی گاما

تلاشِ ہند کی تیسری کوشش کی ناکامی کے بعد چوتھی کوشش واسکوڈی گاما کی شکل میں شروع ہوئی۔اسی پرتگال کے بادشاہ کے کہنے پر گاما نے یہ دردسر گوارا کیا۔گاما راس امید اور مڈغاسکر کے راستے سفر شروع کیا اور ۲۷ رمئی ۱۴۹۸ءکو واسکوڈی گاما اپنے ایک سوساٹھ ساتھیوں سمیت ہندوستان میں [مالابار] کالیکٹ کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا۔ یہ قافلہ کچھ سال بھر تک یہاں مقیم رہا۔

برطانوی کپتان

یہ وہ دور تھا، جب ہندوستان میں مغلوں کی مضبوط حکومت قائم تھی۔ سیاحوں اور سفیروں کی آمدورفت جاری ہو چکی تھی۔عربوں کے علاوہ پرتگال،فرانس اور برطانیہ کے تجارتی جہازوں کی سواحلِ ہند [کالیکٹ ، مالابار] کی بندرگاہوں پر آوک جاوک تھی۔ ۱۶۱۵ء میں کپتان ہاکنس اور سرٹامس ہندوستان آیا اور شاہِ انگلستان کا خط اور تحفہ ساتھ لایا۔اسی سال اجازت لے کر سورت [گجرات] میں تجارتی کمپنی ’ایسٹ انڈیا کمپنی‘ قائم کی گئی۔کپتان ہاکنس اور سرٹامس کی سفری یادداشتیں انتہائی تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔یہ جہانگیری دورحکومت تھا۔

ٹیونیز تاجر

ٹیونیز ،فرانس کا رہنے والا تھا۔ہیرے جواہرات کا بہت بڑا باکمال تاجر تھا۔تجارت کی کثرت و بڑھوتری نے اسے ملکوں ملکوں کی سیاحت پر ڈال رکھا تھا۔ ۱۶۳۹ء میں وہ ہندوستان آیا۔یہ شاہجہاں کا عہد حکومت تھا۔پھر وہ کوئی چھ چھ بار ہندوستان آیا۔آخری بار حضرت اورنگ زیب کا زمانہ تھا۔

ڈاکٹر برنیر

یہ ایک فرانسیسی سیاح ہے۔ سیاح سے زیادہ وہ ایک طبیب وحکیم، مورخ ومحقق، سیاحت پسند، سیاسی مزاج، متجسس ذہن اور سفر نامہ نگار ہے۔ ڈاکٹر برنیر عہد شاہجہاں میں ہندوستان آیا اور دورِ عالمگیری تک یہاں مقیم رہا۔اس کی مدتِ قیام کا دورانیہ ۱۶۵۶ء سے ۱۶۶۸ءتک ہے۔شاہجہاں کا آخری دور، بلکہ چل چلاؤ تھا۔وارث واولاد میں آپسی رسہ کشی،

حاسدانہ چپقلش، معاندانہ جوڑ توڑ، سیاسی اتھل پتھل، حریفانہ داؤ پیچ کا ماحول گرم تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر نربیر نے اورنگ زیب کے ایک خاص معتمد امیر دانشمند سے دوستی گانٹھی۔ اسے پائیدان بنا کر برنیر اعلیٰ عہدوں پر پہنچا اور دیگر امرا، وزرا اور قریبی کارکنانِ حکومت کی رازداریوں میں شامل ہو گیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب جب کشمیر کے لئے روانہ ہوا، تو امیر دانشمند نے برنیر کو بھی ساتھ لیا۔ اس طرح برنیر کو حکومت واقتدار کو دورونزدیک سے خارجی وداخلی امور کے گہرے مطالعے کا موقع میسر آ گیا۔ پھر جب وہ فرانس واپس ہوا، تو اپنا شاندار سفر نامہ مرتب کیا۔ جس میں برنیر غیر جانب دار، بے داغ سفر نامہ نگار نظر نہیں آتا، بلکہ ایک جانب دار مؤرخ، سیاسی مبصر، متعصب سفارت کار، فلسفہ طراز سفر نامہ نگار کے رنگ روپ میں سامنے آتا ہے۔ شاہجہاں، داراشکوہ اور اورنگ زیب کے ضمن میں خوب فلسفیانہ موشگافیاں، من گھڑت خیال آفرینیاں اور ذہنی تحفظ طرازیاں کی ہیں۔ برنیر کے سفر نامہ کا اردو ترجمہ سید محمد حسین پٹیالہ نے کیا۔ جو 'وقائع سیر وسیاحت' کے نام سے معنون ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل یہ ترجمہ پہلے مرادآباد سے ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ دوسرا اڈیشن ۱۹۰۳ء میں آگرہ سے طبع ہوا۔

نکولائی منوچی

یہ ایک اطالوی نژاد سیاح تھا۔ جو سلطان اورنگ زیب کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا۔ منوچی نے سفر نامہ کم، افسانہ زیادہ لکھ مارا۔ داستانوی وافسانوی طرز تحریر، وہ بھی منفی رویہ، متعصّبانہ اسلوبِ بیان نے سفر نامۂ منوچی کو بالکل بے اعتبار کر کے رکھ دیا ہے۔ ڈاکٹر برنیر اگر کریلا تھا، تو منوچی بالکل نیم چڑھا ہو گیا ہے۔ سفر نامۂ منوچی کے اردو میں تین ترجمے ہوئے ہیں۔ پہلا سید مظفر علی خان نے کیا ہے۔ جو 'فسانۂ سلطنتِ مغلیہ' کے نام سے آگرہ سے شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ ملک راج شرما نے کیا، جو 'ہندوستان: عہد مغلیہ میں' کے عنوان سے ناولسٹ ایجنسی لاہور سے طبع ہوا۔ تیسرا انتخابی ترجمہ سجاد باقر رضوی نے کیا۔ جو 'داستانِ مغلیہ' کے نام سے پیوپلس پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا۔

عیسائی مشنریز کی آمد

اب یہ اٹھارویں صدی عیسوی کا ربع آخر تھا۔ اس کی آخری دہائی کے نویں مہینے یعنی

۱۱ر نومبر ۱۷۹۳ء کو عیسائی مشنریز کے کل پرزے ہندوستان آ گئے۔ ڈاکٹر تھامس، بحیثیت طبیب و ڈاکٹر دو بار پہلے ہی ہندوستان آ چکا تھا۔ اب جو تیسری بار آیا، تو طبیب نہیں، پادری کے بھیس میں آیا اور اپنے ساتھی مشہور پادری ولیم کیری اور اس کے رفیق کار وارڈ کو ساتھ لے آیا۔ ہندوستان اس کا دیکھا بھالا تھا۔ بنگال میں کلکتہ کی زمین اسے راس آئی۔ ولیم کیری اور وارڈ نے، جو خطوط لکھے اور ڈائریاں قلم بند کیں۔ ان میں حقیقت بیانیاں کم اور غالب تر حصہ الف لیلوی داستان طرازیوں کا ہے۔

حج نامے

ماقبل مسیح سے اٹھارویں صدی عیسوی تک، یہ ان سیاحوں اور سفارت کاروں کا ذکر تھا، جو مشرقِ بعید اور شرقِ اوسط سے برصغیر ہند و پاک آئے۔ اب ذرا سا ذکر ان کا، جو برصغیر اور شرق اوسط سے باہر کی دنیا دیکھنے گئے۔ یہ ان ایام کی بات ہے کہ سفر آسان نہ تھا، نہ سفر وسائل کی فراوانی تھی اور نہ ہی سفر کے راستے ہی پر امن اور قطع کرنا آسان تھے۔ تاہم فارغ البال افراد یہاں وہاں کا سفر کر ہی لیا کرتے تھے۔ خصوصاً زیارتِ حرمین شریفین کے لئے تو نکلا ہی کرتے تھے۔ حجاز اقدس جانے والے سارے خوش نصیب سفر نامے نہ لکھتے تھے اور نہ ان کو اس کا خیال ہی آیا۔ وہ واپس آ کر زبانی طور پر اپنی داستانِ سفر ضرور بیان کیا کرتے تھے اور لوگ شوق و انہماک سے سنا کرتے تھے۔

البتہ بعضے حضرات اپنی رودادِ سفر سناتے بھی تھے اور اپنی یادداشتیں تحریر بھی کر لیا کرتے تھے۔ انہی یادداشتوں کی تحریری شکل حج نامے کہلائے۔ دورِ حاضر کے دانشوروں نے حج ناموں کو سفر ناموں میں شمار کرنے سے تامل کیا ہے اور ایسی تحریروں کو تقدیسی ادب اور مذہبی ادب کا نام دے کر اپنا پلہ جھاڑ لیا ہے۔ جیسے حج نامے تحریر و ادب کی دنیا سے کوئی باہر کی چیز ہو اور ان میں ذخیرۂ معلومات، علمی مواد، ادبی پہلو، تحریر و قلم کی خوبی، لسانی خصوصیات، اسلوبی رنگا رنگی موجود ہی نہ ہو۔ دراصل یہ ان ادیبوں اور دانشوروں کی، وہ مرعوبانہ و مجرمانہ ذہنیت کا شاخسانہ ہے، جن کو مذہب اور مذہبی ادب پاروں سے کہیں نہ کہیں خدا واسطے بیر ہے۔ یہ تقسیم بھی عصر جدید کی ہے، نہ کہ دورِ قدیم کی۔ یہ بیسویں کے نصف اول [۱۹۳۶ء] کی اپج ہے۔ جب سے ترقی

پسند تحریک کی شروعات ہوئی۔ یہ تحریر تمام حج ناموں کے احاطہ کرنے کی نہ تو متحمل ہے اور دعوے دار۔ مشتے از خروارے، چند حج ناموں کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سفر نامۂ مقدسی

جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ شیخ ابوعبداللہ المقدسی، جنہوں نے '**احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم**' جیسی بلند پایہ کتاب لکھ کر سفر ناموں کے شعبے میں سنگ میل قائم کیا۔ اس کا ایک خاصا حصہ حج و زیارت، مقامات مقدسہ، حرمین شریفین کے در و دیوار، مناسک و معمولات، عرب کے جداول وجغرافیہ، تاریخ وآثار اور قدم قدم پر ایمان افروز بیانات ہی پر مشتمل ہے۔ اسے حج کے سفر ناموں میں اولیت کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

سفر نامۂ ابن حوقل

شیخ ابو القاسم محمد ابن حوقل، یہ بغدادی زائر و مسافر، جنہوں نے '**المسالک و الممالک**' جیسا معلومات ومشاہدات سے لبریز سفر نامہ تحریر کیا۔ حج کے سفری احوال اور واقعاتِ حج پر تفصیلی بیانات رقم کئے ہیں۔

سفر نامۂ حکیم ناصر

حکیم ناصر خسرو اصفہانی حج ہی کی نیت سے گھر سے نکلا۔ حرمین شریفین کی جی کھول کر زیارت کی اور جب سفر نامہ لکھنے بیٹھا، تو حج ہی کے بیانات سے اپنے سفر نامہ کا آغاز کیا۔ اس کا فارسی زبان میں لکھا ہوا یہ سفر نامہ '**زاد المسافرین**' جہاں کئی ممالک و بلادِ اسلامیہ کا احاطہ کرتا ہے، وہیں سفر حج کے تفصیلی احوال پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ کہیئے تو وہ ایک بہترین حج گائڈ بھی ہے۔

حج نامہ ابن جبیر

ابن جبیر اندلسی کا سفر نامہ حج ہی کے بیان سے شروع ہوتا ہے اور حج ہی کے بیان پر ختم ہوتا ہے۔ تینوں اسفار انہوں نے حج ہی کی نیت وارادے سے کیے۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اسی ضمن میں دیگر مقامات ومناطقہ کا سفر کر ڈالا۔ عربی زبان میں تحریر کیا گیا یہ 'رحلۃ ابن جبیر' حج ناموں میں ایک بہترین مفصل حج نامہ ہے۔

رحلۃ ابن بطوطہ

سیر و سیاحت کے خوگر اور سیاحانِ عالم کا سرتاج شیخ ابوعبداللہ المعروف بہ ابن بطوطہ جیسا زیرک، نباض، جز رس اور جزئیات نگار زائر و حاج، چار چار بار حج کرتا ہے اور ہر بار مکہ مکرمہ، مدینۂ منورہ، مناسک حج، آثار و مقامات مقدسہ، حرمین کریمین کی گلیوں، کوچوں، ہواؤں اور فضاؤں کا ذکر نہایت دلچسپی سے لطف لے لے کر بیان کرتا ہے۔ رحلۃ ابن بطوطہ، جہاں ایک بہترین سفرنامہ و سیاحت نامہ ہے، اسی طرح وہ ایک بہت ہی بہترین حج نامہ بھی ہے۔

جذب القلوب

محقق علی الاطلاق محدث عبدالحق دہلوی کا حج نامہ، جو 'جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب' کے نام سے مشہور و مستند ہے، ایمان و عقائد کی بہار، عشق و محبت کا آبشار اور فارسی زبان و ادب کا شاہکار ہے۔ عارف باللہ، عاشق رسول شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ۱۵۸۹ء میں حج بیت اللہ اور زیاراتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تھے۔ جذب القلوب کا اردو ترجمہ محمد شفیع مرادآبادی نے کیا ہے، جو مروج و متداول ہے۔

فیوض الحرمین

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جب حج و زیارت کی، تو حج کی ادائیگی کے بعد، جو تاثرات و احساسات ان کے قلبِ مضطر اور ذہنِ مطہر پر مرتسم ہوئے، وہ تمام کچھ انہوں نے 'فیوض الحرمین' میں جمع فرما دیا۔ ایمان و عقیدہ، بارگاہِ الٰہی و نبوی کے حسنات و برکات، فیوضات و اکتشافات، احادیث کریمہ سے غایت درجہ دلچسپی کا اظہار شاہ ولی اللہ دہلوی نے بڑی رقت و محبت کیا ہے۔

سوانح الحرمین

یہ مولانا رفیع الدین مرادآبادی کا سفرنامۂ حج ہے۔ جو تفصیلی بھی ہے اور نہایت معلوماتی بھی اور یہ حج نامہ اہم بھی ہے۔

چند حج نامے اور

نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ، یہ ۱۸۳۹ء میں حج کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۸۴۱ء میں واپس آئے۔ بعد واپسی انہوں نے اپنا سفر نامۂ حج لکھا۔ جس کا نام انہوں نے 'ترغیب السالک الیٰ احسن المالک' رکھا۔ شاعرِ خوش نوا شیفتہؔ کا اسلوب ادبی چاشنی سے پر ہے۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ۱۸۶۸ء میں حج کیا اور 'رحلۃ الصدیق الیٰ بیت العتیق' میں اپنے حالاتِ سفر اور واقعاتِ حج کو جمع کر دیا۔ 'سفر نامۂ حجاز' نواب سلطان جہان بیگم بھوپال کی روداد سفر حج ہے [۱۹۱۱]۔ 'ماہِ مغرب' معروف بہ 'کعبہ نما' حاجی منصب علی خان کی سرگذشتِ سفر حج ہے۔ نواب محمد عمر خان رئیس محمد گڑھ باسودہ نے تین بار حج کی سعادت سے سعادت مند ہوا۔ 'زادِ غریب' انہی اسفار سفر حج کی یادگار تحریر ہے۔ ان کا یہ سفر نامہ حج ۱۸۸۰ء میں مطبع کشور ہند سے شائع ہوا۔ اس میں ان کے عرب، عراق، عجم اور مصر و شام کے بھی واقعاتِ سفر درج ہیں۔ مرزا عرفان علی بیگ نے ۱۸۹۴ء میں حج کیا اور 'سفر نامۂ حجاز' لکھا۔

مابعد کے حج نامہ نگاروں میں خواجہ حسن نظامی کا 'سفر نامۂ حجاز و مصر و شام'، [۱۹۱۱ء] عبد الماجد دریا دی کا 'سفر حجاز'، [۱۹۳۱ء] مولانا حسن الدین خاموش کا مرقع حجاز، [۱۹۳۵ء] نشاط النسا بیگم کا سفر نامۂ حجاز، [۱۹۳۷ء] ابوالحسن علی ندوی کا 'شرقِ اوسط میں کیا دیکھا'، [۱۹۵۳ء] عبد الصمد صارم کا 'سفر نامۂ حج و زیارت'، [۱۹۵۹ء] نسیم حجازی کا 'پاکستان سے دیار حرم تک'، [۱۹۶۱ء] شورش کاشمیری کا 'شب جائے کہ من بودم'، [۱۹۷۱ء] ممتاز مفتی کا 'لبیک'، [۱۹۷۵ء] ماہر القادری کا 'کاروانِ حجاز'، [۱۹۷۸ء] عبد اللہ ملک کا 'حدیثِ دل'، [۱۹۷۸ء] مولانا غلام رسول مہر کا 'سفر نامۂ حجاز'، [۱۹۸۴ء] ابوالاعلیٰ مودودی کا 'سفر نامۂ ارض القرآن'، عبادت بریلوی کا 'دیارِ حبیب میں چند روز'، [۱۹۸۷ء] وغیرہ۔ ان تمام سفر ناموں، حج ناموں اور زیارت ناموں میں شورش کاشمیری کا حج نامہ 'شب جائے کہ من بودم' نے جو شہرت و عزت پائی اور چاؤ اور رچاؤ پڑھا گیا، وہ شرف بس اسی کے لئے خاص ہے۔

دیارِ فرنگ میں

اٹھارویں صدی عیسوی کو لوگ نہ معلوم کیوں انقلاب آفریں کہتے ہیں۔ زوالِ امت، وبالِ حکومت اور شوکتِ اقتدار کے ادبار و نکبت اور انحطاط و فلاکت کو انقلاب آفریں کیوں کر کہا سکتا ہے۔ ہاں! اگر انگریزوں کی آمد اور ان کی توسیع پسندانہ ذہنیت و جبلت کو نحوست آفریں، ہلاکت آگیں اور نفرت خیز کہا جائے، تو بجا ہے۔ خیر جب انگریزوں کی آمد ہوئی۔ ان کی تجارتیں جم گئیں۔ کوٹھیاں اور کمپنیاں بن گئیں۔ عیسائیت و نصرانیت کی تبلیغ و اشاعت کے ڈیرے اور اڈے قائم ہو گئے۔ پھر وہ جب ہماری عزت، دولت، حکومت، رعب و داب، سماج و سیاست، معاش و معاشرت، زمینداری و معافی، تعلیم و تمدن، دین و عقیدہ، غرض ہر شعبۂ حیات میں ملک پر چڑھ آئے اور شب خون مارنے لگے، تب یہاں کے لوگوں میں دیارِ فرنگ دیکھنے کا شوق جاگ اٹھا اور کچھ لوگ ان کے خرچے پر اور کچھ لوگ اپنے صرفے سے دیارِ فرنگی وافرنجی جانا فخر و شرف سمجھنے لگے۔ اپنی بات اور ذات تو ان کو سمجھا نہ سکے۔ ان کی فسوں کاری اور فسانہ طرازی کا سحر اور اثر ضرور قبول کر لیا گیا۔ کسی ملک کی سیر و سفر فی نفسہ برا نہیں۔ کسی قوم کی تعلیمی نحوست اور تہذیبی نفرت سے اثر پذیر ہو جانا ضرور برا اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

شنگرف نامہ ولایت

یہ سفر ولایت یعنی یورپ کا پہلا سفر نامہ ہے۔ مسافر شیخ اعتصام الدین تھے۔ ۱۷۶۵ء میں یہ مسافر یورپ روانہ ہوا۔ قریب پونے تین برس وہاں قیام کیا۔ لندن دیکھا۔ انگلستان دیکھا اور پھر ۱۱۸۳ھ/ ۱۷۶۷ء کو بنگال واپس آ گیا۔ کٹر مذہبی مسلم ہونے کے باوجود اعتصام الدین یورپ کے سنگریزے اور خزفریزے سے بھی متاثر ہے۔ فارسی زبان میں لکھے گئے اس سفر نامہ کا مخطوطہ برٹش میوزیم کے شعبۂ مخطوطات کی زینت ہے۔ جیمز ایڈورڈ الیگزینڈر وہ پہلا شخص ہے، جس نے اس مخطوطے کی ۱۸۲۵ء اردو اور انگریزی میں تلخیص تیار کی اور اسے اپنے حواشی سے مزین کیا۔

مسیر طالبی

اس فارسی سفر نامہ کا پورا نام ’مسیر طالبی فی بلاد افرنجی‘ ہے۔ سیاح اور سیاحت نامہ نگار مرزا ابو طالب خان اصفہانی ہیں۔ وسط ایشیا کا یہ سیاح ۱۷۹۹ء میں لندن پہنچتا ہے اور ۱۸۰۳ء میں مراجعت کرتا ہے۔ کوئی چار سال کا عرصہ وہاں کے مطالعہ، مشاہدہ اور ملاقات میں گزار دے دیتا ہے۔ شیخ اعتصام الدین کی طرح ابو طالب اصفہانی بھی لندن کی لن ترانیوں سے اثر پذیر ہی ہوتا ہے۔ اثر انداز نہیں ہوتا۔ ۱۸۰۶ء میں یہ سفر نامہ مرتب ہوا۔ ۱۸۱۰ء میں چارلس اسٹیوارڈ نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔ ۱۸۰۱۲ء میں اس کے اصل فارسی مخطوطے کو فورٹ ولیم کالج نے ٹائپ مشین کی مدد سے چھاپا۔ مرزا علی رضا مخزونؔ مراد آبادی نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ اس میں انہوں نے تصویریں اور نقشہ جات بھی شامل کئے اور حواشی بھی لکھے۔ مرزا محمد صفی اللہ رئیس مراد آباد نے اسے ۱۹۰۴ء میں برلاس پریس مراد آباد سے شائع کروایا۔

عجائبات فرنگ

فارسی کے ان دو سفر ناموں کے بعد اردو کا یہ پہلا سفر نامۂ یورپ ہے۔ اس کا دوسرا نام ’تاریخ یوسفی‘ بھی ہے۔ مسافر کا نام یوسف خان کمبل پوش یا گلیم پوش ہے۔ مسافر کا اصل وطن حیدر آباد تھا۔ وہاں سے ترکِ سکونت کر کے لکھنؤ جا بسا تھا۔ اس سلسلے میں کمبل پوش نے لکھا ہے کہ ۱۸۲۸ء/ ۱۲۴۶ھ کو انہوں نے حیدر آباد چھوڑا۔ عظیم آباد [پٹنہ] ڈھاکہ، مچھلی بندر، مندراج، گورکھ پور، نیپال، اکبر آباد، شاہجہاں آباد وغیرہ گھوم پھر کر لکھنؤ پہنچا۔ کپتان ممتاز خان کی وساطت سے نصیر الدین حیدر بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہوا۔ وہیں تھوڑی بہت انگریزی سیکھی۔ تب انگلستان کی سیاحت کا شوق جاگ اٹھا۔ دو برس کی چھٹی لے کر کلکتہ پہنچا۔ پانچ مہینے وہاں کی گلی کوچے کی سیر کرتا رہا۔ ۳۰؍ مارچ ۱۸۳۷ء کو ازابیلا جہاز پر سوار ہو کر انگلستان کے لئے روانہ ہوا۔ ۱۳؍ اگست کو جہاز سے اتر کر کشتی کے ذریعہ لندن پہنچا۔

آزاد منش کمبل پوش کا یہ سفر نامہ ۲۹۷؍ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کی پہلی اشاعت زیر اہتمام پنڈت دھرم نرائن ۱۸۴۷ء/ ۱۲۶۳ھ میں ہوئی۔ دہلی کالج دہلی مطبع العلوم کا یہ اڈیشن ’تاریخ یوسفی‘ کے نام سے شائع ہوا۔ پھر مشہور ناشر منشی نول کشور نے ۱۸۷۳ء میں اس سفر نامے کو

’عجائباتِ فرنگ‘ کے عنوان سے چھاپا۔ پھر ۱۸۹۸ء میں مطبع نول کشور نے اس کا دوسرا اڈیشن طبع کیا۔ اردو کے ایک محقق محمد اکرم چغتائی کا ماننا ہے کہ یہ سفر نامہ فارسی میں لکھا گیا۔ اس کا متنی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے اوراس پر مصنف کا نام یوسف خان گلیم پوش درج ہے۔ ۱۹۸۳ء میں اردو کے پاکستانی ادیب تحسین فراقی اور مظفر عباس نے نول کشور اڈیشن کو بنیاد قرار دے کر اس سفر نامے کی نئی ترتیب کی ہیں۔ دونوں کی کاوشیں الگ الگ ہیں۔ آزاد خیال کمبل پوش کا سفر نامہ زبان و بیان کی صحت کے باوجود لندن کا خوشہ چیں اورزلہ ربا ہے۔

سیاحت نامہ

نواب کریم خان کا تعلق ریاست جھجھر کے نوابی خاندان سے تھا۔ انہوں نے مارچ ۱۸۴۰ء میں انگلستان کا سفر اختیار کیا۔ نومبر ۱۸۴۱ء تک لندن میں مقیم رہے۔ دراصل سفر مقدمۂ ریاست جھجھر کے حوالے سے تھا۔ نواب کریم آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے سفیر کی حیثیت سے سفارتی مہم پر روانہ ہوئے اور وہ نواب حسن خان کے حق میں تھے۔ مگر یہ سفارت ناکام ہوگئی اور وہ واپس آ گئے۔ یہ سفر نامہ لندن کے حالات کے ساتھ ساتھ اس مقدمے کی پیروی اور ناکامی کی داستان پر بھی محیط ومرکوز ہے۔ پہلے یہ سفر نامہ روز نامچے کی شکل میں تحریر ہوا تھا۔ جو وہ اپنی ڈائری میں لکھ لیتے تھے۔ بعد میں اسی کی مدد سے سفر نامے کی صورت دی گئی۔

تاریخ افغانستان

یہ یورپ کا نہیں، اندرونِ ملک کا سفر نامہ ہے۔ فدا حسین ایک فوجی سپاہی ہے۔ ایک جمعدار کی حیثیت سے انگریزی فوج میں شامل ہے۔ دراصل ۳؍نومبر ۱۸۳۹ء کو انگریزوں نے کابل پر چڑھائی کی، تو فدا حسین اس فوجی مہم میں جمعدار تھے۔ میرٹھ سے غزنی تک مہم جوئی۔ یہ اسی سفر محاذ آرائی کی رودادِ سفر ہے۔ اگر اندرونِ ملک اردو سفر ناموں کا تاریخی جائزہ لیا جائے، تو فدا حسین کی رودادِ سفر کو اردو کا اولین سفر نامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس فوجی مسافر کی زبان ادیبانہ نہیں، سپاہیانہ ہے۔ یعنی زبان و ادب پر زیادہ عبور نہیں ہے۔ یہ سفر نامہ ’تاریخ افغانستان‘ کے نام سے ۱۸۵۲ء میں تحریر ہوا ہے۔

سفر نامۂ لندن

یہ سفر نامہ مولوی مسیح الدین علوی نامی شخص کا ہے۔ اس کا دوسرا نام ’تاریخ انگلستان‘ بھی ہے۔ قصہ کوتاہ یہ ہے کہ ۱۸۵۶ء میں جب برطانوی عملداری نے اودھ کی ریاست کو معزول کیا اور نوابی کے خاتمہ کا اعلان کیا، تو نواب واجد علی شاہ کے خاص مشیروں نے انہیں دیا کہ لندن جا کر ملکۂ معظّمہ کے حضور مرافعہ پیش کریں۔ نواب واجد علی کلکتے تک گئے بھی۔ وہاں جا کر ان کی رائے بدل گئی اور ایک وفد [جو ۱۴۰ افراد پر مشتمل تھا] تیار کر کے اپنی طرف سے روانہ کر دیا۔ مولوی مسیح الدین علوی اس وفد کے سفیر تھے۔ کیوں کہ وہ نواب کے معتمدین میں تھے اور عمائدینِ اودھ میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۸؍جون ۱۸۵۶ء کو یہ وفد روانہ ہوا۔ مولوی مسیح الدین کی یہ سفارتی مہم بھی ناکام ہوگئی۔ ادھر ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی ہولناک جنگ شروع ہوگئی اور نواب واجد علی اپنی ناعاقبت اندیشی اور اپنے مشیروں کے کہنے پر بارہ لاکھ سالانہ وظیفہ لے کر ایک سو پینتیس سالہ ریاست و امارت کا خاتمہ کر دیا اور تار دے کر مولوی مسیح الدین اپنی سفارتی مہم سے الگ کر دیا۔ تاہم مولوی مسیح الدین لندن ہی میں رہ پڑے۔ لندن میں قریب سات سال گزارنے کے بعد ۱۸۶۳ء میں وہ لندن سے حجاز گئے دو سال قیام کیا اور دو حج ادا کئے۔ ۲۳؍دسمبر ۱۸۵۶ء کو واپس ہوا۔

یہ سفر نامہ پانچ ابواب، ایک خاتمہ اور پندرہ سو سینتیس [۱۵۳۷] پر مشتمل ہے۔ اس کی تکمیل ۱۵؍ستمبر ۱۸۷۱ء میں ہوئی۔ ڈاکٹر مسعود انور علوی کے بقول اس کا واحد قلمی نسخہ کتب خانۂ خانقاہ انوریہ کاکوری شریف میں موجود ہے۔ مولوی مسیح الدین علوی کی ایک کتاب ’سفیر اودھ‘ بھی ہے۔ سفر ناموں پر جن افراد نے کام کیا ہے یا جن کی نظر ہے، ان میں سے ایک ڈاکٹر انور سدید ’تاریخِ انگلستان‘ اور ’سفیر اودھ‘ کو گویا ایک ہی چیز مانا ہے۔ جب کہ مرزا حامد بیگ کا خیال ہے کہ ’تاریخِ انگلستان‘ سفر نامۂ لندن ہے اور ’سفیر اودھ‘ مولوی مسیح الدین کی ’خودنوشت سوانح حیات‘ ہے۔ جو الناظر پریس لکھنؤ سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ بہر کیف یہ سفر نامہ ہوتے ہوئے بھی اس دور کی سیاسی کشمکش کا ایک تاریخی ماخذ، وقائعِ لندن اور احوالِ حجاز کا ایک بہتر مرقع ہے۔

مسافرانِ لندن

کہنے کو تو یہ سرسید کا 'سفرنامۂ لندن' ہے۔ مگر اس کی کامل ترتیب مولانا محمد اسماعیل پانی پتی کے ہنرمند قلم سے ہوئی ہے۔ سرسید نے اپنے دونوں بیٹوں سید محمود اور سید حامد کے ساتھ یہ سفر کیا تھا۔ سید محمود کو یہاں کی انگریز گورنمنٹ نے لندن میں تعلیم حاصل کرنے کا وظیفہ دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے ٹھیک بارہ سال بعد سرسید کا یہ سفر ۱۸۶۹ء میں شروع ہوا اور ۱۲/اکتوبر ۱۸۷۰ء کو اختتام کو پہنچا۔ سرسید لندن میں ایک سال، چھ مہینے، دو دن رہے۔ اس ڈیڑھ سالہ مدتِ قیام میں سرسید نے وہاں کے معاشرہ کو غور سے دیکھا۔ طریقۂ تعلیم کو سمجھا۔ انگریز آقاؤں نے سرسید کی جم کر خاطر مدارات کی۔ اپنی تقریبات میں شریک کیا۔ ملکہ وکٹوریہ، ڈیوک آف ویلز کی مجلسوں میں شرکت کی۔ ڈیوک آف آرگائل کے ہاتھوں سی، ایس، آئی کا خطاب اور تمغہ حاصل کیا۔ سول انجینئرز سوسائٹی کلب کا معزز رکن بھی مقرر ہوئے۔ واپس آکر سرسید نے اپنا سفرنامہ لکھنا شروع کیا اور 'سائنٹفک سوسائٹی' جو انہوں نے غازی پور کے دورانِ قیام قائم کیا تھا اور جہاں وہ انگریز بہادر کے ملازم تھے، اس کے 'علی گڈھ اخبار' میں چھاپنا شروع کیا۔ چند قسطیں چھپتے ہی خلافِ اسلام اور شریعت سے متصادم باتوں پر علمائے شریعت نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا۔ تب سرسید نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔ یوں یہ سفرنامہ سرسید کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے رہ گیا اور یوں ہی دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس ناتمام کام کی تکمیل مولانا اسماعیل پانی پتی نے کی۔ جس میں انہوں نے ان منتشر اجزا اور ان خطوط کی مدد سے مرتب کیا، جو سرسید نے لندن سے اپنے دوستوں اور رفقا کو لکھے تھے۔

سرسید کا ایک اور 'سفرنامۂ پنجاب' ہے۔ یہ سفر سرسید نے ۱۸۸۴ء میں کیا تھا۔ تب تک سرسید نے علی گڈھ میں علی گڈھ کالج کی بنیاد رکھ دی تھی اور اس کے لئے پورا متحدہ ہندوستان گھوم گھوم کر 'مسلم ایجوکیشن کانفرنس' منعقد کر کے لچھے دار تقریریں کر رہے تھے اور خوب چندہ اکٹھا کر رہے تھے۔ اس دورے میں سرسید نے لدھیانہ، امرتسر، جالندھر، گرداس پور، پٹیالہ اور لاہور کا سفر کیا۔ سید اقبال علی، جو سرسید کے ساتھ تھے، سرسید کی ان تقریروں، تجویزوں اور رپورٹوں کو سفرنامے کی صورت میں مرتب کر دیا۔

سفرنامۂ یورپ

یہ مرزا نثار علی بیگ کا سفر نامہ ہے۔ مرزا نثار علی بیگ بھی سر سید کی طرح انگریزی گورنمنٹ کے ملازم تھے۔ محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر کے عہدے پر فائز رہ چکے تھے۔ مرزا نثار بیگ نے حج بھی کیا تھا اور ممالک عربیہ کے دورے بھی کئے تھے۔ ممالک عربیہ کا سفر بھی سرکاری وسیاسی تھا۔ سر ولیم میور نے انہیں اس مہم پر بھیجا تھا۔ تا کہ وہ وہاں کے طریقۂ تعلیم کا جائزہ لیں۔ اس مقصد کے لئے مرزا نثار نے عدن، جدہ، مصر، مکۂ معظّمہ، مدینۂ منورہ، کنعان اور بیت المقدس کا سفر کیا اور اس سفر کی رپورٹ انگریز گورنمنٹ کو پیش کی۔ جسے انگریز گورنمنٹ نے ۱۸۷۴ء میں شائع کی۔ پھر مرزا نثار کا یہ سفر لندن ۱۸۸۵ء میں ہوا تھا۔ تین مہینے لندن میں قیام کیا۔ اپنے مشاہدات کو روز ناپچے کی شکل میں تاریخ وار لکھتے رہے۔ یوں یہ سفر نامہ تیار ہو گیا۔

سفر نامہ شبلی

شبلی، سر سید تو نہیں تھے، سر سید کی فوٹو کاپی ضرور تھے۔ شبلی کا یہ سفر روم، شام اور مصر پر مشتمل ہے۔ جو 'سفر نامہ ُروم ومصر وشام' کے نام سے شائع شدہ ہے۔ شبلی تعلیمی و تصنیفی پروجیکٹ بناتے تھے اور اسی منصوبے کے تحت امرا ونوابین سے مراسم قائم کر کے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہناتے تھے۔ سر سید کی دانت کاٹی روٹی کھانے والی دوستی اور گہری رفاقت کہیں نہ کہیں کام بھی آتی تھی۔ تعلیمی، تہذیبی، تاریخی، ثقافتی، آثاری واخباری اور حجری وشجری مواد ومتن سے شبلی کو خاص دلچسپی تھی۔ اسی غرض سے انہوں نے ۱۳۰۹ھ میں دور دراز کا یہ سفر اختیار کیا۔ وہ روم اور قسطنطنیہ، بیروت، بیت المقدس، قاہرہ، مصر، شام وغیرہ کا تفصیلی دورہ کیا۔ وہاں کے مدارس اسلامیہ کا جائزہ لیا اور کتب خانوں کا معائنہ کیا اور اپنے مقصد کا مواد اکٹھا کیا۔ انہوں نے جن 'ہیروز آف اسلام' کے عنوان سے پروجیکٹ تیار کیا تھا۔ واپس آ کر ان خام و بے جان خاکوں میں رنگ بھرا۔ سیرۃ النبی، الفاروق، النعمان، المامون وغیرہ اسی سفری تگ وتاز کی خاص اور اہم چیزیں ہیں۔ گو شبلی کا ذہن اور قلم کہیں مرعوبانہ اور کہیں معذرت خواہانہ ضرور ہے اور وضعیت وقطعیت اور بے باک اظہاریہ وبیانیہ کی کمی جا بہ جا نمایاں ہے۔ ان باتوں کا علم ان کے ان خطوط سے بھی ہوتا ہے، جو شبلی نے وہاں کے دوران سفر سے

اپنے ہندوستانی احباب کو ارسال کئے تھے اور ان مجموعۂ خطوط میں شامل بھی ہیں۔

سیر ایران

مولانا محمد حسین آزاد، یہ وہ صاحب ہیں، جن کو حکومتِ برطانیہ کی طرف سے 'شمس العلما' کا خطاب ملا اور جن کو اردو کے عناصر خمسہ میں شمار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا ایک سیاسی مقصد کی برآری کے لئے ایران گئے تھے۔ ان کے اس سفر کا آغاز ۲۳؍ستمبر ۱۸۸۵ء کو ہوا۔ بذریعہ ریل وہ پہلے لاہور گئے، پھر کراچی پہنچے اور وہاں دس دن قیام کیا۔ تب وہاں سے عربیہ نامی بحری جہاز پر سوار ہو کر ایران پہنچے۔ تقریباً دس مہینے مولانا آزاد نے ایران، ایرانی قومیت، ثقافت کا مطالعہ کیا اور اپنے سیاسی وسفارتی مہم پر کام کیا اور پھر ۲۴؍جولائی ۱۸۸۶ء کو براہِ لاہور واپس آ گئے۔ لاہور کے دوستوں نے خواہش ظاہر کی اور اصرار کیا کہ وہ اپنے سفر ایران کے تجربات و مشاہدات بیان کریں، تو انہوں نے ان کی خواہش پوری کی اور اس کی رپورٹ اخبار میں چھپی بھی۔ اس سفر کی روداد مولانا آزاد نے روزنامچوں کی شکل میں لکھ لیا تھا۔ مگر ترتیب واشاعت کا کام وہ نہ کر سکے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے نبیرہ آغا محمد طاہر نے ان کے روزنامچوں اور منتشر یادداشتوں کی بنیاد پر یہ کام انجام دیا اور ایک سو بانوے [۱۹۲ صفحات] کی کتاب کو 'سیرِ ایران' کے نام سے موسوم کیا۔

مولانا آزاد کا دوسرا سفر نامہ 'وسط ایشیا کی سیر' کے عنوان سے ہے۔ یہ 'وسط ایشیا کی سیر، سیرِ ایران سے پہلے کا سفر نامہ ہے۔ یہ سفر بھی ایک سیاسی مشن کے تحت ہی ہوا تھا۔ یہ سفر، سفر ایران سے کوئی بیس سال پہلے ۱۸۶۵ء میں ہوا تھا۔ جس میں مولانا آزاد ایک سیاسی وفد کے ایک اہم رکن تھے اور جس میں حکومتِ برطانیہ نے قابل، ہوشیار اور وفادار کے قسم کے لوگوں کو ہی چنا تھا۔

سفر نامہ بلادِ اسلامیہ

یہ مولانا عبد الرحمان امرتسری کا سفر نامہ ہے۔ جو انہوں نے شام، مصر اور روم وغیرہ کا کیا تھا۔ یہ سفر نامہ ۱۸۹۸ء کی یادگار ہے۔ یہ سفر نامہ ان ایام کے ان تینوں ملکوں کی مختلف جہتوں کا احاطہ کرتا اور جائزہ پیش کرتا ہے۔

سفر نامہ کالا پانی

اس کا دوسرا نام ’تواریخ عجیبہ‘ بھی ہے۔ یہ دراصل مولوی محمد جعفر تھانیسری کی ’خود نوشت سوانح حیات‘ ہے۔ لیکن یہ حالات زندگی ایک سفری داستان کے طور پر قلم بند ہوئی ہے۔ اس لئے ادبا ودانشوروں نے اسے سفر ناموں کے زمرے میں بھی رکھا ہے۔ مولوی محمد جعفر موضع تھانیسر، ضلع انبالہ کے باشندہ تھے۔ یتیم ہونے کے بعد ان کی والدہ ان کی پرورش اور تعلیم کا بندوبست کیا۔ جوان ہوکر کچھ ایسے افراد کے ہتھے چڑھے کہ ان کا گھر سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد کا اڈہ بن گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء میں بمقام ’امبیلا‘ ایک فوجی جھڑپ ہوئی۔ ۱۸۶۴ء میں مقدمہ دائر ہوا۔ جس میں تھانیسری ماخوذ ہوئے اور سزائے موت، سزائے عبور دریائے شور [کالا پانی] میں تبدیل ہوگئی۔ ۱۱؍جنوری ۱۸۶۶ء کو تھانیسری کالا پانی پہنچادیا گیا۔ قریب اٹھارہ سال کے بعد سزا کاٹ کر لوٹ آئے۔ وہاں انہوں نے دوشادیاں بھی کیں اور دس بچے بھی ہوئے، جن کو لے کر وہ واپس آئے۔ اس سفر نامے کے کئی رخ اور بھی ہیں۔ سیاسی بھی اور رازداری بھی۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

مسیر حامدی

یہ والیٔ رام پور نواب محمد حامد علی خان کا سفر نامہ ہے۔ ’جو مسیر حامدی‘ کے نام سے معروف ہے۔ نواب رام پور کا سفر ۳؍مارچ ۱۸۸۳ء کو شروع ہوا اور ۴؍جنوری ۱۸۸۴ء کو بمبئی واپسی ہوئی اور ۹؍جنوری ۱۸۸۴ء کو رام پور پہنچ گئے۔ کل مدتِ سفر دس مہینے کی ہے۔ انہوں نے سفر کا آغاز جزیرۂ سیلون سے کیا۔ اس دہ ماہی مدت میں انہوں نے چین، جاپان، ہانگ کانگ، ہوائی، فرانس، جرمنی، یورپ، یونان، مصر، افریقہ، انگلستان اور امریکہ کا سفر کیا۔ نواب مذکور نے یہ سفر نے ممالک مغربی کی دعوت وفرمائش پر کیا تھا۔ انہوں نے تمام ملکوں کے حالات کا جائزہ لیا اور تفصیل سے لکھا۔ بطور خاص امریکہ کے مشہور آبشار ’نیا گرہ‘ کی سیر سے بہت محظوظ ہوئے۔ نواب کے اس سفر نامے کی ترتیب وتالیف انیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں ہوئی۔ جو دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد میں ایشیا اور امریکہ کے حالاتِ سفر ہیں اور دوسری جلد میں یورپ اور مصر کا حال واحوال بیان کیا گیا ہے۔ مولانا

فرخی، جو نواب حامد علی کے استاذ تھے، نے محمد قادر علی خان کے اہتمام میں مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۸۹۶ء میں شائع کرائی۔

سفر نامہائے عمر

ریاست محمد گڑھ، باسودہ کے رئیس و نواب محمد عمر خان، یہ نوابِ نوامنگ ہیں، جنہوں نے اپنی عمر کا آدھے سے زیادہ حصہ [تقریباً پچاس برس] سیر و سیاحت میں گزارا اور شوق سے ہر سفر کا الگ الگ سفر نامہ لکھا۔ یہ کچھ سات سفر نامے ہیں۔ پہلا سفر نامہ 'زادِ سفر' ہے۔ جس میں اندرونِ ملک مثلاً کلکتہ، لکھنؤ، حیدر آباد اور لاہور وغیرہ کی رودادِ اسفار ہے۔ دوسرا سفر نامہ 'زادِ غریب' ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے تین اسفارِ حج کا تفصیلی بیان کیا ہے اور اسی میں عرب، عراق، عجم، مصر اور شام وغیرہ کے واقعاتِ سفر بھی جمع کر دیئے ہیں۔ یہ سفر نامہ مطبع کشور ہند سے ۱۸۸۰ء میں شائع کیا گیا ہے۔ تیسرا سفر نامہ 'آئینۂ فرنگ' ہے۔ جس میں لندن، پیرس، اٹلی، ترکی، اور سوئیزر لینڈ وغیرہ کے حالات و کوائف جمع کئے گئے ہیں۔ یہ سفر نواب محمد عمر نے ۱۸۸۸ء میں کیا تھا۔ چوتھا سفر نامہ لنکا کا ہے۔ جس کا نام 'سفر نامۂ رئیس' رکھا گیا ہے۔ پانچواں سفر نامہ برما کا ہے۔ جس کا عنوان 'نیرنگِ رنگون' رکھ چھوڑا گیا ہے۔ چھٹا سفر نامہ 'چین ہے، جو 'نیرنگِ چین' کے عنوان سے قلم بند کیا گیا ہے۔ ساتواں سفر نامہ، پھر یورپ کا ہے۔ جس میں ماسکو، بلغراد، بلجیم، جرمنی اور یورپی علاقوں کے احوالِ اسفار رقم کئے گئے ہیں۔ یہ اسفار ۱۸۹۱ء میں طے کئے گئے۔ اس بار وہ اندلس بھی گئے اور اس کا الگ سے سفر نامہ تیار کیا۔ جس کا نام انہوں نے 'قندِ مغربی' رکھا۔

سفر نامہ یورپ

یہ منشی محبوب عالم کا سفر نامہ ہے۔ لاہور سے 'اخبار پیسہ' نکلتا تھا۔ منشی محبوب عالم اس کے اڈیٹر تھے۔ دو سفر نامے ان کے یادگار ہیں۔ ایک تو یہی 'سفر نامۂ یورپ' اور دوسرا 'سفر نامۂ بغداد'۔ ان کا پہلا سفر نامہ روم، شام، مصر، فرانس اور انگلستان کے سفار پر مشتمل ہے۔ یہ سفر انہوں ۱۹۰۰ء میں کیا تھا۔ دوسرا سفر نامہ بغداد کے حالات و واقعات محیط ہے۔ پہلا سفر نامہ زیادہ طویل اور تفصیلی ہے۔ منشی محبوب عالم چوں کہ ایک صحافی اور ادیب تھے۔ ہر چیز کا مطالعہ

باریک بینی سے کیا ہے۔ جزرسی اور جزئیات نگاری کا ثبوت دیا ہے۔

سیاحت فتح خانی

فتح علی خان قزلباش ریاست علی رضا آباد کے رئیس تھے۔ اول تو انہوں نے حج کیا۔ پھر کچھ دنوں بعد وہ انگلستان گئے، اٹلی، فرانس، سسلی اور بلغاریہ کی سیر کی۔ لیکن شاید وہ ان اسفار کی روداد نہ لکھ سکے۔ جنوری ۱۹۰۳ء میں وہ انگلستان گئے۔ مئی ۱۹۰۳ء یہ دورہ اختتام کو پہنچا۔ ملک معظم ایڈورڈ کی تاج پوشی کے موقع پر انہوں نے یہ سفر کیا تھا۔ گویا وہ وہاں شاہی و سرکاری مہمان کی حیثیت سے گئے تھے۔ یہ سفر نامہ اسی سفر کی یادگار ہے۔

مقامِ خلافت

رسالہ 'مخزن' کے مدیر اعلیٰ شیخ عبد القادر ایک صحافی، ادیب اور انشا پرداز تھے۔ دو سفر نامے ان کی یادگار رہیں۔ ایک 'مقامِ خلافت' جس میں سفر ترکستان کی روداد بیان کی گئی ہے۔ اسی کے آخر میں ان کے کچھ روز نامچے بھی شامل ہیں، جو انہوں نے ۲۸ر جولائی ۱۹۰۶ء سے ۲۳ر ستمبر ۱۹۰۶ء تک قلم بند کئے تھے اور خطوط کی شکل میں اپنے احباب و اعزہ کو ترکی سے ارسال کئے تھے۔ جو یہاں اس وقت کے اخبار و رسائل میں بھی شائع ہوئے اور دوسرا 'سفر نامۂ یورپ' ہے۔

روز نامچۂ سیاحت

اردو کے ادیب و قلمکار خواجہ غلام الثقلین پانی پت کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے روس، قسطنطنیہ، ایران، عراق اور حرمین شریفین کا سفر کیا۔ یہ سفر نامہ انہیں ملکوں اور قومون کے احوال و کوائف پر مشتمل ہے۔ عراق میں اسی دور [۱۹۱۱ء] میں اندھوں کو تعلیم دینے کا با قاعدہ انتظام تھا۔ ایک جہاز میں انہوں نے ایک نابینا دیکھا۔ جو لکھنا اور پڑھنا جانتا تھا اور جس نے بغداد کے اسی مدرسے میں تعلیم پائی تھی۔ خواجہ غلام الثقلین اپنا نام، سکونت اور ملک لکھ کر بتایا۔ اس نابینا نے اپنی عبارت میں لکھ کر اور اپنے لفظوں میں بول کر سنا دیا۔

خواجہ حسن نظامی

خواجہ حسن نظامی کا نام آتے ہی اردو کی کئی اصناف اور اسالیب ذہن میں آجاتے

ہیں۔ یہی ہے کہ 'مصورِ فطرت' ان کا بہت بڑا طغرائے افتخار ہے۔ سفرنامائی صنفِ ادب میں بھی انھوں نے اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے اور کئی کئی سفرنامے اپنی یادتازہ کرنے کے لئے چھوڑ کر گئے ہیں۔ پہلا 'سفرنامۂ ہندوستان' ہے۔ ۱۹۰۷ء میں انہوں نے بمبئی، گجرات اور کاٹھیاوار کا سفر کیا۔ یہ سفرنامہ انہیں اسفار کی یادتازہ کراتا ہے۔ خواجہ صاحب دہلی کے تھے۔ دہلی ان کی دیکھی بھالی تھی۔ مگر سیاح وزائرین کی سہولت کے لئے انہوں نے 'رہنمائے سیرِ دہلی' لکھی۔ ہے تو یہ ایک مختصر گائڈ بک، مگر ایسا شفاف آئینہ ہے، جو کوئی نوواردو اجنبی مسافر اسے لے کر نکل جائے، تو ممکن نہیں کہ وہ راستہ بھٹک جائے۔ اب کسی کو کچھ پوچھے بغیر تمام حضرتِ دہلی بآسانی سیر کر لے گا۔ رہنمائے سیر دہلی کا پانچواں اڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ان کا من وجہ دوسرا سفرنامہ ہے۔ تیسرا اہم سفرنامہ ان کا 'سفرنامۂ مصر وفلسطین وشام وحجاز' ہے۔ ڈیلی ڈائری رائیٹنگ، بیاض نویسی خواجہ صاحب کی عادت ثانیہ تھی۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ اتنا بڑا اسفرنامہ مرتب ہو گیا۔ اس میں انہوں نے اہم مقامات اور شخصیات کی تصویریں بھی شامل کی ہیں۔ چوتھا سفرنامہ 'سفرنامۂ افغانستان' ہے۔ ۱۱۲ر صفحات پر مشتمل یہ سفرنامہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۳۱ء تا ۴ر اکتوبر ۱۹۳۱ء سیر افغانستان کی یادگار ہے۔ اس سفر کا مقصد خواجہ صاحب نے افغانستان کے شہر بلخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار پرانوار کی زیارت، مانندِ بہشت 'مقامِ چشت' اور سلسلۂ چشتیہ بانیانِ باکرامات کے مقدس مزارات کی زیارت بتایا ہے۔

مشاہداتِ کابل و یاغستان

یہ مولانا محمد علی قصوری کا سفرنامہ ہے۔ انہوں نے مغربی تعلیم حاصل کی تھی۔ علم ریاضی میں کیمبرج یونیورسیٹی سے ایم اے کیا تھا۔ حکیم اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبید اللہ سندھی کے ایماو مشورے پر مولانا قصوری نے ۱۹۱۴ء میں، جب کہ پہلی جنگِ عظیم جاری تھی، یہ سیاسی سفر کیا تھا۔ یہ امیر حبیب اللہ دور حکومت تھا۔ اس سیاسی وسفارتی مہم کے ناکام ہونے پر مولانا قصوری تین سال کے بعد ہندوستان واپس آئے۔

کابل میں سات سال

یہ مولانا عبید اللہ سندھی کا سفرنامۂ کابل ہے۔ یہ شخص اصلی پنجابی تھا سیال کوٹ میں پیدا

ہوا۔ اسماعیل دہلوی کی کتاب ’تقویت الایمان‘ پڑھ کر ۱۶؍سال کی عمر میں مسلمان ہوا۔ اپنے پیرومرشد حافظ محمد صدیق سے متاثر ہو کر سندھ کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔ اس لئے حلقۂ دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ہر اشارۂ ابرو پر جان ودل کا نذرانہ پیش کرنا اپنی سعادت سمجھا۔ انہیں کے حکم پر کابل کا سفر کیا۔ یہ سفر خالص سیاسی نوعیت کا تھا۔ مولانا سندھی کے رفیقِ سفر مولانا عبد اللہ لغاری نے اپنی کتاب ’مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگذشتِ کابل‘ میں ان باتوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا سندھی یہ سفر ۱۵؍اگست ۱۹۱۵ء کو شروع ہوا۔ اس وقت افغانستان کے والی وحکمراں امیر حبیب اللہ تھے۔ ان کے بعد غازی امان اللہ حکمراں ہوئے۔ یہ سب اتار چڑھاؤ مولانا سندھی کے سامنے ہوا۔ اس سفر نامہ کی حیثیت ایک سیاسی ڈائری کی سی ہے۔ جو خودنوشت سوانح عمری کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ مولانا سندھی نے اپنے سفر نامے کے ص: ۲۰۴ پر لکھا کہ: ان سات سالوں میں جو کچھ ہم نے دیکھا اور کام کیا، اس کا اکثر حصہ اس قابل نہیں کہ عام طور پر کتابوں میں لکھا جائے‘۔

سیرِ افغانستان

یہ سید سلیمان ندوی کا سفر نامہ ہے۔ سر سید کے پوتے سر راس مسعود، ڈاکٹر محمد اقبال اور سید سلیمان اس وفد کے ارکان تھے۔ علمی وتعلیمی افراد پر مشتمل یہ مختصر قافلہ ۱۹۳۳ء کو افغانستان پہنچا۔ واپسی پر ڈاکٹر محمد اقبال نے اس کے تاثرات کے نتیجے میں نظم ’ مسافر ، لکھی۔ سر راس مسعود نے تعلیمی عنوانات پر مضامین لکھے اور سید سلیمان ندوی نے پورا سفرا نامہ ’سیرِ افغانستان‘ کے نام سے لکھا۔ اس سفر نامے کی گونج سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر محمد اقبال کے خطوط میں بھی سنائی دیتی ہے۔ یہ سفر گو کہ سفارتی وثقافتی اور خیر سگالی کا تھا۔ مگر اس کی سیاسی نوعیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

نقشِ فرنگ

سر قاضی عبدالغفار، جنہوں نے ’لیلیٰ کے خطوط‘ لکھے ہیں، کا سفر نامۂ یورپ ہے۔ یہ سفر بھی حکومتِ برطانیہ کی دعوت اور فرمائش پر کیا گیا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں تحریکِ خلافت کا زور تھا۔ یہ اسی سفر پس منظر میں کیا گیا تھا۔ قاضی عبدالغفار جیسے سیاسی مزاج کا آدمی بھی فرنگی داؤ پیچ کے

سامنے نہ ٹک سکا اور یہ سفارت بھی بری طرح فیل ہوگئی۔

پردیس کی باتیں

حیدر آباد کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز مرزا حسین احمد بیگ نے اپنی خرابئ صحت کی وجہ سے مئی ۱۹۳۰ء میں یہ سفر کیا تھا۔ستمبر ۱۹۳۰ء کو واپسی ہوئی۔ پانچ مہینے قیام رہا۔ یہ سفر سیاسی نہیں، بغرض علاج اور تفریحی تھا۔

سیاحت نامہ

حیدر آباد ہی کے نواب محمد ظہیر الدین کا یہ سفر نامۂ امریکہ ہے۔ ۱۹۳۳ء میں ظہیر الدین نے یہ سفر کیا تھا۔ یہ اسی سفر کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔

سفر نامۂ شاہِ افغانستان

یہ سفر نامہ امیر امان اللہ کا ہے، جو اپنے والد امیر حبیب اللہ کی شہادت کے بعد افغانستان کے والی وحکمراں ہوئے تھے۔ افغانستان، ہندوستان، عدن، اٹلی، ترکستان، روس، جرمنی، فرانس، اور انگلستان کا طویل دورہ کیا۔ امیر امان اللہ ہندوستان میں بمبئی بھی آیا تھا۔ جامع مسجد بمبئی میں نمازِ جمعہ پڑھی تھی۔ ہندوساتانی سیاسی مسلم لیڈروں اور دانشوروں نے انہیں ایڈریس بھی پیش کیا تھا۔ یہ سفر نامہ امیر امان اللہ کا تیار کردہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ہم سفر مولانا زاہد القادری نے دو حصوں میں اسے مرتب کیا ہے۔ حصہ اول میں یورپ وغیرہ اور حصہ دوم میں اسلامی مملک کے احوالِ اسفار درج کئے گئے ہیں۔

حقیقتِ جاپان

محمد بدر الاسلام فضلی، اردو اور فارسی کے پروفیسر تھے۔ٹوکیو یونیورسیٹی جاپان میں اسی شعبے کی استاذی کے لئے فضلی نے یہ تعلیمی وتدریسی سفر ۱۹۳۰ء میں کیا تھا۔ فضلی نے اپنے سفر نامے میں جاپان کی تعلیمی سرگرمیوں اور سائنسی ایجادات کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے۔ جو اس وقت تک ہندوستانیوں کے لئے ایک نئی بات تھی۔ گویا جاپان اسی وقت ہندوستان سے بہت آگے تھا۔

سفر نامۂ اندلس

یہ قاضی ولی محمد کا سفر نامہ ہے۔ جو انہوں نے ۱۹۲۴ء میں کیا تھا۔ یہ ایک تعلیمی،

تہذیبی اور تاریخی سفر تھا۔ قاضی ولی محمد زبان نہایت صاف شفاف اور معلومات افزا ہے۔ ان کا یہ سفر نامہ ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔ ان کے دو سفر نامے اور بھی ہیں۔ ایک 'سفر نامہ مغرب اقصیٰ' اور دوسرا 'سفر نامۂ مصر'۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے قاضی ولی محمد پر کام کیا ہے اور ان کے سفر ناموں کو نصاب میں جگہ دی ہے۔

زمانۂ تحصیل

یہ عطیہ فیضی رحیمن کا سفر نامۂ لندن ہے۔ عطیہ فیضی بمبئی کے مشہور بیرسٹر بدر الدین کی بہن تھی جو حکومتِ برطانیہ کے تعلیمی وظیفے پر ۱۹۰۶ء میں لندن پڑھنے گئی تھی۔ تیرہ مہینے رہ کر واپس آ گئی۔ کیوں کہ ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ قیامِ لندن کے دوران، جو خطوط عطیہ فیضی نے اپنی بہن زہرہ بیگم کو لکھے تھے اور یہاں رسالہ 'تہذیبِ نسواں' میں شائع ہوئے تھے۔ یہ سفر نامہ انہیں خطوط کی بنیاد پر مرتب ہوا ہے۔

سفر نامۂ شیخ الہند

یہ سفر نامہ طبقۂ دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی ہے۔ جس کو ان کے جانشین مولانا حسین احمد مدنی نے مرتب کیا ہے۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی عالم تو تھے، مگر علم سے زیادہ انہیں سیاست سے دلچسپی تھی۔ تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ خلافت اور تحریکِ ہندو مسلم اتحاد کے وقت ان کا جوش و خروش قابل دید تھا۔ سیاسی سرگرمیوں کی پاداش میں انہیں پسِ دیوارِ زندان بھی جانا پڑا۔ مصر و مالٹا کی قید و اسیری انہیں سرگرمیوں کے نتیجے میں ہوئی تھی۔ ۷/ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ میں اکبری جہاز سے وہ حجاز روانہ ہوئے۔ پہلے انہوں نے حج کیا۔ پھر مدینہ میں طویل قیام کیا۔ مگر سیاسی تال میل کے نتیجے میں انہیں مصر اور مالٹا میں قید رکھا گیا۔ ۱۲/ مارچ ۱۹۲۰ء کو رہائی ہوئی۔ اور آدمیوں کے علاوہ مولانا حسین احمد مدنی بھی ہمراہ تھے۔ جنہوں نے ان تمام واقعات و حالات کو ترتیب دے کر 'سفر نامۂ شیخ الہند' نام رکھا۔

طوفان سے ساحل تک

یہ ایک نو مسلم محمد اسد کا سفر نامہ ہے۔ جس کا پہلا نام لیوپولڈ ویس تھا اور وہ ایک

معزز یہودی گھرانے کا فرد تھا۔ مطالعۂ مذہبِ اسلام نے انہیں اسلام سے ہم آغوش کر دیا۔ محمد اسد کا سفر نامہ اس کے قبولِ اسلام کی داستان، فریضۂ حج کی داستان، شام، فلسطین، قدس[۱۹۲۲]، مصر وغیرہ کے سفری احوال اس سفر نامے کے اہم حصے ہیں۔ ندویت نوازوں کے مفکر اسلام ابولاحسن علی ندوی نے اس سفر نامے کا مقدمہ لکھا ہے۔

سفر نامۂ جوہر

مولانا محمد علی جوہر، جو ایک سچے مسلمان، پکے مومن، عاشق رسول، مجاہد حریتِ ہند، کامیاب ادیب وصحافی اور نڈر وبے باک قائد وزعیم ملت تھے، نے ہند، عرب، یورپ کا سفر کیا۔ مگر اپنے قلم سے کوئی سفر نامہ نہ مرتب کیا، نہ یادگار چھوڑا۔ ان کے افکار وخیالات اور سفری حال واحوال ان کے جریدہ ’کامریڈ‘ اور ’ہمدرد‘ میں چھپا کرتے تھے۔ انہیں اخباری تراشوں اور ان کے خطوط وغیرہ کی مدد سے پروفیسر محمد جامعی نے یہ سفر نامہ ترتیب دیا ہے۔

سفر نامۂ اقبال

ڈاکٹر محمد اقبال تین بار یورپی ممالک کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ افغانستان کا سفر کیا۔ جس میں سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی شریکِ سفر تھے۔ پورے ہندوستان کے دورے کئے۔ لیکن اقبال نے بھی کوئی سفر نامہ قلم بند نہیں کیا۔ البتہ اپنے اسفار کے دوران، جو آپ نے دوست واحباب کو جو خطوط اور تاثرات لکھے، اخبارات میں جو بیانات چھپے اور ڈائری وغیرہ کی مدد سے حمزہ فاروقی نے ’سفر نامۂ اقبال‘ مرتب کیا۔ ایک اور صاحب، قلم پروفیسر حق نواز نے، جو ’سیاحتِ اقبال‘ ترتیب دی ہے۔ یہ سفر یورپ کے تمام تر نقوش پر مبنی ہے۔ جو اقبال کے مختلف مکاتیب وخطوط اور کتب ورسائل میں منتشر مواد تھا، انہیں جمع کر دیا گیا ہے۔ اقبال کی شخصیت علیم وادبی بھی تھی اور فکری وسیاسی بھی۔ ان سب کی پرچھائی ان کے سفر ناموں میں موجود ہے۔

مسافر کی ڈائری

اشتراکی اقدار وافکار کے ترجمان خوجہ احمد عباس ایک ادیب وصحافی تھے اور سیاسی شعور رکھتے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں ’ورلڈ یوتھ کانفرنس‘ نیویارک میں منعقد ہوئی۔ عباس نے اس میں

شرکت کی اور پانچ ماہ تک کچھ سترہ ممالک کے دورے کرتے رہے۔ کولمبو، ہانگ کانگ، کنیڈا، ٹوکیو، جاپان، لاس اینجلس، ترکی، فرانس، عراق، ایران، انگلستان اور امریکہ کی سیر و سیاحت میں جو کچھ دیکھا۔ اپنی ڈائری میں نوٹ کرلیا۔ یہ ڈائری اس وقت مرتب ہوئی، جب جنگِ عظیم دوم کے خطرات منڈلا رہے تھے اور ہندوستان میں آزادی کی جنگ زوروں پر تھی۔

لندن سے آداب عرض

یہ آغا محمد اشرف کا سفر نامہ ہے۔ ۱۹۳۹ء میں آغا اشرف ایک پروفیسر کی حیثیت سے لندن گئے تھے۔ مذکورہ سفر نامہ دراصل ان کا وہ اردو قسط وار نشریہ ہے، جو بی بی سی لندن سے نشر کر رہے تھے۔ آغا اشرف کا دوسرا سفر نامہ 'دیس سے باہر' ہے۔ اس میں انہوں نے انگلستان، افریقہ، ایران اور سری لنکا کے احوالِ سفر بیان کئے ہیں۔

رہ نوردِ شوق

ڈاکٹر سید عابد حسین کا سفر نامہ بعنوان 'رہ نوردِ شوق' یہ سفر نامہ ان خطوط کا مجموعہ ہے، جو ڈاکٹر عابد نے ۱۹۶۷ء کے دورانِ سفر دمشق و بیروت، قاہرہ اپنی بیگم کو لکھے تھے۔ ان کے وصال کے بعد ان کی افسانہ نگار بیگم صالحہ عابد نے سفر نامے کی صورت میں جمع کر کے شائع کیا ہے، یہی صالحہ عابد کا سفر نامہ 'سفرِ زندگی کے لئے سوز و ساز' مطبوعہ، ہے تو یہ ایک خودنوشت سوانح حیات، لیکن اس میں صالحہ عابد کے اسفارِ ہند کشمیر، آگرہ، لکھنؤ، بھوپال، حیدرآباد، بنگلور، میسور، اورنگ آباد، احمد آباد، بمبئی، پونے، مہابلیشور اور بیرونِ ملک، پاکستان، حرمین شریفین، عراق، ایران، نجف اشرف، کربلا، اور آگے انگلینڈ، پیرس، سوئزرلینڈ، اٹلی، جرمنی کے حالاتِ سفر یکجا کئے گئے ہیں۔

ساحل اور سمندر

یہ احتشام حسین کا سفر نامہ ہے۔ جس میں پیرس، لندن اور امریکہ احوال، سفر بیان کئے گئے ہیں۔

پیرس و پارس

۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر ثریا حسین اپنے مطالعاتی دورے پر پیرس گئی تھی۔ اسی موقع سے انہوں نے اٹلی، جرمنی، فرانس اور انگلینڈ بھی گئیں۔ دوسری بار ۱۹۸۲ء میں وہ

پارس[ایران] گئیں۔ وہیں سے پھر فرانس کی سیر کی۔ پیرس و پارس انہیں اسفار کی یادگار ہے۔

ارضِ پاک سے دیارِ فرنگ

۱۹۶۲ء میں مشہور ناقد ڈاکٹر عبادت بریلوی نے لاہور سے لندن کا تعلیمی سفر کیا۔ یہاں وہ پانچ سال مقیم رہے۔ ان کا دوسرا دورہ وسفر نامہ ترکی کا ہے۔ جو'ترکی میں دوسال' کے نام سے ہے۔

حکیم محمد سعید

ہندوستان میں حکیم عبدالحمید اور پاکستان میں حکیم محمد سعید، دونوں بھائی دونوں ملکوں کی علامت بن کر زندگی گزاری۔ حکیم محمد سعید نے کئی ملکوں کا تعلیم وطبی دورہ کیا اور ہر ملک کا الگ الگ سفر نامہ یادگار چھوڑا۔ یورپ نامہ، جرمنی نامہ، ماہ وروز[سفر روس]،شب وروز، چار ملک اور ایک کہانی،کوریا کی کہانی اور'ازبکستان ۱۹۸۰ء میں' انہیں اسفار کی سرگذشتیں ہیں۔

سفر آشنا

یہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا سفر نامہ ہے۔ جرمنی، ناروے، امریکہ، کنیڈا اور انگلینڈ کے ادبی دوروں کی اس میں تفصیلات ہیں۔

خواجہ غلام السیدین

خواجہ غلام الثقلین کے بیٹے، صالحہ بیگم عابد حسین کے بھائی اور ڈاکٹر عابد حسین کے سالے خواجہ غلام السیدین نے کئی ممالک کے اسفار کئے اور سفر نامے مرتب کئے۔ ۱۹۲۹ء میں ایران کا سفر کیا۔ ۱۹۶۱ء میں مختلف ممالک اسلامیہ کے اسفار کئے۔ پھر یورپ، امریکہ، چین، ناروے اور سوئیڈن کا سفر کیا۔ ان کے سفر نامون کے مجموعے کا نام'دنیا میرا گانو'ہے۔

عبدالماجد دریابادی

اردو ادب کے ادیب وانشا پرداز مولانا عبدالماجد دریادی نے بھی کئی سفر نامے قلم بند کئے تھے۔ تاثراتِ دکن، سفر حجاز، سفر لاہور اور ڈھائی ہفتے پاکستان میں، سچ، صدق اور صدق جدید جیسے اخبارات کے بانی ومدیر عبدالماجد دریابادی کے سفری احوال کی داستانیں ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول تک کی سفر نامہ نگاری کے ارتقائی سفر کا یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔ اس نوع کے چند فارسی سفر ناموں کو چھوڑ کر اردو میں سفر

ناموں، سیاحت ناموں، زیارت ناموں اور حج ناموں کی تعداد دوسو سے کم نہیں، متجاوز ہوگی۔ سب کے احاطہ کی یہ تحریر متحمل نہیں۔ چند سفر ناموں کا اجمالی اشاریہ یہ ہے: نواب لیاقت جنگ کا 'سفر نامۂ یورپ و امریکہ، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۴۷ء، عشرت علی صدیقی کا 'لینن گراڈ تا سمرقند، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۴۴ء، ۱۹۰۷ء، ڈاکٹر محمد حسین کا ۱۹۰۷ء کا جاپان، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء، مولانا مسعود عالم ندوی کا 'دیارِ عرب میں چند ماہ' مطبوعہ کراچی ۱۹۵۰ء، ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد کا 'جنوبی ہند میں دو ہفتے' مطبوعہ دہلی ۱۹۵۰ء، پروفیسر مختار الدین احمد کا 'زہے روانیٔ عمرے کہ درسفر گذرد' مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، عبداللہ ملک کا 'کیوبا سے چند خطوط' مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء اور 'قونیہ سے چند خطوط' مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء، ابن انشا کا 'آوارہ گردی کی ڈائری' مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، اور 'دنیا گول ہے' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء اور 'ابن بطوطہ کے تعاقب میں' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء، قرۃ العین حیدر کا 'جہانِ دیگر' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء اور 'دکھلایئے لے جاکے اسے مصر کا بازار' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، جمیل الدین عالی کا 'دنیا مرے آگے' اور 'تماشہ مرے آگے' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، مجتبیٰ حسین کا 'جاپان چلو جاپان چلو' مطبوعہ دہلی ۱۹۸۰ء، وغیرہ وغیرہ۔

جن اشخاص وافراد کو تفصیلات کا شوق ہو، وہ درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں: پروفیسر گوپی چند نارنگ کی 'وضاحتی کتابیات' جلد اول، مطبوعہ دہلی ۱۹۸۰ء، پروفیسر مظفر حنفی کی 'وضاحتی کتابیات' جلد دوم، مطبوعہ دہلی، ۱۹۸۳ء، ڈاکٹر قدسیہ قریشی کی 'اردو سفر نامہ انیسویں صدی میں' مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۸۷ء، [یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے] ساجد کمال کا مقالۂ ڈاکٹریٹ 'اردو میں سفر نگاری کی روایت' غیر مطبوعہ، ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی 'اردو سفر نامے کی تاریخ' مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۸۷ء، ڈاکٹر انور سدید کی 'اردو ادب میں سفر نامہ' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء، ڈاکٹر مسعود انور علوی کا مضمون 'سفر شاہِ اودھ اور ان کا نادر سفر نامۂ لندن' مطبوعہ ماہنامہ 'جامعہ' دہلی فروری ۱۹۸۹ء، اور خالد محمود کی 'اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ' مطبوعہ دہلی ۲۰۱۱ء۔

سفر نامۂ اعلیٰ حضرت

یہ احمد رضا خان بریلوی کا سفر نامہ ہے۔ جو ہندو پاک اور حرمین شریفین کے علاوہ تمام عالم اسلام میں معروف و مشہور اور مقبول و مسلم ہیں بحیثیتِ مجدد اسلام، امام اہل سنت، قطب الارشاد، اعلیٰ حضرت، عارف باللہ، عاشق رسول، کثیر التصانیف مصنف، محتاط محقق، دور بین مفکر، مستقبل شناس مدبر، دینی و سیاسی حالات وواقعات کا بے لاگ ناقد و مبصر، بے باک قلم کے مالک، اظہارِ حق میں نڈر لب ولہجہ والے، پر اسرار سیرت و شخصیت کے حامل، علم و عمل اور قول و فعل میں یکسانیت اور توازن برتنے والے، اپنے ہی عہد نہیں، عہد در عہد متاثر کرنے والے، پورے جہانِ اسلام میں نشانِ حق وشانِ امتیاز اور صداقت وثقاہت کی علامت قرار پانے والے امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز۔

یہ سفر نامہ ان امامِ علام کے وصال کے تقریباً سوسال بعد اب مرتب ہوا ہے۔ سفر نامہ نگاری کے، جو بنیادی امور، ہیئت اور تکنک ہے، اسی اساس پر اس سفر نامہ کی ترتیب عمل میں آئی ہے۔ یعنی سارا کا سارا متن اور مواد یا تو انہی امام علام کا ہے یا پھر ان کے اعزہ، تلامذہ، خلفا اور احباب و رفقا کا ہے۔ یہ تمام توانا مواد ان کے خطوط، فتاوی، رسائل، کتب، بیانات، ارشادات اور معاصر اخبارات میں پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے اس کی صحت، ثقاہت اور صداقت کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ پوری کتاب ذاتی و معاصر حوالجات کے شکنجے میں کسی ہوئی ہے۔ اس خاکسار [غلام جابر شمس] نے محض اتنا کیا ہے کہ انہی منتشر تنکوں کو چن کر یہ آشیانہ تیار کر دیا ہے۔ بالیاں اور خوشے یکجا کر کے کھلیان بھر دیا ہے۔ اپنی طرف سے پچکاری، پیوند کاری، حاشیہ آرائی، بے جا بڑھوتری اور دخل در معقولات سے کامل گریز کیا گیا ہے اور بے ضرورت تعارف وتبصرے سے بھی مکمل پرہیز کیا گیا ہے۔

ہمارے یہاں ہر کام ذرا تاخیر سے ہوتا ہے۔ اس سفر نامے کا ترتیبی عمل بھی ذرا تاخیر نہیں، بہت تاخیر سے مرحلۂ تکمیل سے گزرا ہے۔ وجوہات واسباب جو بھی ہوں۔ دیر آید، درست آید، اس ترتیبِ سفر نامہ پر مکمل فٹ ہوتا ہے۔ کل امر مرھون باوقاتھا اور امام احمد رضا نے بھی

نے کہا تھا: ہر کام کا اک وقت ہے اے رضاؔ۔ تو اس کام کا مناسب وقت یہی تھا۔ جواب ہو گیا۔ پچھلے پچیس برسوں کے مطالۂ رضویات نے اس کارِ خیر کی تحریک پیدا کی اور گزشتہ سات آٹھ سالوں کی محنت نے اسے تکمیل تک پہنچا دیا۔ خود اعلیٰ حضرت کی بھی دلی خواہش تھی اور ان کے علمی جانشین ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی کی بھی قلبی تمنا تھی کہ امامِ علام کا سفر نامہ مرتب کیا جائے۔ پاک پروردگارِ عالم کے فضلِ خاص سے قرعۂ فال اس خاکسار غلام جابر شمس پورنوی کے نام نکلا۔ اللہ جل مجدہ کے اس فضلِ خاص پر جتنا سجدۂ شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ رب کریم کے فضل و کرم اور اس کے حبیبِ لبیب جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے پایاں عنایت سے یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، خاکسار کو اس پر نہ کوئی طرہ ہے، نہ غرہ۔ بس یہ اس کی توفیق خیر ہے کہ اس نے اپنی، اپنے حبیب اور حبیب کے حبیب کی رضا و خوشنودی کے کاموں میں لگائے رکھا ہے۔ قضائے قاضی الحاجات اور اس کے فرمانِ عالی شان ُ و اما بنعت ربک فحدث ٖ کے بموجب اظہار تشکر کے لئے اس پر فرحاں و شاداں ضرور رہنا چاہیے۔

شخصیتی جائزہ

امام احمد رضا ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں وفات ہوئی۔ قمری سال ۶۳؍ برس اور شمسی سال ۶۵؍ برس کی عمر پائی۔ ۱۳؍ برس ۱۰؍ مہینے کی کچی عمر میں تحصیلِ علومِ مروجہ و متداولہ سے فراغت حاصل کی۔ اسی عمر لڑکپن میں مسندِ تدریس اور منصبِ افتا کی اہم ترین ذمہ داری سنبھال لی۔ اس عمر کا ایک فتوی، جسے دیکھ کر علمائے رام پور محوِ حیرت تھے اور اپنی فقہی رائے بدلنے پر مجبور تھے۔ تحریر و تصنیف کا عمل عمر عزیز کے آٹھویں برس سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ تقریر و خطاب، جس سے ان کو زیادہ شغف نہیں تھا، عمر عزیز کے چھٹے برس ہی سے آغاز کر دیا تھا۔ یہ خطاب عیدِ میلاد کے موضوع پر تھا۔ یہ ننھی سی عمر اور وہ پر مغز خطاب! اس لئے سامعین دم بخود تھے۔ تکمیلِ تحصیل کے برس ہی شرعی احکام و فرائض، یعنی نماز و روزے وغیرہ کی فرضیت ان پر عائد ہو چکی تھی، جس پر دمِ وصال تک نہایت اہتمام اور سختی کے ساتھ پابندِ عمل رہے۔ ایسی پابندیٔ عمل کہ موسم کی کوئی حدت، شدت، سردی اور گرمی دخل انداز نہ ہو سکی اور نہ ہی مرض و ضعف و نقاہت ہی مخل و مانع ہو پائی۔ اخیر عمر کی حالتِ مرض کی نمازیں چار

آدمیوں کے سہارے مسجد جا کر باجماعت پڑھیں اور روزے کوہِ بھوالی، نینی تال جا کر ادا کئے۔ ایسا پابندِ صوم وصلوٰۃ اور گرویدۂ اعمال واذکار چشمِ فلک نے بہت ہی کم دیکھا ہوگا۔

امام احمد رضا بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ وہیں پڑھے لکھے۔ سادات کرام اور ہر دور کے اشرافِ زمانہ کا یہ طریقہ رہا کہ اتالیق کا انتظام اپنے گھر، دیوان اور مردان خانے پر ہی کرتے اور اپنے نونہالوں کو تعلیم دلواتے۔ امام احمد رضا کے والد ماجد شاہ نقی علی خان نے بھی اپنی خاندانی ریت وروایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے لختِ جگر کی تعلیم وتربیت کا انتظام ویسا ہی کیا۔ بسم اللہ خوانی، ابجد خوانی، کلمہ وقرآن اور ابتدائی کتبِ فارسی وعربی کے بعد امام احمد رضا نے تمام تر تعلیم اپنے سامی گرامی والد ماجد ہی سے حاصل کی۔ ابتدائی استاذ مرزا غلام قادر بیگ کو چھوڑ کر جن حضرات کا شمار اساتذۂ کرام میں کرایا جاتا ہے، ان حضراتِ گرامی سے محض تبرکاً اور تیمناً ہی کچھ سنا، یا سیکھا، یا صرف سندواجازت سے نوازے گئے۔ نہ کہ سبقاً اور درساً پڑھا۔ مثلاً ماہر ریاضی داں علامہ عبد العلی رام پوری کو 'شرح چغمنی' کے کچھ پندرہ اسباق پڑھ کر اور خود ہی تشریح کر کے سنائے۔ علامۂ مذکور نے یا تو مکمل اطمینان کا اظہار فرمایا، یا کہیں کچھ مزید وضاحت فرما دی اور بس۔ یہ استفادہ بھی اعلیٰ حضرت کی خواہش سے نہیں، علامہ رام پوری کی فرمائش سے ہوا تھا۔ اسی طرح علمِ جفر کا صرف ایک قاعدہ 'یا بدوح یلن' سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں علیہ الرحمہ نے تعلیم فرمایا۔ وہ بھی بر سبیلِ تذکرہ اور بس۔ پھر تو مہارتِ علمِ جفر کا جواب ساری دنیا میں نہیں۔ رہی بات تین علمائے حرمین شریفین کی، تو وہاں دورانِ حج، تعلیم کا کیا تک اور تخیل؟۔ امام احمد رضا کی روشن جبین پر نورِ مبین دیکھ کر خود ہی ان علما ومشائخ کرام نے سنداتِ ثمینہ و اجازاتِ سنیہ سے نواز دیا۔ لہٰذا دورانِ تعلیم گھر سے باہر کسی تعلیمی سفر کا یہاں تصور ہی نہیں۔

امام احمد رضا کے تمام سیرت نگار، سوانح نویس اور مرقع کش، اس امر پر متفق ہیں کہ انہوں نے جہاں تعلیم پائی۔ وہیں تدریس کا جادہ بچھا دیا۔ دار الافتا، تصنیف وتحقیق اور بیعت وارشاد، اب و جد کی علمی وروحانی وراثت تھا، مسندِ تدریس اور منصبِ افتا پر وہ بصد اندازِ زیبائی وبطرزِ رعنائی، اس حال میں جلوہ افروز ہوئے کہ لب ولحیہ پر شباب کی ریکھائیں نمودار ہو رہی تھیں۔ تعلیم وتدریس، فقہ و افتا، قضا وقانونِ شرع، تحقیق وتدقیق، تصنیف وتالیف، وعظ وخطاب، تصوف وسلوک، تلقین وتزکیہ،

ہدایت وارشاد کی ہماہمی، پھر ذرا آگے چل کر بیعت وخلافت کی گہما گہمی، شبدیز سن اور عمرعزیز کا صبا رفتار کاررواں جوں جوں آگے بڑھا،علمیت وعبقریت اور شہرت ومقبولیت کا قافلہ،ملکی وجغرافیائی سرحدیں چیر کر بحر وبر کی وسعتوں اور ربعِ مسکوں کے کناروں تک جا پہنچا۔

ان کے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ کے روحانی تاجداروں نے، ہندوستان کے راجہ حضور خواجہ غریب نواز نے، تمام اولیا واقطاب کے سردار حضور غوثِ پاک نے، ساری امتِ مسلمہ کے رحمت بردوش نبی کریم نے، سارے جہان کے خالق و مالک اللہ تبارک وتعالیٰ نے، انہیں ایسا نواز دیا اور فیضیاب کر دیا کہ وہ تمام اسلامیانِ عالم کا مرکز ومحور اور مرجع ومقتدا ٹھہرا۔ پھر تو بریلی میں ہر صبح، ہر شام، طلبہ، علما، طالبین، سالکین کی، نوع بہ نوع بارات و برکات اتر نے لگیں اور وہاں ننھی اکیلی جان، جسے خداوندِ کریم نے بے پناہ قوتِ قدسیہ اور اتھاہ ملکۂ ملکوتیہ کا عکس ومظہر اور حامل وامین بنایا تھا،تمام معاملات ومسائل کا مداوا تن تنہا کرنے لگی۔ سراپا بندگی وہ زندگی، ایسی مصروف ومشغول ہوگئی کہ گھر سے باہر قدم رکھنا مشکل ونا ممکن سا ہو گیا۔ الحاصل درس وتدریس کے لئے بھی امام احمد رضا نے کبھی کہیں اور جگہ کا سفر نہیں کیا۔ جہاں پڑھا لکھا، وہیں پڑھایا لکھایا اور ہر شعبۂ علوم وفنون میں ایسا پڑھایا لکھایا کہ ان کے تلامذہ اور خلفا سبعِ سمٰوات پر شمس وقمر بن کر چمکے اور جریدۂ عالم میں تاریخ سازنقشِ حسیں چھوڑا۔

شخصیت وسیرت کے اس دلکش مرقع اور شرارۂ علم وفضل میں اسفار کا پتا تو چلتا ہے،مگر نہ تو حصولِ تعلیم کے لئے اور نہ تدریس کے لئے۔ ہاں! وہ ایسا بندۂ بے نفس تھا کہ کے عمر کسی حصے میں نہ کبھی انہیں سیر سپاٹے کا شوق ہوا، نہ کبھی سیاحت سے دلچسپی رہی۔ ان کے شہر بریلی میں کمپنی باغ ہے۔ جو بریلی کے بچوں اور جوانوں کے لئے سیر گاہ اور پارک و پکنک پوائنٹ ہے، مگر کیا مجال کہ امام احمد رضا نے اپنے بچپن اور لڑکپن میں اُدھر جھانک کر بھی دیکھا ہو۔ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں وہ سفرِ جبل پور سے واپس ہوئے، تو سرِ شام لوگ انہیں لے کر کمپنی باغ سے ہوکر گزرے، تب آپ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟۔ جواب ملا۔ یہ کمپنی باغ ہے۔ اس دن امام احمد رضا نے جانا کہ ان کے شہر کا کمپنی باغ وہاں ہے۔ اس سے ان کی پاک سیرت کی پاکیزہ تشکیل کی پوتر اٹھان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ ان کے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ اسی شہر میں گزرا تھا۔

ایسا نہیں کہ امام احمد رضا نے کہیں کا بھی سفر کیا ہی نہ ہو۔ سفر تو ضرور کیا ہے۔ لیکن خالص دینی ضرورت اور مذہبی خدمت کے لئے، نہ کہ ذاتی ضرورت و خدمت کے لئے۔ سنیے! بدایوں میں ان کی جاگیرداری اور زمینداری تھی۔ جو ان کے اباواجداد سے چلی آ رہی تھی۔ مگر اس زمینداری کی دیکھ ریکھ بھی اپنے بھائیوں اور قرابت داروں کے حوالے کر دی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ ان کے گھر صرف اتنا ہی جو اور گیہوں بھیج دیا جائے، جس سے سال بھر کی روٹی پک سکے اور بس حساب کتاب بے باق۔ نہ زمین و جائیداد کا جھمیلا، نہ لگان اور بٹائی دار کا بکھیڑا۔ انجمنِ نعمانیہ لاہور سے دعوت آئی اور انجمن کے سکریٹری شاہ محمد محرم علی چشتی نے لکھا کہ کچھ وقت نکال کر آپ لاہور تشریف لائیں، تو آپ نے ان کو جواب میں لکھ بھیجا کہ آپ یہاں تشریف لائیں اور دیکھیں کہ میرا کون سا لمحہ ذاتی و گھریلو کام میں گزرتا ہے۔ پھر آپ مجھے لاہور آنے کی دعوت دیں۔ جب یہاں سارا وقت دین ہی کے کام صرف ہوتا ہے اور خود اپنا مدرسہ، جو گھر سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ وہاں بھی قدم رکھنے کی فرصت نہیں ملتی ہے۔ ایسی صورت میں لاہور آنا کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے؟۔

ایک دفعہ گونڈل، کاٹھیاوار، گجرات سے کچھ مریدین و معتقدین نے گونڈل تشریف لے جانے کی تاریخ لی اور متعین وقت پر لینے بھی آ گئے۔ اب جب کہ نکلنے کا وقت سر پہ آن پہنچا۔ ان آنے والے مریدوں میں سے کسی کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ اب تو گونڈل جانے سے مدرسہ منظر اسلام کا بہت بھلا ہو جائے گا۔ اعلیٰ حضرت کو اس کی سن گن لگ گئی۔ یہ سنتے ہی سفر کا ارادہ ترک فرما دیا۔ ہزار اصرار و الحاح کے بعد بھی تیار نہ ہوئے اور آئندہ پھر کبھی کہہ کر معاملہ کو ٹال گئے۔ یہ محض اس لئے ہوا کہ ان کی غیرت و حمیت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کی ذات یا سفر سے کسی مالی منفعت کو جوڑا جائے۔ بھلے سے وہ مدرسہ کے لئے کیوں نہ ہو۔ پھر گونڈل جانے کی دوبارہ نوبت ہی نہیں آئی۔ یہ تھا ان کا معیارِ سفر اور یہ تھی ان کی شانِ استغنا و بے نیازی۔

پچھمی پنجاب، جو اب پاکستان میں ہے، سے ایک خبر کیا، شکایت آئی کہ کچھ حضرات آپ کا نام لے کر یا تلمذ و خلافت کی نسبت بتا کر ان اطراف میں اپنی دھاک بٹھاتے اور جلبِ منفعت کرتے ہیں۔ تب امام احمد رضا نے 'ایک ضروری اطلاع' کے عنوان سے اپنا بیان شائع کروایا اور اس میں تلامذہ و خلفا کی ایک نا تمام فہرست درج کرائی۔ ساتھ ہی تمہیدی کلمات میں انتہائی

سختی سے فرمایا کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں، جنہوں نے کسبِ مال اور جلبِ منفعت کا یہ گھٹیا طریقہ وصیغہ نکالا ہے۔ ہمارے دینی احباب اور رفقا اللہ و رسول کی رضا جوئی و خوشنودی کے لئے دین کی خدمت انجام دیں۔ کسی سے ہرگز ہرگز کچھ مطالبہ نہ کریں۔ ہاں !بطیبِ خاطر واز راہِ خوشی اگر کچھ مل جائے، تو انکار بھی نہ کریں کہ یہ سنت ہے۔

خیر امام احمد رضا نے سفر تو کیا ہے۔ مگر انتہائی خاص الخاص دینی و مذہبی ضروریات اور نازک سے نازک دینی و اسلامی حالات و مسائل کے تحت۔ آپ نے حجازِ اقدس کے دو اسفار نہایت ذوق و شوق کے ساتھ کئے۔ غیر منقسم بلادِ ہند کے بعض شہروں اور قصبوں کے بھی اسفار کئے۔ بعض بعض مقامات میں تو متعدد بار تشریف لے گئے۔ مثلاً اجمیر پاک دو یا تین بار، حضرت دہلی دربارِ محبوبِ الٰہی دو یا تین بار، شاہ فضلِ رحماں گنج مراد آباد ایک بار، اپنے پیر خانے مارہرہ مطہرہ متعدد بار، بدایوں شریف متعدد بار، پیلی بھیت شریف متعدد بار، بیسل پور دو بار، پورن پورو شیر پور ایک بار، رام پور شریف تقریباً تین بار، مراد آباد ایک بار، عظیم آباد پٹنہ تین بار، کلکتہ ایک بار، کان پور ایک بار، جبل پور دو بار، الہ آباد دو بار، بمبئی تین بار، احمد آباد ایک بار، خیر آباد وسیتا پور دو تین بار، لکھنؤ ایک بار، آرہ، بہار متعدد بار، بنارس ایک بار، کراچی ایک بار، امرتسر، رہتک، پنجاب اور لاہور جانے کی بھی روایتیں ملتی ہیں۔

۱۲۸۶ھ تا ۱۲۹۰ھ کے درمیان اعلیٰ حضرت کا پہلا سفر قرار دیا جا سکتا ہے۔ امام احمد رضا کا سب سے پہلا سفر کب کا ہے اور کہاں کا ہے۔ یہ ایک تحقیق طلب امر ہے۔ رام پور، جو بریلی سے کچھ ہی فاصلے پر ہے، میں ان کی رشتہ داری اور قرابت داری تھی۔ ممکن کہ وہ وہاں اپنی ابتدائی عمر میں تشریف لے گئے ہوں یا اپنے والدین کے ہمراہ کہیں اور گئے ہوں۔ جس کا مجھے علم نہیں۔ البتہ رام پور کا فتوی والا واقعہ، یہ بالکل ان کی نوخیز عمر کا ہے۔ جب کہ ان کی مونچھ داڑھی کی ریکھ ظاہر ہو ہی تھی۔ فتوی والا واقعہ اور علامہ عبد الحق خیر آبادی سے مباحثہ کا دورانیہ ۱۲۸۶ھ تا ۱۲۹۰ھ متعین کیا جا سکتا ہے۔ حالات و قرائن پر ایک جامع نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پہلا سفر بہر کیف رام پور کا ہی ہے اور اس سفر کا سبب وہی فتوی والا واقعہ ہے۔ اسی سفر میں علامہ عبد الحق خیر آبادی والا مباحثہ بھی ہے، مگر تا حدِ ادب اور بے لچک جرأتِ اظہار۔

۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء: علامہ عبدالعلی خاں سے استفادے والا وقوعہ، اس وقت کا ہے، جب امام احمد رضا اپنے سن کی انیسویں بہار سے ہمکنار تھے۔ اعلیٰ حضرت کا یہ جملہ کہ ’درس مدتوں کا ختم ہو گیا تھا‘ اس بات پر شاہد ہے کہ دونوں واقعوں میں بعدِ زمانی ضرور ہے اور تکمیلِ تحصیل کا سال ۱۲۸۶ھ ہے اور یہ وقوعہ ۱۲۹۱ھ وقوع پذیر ہوا۔ تو رام پور کا یہ دوسرا سفر قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ ہے۔

۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں اعلیٰ حضرت کا تیسرا سفر گنج مراد آباد کا ہے۔ یہ ماہِ رمضان ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کا آخری عشرہ تھا کہ اعلیٰ حضرت اپنے یارِ راز دار حضرت شاہ وصی احمد محدث سورتی وغیرہ کے ہمراہ گنج مراد آباد حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ فضل رحماں نے پر تپاک خیر مقدم کیا۔ تین دن مہمان رکھا۔ ۲۹ر رمضان کو واپسی ہوئی کہ عید سعید سر پر تھی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کے سن کا بیسواں برس تھا۔ شاہ فضل رحماں نے اسی وقت بھانپ لیا تھا کہ یہ جوانِ رعنا علم و معرفت کے کس عالمِ بالا کا مسافر ہے۔ تبھی تو ان کی ٹوپی خود اوڑھ لی اور اپنی ٹوپی انہیں اوڑھا کر رخصت فرمایا۔

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں اعلیٰ حضرت کا چوتھا سفر مارہرہ مطہرہ کا ہے۔ یہ شوال کی پانچ تاریخ تھی اور ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء کا سال تھا۔ عمر عزیز کا بائیسواں برس تھا۔ بالکل بانکا سجیلا نوجوان، والد ماجد حضرت شاہ نقی علی خان اور تاج الفحول شاہ محمد عبدالقادر قادری برکاتی بدایونی کی معیتِ مبارکہ میں حاضر بارگاہِ مرشدِ علام خاتم الاکابر ہوئے، تو پل میں مرید ہوئے اور پل پل ہی میں مجاز و ماذون نام زد ہوئے۔ اب جو مرشدِ سامی گرامی کے حجرۂ درویشی سے باہر نکلے، تو شباہت اور صباحت کا نور چہرے بشرے سے ایسا ٹپک رہا تھا کہ حضار و زائرین کو تمیز کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ فیضِ ربانی اور عطائے رسول کے مورد و مظہر تو تھے ہی اور اب اعطائے مرشد نے نور علیٰ نور کر دیا۔ اس عرش آشیاں بارگاہِ فیض بار کے اس سفر موج ظفر نے ان کی زندگی میں ایک طرحِ نو بہار ڈال دی۔ جب کہ وہ خود خاتم الاکابر کے لئے سرمایۂ حیات اور سامانِ آخرت قرار پائے۔

۱۲۹۴ھ میں آپ مارہرہ مطہرہ پہلی بار حاضر ہوئے۔ جب آپ مریدی خلافت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ پھر تو متعدد بار وارفتہ و والہانہ انداز میں حاضر ہوئے۔ ایک دفعہ حضرت سید شاہ اسماعیل حسن کی فرمائش پر میلاد پاک میں اپنے والد ماجد کی کتاب ’سرور القلوب

فی ذکر المحبوب' پڑھ کر سنائی۔ کجکلاہانِ خانقاہ کی بے حد فرمائش اور اصرار پر متعدد دفعہ وعظ و خطاب فرمایا۔ درمیان وعظ مسائلِ شرع کے بیان پر زیادہ زور دیتے۔ سرکار نور حضور نوری میاں جملہ عقائد و مسائل میں اعلیٰ حضرت پر کامل اعتماد فرماتے اور اکثر و بیشتر فرمایا کرتے: الٰہی! میری عمر میں سے اعلیٰ حضرت کو عمر عطا فرما'۔ ۱۳۲۱ھ میں سرکار نور نے اعلیٰ حضرت کو 'چشم و چراغِ خاندانِ برکات' قرار دیا۔ ۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت دوبارہ زیارتِ حرمین کریمین کے لئے گئے۔ تو سرکار نور یوں دعا فرماتے: الٰہی! مجھے موت نہ آئے۔ جب تک مولانا احمد رضا خان صاحب کو واپس آیا دیکھ نہ لوں'۔ ۱۳۲۴ھ میں سرکار حضور نوری میاں قبلہ علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ یہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت، علمیت، عبقریت، مرکزیت، مرجعیت، مقتدائیت، پیشوائیت، انتہائی شہرت اور مقبولیت کا دورِ شباب تھا۔

۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں اعلیٰ حضرت کا پانچواں سفر سوئے حجاز تھا اور یہ بیرونِ ملک کا پہلا سفر اور پہلا حج تھا۔ یہ ۲۶؍شوال کی تاریخ تھی۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء کا سال تھا اور ان کی عمر کا یہ تئیسواں برس تھا۔ والدین کریمین اور دیگر اعزہ و اقارب ہمراہِ سفر تھے۔ حرمین شریفین میں کئی مہینے قیام رہا۔ مفتی شافعیہ سید احمد دحلان مکی [ف ۱۳۰۴ھ] اور مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمان سراج [ف ۱۳۰۱ھ] سے حدیث، تفسیر، فقہ کی سندیں حاصل کیں اور امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح [ف ۱۳۰۲ھ] نے بغیر سابقہ تعارف کے ان کی پیشانی میں اللہ کا نور پایا اور از خود صحاح ستہ اور سلاسل طریقت کی سندات و اجازات سے نوازا۔ حضرت شیخ جمل اللیل کی فرمائش پر شیخ حسین بن صالح کی کتابِ فقہِ شافعی 'الجوھرۃ المضیۃ' پر 'النیرۃ الوضیۃ' کے نام سے شرح لکھی۔ پھر اس شرح پر تعلیقات و حواشی کا اضافہ فرمایا، تو وہ بھی ایک رسالہ بن گیا۔ جس کا نام 'الطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ' رکھا۔ حجِ فرض کی ادائے گی کے بعد حسنات و برکات کی انمول سوغات لے کر وطن واپسی ہوئی۔ جانے آنے اور اس سرزمین پاک کے قیام کے دوران بہت سے ایمان افروز واقعات رونما ہوئے۔ جب کہ یہ دورِ شباب کا آغاز تھا اور علم و فضل کی شہرت ہند سے حجاز تک پھیل چکی تھی۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ آپ ابھی حرمین شریفین ہی میں تھے کہ یہاں آپ کے پیر و مرشد خاتم الاکابر کا وصال ۱۸؍ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ کو ہوا گیا۔

۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء کو اعلیٰ حضرت پہلی بار بمبئی تشریف لائے۔ جب آپ اپنے والدین کریمین کے ساتھ حج کے لئے جارہے تھے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر تئیس برس کی تھی۔ بمبئی کے اس سفر اول کی تفصیل پیش نظر نہیں۔

۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت شاہ نقی علی خان کا وصال ہوا۔ مادۂ تاریخ 'خاتم اجلۃ الفقہا' ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے ساتھ خیر آباد، من مضافاتِ لکھنؤ کے سفر پر گئے تھے۔ یہ سفر ایک معجزاتی اثر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے ہوا تھا۔ تاریخ وسن کا تعین پیش نظر نہیں، لیکن یہ طے ہے کہ یہ سفر محقق ہے۔ تو یہ سفر ۱۲۹۷ھ سے پہلے ہی ہوا ہوگا کہ یہی خاتم الفقہا کا سن وصال ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خیر آباد سے سیتا پور بھی گئے ہوں کہ وہاں ساداتِ مارہرہ مطہرہ کی خاندانی قرابت داری و رشتہ داری ہے اور مارہرہ مطہرہ دونوں اب و ابن کا پیر خانہ ہے۔

۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء میں حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے 'مدرسۃ الحدیث' کی خشتِ اول رکھی اور علم حدیث کی حجیت واہمیت پر تین گھنٹے جامع خطاب فرمایا۔ اس زریں موقع پر تین سوافراد آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

حافظ رحمت خان روہیلہ کا بسایا ہوا شہر 'حافظ آباد' معروف بہ پیلی بھیت کی مذہبی قیادت اعلیٰ حضرت کے والد شاہ نقی علی خاں کیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ سعادت اعلیٰ حضرت کے حصے میں آئی۔ حجۃ العصر شاہ وصی احمد محدث سورتی کی آمد اور قیام نے اسے شہرت کے بام عروج تک پہنچا دیا۔ حجۃ العصر اور اعلیٰ حضرت کے درمیان ایمانی حرارت و تعلق اور قلبی وداد و محبت تھی۔ حجۃ العصر قریب ہر ہفتے ہی بریلی آیا کرتے اور اعلیٰ حضرت بھی سب سے زیادہ پیلی بھیت جایا کرتے تھے۔ محدث سورتی فرماتے: میرے دل میں ایمان کی عظمت بٹھانے والے اعلیٰ حضرت ہیں'۔ ایک بار اعلیٰ حضرت نے وہاں 'عقود الدریہ' کی دو جلدیں ایک ہی رات مطالعہ کر مفہوم مہینوں کے لئے ذہن میں محفوظ کرلیا۔ ایک بار محدث سورتی کے ساتھ پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی بشیر میاں سے ملنے گئے۔ اس وقت ایک جرأت وجلالت کا واقعہ پیش آیا۔ ایک بار کسی رئیس مرید کے گھر پالکی پر تشریف لے گئے، تو محدث سورتی پیدل تھے۔ اعلیٰ حضرت نے انہیں واپس کردیا۔ پھر دوبارہ

پالکی بھیج کر منگوالیا۔اعلیٰ حضرت نے ان کا یہ احترام فرمایا۔ایک بار اعلیٰ حضرت کے دم اور دعا سے محدث سورتی کی بیمار بچی صحت مند ہوگئی۔ایک دفعہ کسی قلمی مسودے کی اصلاح فرمائی۔ایک سفر میں صدر الافاضل اور صدرالشریعہ بھی شریک سفر تھے۔وہیں سے ایک دفعہ شیر پور اور بیسل پور تشریف لے گئے۔ان اسفار میں کئی یادگار واقعات رونما ہوئے۔ ۱۳۳۴ھ میں محدث سورتی کا وصال ہوا،تو اعلیٰ حضرت ٹوٹ کر رہ گئے۔اعلیٰ حضرت التزاماً سالانہ عرس میں فرماتے۔

۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء میں بائیس خواجاؤں کی چوکھٹ حضرت دہلی کی زیارت اور حضرت محبوبِ الٰہی کی بارگاہِ عالی جاہ میں حاضری دی۔ جو اس وقت غیاث پور تھا اور اب بستی نظام الدین،نئی دلی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے۔جب آپ کا بالکل عالم شباب تھا اور عمر رواں کی تیسویں بہار تھی۔ ماہِ فاخر، ربیع الآخر کا مہینہ تھا اور ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء تھی۔نظام المشائخ والملۃ والدین والحق کی باگارہِ عالم پناہ میں آپ نے اپنی حاضری لگائی۔تین دن تک وہیں اس غنی در پر پڑے رہے۔ یہاں کشف والقا کے کئی واقعے پیش آئے۔یہیں آپ نے بہت زبردست خواب دیکھا۔اسی حالتِ خواب میں معین الملۃ والدین والحق حضورغریب نواز خواجۂ اجمیر پاک کا دیدار کیا اور یہیں آپ نے قصیدہ ’اکسیر اعظم‘ کی تصنیف فرمائی۔ پھر ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں اس کی شرح ’مجیر معظم‘ رقم فرمائی۔ایک عرصہ بعد اب یہ نوادرات [۲۰۱۲ء میں] شائع ہو چکے ہیں۔پھر وہاں سے شاہ جہاں آباد، جواب پرانی دلی ہے،آئے۔ یہاں ایک وہابی سے بحث ہو گئی۔ وہ وہابی طیش میں آکر برطانوی عدالت میں نالش کردی۔ اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ شفیع المذنبین میں استغاثہ پیش کیا۔صبح اٹھنے کے بعد عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں ہوا اور وہ وہابی خائب وخاسر ہوکر ’فریفو‘ ہوگیا۔امام احمد رضا کے اسفار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کا ایک ہی سفر نہیں ہے، بلکہ دو یا تین سفر کیا گیا ہے اور ایک سفر تو تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر بدایونی اور خاتم المحققین حضرت شاہ نقی علی خان علیہما الرحمہ کی مبارک معیت میں بھی ہوا ہے۔

۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء اعلیٰ حضرت اپنے مرکز عقیدت مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے۔سرکار نور حضور نوری میاں کی فرمائش پر ’شجرۂ قادریہ برکاتیہ صلوٰتیہ‘ قلم برداشتہ تحریر فرمایا۔

۱۳۰۹ھ میں اعلیٰ حضرت نے لکھنؤ کا سفر کیا۔ یہ سفر خالص علمی نوعیت کا تھا۔ تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی بدایونی ہمراہِ سفر تھے۔ کسی مسئلے کی تحقیق اور کسی کتاب کی تلاش میں یہ سفر کیا گیا تھا۔ اس سفر کے ضمن میں اعلیٰ حضرت نے کئی واقعات بیان فرمائے ہیں۔ جو نہایت روح پرور ہیں۔ مطالعہ کے شائقین 'الملفوظ' دیکھیں۔ اس سفر نامہ میں بھی وہ واقعات درج کئے گئے ہیں۔

۱۳۱۱ھ میں اعلیٰ حضرت نے کان پور کا سفر کیا ہے۔ یہ سفر ایک تعلیمی مشورت و میٹنگ، جس میں اقطارِ ہند کے اجلۂ علما شریک تھے، میں شرکت کے لئے کیا گیا تھا۔ اسی مشاورتی میٹنگ میں 'ندوۃ العلما' کا سب سے پہلا تصور و تخیل کا تانا بانا بنایا گیا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس مجلس میں نصابِ تعلیم پر اپنا پر مغز مقالہ بھی پیش فرمایا تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کی فراستِ مؤمنانہ نے یہ ضرور محسوس کر لیا تھا کہ یہ کسی بہت بڑی بدمذہبی و بداعتقادی کی آہٹ ہے۔ دوسرے تیسرے برس ہی وہ آہٹ ایک طوفان کی شکل میں سب کے سامنے آ گئی اور تمام کبار مشائخ و علما نے اول تو اصلاح و مفاہمت کی کوشش کی۔ پھر حیلہ سازی، ابن الوقتی، بوالعجبی اور بے جا ہٹ دھرمی دیکھ کر ایک ایک کر کے الگ تھلگ ہو گئے۔

۱۳۱۱ھ ہی میں اعلیٰ حضرت کسی قریہ [گاؤں] میں چار مہینے سے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے یہ جملے: فقیر چار مہینے سے اس قریہ میں ہے۔ نامہ نامی بریلی ہو کر یہاں آیا۔ جواب حسبِ فہمِ قاصر حاضر۔ رسید بریلی ارسال فرمائیں' اس پر دال ہیں۔ یہاں قریہ سے مراد موضع کرتولی، ضلع بدایوں ہو سکتا ہے، جہاں اعلیٰ حضرت کی معقول زمینداری تھی یا بھوالی، نینی تال بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال یہ چار مہینے کا سفر اور قیام بریلی سے باہر کا ہے۔

۱۳۱۷ھ میں بدایوں شریف اعلیٰ حضرت تشریف لے گئے۔ تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت کو انتہائی محبت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی انہیں نہایت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علمی و تحقیقی امور و معاملات میں باہمی تعاون اور تبادلۂ خیالات ہوتا رہتا تھا۔ ۱۳۱۵ھ میں اعلیٰ حضرت تاج الفحول کی شان میں قصیدہ 'چراغِ انس' لکھا تھا۔ اسی برس اعلیٰ حضرت نے قصیدہ 'مشرقستانِ قدس' معروف بہ 'قصیدۂ نوری' تحریر فرمایا۔ یہ قصیدہ سرکار حضور نوری میاں مارہروی کی مدح و ثنا میں ہے۔ ۵/ جمادی

الثانی ۱۳۱۷ھ کو یہ قصیدہ عرس قادری بدایوں میں ترنم سے پڑھا گیا۔ سرکار نور، تاج الفحول، اعلیٰ حضرت، اشرفی میاں کے علاوہ تمام اطرافِ ہند کے اکابر مشائخ اور اجلۂ علما رونق افروز تھے۔ دس بجے دن شروع ہوا، تو ایک بجے دن یہ قصیدہ ختم ہوا۔ علمائے بدایوں کے زبردست اصرار پر ایک دفعہ اعلیٰ حضرت نے بدایوں کی جامع مسجد شمسی میں وعظ فرمایا۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت بدایوں میں موجود تھے اور مولانا سراج الدین آنولوی تقریر کر رہے تھے۔ ایک ایسا جملہ، جس سے، عقیدۂ حیات النبی پر حرف آ رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے تاج الفحول سے کہہ کر اس مقرر کو بٹھا دیا۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت مسجد خرما بدایوں میں نمازِ فجر پڑھا رہے تھے۔ قرأت طویل ہونے پر لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا۔ اعلیٰ حضرت نے سلام پھیرا اور لوگوں کا اضطراب دیکھ کر فرمایا: آفتاب نکلنے میں ابھی ۲ ر منٹ ۳۸ ر سکنڈ باقی ہے'۔

۱۳۱۸ھ میں پہلی بار آپ عظیم آباد تشریف لے گئے۔ اس تاریخ ساز اجلاس میں شرکت کی، جو 'ندوۃ العلما' کی غلط پالیسیوں اور وضع داریوں کی اصلاح کے لئے منعقد کیا گیا تھا اور جس میں تمام اطرافِ ہند کے سیکڑوں مشائخ و علما نے شرکت فرمائی تھی۔ اس میں آپ کئی خطبات دیئے۔ قصیدہ 'آمال الابرار لآلام الاشرار' قلم برداشتہ عربی زبان میں لکھا۔ کئی نیچریوں سے گفتگو کی اور ان کی اصلاح فرمائی۔ عبد الحمید پریشاںؔ کے قصیدوں میں سوسو غلطیوں کی نشاندہی فرمائی۔ اسی کثیر اجتماعِ اہلِ سنت میں مشاہیر و جماہیر اکابر مشائخ و علما کی موجودگی میں آپ کو پہلی بار 'مجدد اسلام' کے معزز لقب سے یاد کیا گیا۔

۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۲ء میں تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا۔ حضرت تاج الفحول بدایونی اور حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کے ہمراہ اعلیٰ حضرت نے سیتا پور اور خیر آباد کے لئے کم از کم دو سفر کئے۔ ظاہر ہے۔ یہ سفر ۱۳۱۹ھ سے قبل ہی ہوا تھا۔ ایک سفر تو اس لئے ہوا تھا کہ مسئلۂ عینیت و غیریت میں تاج الفحول اور اعلیٰ حضرت باہم مختلف الخیال تھے۔ اس کے تصفیہ کے لئے 'آئینۂ احمدی' دیکھنے گئے تھے۔ مطالعۂ کتاب کے بعد اعلیٰ حضرت نے کہا: یہ میرے مرشدان کرام کا فرمان ہے۔ لہٰذا سر تسلیم خم ہے۔ ورنہ تحقیق حق اس سے الگ ہے'۔ ایک اور سفر، جس میں تاج الفحول اور حضرت شاہ جی

میاں ساتھ تھے، تاج الفحول کی فرمائش پر اعلیٰ حضرت نے خطاب فرمایا۔

۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں حضرت تاج الفحول کا وصال ہوا۔ تو اعلیٰ حضرت ان کے پہلے عرس کے موقع پر حاضر ہوئے اور سورۂ 'والضحیٰ' کو موضوع بنا کر کامل چھ گھنٹے تقریر فرمائی۔

۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۲ء میں اعلیٰ حضرت کلکتہ تشریف لے گئے۔ حجۃ العصر شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی شریکِ سفر تھے۔ کلکتے میں ہوڑہ اسٹیشن پر آپ کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ یہ اجلاس اہل سنت بھی اہل ندوہ کی اصلاح کے تعلق سے منعقد کیا گیا تھا۔ صبح شام کئی اجلاس ہوا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے خطاب فرمایا۔ اصلاحی کاوشوں میں سرگرم رہے۔ دھرم تلہ کی تاریخی مسجد میں اعلیٰ حضرت کی تقریر کرائی گئی۔ مجمع چوک چوراہوں تک پھیلا ہوا تھا۔ یہیں اعلیٰ حضرت نے ابوالکلام آزاد کے والد ماجد رادُّ الوہابیہ علامہ محمد خیر الدین دہلوی سے ملاقات کی تھی اور علمی تبادلۂ خیال کیا تھا۔

۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۲ء میں دوسری بار اجلاس اہل سنت کلکتے کی شرکت کے بعد واپسی میں قاضی عبد الوحید فردوسی کی دعوت پر آپ پٹنہ تشریف لائے اور ان کے اہلِ خانہ وغیرہ کو داخل سلسلہ فرمایا۔ اس بار بھی عظیم آباد میں کئی دن قیام پذیر رہے۔ تمام شہر ٹوٹ کر ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ دید و ملاقات و فیض صحبت سے مالا مال ہوئے۔ ہر شخص کے لئے یہ دید مثل عید ہی ثابت ہوئی۔

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت دوسری بار حج و زیارت کے لئے حجاز اقدس حاضر ہوئے۔ یہ سفر مبارک خاص حکمتِ الٰہیہ کے تحت بالکل اچانک ہوا تھا۔ اس حکمت کا راز خاص دربارِ الٰہی مکۂ مکرمہ میں جا کر کھلا۔ مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد قریب تین ماہ آپ وہاں قیام پذیر رہے۔ خاص مکۂ مکرمہ کے مشائخ و علما نے جو آپ کا اعزاز و اکرام کیا اور عالمِ اسلام سے آئے ہوئے بلند پایہ اہلِ علم و کمال نے جو آپ سے استفادہ کیا۔ بد مذہبوں اور بد خواہوں نے ہوا خیزی کی جو مہم چلائی تھی۔ اس میں ان کو منہ کی کھانی پڑی اور انہیں مکے سے بھاگتے ہی بنی۔ نبی کریم کے دشمنوں پر یہ خدائی کاری ضرب اور بھاری پھٹکار تھی۔ 'الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ' کی قاہر تصنیف نے بفضل الٰہی سارے مکہ مکرمہ میں دھوم مچا دی تھی اور تمام اہل حق کا سر فخر سے سر بلند کر دیا تھا۔ انعاماتِ الٰہیہ اور نوازشاتِ نبویہ کی ایسی بارش ہوئی کہ منصبِ رسالت اور مقامِ نبوت دو پہر کی

دھوپ سے زیادہ روشن ہوکر سب کے سامنے آ گیا۔ اہالیانِ مکہ مکرمہ، حجاجِ کرام اور زائرینِ حرمین شریفین نے وہ دیکھا، جو کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ حرمِ الٰہی اور حرمِ نبوی میں اعلیٰ حضرت کا ایسا اعجاز و اکرام ہوا کہ تمام بلادِ اسلامیہ سے آئے ہوئے حجاج و مطوفین اور حضار و زائرین رشک ہی رشک اور عش عش ہی کرنے لگے، جانے آنے اور تقریباً چار مہینے قیام حرمین شریفین میں ایسے ایسے روح پرور اور ایمان افروز واقعات سامنے آئے کہ جب پڑھیئے، ایمان و اعتقاد اور عشق و مستی کی بادِ بہاری چلنے لگتی ہے۔ اس سفر کی تفصیل ایک دفتر چاہتی ہے۔ سر دست اصل سفر نامہ کا مطالعہ کیجیے۔

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء میں محدث سورتی کے فرزند کی شادی شرکت کی اور گنج مراد آباد بارات گئے۔ بارات کی واپسی میں ۳۲ ؍مرد اور ۶ ؍عورتیں ساتھ تھیں۔ اسی سفر میں ڈاکوؤں والا واقعہ پیش آیا۔ جو سب کے سب اعلیٰ حضرت کی روحانی ذات سے متاثر ہوکر داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ ہو گئے۔

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت دوسرے حج کے لئے اچانک تشریف لے گئے، تو براہِ بمبئ جانا ہوا۔ واپسی بھی یہیں سے ہوئی۔ اس دوسرے سفر بمبئ، جو مستقلاً نہیں تھا، بمبئ باشیوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ محبت و وارفتگی، جوش و خروش والہانہ خیر مقدم، تواضع و ضیافت، اخذِ فیض اور بیعت و مریدی کا ماحول ہی عجب مسرورانہ و مفتوحانہ تھا۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت روشنیوں کا شہر کراچی تشریف لے گئے۔ کراچی جانا بالقصد والارادہ نہیں تھا۔ دراصل ہوا یہ کہ اعلیٰ حضرت دوسرے حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ جہاز جدہ سے کامران ہوتے ہوئے بمبئ آنا تھا۔ اچانک کراچی لنگر انداخت ہوگیا۔ لہٰذا کراچی کا سفر ضمناً ہوگیا۔ شہر کے علما و مشائخ کو خبر ہوئی۔ وہ انہیں شہر لے گئے۔ کراچی کے مشہور و معتبر عالم و شیخ حضرت مفتی محمد عبد الکریم درسؔ علیہ الرحمہ کے مدرسۂ درسیہ، صدر بازار کراچی میں قیام ہوا۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد مفتی درسؔ صاحب بریلی تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت کے روضۂ اقدس پہ حاضری دی۔ صاحب سجادہ حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان سے گہرے ایمانی و اعتقادی مراسم تھے۔ اعلیٰ حضرت کی حیات میں مفتی درسؔ نے اعلیٰ حضرت سے خطیب و مناظر کی فرمائش کی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے دستِ راست شیر بیشۂ اہل سنت علامہ شاہ محمد ہدایت رسول

قادری برکاتی کو کراچی روانہ فرمایا تھا۔ جو اپنی تقریر و خطابت سے میدان جیت کر واپس تشریف لائے تھے۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت دوسرے حج کے لئے اچانک تشریف لے گئے، تو براہِ بمبئی جانا ہوا۔ واپسی بھی یہیں سے ہوئی۔ اس دوسرے سفر بمبئی میں، جو مستقلاً نہیں تھا، بمبئی شہر والوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ محبت و وارفتگی، جوش و خروش والہانہ خیر مقدم، تواضع و ضیافت، اخذِ فیض اور بیعت و مریدی کا ماحول ہی عجب مسرورانہ و مفتوحانہ تھا۔ گورے بابو کے یہاں قیام تھا۔ اسی سفر بمبئی میں اعلیٰ حضرت نے قصائی محلے کی مسجد میں تقریر فرمائی۔ دورانِ تقریر ایک عجیب روح پرور واقعہ پیش آیا۔ قطب کوکن حضرت مخدوم ماہمی علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پہ حاضری دی اور مسجدِ مخدومی ماہمی میں نمازِ مغرب ادا فرمائی۔ باندرہ کی کھاری کے کنارے قیام پذیر مجذوب کامل مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہوئیں۔ مِکس قہوہ چائے پی کر رخصت ہوئے۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت بمبئی سے احمد آباد تشریف لے گئے۔ حج کی واپسی کے بعد بمبئی کے دورانِ قیام احباب احمد آباد کو خبر ہوئی۔ حضرت مفتی محمد عبد الکریم نقشبندی علیہ الرحمہ کے فرزند حکیم مفتی محمد عبد الرحیم نقشبندی وغیرہ احباب بمبئی پہنچ کر بصد اصرار احمد آباد لے گئے۔ اعلیٰ حضرت نے احمد آباد میں کچھ دینی نزاعات کا تصفیہ فرمایا۔ احباب اہل سنت کے مابین چلے آرہے اختلافات کا خاتمہ فرمایا۔ مجذوبِ عصر حضرت موسیٰ سہاگ کے روضہ پہ حاضری دی۔ تمام گجرات و کاٹھیاوار میں اعلیٰ حضرت کی آمد کی اطلاع عام ہوگئی۔ اطراف و اکناف سے لوگ جوق در جوق آ آ کر دست بوس، قدم بوس اور داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ ہوئے۔

۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں جب اعلیٰ حضرت سفر حج سے بمبئی واپس تشریف لائے۔ تو شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی جبل پور سے ملاقات کے لئے بمبئی آئے اور جبل پور جانے کی دعوت دی۔ تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ ابھی تو میں اجمیر شریف جاؤں گا۔ جبل پور پھر کبھی آؤں گا۔ خیر اعلیٰ حضرت اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ دوران سفر شہر سورت سے پہلے نوساری میں بھی چاہنے والوں کو اپنے دیدار کا موقع دیا۔ تب احمد آباد ہوتے ہوئے اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ اجمیر

شریف کے سادات و خدام نے دل سے خیر مقدم کیا۔ اعلیٰ حضرت نے حضور غیرب نواز علیہ الرحمہ کے مزار فائض الانوار پہ حاضری دی اور فاتحہ پڑھا۔ شاہجہانی مسجد میں جمعہ کے دن اعلیٰ حضرت نے حضور غیرب نواز اور اولیائے کرام کی شان میں خطاب فرمایا۔ خطاب ایسا ایمان افروز اور رقت انگیز تھا کہ لوگوں کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ بقیہ خطاب اسی دن رات کو بعد نمازِ عشا ہوا۔ دولتِ آصفیہ حیدر آباد کے حکمراں آصف جاہ میر عثمان علی نے بھی دونوں خطاب سماعت کیا۔ بعد خطاب قیام گاہ پر پہنچ کر میر عثمان علی اعلیٰ حضرت سے ملاقات کی اور دولتِ آصفیہ کے عہدۂ قضا کی پیش کش کی۔ جسے اعلیٰ حضرت نے نامنظور فرمادیا۔

اعلیٰ حضرت نے ایک سفر اور اجمیر شریف کا کیا ہے۔ جو غیر مؤرخ ہے۔ یہ سفر بریلی سے براہِ راست اجمیر شریف کا ہوا تھا۔ راستے میں نماز اور ٹرین کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے متاثر ہوکر ایک انگریز گارڈ اجمیر معلیٰ آکر اعلیٰ حضرت کے دستِ اقدس پر مع اہل وعیال عیسائیت سے توبہ کر کے مشرف بہ اسلام ہوا۔ اعلیٰ حضرت کے وصال پر پوری دنیا میں مجلس تعزیت اور فاتحہ خوانی ہوئی۔ اجمیر شریف میں سادات و خدام اور اہل اجمیر نے غایت محبت و احترام کے ساتھ جلسۂ تعزیت منعقد کیا اور فاتحہ خوانی اور ایصالِ ثواب کیا۔ حضرت سید شاہ حسین علی رضوی، حضرت دیوان صاحب اور خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضرت سید شاہ غلام علی رضوی وغیرہم علیہم الرحمہ پیش پیش تھے۔

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء کو استاذِ زمن علامہ حسن رضا خان قادری بریلی کے ہمراہ خاندانِ عالی شان کے کئی افراد حج وزیارت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کو واپسی براہِ بمبئی ہوئی۔ اعلیٰ حضرت بریلی سے بمبئی اپنے اخوان واعزہ کو لینے کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ کو عبد السلام شاہ عبد السلام جبل پوری نے جبل پور آنے کی دعوت دی تھی، جب اعلیٰ حضرت اپنے دوسرے حج سے بمبئی واپس ہوئے تھے، جو منظور نہ ہوئی تھی۔ اب یہ غنیمت موقع تھا۔ شاہ عبد السلام نے پہنچہ پکڑلیا اور راستہ روک لیا۔ اعلیٰ حضرت موقع نکال کر جبل پور اترے اور چار دن قیام فرما کر دل وجان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کا دل خوش کر دیا۔ پہاڑوں، پتھروں، درختوں اور دریاؤں کا شہر دار السرور جبل پور گدگد ہوکر رہ گیا۔

۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں عظیم آباد پٹنہ تیسری بار قاضی عبد الوحید فردوسی کی علالت و وفات پر

تشریف لے گئے۔ عیادت کی سنت ادا کی۔ ابھی آپ موجود ہی تھے کہ قاضی صاحب علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا۔ آپ اور محدث سورتی، جو آپ کے ہمراہ تشریف لائے تھے، نے مل کر قاضی صاحب کو غسل دیا اور ان کی قبر میں دونوں ہی اترے اور ان کی نعش مبارک کو قبر میں اتاری۔ تاریخ قطعات لکھے اور تین دن ٹھہر کر تیجے کے بعد بریلی واپسی ہوئی۔ قاضی صاحب کی وفات نے اعلیٰ حضرت کو بالکل بے کیف ونڈھال کر کے رکھ دیا۔ قاضی صاحب اعلیٰ حضرت کے دستِ راست تھے۔ اعلیٰ حضرت کے بہت سے اولین رسائل وکتب اور 'حدائق بخشش' کو قاضی صاحب نے اپنے 'مطبع حنفیہ' سے شائع کرائی۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت کی نگاہِ ناز میں 'ندوہ شکن، ندوی فگن اور مجاہدِ جلیل وعظیم' تھے۔ رضویات کا یہ اولین باب ابھی تشنۂ تحقیق ہے۔

۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں تیسری بار اعلیٰ حضرت بمبئی تشریف لائے۔ یہ سفر بھی ضمناً ہی تھا۔ اپنے بھائی اور دیگر اعزہ واقارب کو لینے کے لئے تشریف لائے تھے، جو حج وزیارتِ حرمین شریفین سے بمبئی واپس آرہے تھے۔ اسی سفر میں اثنائے راہ جبل پور چار دن قیام فرمایا۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں اعلیٰ حضرت نے شہر آرہ، بہار کا سفر کیا۔ ربانی عالم، روحانی فاضل حضرت علامہ شاہ رحیم بخش قادری رضوی علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت کے خاص الخاص شاگرد اور خلیفہ تھے۔ انہوں نے شہر آرہ میں 'مدرسہ فیض الغربا' قائم فرمایا تھا۔ اس کے سالانہ اجلاس میں علامہ آروی بالالتزام اپنے استاذِ علام ومربی کو بلایا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بطیبِ خاطر اس اجلاس میں شرکت فرمایا کرتے تھے اور فارغ التحصیل طلبہ کے سروں پہ دستار باندھے تھے۔ اس سال بھی تشریف لے گئے۔ اعلیٰ حضرت کے بھانجے حاجی دلاور حسین خان جواہر پور والے اور خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ صاحب ساتھ تھے۔ پہلے یہ مدرسہ کرایہ پر تھا۔ اعلیٰ حضرت کی دعا اور تدبیر سے مدرسہ کا ذاتی مکان تیار ہوگیا۔ اس دیار کے مشہور مرشدِ طریقت حضرت شاہ محمد فرید الدین نے اس مدرسہ کی تعمیر وترقی میں سرفروشانہ رول ادا کیا تھا۔ یہیں پھلواری شریف کے شاہ محمد محی الدین بن شاہ محمد بدرالدین قادری مجیبی نے اعلیٰ حضرت سے ملاقات وگفتگو کی تھی۔ اسی سفر کی واپسی میں ٹرین کی تبدیلی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت بنارس اسٹیشن پر ٹھہرے۔ پھر تانگا منگا کر ایک مندر کی طرف گئے۔ مندر کے پجاریوں میں سے ایک شخص بھبھوت ملا ہوا آیا۔ مصافحہ

کیا۔ گفتگو کی، پھر چلا گیا اور اعلیٰ حضرت اسٹیشن آئے اور بریلی تشریف لے گئے۔

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں اعلیٰ حضرت کا مرادآباد کا سفر ہوا۔ یہ سفر بھی ایک تاریخ ساز سفر تھا۔ بریلی سے چلے، تو ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ رام پور اسٹیشن پر جید علما کا ایک قافلہ استقبال کے لئے آیا۔ پھر یہ قافلہ ساتھ ہوکر مرادآباد روانہ ہوا۔ مرادآباد اسٹیشن پر پورا شہر مرادآباد استقبال کے لئے امنڈ آیا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر انسانی سروں کا یہ سیلابی ریلا دیکھ کر محوِ حیرت تھا اور بغیر پلیٹ فارم ٹکٹ کے سب کے لئے دروازہ کھول دیا۔ کاروانِ رضا اس شان سے اسٹیشن سے باہر آیا اور ناز و ادا کے ساتھ گشت کرتا ہوا قیام گاہ جا پہنچا کہ کیا کوئی شاہ و حکمراں کا ایسا والہانہ استقبال ہوتا ہو۔ شاہ بلاقی علیہ الرحمہ کے میدان میں خطابِ عام ہوا۔ یہ شیرانِ حق کی دھاڑ تھی۔ باطلوں کے گیدڑ، نہ معلوم فرار و شکست کے کن گپھاؤں میں روپوش تھے۔ صدر الافاضل شاہ محمد نعیم الدین کی بابصیرت قیادت نے پورے شہر مرادآباد مع اطراف کو چشم براہ کر دیا تھا اور ایک پاؤں پر کھڑا کر دیا تھا۔ ہجوم و ازدحام دیدنی تھا۔ تب اہل حق کا کارواں فاتح و فرحاں بریلی لوٹ آیا۔

۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں اعلیٰ حضرت نے پیلی بھیت کا سفر کیا۔ علما و احباب کے بے حد اصرار پر، بعد نمازِ جمعہ، جامع مسجد پیلی بھیت میں ایمانی و روحانی لذتوں سے لبریز وعظ فرمایا۔ اس نادرِ زمن ہستی کی شخصی مقناطیسیت اور علم و عرفان کی میگنیٹ نے مجمع کا دل مسخر کر لیا۔ بعد وعظ لوگ ٹوٹ کر دامن سے لپٹ گئے اور داخل سلسلۂ قادریہ ہو گئے۔ اس اسپرچول سچویشن سے آدھے کھلے اور آدھے ڈھکے چھپے لوگ اپنے دل میں میل لے کر اٹھے۔ انہیں من کے میلے اور دل جلے لوگوں نے بعد میں مسئلۂ آذان ثانی کی چنگاری سلگائی، جو آگے چل کر شعلہ و شرر فشاں بن گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سفر کو اپنے حبیب کی ایک مٹی وٹتی سنت کو زندہ کرنے کا بہانہ بنا دیا اور دفتر اعمالِ رضا میں سو شہیدوں کا ثواب جمع ہونے کا حوالہ کر دیا۔

۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں شعبان کے تیسرے ہفتے ہی میں اعلیٰ حضرت بھوالی، نینی تال تشریف لے گئے تھے۔ بریلی میں شدتِ گرما کی وجہ سے روزہ رکھنا مشکل ہوتا تھا۔ اس لئے کوہِ بھوالی، جو نسبتاً ٹھنڈا اور خوش گوار جگہ ہے، وہاں جا کر باطمینان روزے ادا کرتے تھے۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں شعبان ہی میں اعلیٰ حضرت کوہ بھوالی نینی تال تشریف لے گئے۔

پورا رمضان مبارک وہیں گزارا۔ ۱۵؍شوال المکرم کے بعد بریلی واپسی ہوئی۔ ایسے موقعے پر وہاں نماز جمعہ اور نماز عید اعلیٰ حضرت ہی پڑھاتے تھے۔ ان کے احباب، اعزہ اور مریدین ان کی اقتدا میں نماز ین ادا کرنا فخر سمجھتے تھے۔

۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء کے ماہ صفر کی ۱۴؍تاریخ کو اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں کہ: قریب تین مہینے ہوئے، مکان سے جدا ہوں۔ ہفتوں ڈاک جمع ہوکر مجھے ملتی ہے۔ یہ جملے کوہِ بھوالی سے ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی کو لکھے گئے ہیں۔ تو تین مہینے سے وہ وہاں حالتِ مسافری میں قیام پذیر تھے۔

۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں دائرۂ شاہ اجمل الہ آباد کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ محمد بشیر علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ تو موجودہ سجادہ نشین حضرت سید شاہ نذیر احمد اجملی سے تعزیت کے لئے اعلیٰ حضرت الہ آباد تشریف لے گئے۔ یہ ۲۰؍اپریل کی تاریخ تھی۔ سجادہ نشین بذاتِ خود اور اہلِ دائرہ نے اسٹیشن پر آکر استقبال کیا۔ اعلیٰ حضرت وہاں دو دن رہ کر بریلی واپس ہوئے۔

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت طویل علالت سے اٹھے۔ آب وہوا کی تبدیلی کے لئے شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی نے جبل پور تشریف لانے کی گزارش کی، جو قبول کر لی گئی۔ برہانِ ملت عبد الباقی مفتی محمد برہان الحق قادری جبل پور سے بریلی گئے اور اعلیٰ حضرت کو لے کر جبل پور آئے۔ یہ ایک تاریخی سفر تھا۔ اس سفر میں پورا ایک قافلہ تھا۔ دونوں صاحب زادے، حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان قادری رضوی، مفتی اعظم شاہ مصطفی رضا خان قادری رضوی، حکیم ملت مولانا شاہ حسنین رضا خان قادری رضوی، امین الفتوی مفتی شفیع احمد قادری رضوی، راز دارِ رضویت مولانا سید ایوب علی قادری رضوی، مولانا سید قناعت علی رضوی وغیرہم علیہم الرحمہ۔ کاروانِ رضا جب بریلی سے روانہ ہوا، تو نہایت علمی جاہ وجلال، روحانی شان وشکوہ اور حشم وخدم کے ساتھ کوچ کیا۔ بریلی، الہ آباد، کٹنی ہوتا ہوا، جبل پور پہنچا۔ راستے میں ہر اسٹیشن پر استقبال ہورہا تھا اور زبردست ہورہا تھا۔ لیکن جبل پور اسٹیشن اور باہر کا استقبال بالکل انوکھا ونرالا تھا۔ دعوت وضیافت کا انداز بھی نہایت پرتکلف تھا۔

اعلیٰ حضرت کو وہاں کی فضا راس آئی۔ طبیعت روبصحت ہوئی۔ معمولات وہی تھے، جو بریلی میں تھے۔ اپنے اوقات پر باجماعت نماز، تلاوت وتسبیح، اوراد ووظائف، تصنیف وتالیف، فتوی نویسی، شعر گوئی، سید عبد الرحیم کی شاعری کی اصلاح، نیکیوں کی تلقین، برائیوں کی شدید مذمت،

ملنے والوں کی دل جوئی، پرانے جھگڑوں اور مقدموں کا تصفیہ، آپسی ناچاقیوں کی مصالحت و مفاہمت، مناظر قدرت کی سیر و دید، حصول فرح و سرور۔ ایک ماہ چار روز قیام کے بعد بریلی مراجعت۔ اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں اہل جبل پور کو لگتا تھا کہ ان کا ہر روز کو روزِ عید، ہر شام کو شامِ اودھ اور ہر شب کو شبِ شیراز ہے۔ ۲۶/ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ/ ۲۹/ مارچ ۱۹۱۹ء کو جبل پور کے تاریخی میدان میں عظیم اجلاس ہوا۔ جس میں اعلیٰ حضرت نے تقریر فرمائی۔ مفتی محمد برہان الحق کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور خلافت و اجازت سے نوازا۔ دھیان رہے کہ اعلیٰ حضرت کی کتاب 'الاستمداد علی اجیال الارتداد' ۱۳۳۷ھ اسی سفر پر مسرت کی یادگار ہے۔

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے الہ آباد کا دوسرا سفر کیا۔ یہ سفر اس وقت ہوا۔ جب آپ جبل پور کے طویل سفر سے بریلی مراجعت فرما رہے تھے۔ دائرہ شاہ اجمل کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ نذیر احمد اجملی علیہ الرحمہ نے چائے نوشی کی دعوت دی تھی۔ ٹرین بدلنے کے سبب اسٹیشن پر ایک شب رکنا پڑا تھا۔ موقع تھا، دائرہ اور اہل دائرہ کی زیارت و ملاقات کر آئے۔

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے مانک پور کا سفر کیا۔ یہ سفر پیلی بھیت سے ہوا تھا۔ مانک پور میں ایک دن ٹھہرنا بھی ہوا۔

۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء کا رمضان شریف اعلیٰ حضرت نے بھوالی، نینی تال میں کیا۔ شعبان کی آخری تاریخ ہی کو وہاں پہنچ گئے تھے۔ اطمینان سے سارے روزے رکھے۔ پھر بریلی تشریف لائے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ ان کی حیاتِ بابرکات کا آخری سفر کب اور کہاں کا ہے۔ تو اس سلسلے میں حتمی رائے اور قطعی ثبوت موجود و مرقوم ہے۔ امام احمد رضا ایمان و اعتقاد اور فکر و نظر میں جتنے کھرے اور کڑے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ کردار و عمل میں کامل و غالی تھے۔ انسان آج اتنا تن آسان اور سہولت پسند ہو گیا ہے کہ ذرا سی سردی ہوئی یا بخار ہوا۔ نماز روزے سے غفلت برتنے لگے۔ لیکن وقت کا مجدد ایسا نہیں کرتا۔ وہ ہر حال میں فرائضِ شرعی کی پاسداری کرتا اور یادِ الٰہی میں غرق رہتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ہر وہ بندہ، جتنا ہی مقرب و حضوری والا ہوتا ہے، وہ اتنا ہی فرائض کا ادا شناس اور عبادت و ریاضت کا حریص ہوتا ہے۔ نہ جان کی پرواہ، نہ جوکھم کا

احساس، انہیں تو لطف آتا اور لذت ملتی ہے طویل قرأت وتلاوت میں، لمبے لمبے سجدوں میں۔ چوں کہ یہ وہ لمحۂ لقا ہوتا ہے کہ بندہ اپنے رب سے ناز و نیاز کی سب سے اعلیٰ وخوش گوار منزل میں ہوتا ہے۔

امام احمد رضا اپنے وقت کا محض مجدد ہی نہیں تھا، عارفِ باللہ اور قطب الارشاد بھی تھا۔ کیوں کہ مجدد اپنے عہد میں تمام دینی و روحانی اور شرعی وعرفانی اوصاف و امتیازات کا جامع و کامل ہوتا ہے۔ شریعت وطریقت کا وہ ایسا پر بہار سنگم اور علم وعمل کا ایسا پرنور حسین امتزاج تھا کہ اس کا ادراک اہلِ دل اور صاحبِ حال ہی کر سکتا ہے۔ شاہ فضل رحماں گنج مرادآبادی، خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول مارہروی، سراج السالکین شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی وغیرہ اور کبار مشائخِ حرمین شریفین نے اس بلند مرتبۂ تقربِ خاص کو تاڑ لیا تھا۔

ہاں! تو امام احمد رضا نے اپنے اوپر یہ فتوی دے رکھا تھا کہ موسم گرما کی شدت وحدت میں اگر ان سے بریلی میں روزہ رکھنا ممکن نہ ہو، تو حسبِ استطاعت کوہِ بھوالی، نینی تال چلے جائیں اور وہاں روزے کی فرضیت کی ادائیگی کریں۔ چنانچہ عمر عزیز کے اخیر حصے میں دنیا اور دنیاوی امور سے بالکل کٹ کر، وہ وہاں جا کر، مکان کرایہ پر لے کر، یہ فریضہ سرانجام دیتے اور مناظرِ قدرت کی خاموش فضا میں نماز روزے، اوراد واشغال، تلاوت وتسبیح، یادِ الٰہی اور عشقِ رسالت پناہی میں گریہ وزاری، نالۂ نیم شبی، آہِ سحر گاہی اور 'من تو شدم تو جاں شدی' کا مظاہرہ کرتے اور پھر عید سے دو تین دن پہلے اور کبھی عید سعید کی دوگانہ پڑھ کر بریلی مراجعت فرماتے۔

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، یہ ان کا آخری سال تھا، اس بار وہاں کئی مہینے قیام رہا۔ پھر وہ کوہِ بھوالی سے اور کوہِ بھوالی ان سے دائماً جدا ہو رہا تھا۔ عبادت وریاضت کا وہ پر کیف گوشہ، قدرت کا پر اسرار ماحول، جو ان کا کنج خمولی، عبادت گاہ اور چلہ گاہ بنا رہتا تھا، ۱۴ر محرم ۱۳۴۰ھ کا وہ دن تھا کہ ان سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔ شاہ محمد عبد السلام جبل پوری کے نام ایک خط، جو ۸ / ۹ صفر کو کوہ بھوالی سے لکھا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹ر صفر کے بعد واپسی ہوئی۔ تو ہوسکتا ہے ۱۴ر محرم کے بعد پھر ایک سفر کوہ بھوالی کا ہوا ہو۔

خیر! ۱۴ر محرم ہو یا ۹ر صفر اس دن جو واپسی ہوئی۔ تو مرض اور ضعف ونقاہت کی شدت روز

افزوں رہی۔اس کے اگلے مہینے ۲۵ رصفر یا ۹ رصفر کے بعد ۲۵ رصفر کو وہ کوہِ غم والم ٹوٹا کہ ساری دنیائے اسلام سوگوار ہو کر رہ گئی۔اپنے تو اپنے، بے گانوں کے گھر بھی نوحہ کناں اور ماتم کدے بن کر رہ گئے۔یہ ان کا دنیا سے جدائی کا آخری اور وصالِ یار کا پہلا سفر تھا۔جس کے لئے وہ تا حیات جان و دل سے روتے اور سینہ سپر رہے اور زبان قلم سے توحید و رسالت کی اذان بلند کرتے، حق وصدات کا خطبہ دیتے اور عشق و مستی کا قصیدہ و ترانہ پڑھتے رہے۔یہ ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے اسفار کا ایک سرسری واجمالی مطالعہ یا تاریخی وتحقیقی جائزہ۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد شاہ نقی علی خان کی حیات میں ان کے ہمراہ چار یا بمشکل پانچ اسفار کئے تھے۔واضح رہے کہ شاہ نقی علی خان ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔۱۲۹۷ھ میں وفات پائی۔والد ماجد کی عمر پاک کے [۱۲۷۲ھ تا ۱۲۹۷ھ] پچیس سال پائے۔ان پچیس برسوں میں قریب چودھ سال تعلیمی مدت ہے۔جو والد ماجد ہی کی زیر نگرانی گزری۔تو والد ماجد کی حیات کا پہلا سفر وہی رام پور والا سفر اور واقعاتِ سفر [۱۸۶ھ تا ۱۲۹۰ھ] ہے۔دوسرا سفر علامہ عبد العلی خاں رام پوری سے استفادے والا سفر ہے۔یہ اعلیٰ حضرت کی عمر کا انیسواں سال تھا۔یہ دونوں سفر گھر سے بالکل قریب کے ہیں اور علمی شان واٹھان لئے ہوئے ہے۔

اعلیٰ حضرت کا تیسرا سفر گنج مراد آباد کا ہے۔یہ سفر خالص سلوک وتصوف کی تلاش کا سفر تھا۔شاہ فضلِ رحماں نے ان سے جو برتاؤ کیا۔اس سے اعلیٰ حضرت کے باطنی وروحانی مقام ومرتبے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔جب کہ عمر کا اکیسواں ہی برس تھا۔

والدِ گرامی کے ہمراہ چوتھا سفر مارہرہ مطہرہ کا تھا۔اس سفرِ وسیلۂ ظفر کے واقعات واقف کاروں سے مخفی نہیں۔یہ سفر عمر کے بائیسویں پائیدان کا ہے۔

والد گرامی کے ہمراہ ہی پانچواں سفر حجازِ اقدس کا تھا۔یہ عمر کا تئیسواں، چوبیسواں سال تھا۔اس سفر کی کامیابی و کامرانی ان کے حج نامہ اول میں پڑھیے۔اس کے اگلے برس ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں خاتم الفقہا والمحققین شاہ نقی علی خان، کل اکیاون برس کی عمر میں وصال فرما گئے۔یاد رہے کہ اس سے گیارہ مہینے پہلے ان کے پیر ومرشد خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول مارہروی کا وصال ۱۸ رذی الحجہ ۱۲۹۶ھ میں ہو چکا تھا۔اپنے ہوش وشعور کے ان گیارہ برسوں میں اعلیٰ حضرت نے

اپنے والد ماجد کی معیت میں کئی اسفار کئے۔ وہ بھی سب علمی اور روحانی۔ ایک تو وہی مارہرہ مطہرہ والا سفر اور سفر حج۔ دوسرے حضرت محبوبِ الٰہی دہلی اور اثرِ رسول کی زیارت کے لئے خیر آباد کا سفر۔ مجموعی طور پر یہ چار سفر ہوئے۔ ممکن کہ اور بھی سفر ہو۔

اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے بعد تاج الفحول شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی بدایونی [۱۲۵۳ھ/ ۱۳۱۹ھ] سے متاثر تھے۔ اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی پچیس سال [۱۲۹۶ھ تا ۱۳۱۹ھ] تاج الفحول سے قربت و ملازمت رہی۔ اعلیٰ حضرت نے کئی سفر تاج الفحول کے ہمراہ کئے۔ غالباً پہلا تو وہی، مارہرہ مطہرہ کا سفر بسلسلۂ بیعت و ارادت ۱۲۹۴ھ میں۔ ۱۳۰۹ھ میں لکھنو کا سفر، ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کا سفر، سیتاپور و خیر آباد کا سفر اور ایک سفر دہلی کا بھی۔ ان اسفار کے علاوہ ممکن کہ اور بھی اسفار ہوں۔

خصوصیات و امتیازات

'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' جو قریب پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، کی تلاش و دریافت اور تحقیق و ترتیب کے دوران، جو خصوصیات و امتیازات خاکسار غلام جابر شمس پورنوی نے محسوس کئے یا اس کے سامنے اجاگر ہوئے، ان کا بھی ایک سرسری جائزہ نذرِ قارئین ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ بابِ رضویات کی ایک نئی تلاش و دریافت ہے۔ ایک نئی جہت اور نیا زاویہ ہے۔ یہ جو کچھ ادنیٰ سی محنت و خدمت ہے، سراسر فضلِ رب ہے۔ عنایتِ رسولِ رب ہے۔ مرشدانِ کرام اور پیرانِ عظام کی فیض بخشی ہے۔ اساتذۂ کرام کی موجِ کرم فرمائی ہے۔ میرے والدین کریمین قاضی محمد عین الدین و قاضی شمس النساعفی عنہما وغفر لہما کی انمول خواہش، محنتِ شاقہ، نالۂ نیم شبی اور دعائے صحر گاہی کے ثمرات و برکات ہیں۔

آیئے! اس سفر نامے کی خصوصیات کیا ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ امام احمد رضا نہ عام عالم و عامل تھے، نہ پیشہ ور خطیب تھے اور نہ تجارت پیشہ پیر تھے۔ تاجرانہ فن کاری اور صنعت کارانہ ذہنیت کا وہاں دور دور تک پتا نہیں چلتا۔ وہ تو ایک عالم ربانی تھے، خاشع و متواضع فاضل تھے، دورد مند مصلح تھے، دور بیں مفکر تھے، حال و استقبال کی مذہبی و سیاسی تھوں پر کڑی نظر رکھنے والے ناقد و مبصر تھے، پرسوز دل دماغ رکھنے والے دینی قائد و پیشوا تھے، عرفانی

و روحانی مربی و مرشدِ طریقت تھے، اپنے دور اور جدید دور کی جملہ علمی شاخوں میں زبردست بصیرت ومہارت رکھنے والے مجددِ اسلام تھے، سب سے بڑھ کر یہ ان کی ذات اور فکر نشانِ حق، علامتِ صداقت، اسلامی عقائد ومعمولات کی حفاظت ونمائندگی کا استعارہ اور امتیازِ اہل سنت کے طور پر سامنے آئی۔ اسے آپ خاص عطائے الٰہی اور معجزۂ رسالت پناہی باور کیجیے۔

سفر سے گریز

اعلیٰ حضرت سفر سے گریز کرتے تھے۔ اس لئے کہ افتادِ طبع کے اعتبار سے آپ خلوت پسند اور عملیت پسند واقع ہوئے تھے۔ سفر سے طبیعت منتشر اور ضبطِ اوقات مضمحل ہوتا تھا اور یہ بھی کہ شرفا اپنے بچوں کو بے محابا چلت پھرت سے بچایا کرتے تھے۔ گھریلو تربیت کا یہی اثر اخیر عمر تک باقی رہا۔ اعلیٰ حضرت کے اسفار کی متعدد قسمیں:

علمی سفر

اعلیٰ حضرت نے جب کبھی سفر کیا۔ کسی علمی غرض سے کیا۔ رام پور کا سفر گو کہ اس غرض سے نہیں تھا، بلکہ اسے ضمنی علمی سفر کہا جاسکتا ہے۔ خالص علمی وتحقیقی سفر، مثلاً بدایوں، لکھنؤ اور سیتا پور کا سفر۔

ادائے حج فرض کا سفر

مثلاً اول سفر حرمین شریفین اور کوہِ بھوالی، نینی تال کے اسفار، فرض روزے کی ادائیگی کے لئے۔

حصولِ برکات

زیارت وحصولِ برکات کے اسفار، مثلاً زیارتِ حرمین شریفین [حجِ دوم] اجمیر شریف، حضرت دہلی، مارہرہ مطہرہ، گنج مرادآباد، خیرآباد اور ضمناً احمدآباد کا سفر۔

تعلیمی سفر

مدارس کے قیام اور دستارِ فضیلت کے لئے سفر، مثلاً 'مدرسۃ الحدیث' پیلی بھیت کے سنگِ بنیاد کے لئے اور 'مدرسہ فیض الغربا، آرہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی داستار بندی کے لئے اور تعلیمی ترقی ونصابِ تعلیم کی ترتیب ونظم کے لئے کان پور کا سفر۔

ضرورتِ سفر

خالص دینی و مذہبی شدید ضرورت وحاجت کے تحت، مثلاً پٹنہ کا پہلا سفر، کلکتہ کا سفر اور مرادآباد کا سفر۔

خاطر خیال احباب

دوست واحباب کے بے حد اصرار پر ان کی دل جوئی، دل دہی اور خاطر خیالِ احباب کے لئے، مثلاً پیلی بھیت کے متعدد اسفار، بیسل پور، شیر پور کا سفر، گنج مرادآباد کا دوسرا سفر، پٹنہ کے آخری دو اسفار، جبل پور کے دو اسفار، بمبئی کے ضمناً ہی سہی، کئی اسفار، کراچی، احمد آباد اور الہ آباد کا سفر۔

معمولاتِ سفر

اعلیٰ حضرت کا حضر ہو یا سفر، ان کے اوقات منضبط رہتے تھے۔ معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ خصوصاً نمازوں کا با جماعت اہتمام، تلاوت و تسبیح، وظائف و اوراد کی پابندی، فتویٰ نویسی، تصنیفی عمل اور شعر گوئی وغیرہ۔

اہتمامِ نماز

حالتِ سفر کی نمازوں کے سلسلے میں بہت سے نظائر ہیں، مثلاً سفر جبل پور کے لئے روانگی کے وقت بریلی اسٹیشن پر نماز کا واقعہ، کٹنی اسٹیشن پر نمازِ فجر کا واقعہ، جبل پور سے واپسی کے وقت شاہجہاں پور کے اسٹیشن پر نماز کا واقعہ، سفر اجمیر میں پھلیرہ اسٹیشن پر نماز کا واقعہ، مدرسۂ فیض الغربا آرہ میں پانی اور نمازِ فجر کا واقعہ، سفر حج میں کامران میں نماز کا واقعہ، جدہ سے مدینہ شریف جاتے ہوئے فجر کا وقت ہو گیا۔ حمال، اونٹ والے رکنے کو تیار نہیں۔ قافلہ والے نکل گئے۔ اعلیٰ حضرت قافلہ چھوڑ کر رک گئے۔ کنواں اور کرچ کا ڈول تھا۔ رسی نہ تھی۔ دستار باندھ کر کنواں سے پانی نکال کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر روانہ ہوئے اور حاضر بارگاہِ سرکار ہوئے۔

صدورِ کشف وکرامات

ان تمام نمازوں اور اوقاتِ نماز میں کرامت ہی کرامت کا صدور ہوا۔ ورنہ بظاہر سخت تکالیف کا سامنا تھا۔ مثلاً سفر جبل پور میں بریلی اسٹیشن پر اطمینان سے فجر کی نماز با جماعت ادا کی گئی اور ٹرین بالکل تاخیر سے آئی۔ الہ آباد اور جبل پور کے درمیان کٹنی اسٹیشن پر ٹرین کا رکنا،

بالکل اطمینان سے باجماعت نمازِ فجر ادا کرنا اور ڈرائیور اور گارڈ کا چائے لانا اور شکریہ ادا کرنا، سفر جبل پور کی واپسی میں شاہجہاں پور اسٹیشن پر ٹرین کا تاخیر سے پہنچنا اور نماز ادا کرنا، سفر اجمیر میں پھلیرہ اسٹیشن پر اعلیٰ حضرت کا باجماعت نماز ادا کرنا اور ٹرین کا نہ چلنا، مدرسۂ آرہ میں پانی کا فراہم نہ ہونا اور اچانک پانی بھرا لوٹا کا فراہم ہوجانا، سفر حج، کامران میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آنا، جدہ سے مدینہ شریف جاتے وقت جنگلی راستوں میں بے خوف ہوکر قافلہ چھوڑ دینا، نماز کے بعد بسہولت حاضر دربار سرکار ابد قرار پہنچ جانا وغیرہ۔

مہارتِ ہیئت وتوقیت

اعلیٰ حضرت دورانِ اسفار اوقاتِ نماز اور سمتِ قبلہ اپنے علومِ ہیئت وتوقیت سے صحیح وقت اور صحیح سمتِ قبلہ معلوم فرما لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بدایوں شریف کی مسجدِ خرما میں تاج الفحول شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی کی فرمائش پر نماز پڑھائی۔ حسبِ معمول قرأت طویل ہوگئی۔ مقتدیوں کو لگا کہ سورج طلوع ہوگیا اور نماز نہ ہوئی۔ سلام پھیرتے ہی لوگ مضطرب ہوکر سورج دیکھنے لگے۔ تاج الفحول نے فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ انہیں [یعنی اعلیٰ حضرت کو] معلوم ہے کہ طلوعِ سورج کا وقت کیا ہے'۔ اعلیٰ حضرت نے فوراً فرمایا: سورج نکلنے میں ابھی ۲ رمنٹ ۸ ۳ رسکنڈ باقی ہے۔ تب لوگوں کی جان میں جان آئی۔

سفر حج میں اعلیٰ حضرت نے جدہ وعدن کے درمیان نماز پڑھنی شروع کی۔ ایک عربی بزرگ، جو بحری جہاز میں شریکِ سفر تھے، نے آواز دی کہ قبلہ اِدھر نہیں، اُدھر ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسی سمت نماز ادا فرمائی، جس سمت شروع کی تھی، پھر اپنے مؤامرات وجداول فٹ کر کے ان بزرگ سے فرمایا: اب بتایئے۔ قبلہ کدھر ہے۔ ان بزرگ نے مان لیا کہ قبلہ اُدھر ہی ہے، جدھر آپ نے نماز ادا کی۔ یہ تھا اعلیٰ حضرت کا علمِ ہیئت وتوقیت پر عبور کا عالم۔ نگاہ اٹھائی، فضا اور مطلع دیکھا۔ سمت اور وقت معلوم کرلیا۔ راستے اور سواری بری و بحری ہوں یا جنگلی و پہاڑی اور بیابانی۔ ہر حال میں نماز اور اوقاتِ نماز کی فکر سر پہ سوار اور خیال دل میں جاں گزیں۔ ٹرین چھوٹے یا حمال جائے، نہ رفقائے سفر کی فکر اور نہ تنہا ویکا ہونے کی پرواہ، فکر اور پرواہ ہے، تو صرف نماز کی اور یادِ الٰہی کی۔

حاجی کفایت اللہ

اعلیٰ حضرت اپنے ابتدائی اسفار اکیلے کئے ہوں، تو کئے ہوں۔ مگر مجھے نہیں لگتا کہ اعلیٰ حضرت نے کبھی تنہا سفر کئے ہوں۔ کچھ اسفار تو اپنے والد ماجد اور دوسرے بزرگوں کے ہمراہ کئے اور پھر بعد میں اپنے اعزہ وخدام اور احباب وخلفا کے ساتھ ہی کئے۔ والد ماجد اور تاج الفحول کے ساتھ اسفار کا ایک جائزہ اوپر آچکا ہے۔ الحاج کفایت اللہ، آپ کے خادمِ خاص تھے۔ جو سفر وحضر ساتھ ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ سفر حج میں بھی انہیں ساتھ رکھا۔ ایسی خادم نوازی اور غریب پروری کی مثال نادر و نایاب ہے۔ اعلیٰ حضرت ان خادم حاجی کفایت اللہ مرحوم کی ایسی خدمت وکفالت فرمائی اور اتنا پیار دیا کہ وہ اپنا گھر تک بھول گئے۔ جدہ سے مدینہ منورہ جاتے وقت اعلیٰ حضرت کے خاص کپڑوں کا بکس جدہ ہی میں چھوٹ گیا اور قافلہ مدینہ شریف پہنچ گیا۔ اعلیٰ حضرت نے فریش ہوکر اب جو کپڑا مانگا، تو حاجی صاحب سکتے میں آ گئے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے نہ انہیں ڈانٹا اور نہ کچھ کہا۔ بازار سے نیا عربی جوڑا منگوایا اور عربی لباس میں سرکار ابد قرار مکی مدنی عربی مطلبی ہاشمی کے دربار گوہر بار میں حاضری دی۔ اتنے میں بدو قبیلے کے سردارِ رابغ شیخ حسین نے چھوٹا ہوا بکس اپنے ایک خاص ملازم کو بھیج کر پہنچوا دیا۔ ایسا کر کے اعلیٰ حضرت نے رسول کریم کی وہ سنت ادا کردی، جو سلوک رسول کریم نے حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ کیا تھا۔ یاد رہے کہ بعدِ وصال بھی وہ حاجی صاحب اعلیٰ حضرت کے پائینتانے ہی دفن ہوئے۔ زائرین جائیں، تو احاطۂ مزارِ اعلیٰ حضرت میں ان بزرگ کے لئے بھی فاتحہ اور ایصالِ ثواب کریں۔

پر جوش خیر مقدم

اعلیٰ حضرت جہاں کہیں تشریف لے جاتے، زادِ راہ اور نذرانے کا کسی پر بوجھ نہ ڈالتے۔ دے دیا، تو دے دیا۔ ورنہ خود ہی مصارفِ سفر برداشت کرتے۔ جس شہر میں ورود فرمایا، خواص علما و مشائخ نے آنکھیں راہوں میں بچھا دیں۔ جان ودل کا نذرانہ پیش کیا اور وہ والہانہ خوش آمدید کہا کہ شاہوں اور شہنشاہوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ مثلاً پٹنہ اسٹیشن پر استقبال، ہوڑہ اسٹیشن پر استقبال، مراد آباد اسٹیشن پر استقبال، جبل پور جاتے وقت رام پور اسٹیشن پر استقبال، جبل پور کے تاریخی سفر میں کٹنی اسٹیشن اور جبل پور اسٹیشن پر استقبال، پیلی بھیت، بیسل پور، شیر پور کے متعدد اسفار کے

استقبال، سفر حج پر جاتے ہوئے لکھنؤ اسٹیشن پر استقبال، دورانِ حج بمبئی جاتے اور آتے استقبال، پر جوش خیر مقدم کے اس طرح کے کئی پرکیف مناظر ہیں۔

ایثار و استقبال

اعلیٰ حضرت کے استقبال کا ایک خوبصورت منظر نعت خوانی اور استقبالیہ نظم خوانی کا ہوتا۔ جو ایمان کی تازگی اور روح کی بالیدگی کا سبب ہوتا۔ کیف و سرور کا ماحول ہوتا۔ وجد ورقت کی فضا چھا جاتی۔ بے خودی اور وارفتگی کے عالم میں حاضرین وموجودین نقدی کی صورت میں نذر گزارتے، جو سب کے سب اعلیٰ حضرت نعت خوانوں اور نظم خوانوں کو عنایت فرما دیتے۔ وہ ایسے عاشقِ رسول تھے کہ خود بھی اپنے کیسے اور بٹوے سے نقد نکال کر ان مدح خوانِ رسالت مآب پر نچھاور کر دیتے۔ اس کی مثالیں پیلی بھیت، بیسل پور اور جبل پور کے اسفار میں موجود ہیں۔ مطالعہ کے بعد ایسا تاثر ہوتا ہے کہ اپنی جان اور اپنا مال، یہ اپنا نہیں، سب نبیٔ رحمت کے دھوٗن اور اترن کا صدقہ ہے۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ اسی پر نثار کر دیا جائے اور یہ محض تاثر نہیں، حقیقت ہے۔

اصلاح و تلقین

اسفارِ امام احمد رضا کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے پہنچتے ہی لوگوں پر ایک علمی رعب اور روحانی کیف طاری ہو جاتا۔ اعلیٰ حضرت خود بھی پند و نصیحت کرتے اور خواص و عوام کے سوال و استفسار پر جھڑکتے نہیں، بلکہ تسلی و تشفی بخش جواب بھی دیتے۔ دونوں صورت میں جو کچھ فرماتے، لوگ صدق دل سے قبول کر لیتے۔ بے نمازی، نماز کے پابند ہو جاتے، ڈارھی منڈے، ڈارھی رکھ لیتے، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بے وفائی، وعدہ خلافی، فحش گوئی، بد نظری، بدعہدی سے کامل توبہ کر لیتے۔ غرض فرائض و معروفات کے کرنے اور منکرات و منہیات کے نہ کرنے کا مکمل عہد و پیمان کر کے اٹھتے۔ اعلیٰ حضرت کے چند لمحے کی صحبت فیض اور پر تاثیر نصیحت و فہمائش کی اثر پذیری کے یہ اثرات تھے۔ تلقین و اصلاح کا یہ باب تشنۂ تحقیق ہے۔

اس کی مثال میں ہم سفر احمد آباد کا واقعہ پیش کر سکتے ہیں۔ وہاں حضرت مفتی محمد عبد الرحیم نقشبندی، حضرت علامہ محمد علاء الدین اور مہر باز خان وغیرہ کے درمیان کسی شرعی مسئلے میں نزاع تھی اور حکم کے طور پر نوبت کفر و کافری اور تکفیر تک پہنچ چکی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے مسئلے کی نوعیت پر

روشنی ڈالی اور فریقین کی تفہیم فرمائی۔ بفضلہٖ تعالیٰ ایک شعلہ فشاں معاملہ پل کے پل میں رفع دفع ہو گیا۔ دوسری مثال سفر جبل پور کی ہے۔ وہاں بھی بہت سے آپسی نزاعی معاملات و مسائل، جو بڑے پرانے اور گہرے تھے، اعلیٰ حضرت اپنے ناخنِ تدبیر سے چٹکیوں میں حل فرما دیئے۔ جبل پور میں صدہا افراد نماز کے پابند ہوئے۔ ڈاڑھیاں چھوڑیں۔ منکرات سے توبۂ صیحہ کی اور معروفات و حسنات کے داعی و مبلغ ہو گئے۔ حج کے دورانِ سفر عرب میں بھی اس قسم کے معاملات پیش آئے اور آپ نے حل فرمائے۔ تفصیل وہاں دیکھیں۔

زیارت نامے

اعلیٰ حضرت دورانِ سفر، مزارات و مقابر مقدسہ اور مخادیم و مجاذیب کی بارگاہوں پہ حاضری دیتے۔ دہلی کے سفر میں کئی مزارات کی زیارت کی۔ احمد آباد میں مشہور مجذوب حضرت موسیٰ سہاگ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ پیلی بھیت میں مشہور مجذوب شاہ محمد بشیر میاں سے ملاقات کے لئے گئے۔ بریلی میں کئی مجاذیب تھے، جن سے آپ ملاقات کرتے۔ مارہرہ مطہرہ، بدایوں شریف اور پٹنہ میں بھی یہی معمول رہا۔ سفر حج میں جدہ میں جہاز رکا ہوا تھا۔ نہ معلوم کیسے آپ کو پتا چلا کہ قریب ہی ایک مزار ہے۔ چنانچہ جہاز کے افسران سے کہہ کر آپ اور آپ کے ہمراہ کئی افراد اس مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حرمین شریفین کے مزارات مقدسہ اور مقاماتِ متبرکہ کی حاضری لگائی۔ اعلیٰ حضرت کے حج نامے اور زیارت نامے عنوان بنا کر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

مردانِ غیب کی آمد اور دستگیری

سفرنامۂ اعلیٰ حضرت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ رجال الغیب اور مردانِ پراسرار اعلیٰ حضرت کی نگرانی و نگہبانی اور نصرت و دستگیری کیا کرتے تھے۔ چند شواہد پر اکتفا کرتا ہوں۔ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت بیل گاڑی سے رام پور تشریف لے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ ندی پڑی۔ بیل کے پاؤں اور گاڑی کے پہیے دلدل میں دھنستے اور پھنستے چلے جا رہے تھے۔ گاڑی بان پریشان ہوا۔ اعلیٰ حضرت بھی ذرا ملول و مسوس سے ہوئے۔ اتنے میں ایک سفید براق مردِ غیب ظاہر ہوا اور گاڑی بان سے فرمایا: گاڑی اِس رخ پر نہیں، اُس رخ پر ہانکو۔ اتنا کہنا تھا اور گاڑی بان کا اُس رخ پر ہانکنا تھا کہ گاڑی بآسانی پار اتر گئی۔ اب جو اس مردِ غیب پر نظر دوڑائی۔ نظر نہ آئے۔ وہ وہاں سے

غائب ہو چکے تھے۔ یہ اعلیٰ حضرت کی ابتدائی عمر کا واقعہ ہے۔ گاڑی میں خواتین بھی تھیں۔ یہ واقعہ مذکورہ دونوں واقعات سے الگ بھی ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ یہ سفر غیر مؤرخ ہے۔

دوسرے حج کے موقعے سے اعلیٰ حضرت جدہ اترے۔ بندرگاہ اور گزرگاہ پر اتنا ازدحام تھا کہ مردوں کا کندھوں سے کندھا جھلتا تھا۔ ایسی صورت میں اعلیٰ حضرت اپنی عفت مآب خواتین کو لے کر گزرنا نہیں چاہتے تھے۔ کئی گھنٹے قطار میں کھڑے رہے اور اوپر سے تیز دھوپ کی بارش ہو رہی تھی۔ بالکل ہلکان سے ہو گئے۔ بڑے فرزند مولانا حامد رضا خاں نے چاہا بھی کہ نکل جائیں، تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: تم نکل سکتے ہو۔ عورتوں کو لے کر میں اس حالت میں نہیں نکلوں گا۔ اسی اثنا میں ایک مردِ غیب نمودار ہوا اور کہا: آپ محرم مرد ایک حلقہ بنالو اور اپنی عورتوں کو اپنے حلقے میں لے کر میرے پیچھے آؤ۔ اس صورت سے اعلیٰ حضرت کا قافلہ بھیڑ چیر کر بالکل بسہولت وعزت وحرمت باہر نکل آیا۔ اب جو اس مردِ مہرباں اور ناگہاں نگہبان پر نگاہ اٹھائی۔ وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہو چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

میدانِ منیٰ کی ایک مسجد میں نمازِ مغرب کے وقت، جب سب نمازی جا چکے، شخصِ واحد، جو مردانِ غیب سے تھا، رکا ہوا وظائف میں مشغول تھا۔ اعلیٰ حضرت اپنے وظائف سے فارغ ہو کر بارشادِ حدیث اس مردِ پراسرار کی مدھو مکھی جیسی آواز کی شناخت کر لی کہ مردِ مستجاب الدعوات ہے، اس سے اپنی مغفرت کی دعا کرانی چاہیے۔ اعلیٰ حضرت نے گزارش کی۔ اس مردِ پراسرار نے مراد پوری ہونے کا جملہ تین بار فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے سمجھ لیا کہ میری درخواست پوری ہو گئی۔ اب انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ دبے پاؤں رخصت ہو گئے۔

مناسکِ حج کے بعد اعلیٰ حضرت کا مکہ مکرمہ میں طویل قیام رہا۔ شدید بیمار بھی رہے۔ اسی حالت میں تصنیفی وافتائی اور فیض رسانی کا عمل بھی جاری رہا۔ شدتِ مرض کی وجہ سے کئی دن حرمِ مکہ کی حاضری سے معذور رہے۔ اسی دوران ایک مردِ غیب نے فرزندِ گرامی مولانا حامد رضا خان سے حرم میں الٰہی میں دریافت کیا کہ شیخ [یعنی اعلیٰ حضرت] کہاں ہیں؟۔ کئی دن سے نظر نہیں آئے۔ فرزندِ گرامی نے جواب دیا کہ وہ شدید تپ میں مبتلا ہیں۔ اس مردِ غیب نے پانی دم کر کے دیا اور کہا: اگر اس سے افاقہ نہ ہو، تو بتاؤ۔ اس پانی کے استعمال سے اعلیٰ حضرت کو خوب افاقہ

ہو گیا۔ اب جو اس مردِ روپوش کی تلاش ہوئی، تو پھر کبھی نہ ملے۔

جدہ سے مدینہ شریف جاتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے نمازِ فجر کے لئے قافلہ چھوڑ دیا تھا۔ حمال سب جا چکے تھے۔ اب جب اعلیٰ حضرت نے نماز ادا فرمالی۔ سواری کی ضرورت پڑی کہ اتنے میں ایک حمال کو اپنے لئے اونٹ لئے کھڑا پایا۔ پوچھا: کیسے اور کہاں سے آیا۔ حمال نے جواب دیا: ہمیں سردارِ رابغ نے بھیجا ہے کہ آپ کو بغیر دقت و دام مندینۂ منورہ پہنچا دوں۔ اعلیٰ حضرت جان گئے کہ یہ ان کے سرکار ابد قرار کی موجِ کرم ہے۔ اس قسم کے واقعات کو جمع کئے جائیں، تو ایک کتاب بن سکتی ہے۔

دستِ غیب

دستِ غیب اور عملِ شجرۂ زر کی برکتوں کے نادر واقعات بھی بہت ہیں۔ یہاں دو تین نظیریں ملاحظہ کریں۔ جبل پور کے دورانِ قیام نعت خوانوں اور داعی و میز بان شاہ محمد عبد السلام قدس سرہ کے پوتے پوتیوں کو جو ہدایا عنایت کئے، وہ اسی دستِ غیب اور عمل شجرۂ زر کا نتیجہ تھا۔ حاضر باش خدام کا کہنا ہے کہ جس بکس سے ہاتھ ڈال ڈال کر اعلیٰ حضرت نقد نکال کر تقسیم فرما رہے تھے، ہمیشہ دیکھا گیا کہ اس بکس میں صرف وظائف و اوراد کی کتابیں اور نسخے ہی رکھے جاتے تھے۔ اس بکس سے رقم نکال کر تقسیم کرنا ہم سب کے لئے باعثِ تعجب تھا۔

ایک سید زادے اعلیٰ حضرت کے پاس آتے تھے اور ایک چونی ہی لیتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ چونی بھی اعلیٰ حضرت کی جیب میں نہیں ہوتی تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ سید زادے تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت ان کی چونی انہیں پیش فرما دیتے۔ ایک سید زادے مدینہ منورہ میں ہوتے تھے۔ اعلیٰ حضرت انہیں ماہانہ کچھ متعین رقم بطورِ ہدیہ نذر فرماتے تھے۔ اب کی بار اعلیٰ حضرت کا ہاتھ بالکل خالی تھا اور رقم بھیجنے کی تاریخ اور وقت سر پہ آ چکا تھا۔ اعلیٰ حضرت بالکل بے فکر تھے۔ تاریخ اور ارسالِ ڈاک کا وقت ہوتے ہی اس کام پر مامور خادم سے فرمایا: یہ لو اور جلد حوالۂ ڈاک کر آؤ۔

قلمی شغل

تصنیفی شغف اور قلمی شغل پر اعلیٰ حضرت من جانب اللہ و رسول ما مور و تعینات تھے۔ یہ ان کی عبادت بھی تھی اور غذائے روحی بھی۔ حضر کا کوئی لمحہ اور سفر کا کوئی لحظہ اس سے خالی نہیں رہتا تھا۔ وہ رب کریم با قدرت و با جبروت ہے۔ اپنے جس بندے سے چاہے، جس حال میں چاہے، اپنے دین اور اپنے حبیب کی خدمت کرا لے۔ اپنی رضا اور اپنے محبوب کی خوشنودی کے کاموں میں لگائے رکھے۔ اعلیٰ حضرت اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی توفیق یافتہ اور با فیض بندہ تھے۔ اپنے گھر اور شہر میں ہیں، تب بھی فیض رساں اور شہر سے باہر ہیں، تو بھی فیضِ رواں، دونوں حال میں علم و عرفان اور فیض و کرم کا دریائے مواج اور بحر ذخار، جدھر سے گزرتا ہے، ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے۔ علمی لہروں اور عرفانی موجوں سے خلقِ خدا سیراب و سرشار ہوتی رہتی ہے۔

نیرۂ وضیہ

حضر تو حضر، سفر میں بھی اعلیٰ حضرت کا شبدیز قلم سرپٹ دوڑتا ہی رہتا تھا۔ یہاں حالتِ سفر کی چند تصانیف کا ایک اجمالی جائزہ پیش خدمت ہے۔ ۱۲۹۶ / ۱۸۷۸ء میں پہلی بار والدین کریمین کے ساتھ حج کے لئے گئے۔ تو مناسکِ حج کے بعد مکہ مکرمہ کچھ دن قیام رہا۔ تو وہاں کے ایک جلیل القدر عالم کی فرمائش پر شیخ حسین بن صالح کی کتاب 'الجوهرة المضية' پر شرح لکھی۔ یہ کتاب فقہِ شافعی میں ہے اور عربی منظوم ہے۔ وطن سے دور، اپنی کتابوں سے مہجور، مکۂ مکرمہ کی بھینی فضاؤں میں اعلیٰ حضرت نے صرف دو دن میں اس کی شرح لکھ ڈالی اور نام 'النيرة الوضية في شرح الجوهرة المضية' رکھ چھوڑا۔ اعلیٰ حضرت نے اس میں احناف و شوافع کے مسائل کی توضیح بھی کی ہے۔ فرق بھی بتایا ہے۔ دو دن کی اس تصنیف لطیف کو دیکھ کر علمائے حرمین شریفین حیران رہ گئے۔ حالتِ سفر کی یہ غالباً پہلی تصنیف ہے۔ جب کہ اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر کا تئیسواں، چوبیسواں سال تھا۔ جب حجاز سے اپنے وطن ہند مراجعت کی، تو اس شرح پر تعلیق و تحشیہ لکھا۔ جس کا نام 'الطرة الرضية على النيرة الوضية' رکھا گیا۔ یہ کتاب مسائلِ حج میں لاجواب و بے مثال کتاب ہے۔ جو ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

شجرۂ برکاتیہ

۱۳۰۵ھ میں اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانے مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے۔ ان کے مربی و مرشدِ اجازت سرکار نور حضور نوری میاں قبلہ نے فرمائش کی کہ خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ کا شجرہ عربی میں صیغۂ درود کے ساتھ لکھ دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے وہیں قلم اٹھایا اور برجستہ و برمحل 'شجرۂ عربیہ صلوٰتیہ' قلم بند فرمادیا۔ چھوٹی تقطیع میں یہ شجرہ کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس قلمی نسخے کی عکسی کاپی مجھے پروفیسر محمد مسعود احمد کراچی کے ذخیرۂ علمیہ سے ملی تھی۔ اسے بھی ایک مستقل تصنیف شمار ہونی چاہیے۔ تو یہ حالتِ سفر کی دوسری تصنیف ہوئی۔

آمال الابرار

۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں اعلیٰ حضرت نے پٹنہ کا سفر کیا۔ تاریخ ساز اجلاسِ اہل سنت کے پرہجوم ماحول اور سخت ہماہمی میں، وہ بھی برجستہ اور قلم برداشتہ عربی زبان میں قصیدہ 'آمال الابرار لآلام الاشرار' تحریر فرمایا۔ جو ایک مستقل منظوم عربی تصنیف ہے۔ جس میں دینِ حق کی صداقت واضح فرمائی، علمائے حق کی مدح کی اور باطل نوازوں کی شدید مذمت وتردید فرمائی۔ یہ وقیع قصیدہ پی ایچ ڈی کا موضوع بن سکتا ہے۔ سفری حالت کی یہ تیسری تصنیف ہوئی۔ عظیم آباد کے معروف شاعر عبدالحمید پریشاںؔ نے ندوہ کی مدح میں ایک نظم لکھی، پریشاںؔ کی نظم میں اعلیٰ حضرت نے شعری وشرعی سو غلطیاں ظاہر کیں۔ اصلاحِ سخن کے باب میں یہ اصلاحی شعری و شرعی نکات واشارات، ایک مبسوط مقالے کا موضوع بن سکتے ہیں۔ پریشاںؔ کی اس نظم کے جواب میں، جو فارسی میں تھی، اعلیٰ حضرت کے بھائی استاذِ زمن علامہ حسن خان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور فارسی زبان ہی میں ایک مطول و مرصع نظم 'صمصامِ حسن بردابرِ فتن' کے نام سے فوراً لکھ کر اہل سنت کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ اس میں بھی اعلیٰ حضرت کی شراکت داری غالباً رہی ہو گی۔

برکاتِ مکیہ

اعلیٰ حضرت ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء میں دوسرے حج کے لئے اچانک تشریف لے گئے۔ تو انوارِ الٰہیہ اور برکاتِ مکیہ کی جھما جھم بارش ہوئی۔ واقعات سب ذائع شائع ہیں۔ اس بابرکت ماحول

اور نور بار مقام کی پہلی عربی کتاب 'الدولة المکیة بالمادة الغیبیة' ہے۔ جو صرف آٹھ گھنٹے میں قلم بند ہوئی۔ دوسری عربی کتاب 'الکفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم' ہے۔ جو صرف دو دن میں لکھی گئی۔ تیسری عربی کتاب 'الاجازة المتینة لعلماء البکة والمدینة' ہے۔ چوتھی کتاب، ان خطوط کے عربی جوابات کو شمار کی جا سکتی ہے، جو اعلیٰ حضرت نے علمائے عرب کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمائے۔ ان عربی مکتوب نگاروں کے حالات اور ان کے خطوط کے پس منظر کو بیان کر دیا جائے، تو یہ ایک اہم دستاویزی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت حجاز سے ہند تشریف لائے۔ تو 'الدولة المکیة بالمادة الغیبیة' پر تعلیقات لکھی۔ یہ بھی ایک مستقل تصنیف ہوئی۔ جس کو اعلیٰ حضرت نے 'الفیوضات الملکیة لمحب الدولة المکیة' کے نام سے موسوم کیا۔ ۱۳۲۸ھ میں حضرت سید عبد الرحمٰن رجوی بیتھوی نے 'الدولة المکیة' کی عربی تقاریظ کا التقاط کر کے شائع کیا۔ جس کا نام 'افتائے حرمین کا تازہ عطیہ' رکھا گیا اور 'الکفل الفقیه الفاهم' پر اضافہ کیا گیا۔ جس کا نام 'کاسر السفیه' ہے۔ یہ سب ضمنی و اضافی تصانیف ہیں، جنہیں برکات مکیہ ہی کہنا مناسب ہے۔ یہ تمام تصانیف علمی مواد و متن کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کا شاہکار بھی ہیں۔

الاستمداد

۱۳۳۷ھ میں اعلیٰ حضرت جبل پور تشریف لے گئے۔ تو 'الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد' لکھی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جبل پور پہنچنے پر خادمِ جاں نثار حاجی کفایت اللہ مرحوم کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی کہ اعلیٰ حضرت تو مجدد ہیں اور مجدد کا ہر لمحہ خدمت علم میں گزرتا ہے۔ بریلی سے جبل پور تک اعلیٰ حضرت نے کہاں کچھ کیا۔ ان کا اتنا سوچنا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا اور فرمایا: حاجی صاحب! وہ بستہ اٹھا لائیے۔ جب وہ اٹھا لائے، تو اعلیٰ حضرت نے 'الاستمداد' کا مسودہ نکال کر انہیں دیتے ہوئے فرمایا: لیجیے۔ اسے صاف کر لیجیے۔ اس سے حاجی صاحب مرحوم نے اعلیٰ حضرت کی قوتِ کشف بھی جان لی اور ٹھٹھک کر رہ بھی گئے۔

یادگارِ بھوالی

اعلیٰ حضرت ۱۳۳۲ھ کے بعد کوہِ بھوالی نینی تال میں ماہِ رمضان گزارتے تھے اور بعض بعض دفعہ شدتِ مرض وضعف کے سبب کئی کئی مہینے رک جاتے تھے۔ تاج العلما حضرت سید شاہ محمد میاں مارہروی، ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین عظیم آبادی، شاہ محمد عبد السلام جبل پوری اور مفتی احمد بخش صادقؔ ڈیرہ غازی خان [پاکستان] وغیرہ کے نام کوہِ بھوالی سے لکھے طول طویل خطوط میں یہ ذکر بار بار آیا ہے کہ اِن دنوں فلاں کتاب زیر تصنیف ہے۔ آج کل ردِ خبثا میں پانچ رسالے زیر تصنیف ہیں۔ وہ کون کون سی تصانیف ہیں۔ تحقیق طلب ہیں۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت نے ان رسائل وتصانیف کا نام نہیں لیا ہے۔ مجملاً ذکر فرمایا ہے۔

اسی طرح وہ خطوط اور فتاوے، جو اس پہاڑی پر فضا مقام سے صادر کئے گئے، یہ بھی توجہ طلب ہیں۔ یوں ہی وہ نعتیں اور وفیات پر تاریخی قطعات و مادہائے تواریخ، جو سفری حالات میں امضا و ارسال ہوئے، وہ بھی ایک موضوعِ تحقیق ہیں۔ مثلاً پٹنہ میں قاضی عبد الوحید فردوسی کے قطعاتِ تاریخ، کوہ بھوالی میں حضرت صدر الافاضل کے والد ماجد کے وصال پر قطعاتِ تاریخ، مفتی محمد برہان الحق جبل پوری کے بچوں اور بچیوں کی وفات پر قطعاتِ تاریخ وغیرہ وغیرہ۔ نثر ونظم اور عربی، فارسی اور اردو میں اگر ان سب چیزوں کو موضوعی اعتبار سے مرتب کی جائیں، تو نوادرات کے نئے گوشے سامنے آئیں گے۔

اصلاحِ سخن

مفتی احمد بخش صادقؔ، اس وقت کے جید عالم وفاضل تھے۔ زبردست شاعر بھی تھے۔ 'دیوانِ صادقؔ' ان کی یادگار ہے۔ ان کے اس دیوان کی اصلاح اعلیٰ حضرت نے اسی حالتِ سفر و مرض میں بیٹھ کر اسی کوہِ بھوالی میں کی۔ عربی، فارسی اور اردو شاعری کی شعری وشرعی اصلاح وترمیم اعلیٰ حضرت حالتِ سفر ہی میں فوراً کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً پٹنہ میں عبد الحمید پریشاںؔ کی فارسی نظم کی اصلاح اور جبل پور کے سفر میں سید عبد الرحیم کی شاعری کی اصلاح ونظر ثانی۔ شعر وسخن کی اصلاح کے حوالے سے یہ ایک توانا مواد ہے۔ جو محض حالتِ سفر کی بات ہے۔ اسے 'اعلیٰ حضرت اور اصلاحِ سخن' عنوان بنا کر بھرپور کام کیا جا سکتا ہے۔ اقامت وحضر کی اصلاحِ شعر کا مواد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کوئی باذوق صاحب فہم قلم کار یہ کام کر دے، تو مواد ومیٹر کی مکمل نشاندہی

اور فراہمی یہ خاکسار غلام جابر شمس پورنوی برضا ورغبت کرسکتا ہے۔

تحریکات وتجاویز

یہ وہ دور تھا کہ اُدھر جنگِ عظیم اول کے اثرات باقی تھے اور اِدھر آزادئ ہند کی تحریک زوروں پر تھی۔ آئے دن نئی نئی تحریک اٹھتی تھی اور نئی نئی تجویز پاس ہوا کرتی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے سرگرم عملی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ مگر اس وقت کے ملکی و بین الاقوامی سیاسی مدو جزر سے بے خبر بھی نہیں رہے۔ بلکہ پل پل بدلتے حالات وتغیرات کے تیکھے تیور پر کڑی اور گہری نگاہ رکھتے تھے۔ تحریکِ ہندو مسلم اتحاد، تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ خلافت اسی عہدِ کشاکش اور دورِ نفسا نفسی کی اُپج تھی۔ ملکی و بین الاقوامی امور وسیاسیات، مسلم مصالح ومفادات، اغیار کے تحفظات و تقیہ بازی اور مذہبی شعائر و علائم کی بقا وضمانت، یہ ایسے پر پیچ اور تہہ دار وقت کے سلگتے مسائل و معاملات تھے، جن کی کائی اور کھائی میں اچھے اچھے مذہبی وسیاسی سورما پھسل گئے اور گر گئے کہ انہیں خود اپنی ذات کی خبر نہ رہی۔ چہ جائے کہ وہ ملک وملت اور دین ومذہب کی خبر گیری کرتے۔

یہ تنہا اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات تھی کہ تمام حالات کو اپنی خداداد بصیرت وایمانی فراست سے بھانپ گئے اور باشعور احبابِ اہل سنت کو لے کر اس شدید زور آور اور مہنہ زور طوفانی سیلابِ بلا کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔ جب کہ یہی دور آپ کی علالت ونقاہت کا بھی تھا۔ تاہم بریلی اور کوہ بھوالی سے جو آپ نے امت وملت کی سیاسی رہنمائی فرمائی۔ وہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے۔ اس ہیجانی وجذباتی دور میں علماوزعما اور لیڈران تو کان نہیں دھرتے تھے۔ مگر برف پگھلنے کے بعد ان کو ہوش آیا کہ ان سے جو لمحوں کی خطا سرزد ہوگئی ہے، قوم اسے صدیوں بھگتے گی اور بھگت رہی ہے۔ مگر بات وہی حق اور درست تھی اور ہے، جو اعلیٰ حضرت اور ان کے زیر اثر علما وزعما نے کہی اور کی تھی۔ اس کے لئے اس دور کے فریقین کے خطوط، مراسلات، فتاوی اور بیانات گواہ ہیں۔ تاریخی و سیاسی شعور رکھنے والوں کے لئے یہ مواد بہت ہی خاصے کی چیز ہے۔ خصوصاً صدر دیوبند شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا ابوالکلام آزاد کے متضاد بیانات اور بے بصیرت فتوؤں نے پوری قوم کو عجب کشمکش اور تذبذب وتشویش کا شکار بنا دیا تھا۔ جیسے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتوی، ترکِ موالات کا مسئلہ، مسئلۂ خلافت کا الٹا سیدھا مفہوم اور کھدر وریشمی رومال کی تحریک ومہم کا چھیڑنا۔

المحجة المؤتمنه

اعلیٰ حضرت یوں تو اپنی زندگی کے اوائل اور ادھیڑ عمر میں مرض میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ دردِ چشم، دردِ سر، تپ اور بخار، یہ ان کے ایک قسم سے عادی امراض تھے اور کبھی کئی ہفتے اور کبھی کئی مہینے ان عوارض وامراض سے طبیعت مضمحل رہتی تھی۔ مگر مگر ۶۵/ یا ۶۳/ سالہ زندگی میں سے اخیر کے ۱۵/ یا ۱۳/ سال کچھ زیادہ ہی ان امراض کے حملے ہوتے رہے، خصوصاً ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء کے بعد۔ کوہ بھوالی کی آمد و رفت کے سالوں میں علالت و نقاہت کا غلبہ کچھ زیادہ ہی رہا۔ انہی ایام میں سیاسی گلیاروں کی طغیانی بھی زیادہ رہی۔ لیکن کمالِ حیرت ہے کہ ان کے علمی اشتغال اور معمولاتِ حیات میں یہ عوارض و امراض زیادہ حارج و حائل نہ ہو سکے۔ اعلیٰ حضرت کا ذہن اور قلم برابر اپنا کام کرتا رہا اور وہ جریدۂ عالم پر مذہب و سیاست کے شوخ رنگ نقوش ثبت کرتے رہے۔

جن ایام و اوقات کی میں بات کر رہا ہوں۔ پیشِ نظر کتاب 'المحجة المؤتمنة فی آیات الممتحنة' انہی ایام کی تازہ بہ تازہ یادگار ہے اور 'الطاری الداری لهفوات عبد الباری' کے تینوں حصص کے اکثر حصے، اسی کوہ بھوالی میں لکھے گئے ہیں۔ ان دونوں سفری کتابوں کے علاوہ وہ خطوط، فتاوی اور بیانات کا تجزیہ کر کے مرتب کیا جائے، جو کوہ بھوالی سے تحریر کئے گئے، تو خطوط و فتاوی کی دو ضخیم جلد بن سکتی ہے۔ اتنا صحت مند مواد اس حوالے سے موجود ہے اور یہ حالتِ سفر و مرض کی نشانی ہے۔ اِدھر حالات کی شدت اور اُدھر امراض کی شدت، دونوں کا اگر موازنہ کیا جائے، تو اعلیٰ حضرت کی خداداد قوتِ بصیرت، مؤمنانہ فراست، اخذ و استنباط کا بے پناہ ملکہ، مراجع و مصادر پر بغیر مراجعتِ کتب عبور و استحضار، توفیقِ رحمانی و تائیدِ ربانی سے بھر پور دلائل و شواہد کا انبار اور راست و درست نتائج کے استخراج پر ہر وہ شخص ایمان لائے گا، جس کو علم و عقل، تاریخی شعور، سیاسی سوجھ بوجھ اور عصری آگہی سے ذرا بھی مس ہے اور زمانہ جس کی صحت، صداقت، ثقاہت اور صولت و بصالت کا بانگِ دہل اعلان کر رہا ہے۔

یہ آٹھ دس تصانیف و تحقیقات تو خالص سفری وارتجالی ہیں۔ اگر ضمنی و ذیلی تصانیف کو جوڑ کر مزید تحقیق و تفحص کیا جائے، تو یہ تعداد دو درجن سے کم نہ ہوگی۔ تحقیق و تجزیہ کا یہ بھی ایک موضوع ہے۔

جب کہ اعلیٰ حضرت اپنے کتب خانہ سے دور اور گھریلو سہولیات سے بہت دور ہوتے تھے۔ کیسا رسا ذہن، خداداد حافظہ اور برق رفتار قلم پایا تھا اعلیٰ حضرت نے۔ یہ وصف ان کے ہمعصروں میں ہی کیا؟، صدیوں میں بھی نظر نہیں آتا۔ ان کے ایک معاصر شبلی نعمانی، جب سفر کرتے، ان کا کتب خانہ بھی ساتھ ساتھ سفر کرتا، پھر بھی چار صفحہ لکھ نہیں پاتے۔ وہ بھی تاریخ، ادب، سیرت کے عنوان پر کہ یہی شبلی کے موضوعات تھے۔ ادب کی چاشنی، زبان کی شیرینی، الفاظ کی بندش اور اسلوب کی رعنائی اور موضوعاتی رنگارنگی و بوقلمونی دیکھنی ہو، سفری و حضری تصانیفِ اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کیجیے۔

ماحصل

دیکھ رہے ہیں آپ! اعلیٰ حضرت جلوت وخلوت اور حضر وسفر، جس حال میں ہیں، ان کا لمحہ لمحہ اور لحظہ لحظہ دین و مذہب، شریعت وسنت، قوم وملت، معیشت و معاشرت اور سماج و سیاست کی خدمت و رہنمائی میں مصروف و منہمک ہے۔ مذہب ہو یا سیاست، دونوں میدانوں میں ہے کوئی دوسرا نمونہ، جس کو اعلیٰ حضرت کی ایثار پسند ذات اور بے لوث خدمات کے آمنے سامنے کھڑا کیا جا سکے۔

ایک امتیاز

سفر نامۂ اعلیٰ حضرت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے، جو مذکورہ جائزہ نے دو دو چار کی طرح یہ واضح کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کے تمام اسفار خالص ذاتی نوعیت کے ہیں۔ جس میں دینی و مذہبی، روحانی و عرفانی، علمی و تصنیفی، اصلاحی و ارشادی، تلقینی و تذکیری، شریعت وسنت کی بالادستی، احکام وفرائض کا غلبہ و استعلاء، مذہب وملت کی تعمیر وترقی، مسلم معاشرے کا عروج وارتقا کی گونج صفحہ صفحہ اور سطر سطر سے سنائی دیتی ہے۔ سیاست، ریاست، سفارت، ثقافت اور خیر سگالی دوروں، جو حکومت واقتدار کی شہہ، صرف اور خرچ پر کئے جاتے ہیں، کا داغ کہیں نظر نہیں آتا۔ سیاست وریاست اور سفارت وثقافت کی لعنت ونحوست سے 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' بالکل پاک وصاف ہے۔

جب کہ ان کے بعض معاصرین کے سفر ناموں میں اس نوع کے داغ دھبے قدم قدم پر نظر آئیں گے۔ جن کے دامن داغدار ہیں اور گریبان تار تار ہیں۔ مثلاً سر سید کا سفر نامۂ یورپ، یہ سفر تعلیم وثقافت کو پائیدان بنا کر کیا گیا تھا۔ اس کا سارا خرچ اس برطانوی حکومت نے برداشت کیا تھا، جس برطانوی

حکومت نے ان کے بیٹے سید محمود کو سرکاری وظیفہ دے کر برطانیہ بھیج کر تعلیم دلوائی تھی۔ سرسید کے دستِ راست اور رفیقِ خاص شبلی نعمانی [م ۱۹۱۴] نے 'ہیروز آف اسلام' لکھنے کا پروجیکٹ بنایا تھا۔ نوابانِ ریاستہائے ہند کے خرچ پر کئے گئے اسفار کا مجموعہ 'سفر نامۂ روم ومصر وشام' ہے۔ جو شبلی نعمانی نے یاد گار چھوڑا۔ ریاست رام پور، ریاست جھجھر، ریاست جنجیرہ، ریاست بھوپال اور نظام حیدر آباد سے شبلی کے لنگوٹیا یار جیسے گہرے تعلقات تھے۔ شبلی نعمانی کے علمی جانشین سید سلیمان ندوی کا سفر نامہ 'سیر افغانستان' حکومتِ افغانستان کے فرمار وانادر شاہ کی شاہ خرچی اور سرکاری صرف کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اس سفر میں سر راس مسعود تو تھے ہی، ڈاکٹر اقبال جیسے فہیم وفریس دانشور بھی شریکِ سفر تھے۔

خطۂ دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا سفر نامۂ حجاز ومصر ومالٹا، جس کو ان کے رفیقِ کار مولانا حسین احمد مدنی نے مرتب کیا، یہ خالص سیاسی نوعیت کا سفر نامہ ہے۔ شیخ الہند کے اکابر میں مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے تعلیم وتدریس کے بہانے عباسی ریاست بہاول پور سے دوستی گانٹھی تھی، وہ تو خیر ہوا کہ شیرِ پنجاب علامہ غلام دستگیر ہاشمی قصوری نے ان کا بھانڈا بیچ چورا ہے پر پھوڑ دیا۔ دوسرے مولانا رشید احمد گنگوہی کے کئی کل پرزے حکومتِ وقت کے کارندوں سے جڑے ہوئے تھے۔ تیسرے مولانا قاسم نانوتوی، جن کو الحاج مولانا عابد حسین چشتی بانی مدرسۂ دیوبند نے بلاکر اپنے قائم کردہ مدرسہ کا نگراں بنایا، نے بعد میں مدرسہ پر قبضہ جما کر خود بانی مشتہر ہوئے، ان کے تمام اکابر واساتذہ حکومتِ برطانیہ کے نوکر چاکر تھے۔ یہی صدر دیوبند شیخ الہند کے شاگردِ رشید نومسلم مولانا عبید اللہ سندھی کابل میں سات سالوں تک سیاسی سرگرمیوں میں ملوث رہے۔ 'کابل میں سات سال' انہی سندھی صاحب کا سفر نامہ ہے۔ مولانا محمد علی قصوری، جن کی تعلیم کیمبرج میں ہوئی تھی، انہی مولانا عبید اللہ سندھی اور ابوالکلام آزاد کے ایما واشارے پر کابل و یاغستان کی سیاسی قلابازیوں میں عرصہ تک مصروفِ کار رہے۔ محمد علی کا سفر نامہ 'مشاہداتِ کابل ویاغستان' انہی سیاسی قلابازیوں کی منظر کشی کرتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد، جنھوں نے اپنے آبائی واجدادی دین وفلسفہ کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، نے گو کہ اپنا کوئی سفر نامہ مرتب نہیں کیا۔ لیکن ان کا جو کچھ بھی تحریری سرمایہ ہے۔ ان

کے خطوط واسفار میں بھی سیاست وسفارت ہی کی رنگ برنگ چھینٹیں ہیں۔ کیوں کہ وہ تو تھے ہی مجموعۂ سیاست وسفارت اور مجموعۂ اضداد بھی، مہنہ ان کا، زبان کسی اور کی، چہرہ ان کا، رنگت کہیں اور کی۔ مشہور انشا پرداز، مزاح نگار اور مرقع نویس خواجہ حسن نظامی، گو یہ سیاست کی گندگی و غلاظت سے آلودہ نہیں تھے، مگر ان کے سفرنامے بھی تاریخ، ادب، سیرت، ثقافت سے آگے کا سفر نہیں کر سکے۔ باتوں کے دھنی اور بات بنانے کے غنی مولانا عبد الماجد دریابادی کے متعدد سفر نامے میں بھی وہ چوکھا رنگ دِکھائی نہیں دیتا، جو کسی مخلص داعی اور مبلغ اسلام کا ہوتا ہے۔ اسی طرح ندویت نوازوں کے مولانا ابوالحسن علی ندوی کہلاتے تھے تو مبلغ اسلام، مگر ان کے متعدد سفر ناموں پر بھی وہی تعلیم، وثقافت، تاریخ وفلسفہ، اتحاد و بیداری کا ملمع چڑھا ہوا ہے۔ سچے اور متحرک دین ومذہب کا پیغام، اسلامی احکام وعقائد کی واضح ترجمانی اور حق و باطل کی روشن لکیر، ان کے اسفار میں نظر نہیں آتی۔ بازاری دوافروش جھاڑ جھنکار بھی حکمتِ لقمان بنا کر بیچ دیتا ہے۔ لفظوں کی ساحری، اسلوب کی جادوگری اور انداز کی سوداگری سے دین وملت کا بھلا کیا بھلا ہوسکتا ہے۔

خاتمہ

الغرض جن خصوصیات وامتیازات سے 'سفرنامۂ اعلیٰ حضرت' مالا مال ہے، ان اوصاف ومحامد سے معاصر سفرنامے ہی کیا، اس سے پہلے کے بھی اور اس سے بعد کے بھی سفرنامے خالی دِکھائی دیتے ہیں۔ یہ ادعا نہیں، یہ ایک روشن حقیقت ہے۔ قدیم وجدید سفرناموں اور 'سفرنامۂ اعلیٰ حضرت کا تقابلی مطالعہ اور تحقیقی جائزہ' عنوان بنا کر مضبوط مقالۂ تحقیق لکھا جا سکتا ہے۔ کاش! کوئی باحوصلہ انصاف پسند تحقیق کار اور تجزیہ نگار اٹھے اور یہ کام کر گزرے۔





حج وزیارت......سفر اول

جستہ جستہ......جرعہ جرعہ

☆......اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے اس سفرِ مبارک کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی ہے۔ تاہم جتنا بھی اور جو کچھ اپنی سی تلاش وتحقیق سے دریافت کر سکا اور سمجھ سکا، وہ جستہ جستہ اور جرعہ جرعہ نذرِ ناظرین کرنے کی کوشش کی ہے۔ واضح رہے۔ پہلا حج اعلیٰ حضرت نے اپنے والدینِ کریمین کے ہمراہ کیا تھا۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر شریف ۲۲/ ۲۳/ برس کی تھی اور یہ سفرِ مبارک شادی خانہ آبادی کے بعد ہوا۔ اس کا سراغ اعلیٰ حضرت کی درج ذیل عبارت سے ملتا ہے۔ اس عبارت سے اعلیٰ حضرت کے والدِ گرامی کی علالت اور سفرِ شوق وتڑپ کا بھی پتا چلتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے والدِ ماجد خاتم المحققین حضرت شاہ نقی علی خان قدس سرہ کے احوالِ حیات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

'۲۶/ شوال ۱۲۹۵ھ کو باوجود شدتِ علالت وضعفِ قوت، خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص طور پر بلانے کے سبب کہ: مَنْ رَأَنِیْ فِیْ الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَنِیْ، [**رواہ الامام احمد و البخاری و الترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ**] عزمِ زیارت وحج مصمم فرمایا۔ یہ غلام اور چند احباب وخدام ہمراہِ رکاب تھے۔ چند احباب نے عرض کی کہ علالت کی یہ حالت ہے۔ آئندہ سال پر ملتوی فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: مدینۂ طیبہ کے قصد سے قدم دروازہ سے باہر رکھوں، پھر چاہے، روح اسی وقت پرواز کر جائے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد [مقاماتِ متبرکہ] میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی۔ بلکہ وہ مرض ہی خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک آب خورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ: مَنْ رَأٰنِیْ فِیْ الْمَنَامِ فَقَدْ رَأٰنِیْ، [رواہ احمد والشیخان عن ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ] حدِ منع پر نہ رہا'۔ [تفسیر الم نشرح از شاہ نقی علی خان، طبع رضوی کتاب گھر بھیونڈی، ص: ر،س]

☆......ایک گذارش کے جواب کے ضمن میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

'پہلی بار [حجِ اول] کی حاضری حضراتِ والدینِ ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے ہمراہِ رکاب تھی۔ اس وقت مجھے تئیسواں سال تھا۔ واپسی میں تین دن طوفانِ شدید رہا تھا۔ اس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ آپ اطمینان رکھیں۔ خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے۔ میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی۔ لہٰذا حدیث کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا۔ پھر بھی قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی: مَنْ یَتَأَلَّ عَلَی اللّٰہِ یُکَذِّبْہ "۔ حضرت عزت [اللہ تعالیٰ] کی طرف رجوع کی اور سرکارِ رسالت سے مدد مانگی۔ الحمد للہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدت چل رہی تھی، دو گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی'۔ [الملفوظ، طبع بریلی، ۲/۳،۲]

☆......حدیث کے ارشادِ ہدایت بنیاد پر یقین اور ماں کا احترام، اعلیٰ حضرت قدس سرہ آگے فرماتے ہیں:

'ماں کی محبت، وہ تین شبانہ روز کی سخت تکلیف یاد تھی۔ مکان میں قدم رکھتے ہی پہلا لفظ مجھ سے یہ فرمایا کہ حجِ فرض اللہ تعالیٰ نے ادا فرما دیا۔ اب میری زندگی بھر دوبارہ ارادہ نہ کرنا۔ ان کا یہ فرمانا مجھے یاد تھا اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حجِ نفل جائز نہیں۔ یوں خود ادا کرنے سے مجبور تھا۔ یہاں [بریلی] سے ننھے میاں [برادرِ خورد] اور حامد رضا خان [بڑے بیٹے] مع متعلقین بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ لکھنؤ تک ان لوگوں کو پہنچا کر میں واپس آ گیا۔ لیکن طبیعت میں ایک قسم کا انتشار رہا۔ ایک ہفتہ یہاں [بریلی] رہا۔ طبیعت سخت پریشان رہی'۔ الملفوظ، طبع بریلی، ۲/۳]

☆......پہلا حج، میدانِ منیٰ میں پہلی بار حاضری، ایک درویشِ کامل اور مردِ غیب سے ملاقات اور پاکیزہ دعا کا منظر: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

'پہلی بار کی حاضری میں، منیٰ شریف کی مسجد میں مغرب کے وقت حاضر تھا۔ اس وقت میں وظیفہ بہت پڑھا کرتا تھا۔ اب تو بہت کم کر دیا ہے۔ بحمد اللہ میں اپنی حالت وہ پاتا ہوں، جس میں فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ

سنتیں بھی ایسے شخص کو معاف ہیں۔لیکن الحمدللہ سنتیں کبھی نہ چھوڑیں۔نفل البتہ اسی روز سے چھوڑ دیئے ہیں۔

خیر جب سب لوگ مسجد سے چلے گئے،تو مسجد کے اندرونی حصے میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبلہ رو وظیفہ میں مصروف ہیں۔ میں صحنِ مسجد میں دروازہ کے پاس تھا اور کوئی تیسرا مسجد میں نہ تھا۔ یکا یک ایک آواز گنگناہٹ کی سی اندر مسجد کے معلوم ہوئی۔جیسے شہد کی مکھی بولتی ہے۔فوراً میرے قلب میں یہ حدیث آئی: اہل اللہ کے قلب سے ایسی آواز نکلتی ہے۔جیسے شہد کی مکھی بولتی ہے۔میں وظیفہ چھوڑ کر ان کی طرف چلا کہ ان سے دعائے مغفرت کراؤں۔کبھی میں کسی بزرگ کے پاس بحمداللہ تعالیٰ دنیاوی حاجت لے کر نہ گیا۔جب گیا،تو اسی خیال سے کہ ان سے دعائے مغفرت کراؤں گا۔غرض دو قدم ان کی طرف چلا تھا کہ ان بزرگ نے میری طرف منہ کر کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ ھٰذَا، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ ھٰذَا، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ ھٰذَا، میں سمجھ گیا کہ فرماتے ہیں۔ہم نے تیرا کام کر دیا۔تو ہمارے کام میں مخل نہ ہو۔میں ویسے ہی لوٹ آیا'۔[الف:الملفوظ،طبع بریلی، ۴/۵،ب:حیاتِ اعلیٰ حضرت،طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۹۷۵]

☆......زمزم کا فائدہ اور فضیلت،اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

'پہلی بار کی حاضری میں میری بائیس برس کی عمر تھی۔میں نے دونوں وقت کی روٹی چھوڑ دی تھی۔ صرف گوشت پر اکتفا کرتا اور گوشت بھی دنبے کا، جو سنا چرے ہوئے ہوتے ہیں۔کچھ روز کے بعد پیٹ میں خلش معلوم ہوئی۔حرم شریف میں جا کر قدح[پیالہ] بھر کر زمزم پیا،فوراً خلش جاتی رہی'۔

☆......پھر فرماتے ہیں:

'کھانے پینے کی چیزوں میں مجھے زمزم شریف سے زیادہ کوئی چیز مرغوب نہیں۔ یہاں[بریلی، ہندوستان] کیا ذریعہ؟۔ وہاں[حرم شریف میں] صبح، دوپہر، شام ہر وقت پیتا۔ صبح آنکھ کھلی،تو پہلا کام یہ کہ زمزم شریف پیتا۔پانچوں نمازوں کے بعد پہلا کام یہی ہوتا تھا'۔

☆......پھر فرمایا:

'زمزم شریف کا ایک معجزہ بھی ہے کہ ہر وقت مزہ بدلتا رہتا ہے۔کسی وقت کچھ کھاراپن،کسی وقت نہایت شیریں اور رات کے دو بجے اگر پیا جائے،تو تازہ دوہا ہوا گائے کا خالص دودھ معلوم ہوتا ہے'۔

☆......پھر فرمایا:

'زمزم شریف، جس کے پاس کافی مقدار سے ہو، اسے نہ کسی غذا کی ضرورت، نہ دوا کی۔ حدیث میں فرمایا: زمزم کھانے کی جگہ کھانا ہے اور دوا کی جگہ دوا۔ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب ضعفِ اسلام تھا، صحابہ چالیس تک نہ پہنچے تھے، اس زمانہ میں مکہ معظّمہ آئے۔ وہاں نہ کسی سے شناسائی، نہ کسی سے ملاقات، ایک مہینہ کامل وہی زمزم شریف پیا۔ حالت یہ ہوئی کہ پیٹ کی پلٹیں الٹ پڑیں۔ اس قدر توانائی آ گئی'۔

☆......پھر فرمایا:

'یہ جانچ ہے منافق اور مومن کی۔ منافق کبھی پیٹ بھر نہیں پی سکتا اور میں تو بحمد اللہ اس قدر دودھ نہیں پی سکتا ہوں، جس قدر زمزم پی لیتا تھا۔ ایک ہادیہ، جس میں دو سیر پانی آتا تھا، کبھی نصف اور کبھی نصف سے زیادہ پی لیتا تھا۔ باقی جو بچ جاتا، منہ اور سر پر ڈال لیتا'۔ [الملفوظ، طبع بریلی، ۴/ ۵،۶]

☆......عیار، مکار، دغا باز، فریبی، ناخدا ترس کا ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

'پہلی مرتبہ کی حاضری حرمین طیبین میں ایک کٹّر وہابی نے خاص مکہ معظّمہ میں مجھ سے آ کر کہا کہ آپ میلاد شریف میں قیام کرنے کے لئے بہت زور دیتے تھے اور کہتے تھے کہ عرب شریف میں عام طور سے قیام ہوتا ہے۔ یہاں شیخ العلما احمد زین دحلان قیام کو منع کرتے ہیں۔ میں نے کہا: شیخ العلما کا دولت کدہ یہاں سے چند قدم ہے۔ ابھی چلو۔ ہم دریافت کرا دیں۔ ہر چند اصرار کیا۔ زمیں پکڑ گیا۔

مفتریوں کی یہ جرأت ہوتی ہے میں نے کہا۔ کاش! مکہ معظّمہ سے باہر جا کر، بلکہ جہاز میں سوار ہو کر یہ افترا کیا ہوتا کہ تصدیق کے لئے واپس آنا دشوار ہوتا۔ شیخ العلما کے زیرِ دیوار بیٹھ کر ایسا جیتا جاگتا افترا۔ مگر اس حیادار کو کچھ اثر نہ ہوا۔ اٹھ کر چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت شیخ العلما خود قیام فرماتے ہیں۔ استحسانِ قیام میں ان کے متعدد فتوے ہیں۔ فتاویٰ کے علاوہ ان کی کتاب مستطاب 'الدرر السنیه فی الرد علی الوهابیه' میں اس کی جلیل تصریح ہے اور 'سیرتِ نبویہ' میں اس سے بھی روشن تر'۔

☆......حاشیہ میں یوں درج ہے:

'سیرتِ نبویہ، میں ارشاد فرماتے ہیں: **جرت العادة ان الناس اذا سمعوا ذکر وضعه صلی اللہ تعالی علیه و سلم یقیمون تعظیما له صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وقد فعل**

ذلک کثیر من علماء الامة الذین یقتدی بھم' یعنی عادت جاری ہوگئی ہے کہ لوگ جب ذکر ولادت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں، تو حضورِ اکرم و اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قیام بہت بہتر اور مستحسن ہے۔ کیوں کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور بے شک امت کے بڑے بڑے علما نے ایسا کیا، جن کی پیروی کی جاتی ہے'۔[الملفوظ، طبع بریلی، ص:۲ / ۵۵،۵۶]

☆......☆......☆



حج و زیارت......سفرِ دوم

☆......اس سفرِ موج ظفر اور کرامت اثر کی ایک مجمل سرگذشت اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خود ارشاد فرمائی۔ چھوٹے بیٹے مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے قلم بند کی۔ جو اعلیٰ حضرت کی حیاتِ طیبہ ہی ۱۳۳۹ھ میں شائع بھی ہوئی۔ یہ سرگذشت انتہائی معلوماتی اور چشم کشا ہے۔ جو 'الملفوظ' حصہ دوم ص: ۲ رتا ۴ ۴ ر مطبوع و موجود ہے۔ ہم یہاں یہ مبارک سرگذشتِ سفر درج کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اعلی حضرت فرماتے ہیں:

'دوسری بار جب کعبۂ معظّمہ حاضر ہوا، یکا یک جانا ہو گیا۔ اپنا پہلے سے کوئی ارادہ نہ تھا۔ 'پہلی بار [حجِ اول] کی حاضری حضراتِ والدینِ ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے ہمراہِ رکاب تھی۔ اس وقت مجھے تیئیسواں سال تھا۔ واپسی میں تین دن طوفانِ شدید رہا تھا۔ اس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ آپ اطمینان رکھیں۔ خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے۔ میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی۔ لہٰذا حدیث کے وعدۂ صادقہ پر

مطمئن تھا۔ پھر بھی قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی: مَنۡ یَّاْتَلِ عَلَیَ اللّٰہِ یُکَذِّبُہ ‘‘۔ حضرت عزت [اللہ تعالیٰ] کی طرف رجوع کی اور سرکارِ رسالت سے مدد مانگی۔ الحمد للہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدت چل رہی تھی، دو گھڑی میں بالکل موقوف ہو گئی اور جہاز نے نجات پائی‘۔ [الملفوظ، طبع بریلی، ۲/ ۳، ۲]

☆......کامران میں دس دن قیام و آرام اور ترکی کا حسنِ انتظام، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

’جب کامران آیا۔ قرنطینے میں داخل ہوئے۔ وہاں دس روز ٹھہرنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان ترکی کارکنوں کو جزائے خیر دے، حجاج کو ایسا آرام دیا کہ لوگوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ حج کا وقت قریب ہے۔ ورنہ کچھ دن بیمار رہتے اور یہاں کے آرام کا لطف اٹھاتے۔ بمبئی میں کیا مجال تھی کہ کوئی اس احاطہ سے باہر قدم رکھتا، احاطہ کے اندر ہر بات کی روک ٹوک تھی۔ ہندو سپاہی قصداً حجاج کو تنگ کرتے تھے‘۔

☆......قریب ہی ایک بزرگ کے مزار شریف کی حاضری:

’یہاں میں نے سنا کہ کامران سے کوئی ایک میل فاصلہ پر کسی بزرگ کا مزار ہے۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے حاضری کا ارادہ کیا۔ ترکی ڈاکٹر سے پوچھا۔ بکشادہ پیشانی اجازت دی اور کہا۔ آپ کے ساتھ کے آدمی ہوں گے۔ میں نے کہا۔ دس بارہ۔ ان سب کو بھی اجازت دی اور ہم زیارت سے فارغ ہو کر آئے‘۔

☆......کامران میں روزانہ مسائلِ شرع اور مناسکِ حج کا بیان:

’جہاز اور کامران میں تقریباً روزانہ میرے بیانات ہوتے۔ جس میں اکثر مناسکِ حج کی تعلیم ہوتی اور وہ، جو ہمیشہ میرے بیان کا مقصودِ اعظم رہتا ہے، یعنی تعظیمِ شانِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ایک بڑا رئیس بھی جہاز میں تھا، شریکِ وعظ ہوتا، مسائل سنا کرتا، مگر تعظیمِ شانِ اقدس کے وقت اس کے چہرہ پر بشاشت کی جگہ کدورت ہوتی۔ میں سمجھا کہ وہابی ہے۔ دریافت کئے سے معلوم ہوا کہ گنگوہی صاحب کا مرید ہے۔ اس روز میں نے روئے سخن ردِ وہابیہ و گنگوہی کی طرف پھیرا۔ جبراً قہراً سنتا رہا۔ مگر دوسرے دن سے بیان میں نہ آیا۔ میں نے حمد کی کہ جلسہ پاک ہوا‘۔

☆......نو دن بیت گئے، اب جانے کی تیاری، مگر درد و مرض کی حالت، سرکارِ غوثیہ کی شان کہ

اچانک افاقہ:

'یہاں کامران میں نو دن ہو چکے۔ کل جہاز پر جانا ہے۔ دفعۃً دن کو میرے سب ساتھیوں کو درد شکم و اسہال عارض ہوا۔ میرے درد تو نہ تھا، مگر پانچ بار اجابت کو مجھے جانا ہوا۔ دن چڑھ گیا اور ڈاکٹر کے آنے کا وقت ہوا۔ باہر تر کی مرد اور اندر عورتوں کو ترکیہ عورت روزانہ آکر دیکھا کرتے۔ میرے بھائی ننھے میاں سلمہ کو اندیشہ ہوا اور عزم کر لیا کہ اپنی حالتوں کو ڈاکٹر سے کہہ دو۔ مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے کہا۔ اگر بیمار سمجھ کر روک لئے گئے اور حج کا وقت قریب ہے، معاذ اللہ وقت پر نہ پہنچ سکے، تو کیسا خسارہ ہوگا۔ کہا: اب ڈاکٹر اور ڈاکٹرنی آتے ہوں گے۔ اگر انہیں اطلاع ہوئی، تو ہمارا نہ کہنا اکفا میں ٹھہرے گا۔ میں نے کہا: ذرا ٹھہرو۔ میں اپنے حکیم سے کہہ لوں۔

مکان سے باہر جنگل میں آیا اور حدیث کی دعائیں پڑھیں اور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استمداد کی کہ دفعۃً سامنے سے حضرت سید شاہ غلام جیلانی صاحب سجادہ نشین سرکارِ بانسہ شریف کہ اولاد امجاد حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھے اور بمبئی سے ہمارا ان کا ساتھ ہو گیا تھا، سامنے سے تشریف لائے۔ ان کی تشریف آوری فالِ حسن تھی۔ میں نے ان سے بھی دعا کو کہا۔ انہوں نے بھی دعا فرمائی۔ مجھے مکان سے باہر لے آئے۔ شاید دس منٹ ہوئے ہوں گے۔ اب جو مکان میں جا کر دیکھا، بحمد اللہ سب کو ایسا تندرست پایا کہ گویا مرض ہی نہ تھا۔ درد وغیرہ کیسا؟۔ اس کا ضعف بھی نہ رہا۔ سب ڈھائی تین میل پیادہ چل کر سمندر کے کنارے پہنچے'۔

☆......جدہ میں ورود، مرد وزن کا ازدحام، سخت مشکل کی گھڑی، ایک انجان مردِ عرب نے آکر مشکل آسان کر دی:

'جدہ شریف میں جب جہاز پہنچا، حجاج کی بے حد کثرت اور جانے کا صرف ایک راستہ، جو دو طرفہ ٹٹیوں سے بہت دور تک محدود، بھلا ایسی حالت میں کس طرح گذر ہو۔ زنانی سواریاں ساتھ، پانچ گھنٹے اسی انتظار میں گذر گئے کہ ذرا ہجوم کم ہو، تو سواریوں کو لے چلیں۔ لیکن اس وقت سلسلہ منقطع نہ ہوتا تھا، نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دوپہر قریب ہو گیا۔ دھوپ اور بھوک اور پیاس، سب باتیں جمع تھیں کہ ننھے میاں اور سب لوگ نہایت پریشان، جب بہت دیر ہو گئی، تو ننھے

میاں اور حامد رضا خان نے مجھ سے آ کر کہا: یہاں آخر کب تک بھوکے پیاسے دھوپ میں کھڑے رہیں گے۔ میں نے کہا: تمھیں جلدی ہے، تو جاؤ۔ میں تا وقتے کہ بھیڑ کم نہ ہو، زنانی سواریوں کو نہیں لے جاؤں گا۔اب کس کی مجال تھی، جو کچھ کہتا، مجبوراً خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک عربی صاحب، جن کو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، میرے پاس تشریف لائے اور بعد سلام علیک پہلا لفظ یہ فرمایا: یَاشَیْخُ مَالِیْ اَرَاکَ حَزِیْناً" کیا سبب ہے کہ میں آپ کو پریشان دیکھ رہا ہوں؟۔ میں نے عرض کیا: پریشانی ظاہر ہے۔ ہمارے ساتھ میں مستورات ہیں اور مردوں کا یہ کثیر ہجوم! ہمیں پانچ گھنٹے یہیں کھڑے ہو گئے۔ فرمایا: اپنے مردوں کا حلقہ بنا کر عورتوں کو درمیان میں لے لو اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ غرض حلقہ میں عورتوں کو لے کر ان عربی صاحب کے پیچھے ہو لئے۔ ہم نے دیکھا کہ راستہ بھر ہمارے شانے سے بھی کسی غیر شخص کا شانہ نہیں لگا۔ جب راستہ طے ہوا، فوراً وہ عربی صاحب نظروں سے غائب ہو گئے۔

☆ ......جدہ پہنچ کر سخت بخار، حالتِ احرام میں دعا و استغاثہ، مناسکِ حج ادا کرنے تک آرام:

'جدہ پہنچتے ہی مجھے بخار آ گیا اور میری عادت ہے کہ بخار میں سردی بہت معلوم ہوتی ہے۔ محاذاتِ یلملم سے بحمد اللہ تعالیٰ احرام بندھ چکا تھا۔ اس سردی میں رضائی گردن تک اوپر سے ڈال لیتا کہ احرام میں چہرہ چھپانا منع ہے۔ سو جاتا، آنکھ کھلتی، تو بحمد اللہ تعالیٰ رضائی گردن سے اصلاً نہ بڑھی ہوتی۔ تین روز جدہ میں رہنا ہوا اور بخار ترقی پر ہے۔ آج چل کر جدہ کے کھلے میدان میں رات بسر کرنی ہوگی۔ بخار میں کیا حالت ہوگی۔ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی: بحمد اللہ تعالیٰ بخار معاً جاتا رہا اور تیرھویں تک عود نہ کیا۔ جب بفضلہٖ تعالیٰ تمام مناسکِ حج سے فارغ ہو لئے، تیرھویں تاریخ بخار نے عود کیا۔ میں نے کہا: اب آیا کیجئے۔ ہمارا کام رب العزت نے پورا کر دیا'۔

☆ ......بعدِ ادائے مناسکِ حج، کتب خانۂ حرمِ مکی میں حاضری، علما و فقہا سے تعارف و ملاقات اور علمی مذاکرے:

'بعدِ فراغِ مناسکِ حج کتاب خانۂ حرمِ محترم کی حاضری کا شغل رہا۔ پہلے روز، جو حاضر ہوا،

حامد رضا خان ساتھ تھے۔محافظِ کتبِ حرم ایک حسین وجمیل عالمِ نبیل مولانا سید اسماعیل تھے۔ یہ پہلا دن ان کی زیارت کا تھا۔ یہ حضرت مثلِ دیگر اکابرِ مکۂ مکرمہ اس فقیر سے غائبانہ خلوصِ تام رکھتے تھے۔جس کا سبب میرا فتویٰ مسمیٰ بہ 'فتاویٰ الحرمین لرجفِ ندوۃ المین' تھا کہ سات برس پہلے ۱۳۱۶ھ میں ردِ ندوہ کے لئے اٹھائیس سوال وجواب پر مشتمل، جسے میں نے بیس گھنٹے سے کم میں لکھا تھا اور بذریعہ بعض حجاجِ خادمانِ دین ان حضرات کے حضور میں پیش ہوا اور انہوں نے اپنی گراں بہا تقریظات سے اسے مزین فرمایا اور فقیر کو بے شمار اعلیٰ اعلیٰ درجے کے کلمات ودعاوثنا کا شرف دیا اور وہ مع ترجمہ ایک مبسوط کتاب ہوکر بمبئی ۱۳۱۷ھ میں طبع ہوکر شائع ہو چکا تھا۔

اس وقت سے مولیٰ عز وجل نے اس ذرۂ بے مقدار کی کمالِ محبت و وقعت ان جلیل قلوب میں ڈال دی تھی۔ مگر ملاقاتِ ظاہری نہ ہوئی تھی۔ حضرت مولانا موصوف سے کچھ کتابیں نکلوائیں۔ حاضرین میں سے کسی نے اس مسئلہ کا ذکر کیا کہ قبلِ زوال رمی کیسی؟۔مولانا نے فرمایا: یہاں کے علما نے جواز پر فتوی دیا ہے۔ حامد رضا خان سے اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھ سے استفسار ہوا۔ میں نے کہا: خلافِ مذہب ہے۔ مولانا سید صاحب نے ایک متداول کتاب کا نام لیا کہ اس میں جواز کو علیہ الفتوی لکھا ہے۔ میں نے کہا: ممکن کہ روایت جواز ہو۔مگر علیہ الفتویٰ نہ ہوگا۔ وہ کتاب لے آئے، مسئلہ نکلا اور اسی صورت سے نکلا، جو فقیر نے گذارش کی تھی۔یعنی اس میں علیہ الفتویٰ کا لفظ نہ تھا۔حضرت مولانا نے حامد رضا خان کے کان میں جھک کر مجھے پوچھا کہ یہ کون ہے؟اور حامد رضا خان کو بھی نہ جانتے تھے۔مگر اس وقت گفتگو انہیں سے ہو رہی تھی۔

لہٰذا ان سے پوچھا۔انہوں نے میرا نام لیا۔نام سنتے ہی حضرت مولانا وہاں سے اٹھ کر بے تابانہ دوڑتے ہوئے آکر فقیر سے لپٹ گئے۔پھر تو بحمد اللہ تعالیٰ وداد نے کامل ترقی کی۔اس بار سرکارِ حرم محترم میں حاضری بے اپنے ارادے کے، جس غیر متوقع طور اور غیر معمولی طریقوں پر ہوئی، اس کا کچھ بیان اوپر ہو چکا ہے۔وہ حکمتِ الٰہیہ یہاں آکر کھلی'۔

☆ ......وہابیۂ ہند کی بھی آمد، گورنرِ مکہ تک رسائی، فضیلۃ الشیخ صالح کمال سے ملاقات، کامل دو گھنٹے علمِ غیب پر دلائل سے لبریز تقریر:

'سننے میں آیا کہ وہابیہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں۔ جن میں خلیل احمد انبیٹھی اور بعض وزرائے ریاست و دیگر اہلِ ثروت بھی ہیں۔ حضرت شریف [گورنرِ مکہ] تک رسائی پیدا کی ہے اور مسئلہ علمِ غیب چھیڑا ہے اور اس کے متعلق کچھ سوال اعلمِ علمائے مکہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضیٔ مکہ و مفتیٔ حنفیہ کی خدمت میں پیش ہوا ہے۔ میں حضرت موصوف کی خدمت میں گیا۔ حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدثِ سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحب زادے عزیزی مولوی عبدالاحد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ میں نے بعد سلام و مصافحہ مسئلہ علمِ غیب کی تقریر شروع کی اور دو گھنٹے تک اسے آیات و احادیث و اقوالِ ائمہ سے ثابت کیا اور مخالفین، جو شبہات کیا کرتے ہیں، ان کا رد کیا۔ اس دو گھنٹے تک حضرت موصوف محض سکوت کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر میرا منہ دیکھتے رہے'۔

☆......شاہ سلامۃ اللہ رام پوری کا رسالہ' اعلام الاذکیا' پر سوال و جواب کی گونج، فضیلۃ الشیخ صالح کمال کی اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لئے بے چینی، کتب خانۂ حرم کی سیڑھی پر دونوں ساتھ ساتھ، مکتبۃ الحرم میں جا بیٹھے:

'جب میں نے تقریر ختم کی، چپکے سے اٹھتے ہوئے، قریب الماری رکھی تھی، وہاں تشریف لے گئے اور ایک کاغذ نکال لائے، جس پر مولوی سلامۃ اللہ رام پوری کے رسالہ' اعلام الاذکیا' کے اس قول کے متعلق کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو: **ھو الاول و الآخر و الظاھر و الباطن وھو بکل شئ علیم،** لکھا، چند سوال تھے اور جواب کی چند سطریں ناتمام اٹھا لائے۔ مجھے دِکھایا اور فرمایا: تیرا آنا اللہ کی رحمت تھا، ورنہ مولوی سلامۃ اللہ کے کفر کا فتویٰ یہاں سے جا چکتا۔ میں حمدِ الٰہی بجالایا اور فرودگاہ پر واپس آیا۔ مولانا سے مقامِ قیام کا کوئی تذکرہ نہ آیا تھا۔ اب وہ فقیر کے پاس تشریف لانا چاہتے ہیں اور حج کا ہنگامہ اور جائے قیام نامعلوم۔ آخر خیال فرمایا کہ ضرور کتب خانہ میں آیا کرتا ہوگا۔ ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے۔ بعد نمازِ عصر میں کتب خانے کے زینے چڑھ رہا ہوں۔ پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی۔ دیکھا، تو حضرت مولانا شیخ صالح کمال ہیں۔ بعد سلام و مصافحہ دفتر کتاب خانہ میں جا کر بیٹھے۔ وہاں حضرت مولانا سید اسماعیل اور ان کے نوجوان سعید رشید بھائی سید مصطفیٰ اور ان کے والد ماجد

مولانا سید خلیل اور بعض حضرات بھی کہ اس وقت یاد نہیں، تشریف فرما ہیں،۔

☆......الدولۃ المکیہ کی تصنیف کی تقریبِ سعید، فضیلۃ الشیخ صالح کمال مکی کی فرمائش، اعلیٰ حضرت کی آمادگی، دو دن کا وقفہ، اعلیٰ حضرت بخار کی حالت میں لکھتے ہیں اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان تبییض کرتے ہیں:

'حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا، جس پر علمِ غیب سے متعلق پانچ سوال تھے۔[یہ وہی سوال ہیں، جن کا جواب مولانا نے شروع کیا تھا اور تقریر فقیر کے بعد چاک فرما دیا] مجھ سے فرمایا: یہ سوال وہابیہ نے حضرت سیدنا[گورنرِ مکہ] کے ذریعہ سے پیش کئے ہیں اور آپ سے جواب مقصود ہے۔[سیدنا وہاں شریفِ مکہ کو کہتے ہیں کہ اس وقت شریف علی پاشا تھے] میں نے سید مصطفیٰ علی سے گذارش کی کہ قلم دوات دیجئے۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال و مولانا سید اسماعیل و مولانا سید خلیل سب اکابر نے، کہ تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا کہ: ہم ایسا فوری جواب نہیں چاہتے۔ بلکہ ایسا جواب ہو کہ خبیثوں کے دانت کھٹے ہوں۔ میں نے عرض کی کہ اس کے لئے قدرے مہلت چاہئے، دو گھڑی دن باقی ہے۔ اس میں کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا: کل سہ شنبہ، پرسوں چہار شنبہ ہے۔ ان دو روز میں ہو کر پنج شنبہ کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کروں۔ میں نے اپنے رب عزوجل کی عنایت اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت پر بھروسہ کر کے وعدہ کر لیا اور شانِ الٰہی کہ دوسرے ہی دن سخت بخار نے پھر عود کیا۔ اسی حالتِ تپ میں رسالہ تصنیف کرتا اور حامد رضا خان تبییض کرتے'۔

☆......شیخ الخطبا کبیر العلما حضرت شیخ احمد میر داد کی طلبی، اعلیٰ حضرت کی حاضری، علومِ خمسہ کی بحث بڑھانے کی فرمائش، اعلیٰ حضرت کی منظوری، اعجاز و اکرام کے ساتھ واپسی:

'اس کا شہرہ مکہ معظّمہ میں ہوا کہ وہابیہ نے فلاں[احمد رضا] کی طرف سوال متوجہ کیا ہے اور وہ جواب لکھ رہا ہے۔ میں نے اس رسالہ میں غیوبِ خمسہ کی بحث نہ چھیڑی تھی کہ سائلوں کے سوال میں نہ تھی اور مجھے بخار کی حالت میں بکمالِ تعجیل قصدِ تکمیل، آج ہی کہ میں لکھ رہا ہوں، حضرت شیخ الخطبا کبیر العلما مولانا شیخ احمد ابوالخیر میر داد کا پیام آیا کہ: میں پاؤں سے معذور ہوں اور تیرا رسالہ سننا چاہتا ہوں، میں اسی حالت میں جتنے اوراق لکھے گئے تھے، لے کر حاضر ہوا۔

رسالہ کی قسمِ اول ختم ہو چکی تھی، جس میں اپنے مسلک کا ثبوت ہے۔ قسمِ دوم لکھی جا رہی تھی۔ جس میں وہابیہ کا رد اور ان کے سوالوں کا جواب ہے۔ حضرت شیخ الخطبا نے اول تا آخر سن کر فرمایا: اس میں علمِ خمس کی بحث نہ آئی۔ میں نے عرض کی کہ سوال میں نہ تھی۔ فرمایا: میری خواہش ہے کہ ضرور زیادہ ہو۔ میں نے قبول کیا۔ رخصت ہوتے وقت ان کے زانوئے مبارک کو ہاتھ لگایا۔ حضرت موصوف نے باآں فضل وکمال و باآں کبر سال کہ عمر شریف ستر برس سے متجاوز تھی، یہ لفظ فرمائے کہ: انا اقبل ارجلکم انا اقبل نعالکم، میں تمہارے قدموں کو بوسہ دوں، میں تمہارے جوتوں کو بوسہ دوں۔ یہ میرے حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کہ ایسے اکابر کے قلوب میں اس بے وقعت کی یہ وقعت!

☆......ملکِ مغرب کے شیخ کبیر صاحبِ تصانیفِ کثیرہ علامۃ السید الشاہ عبد الحیٔ کا شوقِ ملاقات اور ان کو مدینۂ طیبہ روانگی کی جلدی اور اعلیٰ حضرت کو کتاب کی تکمیل کی تعجیل، بالآخر باریاب ہو کر اجازتیں لکھوائیں، تب طمانیتِ قلب حاصل ہوئی:

'میں واپس آیا اور شب ہی میں بحثِ خمس بڑھایا۔ اب دوسرا دن چہار شنبہ کا ہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر حرم شریف سے آتا ہوں کہ مولانا سید عبد الحیٔ ابن مولانا سید عبد الکبیر محدثِ ملکِ مغرب کہ اس وقت تک ان کی چالیس کتابیں علومِ حدیثیہ و دینیہ میں مصر میں چھپ چکی تھیں، ان کا خادم پیام لایا کہ مولانا تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ وعدے میں آج ہی کا دن باقی ہے اور ابھی بہت کچھ لکھنا ہے۔ عذر کر بھیجا کہ آج کی معافی دیں۔ کل میں خود حاضر ہوؤں گا۔ فوراً خادم واپس آیا کہ میں آج ہی مدینۂ طیبہ جاتا ہوں۔ تبریز ہو چکی ہے، یعنی قافلے کے اونٹ بیرونِ شہر جمع ہو لئے ہیں۔ ظہر پڑھ کر سوار ہو جاؤں گا۔ اب میں مجبور ہوا اور مولانا کو تشریف لانے کی اجازت دی۔ وہ تشریف لائے اور علومِ حدیث کی اجازتیں فقیر سے طلب فرمائیں اور لکھوائیں اور علمی مذاکرات ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ وہاں زوال ہوتے ہی معاً اذان ہو جاتی ہے۔ میں اور وہ نماز میں حاضر ہوئے۔ بعد نماز وہ عازمِ مدینۂ طیبہ ہوئے اور میں فرودگاہ پر آیا'۔

☆......کتاب کی تکمیل، شیخ صالح کمال مکی کا مطالعہ وکمالِ فرح، شریفِ مکہ کے دربارِ عام میں

پیش، وہابیہ کا اعتراض، شیخ کمال مکی کی تنبیہ، پھر اعتراض، پھر تنبیہ، تب جا کر شریفِ مکہ کا عتاب و پھٹکار، آدھی کتاب آدھی رات تک ختم:

'آج کے دن کا پورا حصہ یوں بالکل خالی گیا اور بخار ساتھ ہے۔ بقیہ دن میں اور بعد عشا فضلِ الٰہی اور عنایتِ رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب کی تکمیل و تبییض سب پوری کرا دی۔ 'الدولة المكية فى المادة الغيبية' اس کا تاریخی نام ہوا اور پنج شنبہ کی صبح ہی کو حضرت مولنا شیخ صالح کمال کی خدمت میں پہنچا دی گئی۔ مولانا نے دن میں اسے کامل طور پر مطالعہ فرمایا اور شام کو شریف صاحب کے یہاں لے کر تشریف لے گئے۔ عشا کی نماز وہاں شروع وقت میں ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد سے نصف شب تک کہ عربی گھڑیوں میں چھ بجتے ہیں، شریف علی پاشا کا دربار ہوتا تھا۔ حضرت مولانا نے دربار میں کتاب پیش کی اور علی الاعلان فرمایا: اس شخص نے وہ علم ظاہر کیا، جس کے انوار چمک اٹھے اور جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا۔ حضرت شریف نے کتاب پڑھنے کا حکم دیا۔ دربار میں دو وہابی بھی بیٹھے تھے۔ ایک احمد فگیہ کہلاتا، دوسرا عبد الرحمان اسکوبی۔ انہوں نے مقدمۂ کتاب کی آمد ہی سن کر سمجھ لیا کہ یہ کتاب رنگ بدل دے گی۔ شریف ذی علم ہیں۔ مسئلہ ان پر منکشف ہو جائے گا۔

لہٰذا چاہا کہ سننے نہ دیں۔ بحث میں الجھا کر وقت گذار دیں۔ کتاب پر کچھ اعتراض کیا۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جواب دیا۔ آگے بڑھے۔ انہوں نے پھر ایک مہمل اعتراض کیا۔ حضرت مولانا نے جواب دیا اور فرمایا: کتاب سن لیجئے۔ پوری کتاب سننے سے پہلے اعتراض بے قاعدہ ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے شکوک کا جواب کتاب ہی میں آئے اور نہ ہو، تو میں جواب کا ذمہ دار ہوں اور مجھ سے نہ ہو سکا، تو مصنف موجود ہے۔ یہ فرما کر آگے پڑھنا شروع کیا۔ کچھ دور پہنچے تھے، انہیں الجھانا مقصود تھا، پھر معترض ہوئے۔ اب حضرت مولانا نے حضرت شریف سے کہا کہ یا سیدنا! حضرت کا حکم ہے کہ میں کتاب پڑھ کر سناؤں اور یہ جا بہ جا الجھتے ہیں۔ حکم ہو، تو ان کے اعتراضوں کا جواب دوں یا حکم ہو، تو کتاب سناؤں؟۔ شریف نے فرمایا: اقرأ، آپ پڑھئے۔ اب ان کی 'ہاں' کو کون 'نا' کر سکتا تھا۔ معترضوں کا منہ مارا گیا اور مولانا کتاب سناتے رہے۔ اس کے دلائلِ قاہرہ سن کر مولانا شریف نے بآوازِ بلند فرمایا: **اللہ یعطی و**

ھٰو لاءیمنعون۔ اللہ تو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ نصف شب تک نصف کتاب سنائی اور دربار برخاست ہونے کا وقت آ گیا۔ شریف صاحب نے حضرت مولانا سے فرمایا: یہاں نشانی رکھ دو۔ کتاب بغل میں لے کر وہ بالاخانہ پر آرام کے لئے تشریف لے گئے۔'

☆ ......وہابیہ پر اوس پڑ گئی۔ ساری تدبیر الٹی، لڑکوں تک ان کا مذاق اڑاتے، اب دھوم دھام سے تقریظیں لکھی جانے لگیں، آخری شیطانی چال، شیخ میرداد کو دھوکہ، سیدالسادات سید اسماعیل نے یہ چال بھی بے کار کر دی:

'وہ کتاب آج تک انہیں کے پاس ہے۔ اصل سے متعدد نقلیں مکہ معظّمہ کے علمائے کرام نے لیں اور تمام مکہ میں کتاب کا شہرہ ہوا۔ وہابیہ پر اوس پڑ گئی۔ بفضلہٖ تعالیٰ سب لوہے ٹھنڈے ہو گئے۔ گلی کوچہ میں مکۂ معظّمہ کے لڑکے ان سے تمسخر کرتے کہ اب کچھ نہیں کہتے۔ اب وہ جوش کیا ہوئے۔ اب وہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علومِ غیب ماننے والوں کو کافر کہنا کدھر گیا۔ تمہارا کفر و شرک تمہیں پر پلٹا۔ وہابیہ کہتے، اس شخص نے کتاب میں منطقی تقریریں بھر کر شریف پر جادو کر دیا۔ مولیٰ عز و جل کا فضل، حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم کہ علمائے کرام نے کتاب پر دھوم دھامی تقریظیں لکھنی شروع کیں۔ وہابیہ کا دل جلتا اور کچھ بس نہ چلتا۔ آخر اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح فریب کر کے تقریظات تلف کر دی جائیں۔

ایک جگہ جمع ہوئے اور حضرت مولانا شیخ ابوالخیر میرداد سے عرض کی کہ ہم بھی کتاب پر تقریظ لکھنا چاہتے ہیں۔ کتاب ہمیں منگا دیجئے۔ وہ سیدھے مقدس بزرگ ان کے فریبوں کو کیا جانیں۔ اپنے صاحب زادے مولانا عبداللہ میرداد کو میرے پاس بھیجا۔ یہ صاحب مسجدِ حرام کے امام ہیں اور اسی زمانہ میں فقیر کے ہاتھ پر بیعت فرما چکے تھے۔ حضرت مولانا ابوالخیر کا منگانا اور مولانا عبداللہ میرداد کا لینے کو آنا مجھے شبہے کی کوئی وجہ نہ ہوتی، مگر مولیٰ عز و جل کی رحمت، میں اس وقت کتب خانہ حرم شریف میں تھا، حضرت مولانا اسماعیل کو اللہ عز و جل جناتِ عالیہ میں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفاقت عطا فرمائے۔ قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں، نہایت ترشی اور جلالِ سیادت سے فرمایا: کتاب ہرگز نہ دی جائے گی۔ جو تقریظیں لکھنی ہوں، لکھ کر بھیج

دو۔ میں نے گذارش بھی کی کہ حضرت مولانا ابوالخیر منگاتے ہیں اوران کے صاحب زادے لینے آئے ہیں اوران کا جو تعلق فقیر سے ہے، آپ کو معلوم ہے۔ فرمایا: جو لوگ وہاں جمع ہیں، ان کو میں جانتا ہوں۔ وہ منافقین ہیں۔ مولانا ابوالخیر کو انہوں نے دھوکہ دیا ہے۔ یوں اس عالمِ نبیل سیدِ جلیل کی برکت نے کتاب بحمد اللہ محفوظ رکھی، وللہ الحمد۔

☆......وہابیہ کا ایک اوروار، یہ وار بھی بے کار، خود احمد راتب پاشا نے پانسہ پلٹ دیا:

'جب وہابیہ کا یہ مکر بھی نہ چلا اور مولانا شریف کے یہاں سے بحمدہ تعالیٰ منہ کالا ہوا۔ ایک ناخواندہ جاہل کہ نائب الحرم کہلاتا [اسے کسی طرح اپنے] موافق کیا۔ احمد راتب پاشا اس زمانہ میں گورنرِ مکہ تھے۔ آدمی ناخواندہ، مگر دیندار، ہر روز بعدِ عصر طواف کرتے۔ خیال کیا کہ شریف ذی علم تھے، کتاب سن کر معتقد ہو گئے۔ یہ بے پڑھا فوجی آدمی، ہمارے بھڑکائے سے بھڑک جائے گا۔ ایک روز یہ طواف سے فارغ ہوئے ہیں کہ نائب الحرم نے ان سے گذارش کی۔ ایک ہندی عالم نے ہندوستان میں بہت لوگوں کے عقیدے بگاڑ دیئے ہیں اور اب اہلِ مکہ کے عقیدے خراب کرنے آیا ہے اور ساتھ ہی دل میں سوچا کہ یہ کیوں کر جمے گی کہ ایک ہندی مکیوں کے عقیدے بگاڑ دے۔

لہٰذا مجبورانہ اس کے ساتھ یہ کہنا پڑا کہ اور اکابر علمائے مکہ مثل شیخ العلما سید محمد سعید بابصیل و مولانا شیخ صالح کمال و مولانا ابوالخیر میرداد اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ کی شان کہ یہ واقعی بات، جو اس نے مجبورانہ کہی، اس پر الٹی پڑی۔ پاشا نے بکمالِ غضب ایک چپت اس کی گردن پر جمائی اور کہا: یا خبیث ابن الخبیث ! یا کلب ابن الکلب ! **اذا کان ھولاء معه فھو یفسد ام یصلح؟**۔ اے خبیث ابن خبیث ! اے کلب ابن کلب ! جب یہ اکابر اس کے ساتھ ہیں، تو وہ خرابی ڈالے گا یا اصلاح کرے گا؟۔ اس روز سے مولانا سید اسماعیل وغیرہ اسے 'نائب الخرم' کہتے اور احمد فکیہ کو احمد سفیہ اور ایک اور مخالف کو مغصوم۔ مولانا شریف کا دربار مہذب دربار تھا۔ وہاں وہابیہ کو مہذب ذلت پہنچی۔ یہ ایک جنگی فوجی ترک کا سامنا تھا، اسی طریقہ کی ذلت پائی'۔

☆......الدولۃ المکیہ' کے ساتھ 'حسام الحرمین' پر بھی تقاریظ کا سلسلہ، فضیلۃ الشیخ صالح کمال کا

خلیل احمد انبیٹھوی سے مکالمہ، تقدیس الوکیل' پر تقریظ میں بے دین زندیق لکھ چکے تھے، شیخ صالح کمال مکی کی سخت پکڑ اور خلیل احمد انبیٹھوی کا مکہ سے فرار:

'دولتِ مکیہ' کے ساتھ ساتھ، بلکہ اس سے کچھ پہلے سے بفضلہٖ تعالیٰ 'حسام الحرمین' کی کارروائی جاری کی۔ اکابر نے جو عالی شان تقریظات اس پر لکھیں، آپ حضرات کے پیشِ نظر ہیں۔ ابتدا ہی میں یہ فتویٰ حضرت مولانا شیخ صالح کمال کے پاس تقریظ کو گیا تھا۔ ادھر حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے کتاب سنانے کے ضمن میں حضرت شریف سے خلیل احمد کے عقائدِ ضالہ اور اس کی کتاب 'براہینِ قاطعہ' کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ انبیٹھی صاحب کو خبر ہوئی، مولانا کے پاس کچھ اشرفیاں نذرانہ لے کر پہنچے اور عرض کی کہ حضرت مجھ پر کیوں ناراض ہیں؟۔ فرمایا کہ: تم خلیل احمد ہو؟۔ کہا، ہاں۔ مولانا نے فرمایا: تجھ پر افسوس! تو نے 'براہینِ قاطعہ' میں وہ شنیع باتیں کیسے لکھیں، میں تو تجھے زندیق لکھ چکا ہوں۔ [اس سے پہلے مولانا غلام دستگیر قصوری مرحوم کی کتاب 'تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل' لکھ کر علمائے مکہ سے تقریظیں لے چکے تھے۔ اس پر مولانا شیخ صالح کمال کی بھی تقریظ ہے اور اس میں انبیٹھی صاحب اور ان کے استاذ گنگوہی صاحب کو زندیق لکھا ہے]

انبیٹھی صاحب نے کہا: حضرت! جو باتیں میری طرف منسوب کی گئی ہیں، افترا ہیں۔ میری کتاب میں نہیں ہیں۔ فرمایا: تمہاری کتاب 'براہینِ قاطعہ' چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور میرے پاس موجود ہے۔ انبیٹھی نے کہا: حضرت! کیا کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی؟۔ فرمایا: ہوتی ہے۔ مولانا نے چاہا، کسی مترجم کو بلائیں اور 'براہینِ قاطعہ' انبیٹھی صاحب کو دکھا کر ان کلمات کا اقرار کرا کر توبہ لیں۔ مگر انبیٹھی صاحب رات ہی میں جدہ کو فرار ہو گئے'۔

☆......فضیلۃ الشیخ صالح کمال نے فضیلۃ السید اسماعیل کو خط لکھا کہ خلیل احمد انبیٹھی فرار ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت سے انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا:

'حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے حضرت مولانا سید اسماعیل کو اس واقعہ کی اطلاع کا خط بھیجا اور انہوں نے بعینہ اپنے خط میں رکھ کر مجھے بھیج دیا۔ وہ اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ صبح کو حضرت مولانا شیخ صالح کمال فقیر کے پاس تشریف لائے اور خود یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا: میں

نے سنا کہ وہ رات ہی میں بھاگ گیا۔ میں نے کہا: مولانا! آپ نے بھگا دیا۔ فرمایا: میں نے میں نے؟۔ کہا: ہاں! آپ نے۔ فرمایا: یہ کیوں کر؟۔ میں نے عرض کیا: جب اس نے آپ سے پوچھا کہ: کیا کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی؟۔ آپ نے کیا فرمایا؟: فرمایا: میں نے کہا: ہوتی ہے۔ میں نے کہا: اسی نے اسے بھگایا۔ آپ کو یہ فرمانا تھا کہ: جو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرے، اس کی توبہ قبول نہیں۔ فرمایا: واللہ! یہ مجھ سے رہ گئی۔ میں نے کہا: تو آپ ہی نے بھگایا'۔

☆......فضیلۃ الشیخ صالح کمال مکی کا عربی مکتوب بنام فضیلۃ السید اسماعیل مکی:

'صاحب الفضيلة و الاخلاق و المحبة الجميلة حضرة السيد اسماعيل آفندى حافظ الكتب

حضر عندنا قبل تاريخه رجل من اهل الهند يقال له خليل احمد مع بعض علماء الهند المجاورين بمكة يستعطف خاطرنا عليه لانه قد بلغه انى شديد الغيظ عليه و انالا اعرفه شخصاً فقال يا سيدى بلغنى انكم واجدون على وذلک بسبب انى ذكرت ما وقع منه فى البراهين القاطعة، لدى حضرة الامير حفظه الله فقلت له لعلک خليل احمد الانبيتهى فقال نعم فقلت له و يحک كيف تقول فى البراهين القاطعة تلک المقالات الشنيعة و تجوز الكذب على الله جل جلاله كيف لا اغتاظ عليک و لقد كتبت عليها بانک رجل زنديق و كيف تعتذر و تنكر و هى قد طبعت و شاعت عنک۔

فقال يا سيدى هى لى و لٰكن ليس فيها تجويز الكذب على الله و لان كان فيها فانا تائب و راجع عما فيها مما يخالف اهل السنة و الجماعة فقلت له ان الله يحب التائبين و البراهين موجودة و سأخرج لک منها هٰذا الذى انكرته و تجاسرته به على الله جل شانه فصار ينتصل و يتعذر و يقول ان كان فهو مكذوب على و انا رجل مسلم موحد من اهل السنة و الجماعة ما قلت فيها هٰذا و لا غيره مما يخالف مذهب اهل السنة و الجماعة

فتعجبت منه کیف ینکر ما هو مطبوع فی رسالته البراهین القاطعة المطبوعة بلسان الهند وظهر لی انه انما قال ذلک تقتیة کانهم مثل الرافضة یرون التقیة واجبة واردت ان احضرها واحضر من یفهم ذلک اللسان لاقرره وما فیها واستبتیه لکنه فی ثانی یوم من مجئیه عندنا هرب الی جدة ولاحول ولاقوة الا بالله۔ احبنا اعلامک بذلک ودمتم۔

محمد صالح کمال،

۲۸/ذی الحجة ۱۳۲۳ھ۔

☆......فضیلۃ الشیخ صالح کمال مکی کے عربی مکتوب کا اردو ترجمہ:

’بزرگی اور اخلاق اور محبتِ جمیلہ والے حضرت اسماعیل آفندی حافظ الکتب۔

آیا ہمارے پاس آج سے پہلے ایک شخص ہندی، جس کو خلیل احمد کہا جاتا ہے، ہمراہی میں بعض علمائے ہند کی، جو مکہ میں مجاور ہیں۔ مہربان کرنا چاہتا تھا ہمارے دل کو اپنے اوپر۔ اس لئے کہ اسے خبر پہنچی کہ میں سخت ناراض ہوں اس پر۔ پس کہا: اے میرے سردار! مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ مجھ پر ناراض ہیں۔ یہ آنا اسکا اس سبب سے تھا کہ جو کچھ اس سے ’براہینِ قاطعہ‘ میں واقع ہوا تھا، اس کو میں نے حضرت امیر حفظہ اللہ سے ذکر کر دیا تھا۔ پس میں نے اس سے کہا: شاید تو خلیل احمد انبیٹھی ہے۔ کہا: ہاں۔ میں نے کہا: تجھ پر افسوس ہے۔ تو کیوں کر کہتا ہے ’براہینِ قاطعہ‘ میں یہ گندی باتیں اور جائز رکھتا ہے تو کذب اللہ جل جلالہ پر۔ کیوں کر نہ ناراض ہوں میں تجھ پر اور البتہ تحقیق لکھ چکا ہوں میں، تجھ کو ان کے برابر زندیق اور کس طرح تو عذر کرتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ حالاں کہ ’براہینِ قاطعہ‘ چھپ کر تیری جانب سے شائع ہو چکی ہے۔

پس کہا: اے سردار! وہ کتاب تو میری ہے۔ مگر امکانِ کذب کا مسئلہ نہیں ہے اور اگر ہے اس میں، تو میں توبہ کرتا ہوں اور اس میں جو کچھ مخالفِ مذہبِ اہلِ سنت والجماعت ہے، اس سے رجوع کرتا ہوں۔ پس میں نے کہا: بے شک اللہ توبہ

کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور 'براہین' میرے پاس موجود ہے۔ ابھی نکالتا ہوں۔ وہ کہ جس کا تو نے انکار کیا ہے اور جرأت تو نے کی اللہ جل شانہ پر، تو عذر و خوشامد کرنے لگا اور بولا: اگر وہ 'براہین قاطعہ' میں ہے، تو مجھ پر افترا ہے اور میں مسلمان موحد سنی ہوں۔ میں نے نہ اس میں یہ کہا، نہ کچھ اور جو مخالفِ اہلِ سنت و الجماعت سے، مجھے تعجب ہوا، کیوں کر انکارتا ہے، اس بات کا، جو چھاپی جا چکی، اس کا رسالہ 'براہین قاطعہ' میں کہ زبانِ ہندی میں طبع ہوئی اور مجھ پر کھل گیا کہ وہ یہ باتیں تقیہ سے کہتا ہے۔ گویا وہ مثل روافض کے ہے۔ جو تقیہ کو واجب جانتے ہیں اور میں نے ارادہ کیا کہ 'براہین قاطعہ' لاؤں اور اس شخص کو بلاؤں، جو اس زبان کو سمجھتا ہے۔ تاکہ اس سے اقرار لوں اس کا، جو کچھ کہ 'براہین قاطعہ' میں ہے اور توبہ لوں۔ لیکن وہ ہمارے پاس آنے کے دوسرے ہی دن جدہ بھاگ گیا۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، ہم نے دوست رکھا خبر دار کرنا آپ کو اس واقعہ پر اور آپ ہمیشہ رہیں۔

محمد صالح کمال

۲۸/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

☆......علما و مشائخ مکہ معظّمہ کی طرف سے دعوتیں اور ضیافتیں، مقامی و آفاقی ملاقاتیوں کا ہجوم، فضیلۃ السید اسماعیل کو اشعار کا ہدیہ اور ان کا سرور و اشتیاق:

'زمانۂ قیام میں علما و عظمائے مکہ معظّمہ نے بکثرت فقیر کی دعوتیں بڑے اہتمام سے کیں۔ ہر دعوت میں علما کا مجمع ہوتا۔ مذاکراتِ علمیہ رہتے۔ شیخ عبد القادر کردی، مولانا شیخ صالح کمال کے شاگرد تھے، مسجد الحرام شریف کے احاطے ہی میں ان کا مکان تھا۔ انہوں نے تقریرِ دعوت سے پہلے باصرارِ تام پوچھا کہ: تجھے کیا چیز مرغوب ہے۔ ہر چند عذر کیا، نہ مانا۔ آخر گذارش کی کہ: **الحلو البارد**، شیریں سرد، ان کے یہاں دعوت میں انواعِ اطعمہ، جیسے اور جگہ ہوتے تھے، ان کے علاوہ ایک عجیب نفیس چیز پائی کہ اس 'الحوالبارد' کی پوری مصداق تھی۔ نہایت شیریں و سرد اور خوش ذائقہ۔ ان سے پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے؟۔ کہا: رضی الوالدین، اور وجہ تسمیہ یہ

بتائی کہ جس کے ماں باپ ناراض ہوں، یہ پکا کر کھلائیں، راضی ہوجائیں گے۔

فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا۔ مولانا شیخ صالح کمال اور شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل اور مولانا عبد الحق مہاجر الہ آبادی اور کتب خانہ میں مولانا اسماعیل کے پاس رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہِ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب تک ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا۔ مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں اور مولانا سید اسماعیل التزاماً روزانہ تشریف لاتے، خصوصاً ایامِ علالت میں کہ یکم محرم ۱۳۲۴ھ سے سلخ [۳۰] محرم تک مسلسل رہی، دن میں دو بار تشریف لاتے اور ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہ ہوتا۔

آخرِ محرم میں کہ طبیعت بہت روبصحت ہوگئی تھی۔ ایک ضرورت کے سبب دو روز تشریف لانا نہ ہوا۔ ان دو روز میں میرا ان کی طرف اشتیاق، میں ہی جانتا ہوں۔ میں نے ان سیدِ جلیل کو ایک پرچہ میں یہ تین شعر لکھ بھیجے:

ھٰذان یومان مافزنا بطلعتکم ولو قدرنا جعلنا رأسنا قدما

قالوالقاء خلیل للعلیل شفا الا تحبون ان تبروا سقما

عودتمونا طلوع الشمس کل ضحی وھل سمعتم کریما یقطع الکرما

اس رقعہ کو دیکھ کر سید موصوف کی جو کیفیت ہوئی، حاملِ رقعہ نے دیکھی۔ فوراً اس کے ساتھ ہی تشریف لے آئے اور پھر روزِ رخصت تک کوئی دن خالی جانا مجھے یاد نہیں'۔

☆......علامۃ الشیخ محمد عبد الحق الہ آبادی مہاجرِ مکی کی جلالتِ شان اور علمی مقام:

'حضرت مولانا عبد الحق الہ آبادی کو چالیس سال سے زائد مکۂ معظّمہ میں گذرے تھے۔ کبھی شریف کے یہاں بھی تشریف نہ لے گئے۔ قیام گاہِ فقیر پر دو بار تشریف لائے۔ مولانا سید اسماعیل وغیرہ ان کے تلامذہ فرماتے تھے کہ یہ محض خرقِ عادت ہے۔ مولانا کا دم بسا غنیمت تھا۔ ہندی تھے، مگر ان کے انوار مکہ میں چمک رہے تھے۔ التزاماً ہر سال حج کرتے۔ مولانا سید اسماعیل فرماتے تھے کہ ایک سال زمانۂ حج میں حضرت مولانا عبد الحق صاحب بہت علیل اور صاحبِ فراش تھے۔ نویں تاریخ اپنے تلامذہ سے کہا: مجھے حرم شریف میں لے چلو۔ کئی آدمی اٹھا

کر لائے۔ کعبۂ معظّمہ کے سامنے بیٹھایا۔ زمزم شریف منگا کر پیا اور دعا کی کہ: الٰہی! حج سے محروم نہ رکھ!! اسی وقت مولیٰ تعالیٰ نے ایسی قوت عطا فرمائی کہ اٹھ کر اپنے پاؤں سے عرفات شریف گئے اور حج ادا کیا'۔

☆......شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس مفتیٔ حنفیہ مکہ مکرمہ کے ملنے کی کیفیت، رسالہ 'کفل الفقیہ الفاہم' کی تصنیف و تبییض، شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی کا استعجاب و انبساط:

مکۂ معظّمہ میں بنامِ علم کوئی صاحب ایسے نہ تھے، جو فقیر سے ملنے نہ آئے ہوں۔ سوا شیخ عبد اللہ بن صدیق بن عباس کے کہ اس وقت مفتیٔ حنفیہ تھے اور وہاں مفتیٔ حنفیہ کا منصب شریف سے دوسرے درجے میں سمجھا جاتا ہے۔ اپنے منصب کی جلالتِ قدر نے انہیں فقیر غریب الوطن کے پاس آنے سے روکا۔ اپنے ایک شاگردِ خاص کو فقیر کے پاس بھیجا کہ حضرت مفتیٔ حنفیہ نے بعد سلام فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا مشتاق ہوں۔ مولانا سید اسماعیل اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے، میں چاہا کہ حاضری کا وعدہ کروں، مگر اللہ اعلم حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم نے ان اکابر کے دل میں اس ذرۂ بے مقدار کی کیسی وقعت ڈالی تھی، فوراً روکا اور فرمایا: واللہ! یہ نہ ہوگا۔ تمام علما ملنے آئے ہیں، وہ کیوں نہیں آتے۔ ان کی قسم کے سبب مجبور رہا۔

مگر تقدیرِ الٰہی میں ان سے ملنا تھا اور نئی شان سے تھا۔ اس کا ذریعہ یہ ہوا کہ انہیں دنوں میں مولانا عبداللہ میرداد و مولانا حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے بارے میں فقیر سے استفتا کیا تھا، جس میں بارہ سوال تھے اور میں نے بکمالِ استعجال اس کے جواب میں رسالہ 'کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم' تصنیف کیا تھا۔ وہ تبییض کے لئے حرم شریف کے کتب خانہ میں سید مصطفی برادرِ خورد مولانا سید اسماعیل کے پاس تھا کہ نہایت جلیل الخط ہیں۔ زمانہ سابق میں جب میرے استاذ الاستاذ حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتیٔ حنفیہ تھے، ان سے نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا اور جواب تحریر فرمایا تھا کہ علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس کے جزئیہ کا پتا نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔

ایک دن میں کتب خانہ میں جاتا اور ایک شاندار صاحب کو بیٹھے دیکھتا ہوں کہ میرا رسالہ 'کفل الفقیہ' مطالعہ کر رہے ہیں۔ جب اس مقام پر پہنچے، جہاں میں نے 'فتح القدیر' سے یہ

عبارت نقل کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے، تو جائز ہے، مکروہ نہیں۔ پھڑک اٹھے اور اپنے ران پر ہاتھ مار کر بولے: **این جمال بن عبد اللہ من ھٰذا النص الصریح؟**۔ حضرت جمال بن عبداللہ اس نصِ صریح سے کہاں غافل رہے؟۔

پھر کوئی مسئلہ دیکھنا تھا، اس کے لئے کتابیں نکلوائیں۔ ان کی عبارتیں نکال کر نقل کرنا چاہتے تھے اور میں رسالہ کی نقل کی تصحیح کر رہا تھا۔ اس وقت تک نہ انہوں نے مجھے جانا ہے، نہ میں نے ان کو۔ اتنے میں انہوں نے دوات ایک ایسی کتاب پر رکھ دی، جسے نہ دیکھ رہے تھے، نہ اس سے کچھ نقل کر رہے تھے۔ میں نے ان پر نہ اعتراض، بلکہ کتاب کی تعظیم کے لئے اتار کر نیچے رکھ دی، انہوں نے پھر اٹھا کر کتاب پر رکھ دی اور کہا: بحر الرائق کتاب الکراہیۃ میں اس کے جواز کی تصریح ہے۔ میں نے ان سے یہ تو نہ کہا کہ: بحر الرائق، کتاب الکراہیۃ تک کب پہنچی، وہ کتاب القضا ہی میں ختم ہوئی ہے۔ ہاں! یہ کہا کہ: ایسا نہیں، بلکہ ممانعت کی تصریح فرمائی ہے۔ مگر لکھتے وقت بضرورت مثلاً ورق ہوا سے اڑیں نہیں۔ کہا کہ: میں لکھنا ہی تو چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: ابھی لکھتے تو نہیں ہو؟۔ وہ خاموش ہو رہے اور حضرت سید اسماعیل سے مجھے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہی اس رسالہ کا مصنف ہے۔ اب ملے، مگر خجلت کے ساتھ اور عجلت کے ساتھ اٹھ گئے۔ حضرت سید اسماعیل نے فرمایا: سبحٰن اللہ! یہ کیسا واقعہ ہوا۔ یہ چہارم صفر ۱۳۲۴ھ تھی'۔

☆......شدید علالت و مرض، ہندی و ترکی ڈاکٹروں کا علاج، زمزم شریف کی خوبیوں کا بیان، باسی پانی کا نہ پینا، حکیم سید وزیر علی مرحوم کی ممانعت، قریب تین مہینے کے قیام میں قریب چار من زمزم شریف کا استعمال:

'اس سے پہلے محرم شریف میں شدید و مدید دورہ بخار کا رہ چکا تھا۔ دو بار مسہل ہوئے۔ ایک بار ہندی [ڈاکٹر] کی رائے سے [علاج کیا] اور نفع نہ ہوا۔ دوبارہ ایک ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے بہت قلیل مقدار میں ایک نمک دیا کہ آبِ زمزم شریف میں ملا کر پی لو اور پیاس بے پیاس زمزم شریف کی کثرت کرو۔ اس سے بحمد اللہ تعالیٰ بہت نفع ہوا اور انہوں نے دوا وہ بتائی، جو مجھے بالطبع محبوب و مرغوب تھی، یعنی زمزم شریف کہ مجھے ہر مشروب سے زیادہ عزیز ہے۔ میری عادت ہے کہ باسی پانی کبھی نہیں پیتا اور اگر پیوں، تو بآں کہ مزاج گرم ہے۔ فوراً زکام ہو جاتا ہے۔ میری

پیدائش سے پہلے حکیم سید وزیر علی مرحوم میرے یہاں باسی کو منع کر دیا تھا۔ جب سے معمول ہے کہ رات کے گھڑے بالکل خالی کر کے پینے کا پانی بھرا جاتا ہے۔ تو میں نے دودھ بھی باسی پانی کا نہ پیا، نہ کبھی نہار منہ پانی پیتا ہوں، نہ کبھی کھانے کے سوا اور وقت میں اور گرمیوں کی سہ پہر میں، جو پیاس ہوتی ہے، اس میں کلیاں کرتا ہوں۔ اس سے تسکین ہوتی ہے۔

مگر زمزم شریف کی برکت کہ صحت میں، مرض میں، دن میں، رات میں، تازہ باسی بکثرت پیا اور نفع ہی کیا۔ زورقیں ہر وقت بھری رکھی رہتی تھیں۔ بخار کی شدت میں رات کو جب آنکھ کھلی، کلی کر کے زمزم شریف پی لی۔ صبح وضو سے پہلے پیتا، وضو کے بعد پیتا۔ بارہ بارہ زورقیں ایک دن رات میں صرف میرے صرف میں آتیں۔ پونے تین مہینے کے قیام مکۂ معظّمہ میں، میں نے حساب کیا، تو تقریباً چار من زمزم شریف میرے پینے میں آیا ہوگا'۔

☆......فضیلۃ السید اسماعیل کی بریلی آمد، شوقِ زمزم کے پیشِ نظر زمزم بھیجنے کی پیش کش، سیدِ عالی کا بابِ عالی ترکی کا سفر، حکمتِ الٰہیہ سے وہیں ان کا وصال پر ملال:

'حضرت مولانا سید اسماعیل کو اللہ تعالیٰ جناتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ میری واپسی حج کے چند سال بعد، جب ۱۳۲۸ھ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں اور میرے شوقِ زمزم شریف کا ذکر ہوا، فرمایا تھا، ہر مہینے اتنے ملنک یعنی پیپے بھیج دیا کروں گا کہ تمہارے ایک مہینے کے صرف کو کافی ہوں۔ مگر یہاں سے جاتے ہی انہیں سفر بابِ عالی کی ضرورت ہوئی اور مشیتِ الٰہی کہ وہیں انتقال ہوا، رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

☆......علالت ونقاہت کا زور، سادات کرام کی طرف سے پلنگ کا انتظام، ملاقاتیوں کا ازدحام، اجازات وسندات لینے والوں کی بھیڑ، ان حالات میں بھی تصنیفی سرگرمیاں، مدینہ منورہ کی حاضری کی تڑپ، علما و مشائخِ مکۂ مکرمہ کی کچھ رکنے اور مرض میں افاقہ ہونے کی خواہش و گذارش:

'محرم شریف مجھے تقریباً بخار ہی میں گذرا۔ اسی حالت میں علمائے کرام کو اجازتیں لکھی جاتیں اور اسی حالت میں 'کفل الفقیہ' تصنیف ہوا۔ وہاں پلنگ کا بھی رواج نہیں، بالاخانوں میں زمین پر فرش ہیں، اس پر سوتے ہیں۔ مگر حضرت سید اسماعیل وحضرت مولانا شیخ صالح کمال

رحمہما اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایک عمدہ پلنگ منگوا دیا تھا۔ ایامِ مرض میں مَیں اسی پر ہوتا اور علما، عظما عیادت کو آتے اور فرش پر تشریف رکھتے۔ میں اس سے نادم ہوتا۔ ہر چند چاہتا کہ نیچے اتروں، مگر قسموں سے مجبور فرماتے۔ امتدادِ مرض میں مجھے زیادہ فکر حاضری سرکارِ اعظم کی تھی۔ جب بخار کو امتداد دیکھا، میں نے اسی حالت میں قصدِ حاضری کیا۔ یہ علما مانع ہوئے۔

اول تو یہ فرمایا کہ حالت تمہاری یہ ہے اور سفر طویل۔ میں نے عرض کی: اگر سچ پوچھئے، تو حاضری کا اصل مقصود زیارتِ طیبہ ہے۔ دونوں بار اسی نیت سے گھر سے چلا۔ معاذ اللہ! اگر یہ نہ ہو، تو حج کا کچھ لطف نہیں۔ انہوں نے پھر اصرار اور میری حالت کا اشعار کیا۔ میں نے حدیث: **من حج ولم یزرنی فقد جفانی،** پڑھی۔ فرمایا: تم ایک بار تو زیارت کر چکے ہو۔ میں نے کہا: میرے نزدیک حدیث کا مطلب [یہ] نہیں کہ عمر میں کتنے ہی حج کرے، زیارت ایک بار کافی ہے۔ بلکہ ہر حج کے ساتھ زیارت ضرور ہے۔ اب آپ دعا فرمائیے کہ میں سرکار تک پہنچ لوں، روضۂ اقدس پر نگاہ پڑ جائے، اگر چہ اسی وقت دم نکل جائے‘۔

☆......حضرت شیخ صالح کمال مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پایۂ علم وادب، باصرار اجازت وخلافت سے سرفراز ہونا، اپنے عہدِ قضا کے شرعی فیصلوں کو سنانا، اعلیٰ حضرت کی اصلاح وترمیم سے خوش ہونا:

’حضرت مولانا شیخ صالح کمال کو اللہ تعالیٰ جناتِ عالیہ عطا فرمائے۔ بآں فضل وکمال کہ میرے نزدیک مکۂ معظّمہ میں ان کے پایہ کا دوسرا عالم نہ تھا، اس فقیر حقیر کے ساتھ غایتِ اعزاز، بلکہ ادب کا برتاؤ رکھتے۔ بار بار کے اصرار کے ساتھ مجھ سے اجازت نامہ لکھوایا۔ جسے میں نے ادباً کئی روز ٹالا۔ جب مجبور فرمایا۔ لکھ دیا۔ تین تین پہر میری ان کی مجالست ہوتی اور اس میں سوا مذاکراتِ علمیہ کے کچھ نہ ہوتا۔ جس زمانہ میں قاضیٔ مکہ معظّمہ رہے تھے، اس وقت کے اپنے فیصلوں کے مسئلے دریافت فرماتے۔ حقیر جو بیان کرتا، اگر ان کے فیصلہ کے موافق ہوتا، بشاشت و خوشی کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا اور مخالف ہوتا، تو ملال وکبیدگی اور یہ سمجھتے کہ مجھ سے حکم میں لغزش ہوئی۔ مجھے بھی ان دونوں صاحبوں [شیخ صالح کمال اور سید اسماعیل] کے کرم کے سبب ان سے کمالِ بے تکلفی، ہر قسم کی بات گذارش کر دیتا‘۔

☆......اذان واقامت وتکبیرات وانتقالات میں لحن، ترنم، نغمگی، جو مفسدِ نماز ہے، پر بحث،

اعمامِ کرام حضراتِ امیر حمزہ وعباس کے ساتھ ابو طالب کی شمولیت، پاسِ شرع کی خاطر بھرے دربارِ الٰہیہ میں اعلیٰ حضرت کا جرأت مندانہ احتجاج:

'ایک بار کہا: مؤذنوں نے یہ جواذان واقامت وتکبیراتِ انتقال میں نغمات ایجاد کئے ہیں، آپ حضرات ان سے منع نہیں فرماتے؟۔ 'فتح القدیر' میں مبلغ [یعنی مکبر] کے نغموں کو مفسدِ نماز لکھا ہے اور یہ کہ اس کی تکبیرات پر جو مقتدی رکوع وسجود وغیرہ افعالِ نماز کرے گا، اس کی نماز نہ ہوگی۔ فرمایا: حکم یہی ہے۔ مگر ان پر علما کا بس نہیں۔ یہ جانبِ سلطنت سے ہیں۔ ایک جمعہ میں مَیں خطیب کے قریب تھا۔ اس نے خطبہ میں پڑھا:

'وارض عن اعمام نبیک الاطائب حمزۃ والعباس وابی طالب'۔

یہ بدعت تازہ ایجاد ہوئی۔ پہلی بار کی حاضری میں نہ تھی اور یہ بداہۃً جانبِ حکومت سے تھی۔ اسے سنتے ہی فوراً میری زبان سے بآوازِ بلند نکلا: اللھم ھٰذا منکر، کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

'من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم تستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان'۔

فقیر بتوفیقِ ربِ کریم یہ حکمِ احکم بروجہِ اوسط بجالایا اور مولیٰ تعالیٰ کی رحمت کہ کسی کو تعرض کی جرأت نہ ہوئی۔ فرضوں کے بعد ایک اعرابی نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا: رأیتَ، تم نے دیکھا؟۔ میں نے کہا: رأیتُ، ہاں دیکھا۔ کہا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، اور تشریف لے گئے۔ ان دونوں اکابر علما [مولانا شیخ صالح کمال مکی اور سید شاہ اسماعیل مکی علیہما الرحمہ] نے ہماری مجلسِ خلوت میں اس کی مبارک باد دی کہ اس ردِ منکر پر کوئی معترض نہ ہوا اور فرمایا کہ ایسے امور میں کہ جانبِ حکومت سے ہیں، سکوت شایاں ہے'۔

☆......زیارتِ مدینہ منورہ کی شدید تڑپ، مشائخِ مکۂ مکرمہ کے طولِ قیام کی شدید خواہش وشدید تڑپ، والد ماجد علیہ الرحمہ کا خواب میں تشریف لانا اور 'ابھی تو باون برس مدینہ میں' فرمانا، پیر بھائی مولانا برکات احمد کی زیارت خواب میں، ان کی قبر میں اترنا اور لازوال خوشبو کا محسوس کرنا اور والدِ ماجد کے فرمان 'ابھی تو باون برس مدینہ میں' کی وجہِ جمیل اور تعبیرِ جلیل کا سمجھ میں آنا:

'اسی واقعۂ مفتیٔ حنفیہ کے وقت میں نے جناب سید مصطفی خلیل برادر حضرت مولانا سید اسماعیل سے کہا: **هل عندكم شئ من همزة جبرئيل**، آپ کے پاس سیدنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ٹھوکر کا کچھ بقیہ ہے؟۔ سید زادے نے فرمایا: **نعم**، اور کٹورے میں زمزم شریف لائے۔ میں اسے ضعف کے سبب بیٹھا ہوا ہی پی رہا تھا۔ آنکھیں نیچی تھیں۔ جب نظر اٹھائی، دیکھا، تو وہ سیدِ جلیل مؤدب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ یہاں تک کہ کٹورا میں نے انہیں دیا۔ یہ حال ان معظم و معزز بندگانِ خدا کے ادب و اجلال کا تھا۔

بایں ہمہ شدتِ مرض و شوقِ مدینۂ طیبہ میں، جب وہ جملہ میں نے کہا کہ: روضۂ انور پر ایک نگاہ پڑ جائے، پھر دم نکل جائے۔ دونوں علمائے کرام [شیخ صالح کمال و سید اسماعیل] کا غصہ سے رنگ متغیر ہو گیا اور حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا: ہرگز نہیں، بلکہ: **تعود ثم تعود ثم تعود ثم يكون**، تو روضۂ انور پر اب حاضر ہو، پھر حاضر ہو، پھر حاضر ہو پھر مدینۂ طیبہ میں وفات نصیب ہو۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمائے۔ ان کی اس غایتِ محبت کے غصہ نے مجھے وہ حالت یاد دلائی، جو اس حج سے تیرہ چودہ برس پہلے میں نے خواب میں اپنے حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ العزیز سے دیکھی تھی۔ میں اس زمانہ میں بشدت دردِ کمر اور سینہ میں مبتلا تھا۔ اسے بہت امتداد و اشتداد ہوا تھا۔

ایک روز دیکھا کہ حضرت [والد ماجد] تشریف لائے اور حضرت کے شاگرد مولوی برکات احمد صاحب مرحوم کہ میرے پیر بھائی اور حضرت پیر مرشدِ برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فدائی تھے۔ کم ایسا ہوا ہوگا کہ حضرت پیر مرشد کا نام پاک لیتے، اور ان کے آنسو رواں نہ ہوتے۔ جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا، مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی، جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔ ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں۔ عرض کی: یا رسول اللہ! حضور کہاں تشریف لئے جاتے ہیں؟۔ فرمایا: برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے۔ الحمد للہ! یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا اور یہ وہی برکاتِ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھیں کہ محبتِ پیر و مرشد کے سبب انہیں حاصل ہوئیں۔

ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔

ہاں! تو اس خواب میں دیکھا کہ مولوی برکات احمد صاحب بھی حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز کے ہمراہ میری عیادت کو تشریف لائے ہیں۔ دونوں حضرات نے مزاج پرسی فرمائی۔ میں شدتِ مرض سے تنگ آچکا تھا۔ زبان سے نکلا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ اب خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت والد ماجد قدس سرہ الشریف کا رنگ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: ابھی تو باون برس مدینہ شریف میں۔ واللہ اعلم، اس ارشاد کے کیا معنی تھے۔ مگر اس کے بعد جو دوبارہ حاضری مدینہ طیبہ ہوئی ہے، اس وقت مجھے باونواں ہی سال تھا، یعنی اکاون برس پانچ مہینے کی عمر تھی۔ یہ چودہ برس کی پیشن گوئی حضرت نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام کے کفش بردار ہیں، علومِ غیب دیتا ہے اور وہابیہ کو جنابِ سرکار سے انکار ہے۔

ابھی چند سال ہوئے ماہِ رجب میں حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ الشریف خواب میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: اب کی رمضان میں مرض شدید ہوگا روزہ نہ چھوڑنا، ویسا ہی ہوا اور ہر چند طبیب وغیرہ نے کہا۔ میں نے بحمد اللہ روزہ نہ چھوڑا اور اسی کی برکت نے بفضلہٖ تعالیٰ شفا دی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے: صوموا تصحوا، روزہ رکھو، تندرست ہو جاؤ گے۔

☆......فضیلۃ السید اسماعیل کی طرف سے طائف میں قیام کی پیشکش، حضرت مولانا شیخ صالح کمال مکی کی طرف سے شادی کی تجویز، مرض کی شدت اور ضعف، چالیس زینے کا مکان چڑھنا اترنا مشکل، مسجد الحرام میں مردِ غیب کا معلوم کرنا اور پانی دم کر کے دینا، قدرے شفایاب ہونا:

'وہ حضرات علما بہت اس کے متمنی رہتے کہ کسی طرح وہاں میرا قیام زائد ہو۔ حضرت مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: یہاں کی شدتِ گرمی تمارے لئے باعثِ تپ ہے۔ طائف شریف میں موسم نہایت معتدل اور وہاں میرا مکان بہت پر فضا ہے۔ چلئے، گرمی کا موسم وہاں گذاریں۔ میں نے گذارش کی کہ اس حالتِ مرض میں قابلیتِ سفر ہو، تو سرکارِ اعظم ہی کی حاضری ہو۔ ہنس کر فرمایا: میرا مقصود یہ تھا کہ چند مہینے وہاں تنہائی میں رہ کر تم سے کچھ پڑھتے کہ یہاں تو آمد و شد کے ہجوم سے تمھیں فرصت نہیں۔

مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا: اجازت ہو، تو ہم یہاں تمہاری شادی کی تجویز کریں۔ میں نے کہا: وہ کنیزِ بارگاہِ الٰہی، جسے میں اس کے دربار میں لایا اور اس نے مناسکِ حج ادا کئے، کیا اس کا بدلہ یہ ہے کہ میں اسے یوں مغموم کروں؟۔ فرمایا: ہمارا خیال یہ تھا کہ یوں یہاں تمہارے قیام کا سامان ہو جاتا۔

اس طولِ مرض میں کئی ہفتہ حاضریٔ مسجدِ اقدس سے محروم رہا کہ میں جس بالا خانہ پر تھا، چالیس زینے کا تھا۔ اس سے اترنا اور چڑھنا نامقدور تھا۔ مسجد الحرام شریف میں کوئی ناآشنا سا بزرگ میرے بھائی مولوی محمد رضا خان کو ملے۔ تو فرمایا: کئی دن سے تمہارے بھائی کو نہ دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا: علیل ہیں۔ پانی دم فرما کر دیا کہ یہ پلاؤ اور اگر بخار باقی رہے، میں دس بجے دن کے تم کو یہیں ملوں گا۔ دس بجے دن کے نہ بخار رہا، نہ وہ ملے اور اب مسجد شریف اور کتب خانہ محرم شریف میں حاضر ہونے لگا۔ جس میں چوتھی صفر کا وہ واقعہ تھا۔ جو مفتیٔ حنفیہ کے ساتھ پیش آیا'۔

☆ ......فجر کی نماز اِسفار کر کے پڑھنا، اوقاتِ حنفیہ کا خیال و بحال کرنا، ہم حنفی ہیں، نہ کہ یوسفی یا شیبانی، علما و مشائخ کا امامت کے لئے مجبور کرنا، اس ضمن میں کثیر مسائل و جزئیات کا بیان کرنا:

'نمازِ صبح کے سوا کہ ہمارے نزدیک اس میں اِسفار یعنی وقت خوب روشن کر کے پڑھنا افضل ہے اور شافعیہ کے نزدیک تغلیس یعنی خوب اندھیرے سے پڑھنا۔ تینوں مصلوں پر نماز پہلے ہو جاتی ہے اور مصلائے حنفی پر سب کے بعد۔ باقی چاروں نمازیں سب سے پہلے مصلائے حنفی پر ہوتی ہے۔ ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وقتِ عصر دو مثل سایہ گذر کر ہے۔ اس کے بعد نماز حنفی ہوتی۔ اس کے بعد باقی تینوں مصلوں پر وہ لوگ اپنے لئے اسے بہت تاخیر سمجھتے۔ آخر کوشش کر کے حنفیہ سے یہ کرا لیا کہ تمام عصر مطابقِ قولِ صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما مثلِ دوم کے شروع میں پڑھ لیں۔ اس بار کی حاضری میں یہ جدید بات دیکھی۔ اگرچہ کتبِ حنفیہ میں یہاں قولِ صاحبین پر بھی بعض نے فتوی دیا۔ مگر اصح و احوط و اقدم قولِ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور فقیر کا معمول ہے کہ کسی مسئلہ میں بے خاص مجبوری کے قولِ امام سے عدول گوارا نہیں کرتا۔ جس کی تفصیلِ جلیل میرے رسالہ '**اجلی الاعلام بأن الفتویٰ مطلقاً علی قولِ الامام**' میں ہے۔

اذا قال الامام فصدقوه فان القول ما قال الامام

ہم حنفی ہیں، نہ کہ یوسفی یا شیبانی۔ میں اس بار جماعت عصر میں بہ نیتِ نفل شریک ہوجاتا اور فرضِ عصر مثلِ دوم کے بعد میں اور حضرت مولانا شیخ صالح کمال، حضرت مولانا سید اسماعیل و دیگر بعض محتاطینِ حنفیہ اپنی جماعت سے پڑھتے۔ جس میں وہ حضرات امامت پر اس فقیر کو مجبور فرماتے'۔

☆......شیخ عمر صبحی کا مکان کرایہ پر، شیخ عمر رشیدی کا مکان، کبوتروں کی آمد ورفت، طاق اور دروازہ پر قبضہ، تنکوں کا لانا اور گرانا، کبوتروں کا لحاظ کرنا، کبوتروں سے جنگ اور صلح، پرندہ اور جانور، کون سا فاسق اور کون سا نا فاسق، حرم میں ان پرندوں اور جانوروں کا حکم:

'پہلے شیخ عمر صبحی کا مکان کرایہ پر لیا تھا۔ پھر سید عمر رشیدی ابن سید ابوبکر رشیدی اپنے مکان پر لے گئے۔ بالا خانے کے درِ وسطانی پر میری نشست تھی۔ دروازوں پر جو طاق تھے، بائیں جانب کے طاق میں وحشی کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا۔ تنکے لاتے اور گرایا کرتے۔ اس طرف کے بیٹھنے والوں پر گرتے۔ جب علالت میں میرے لئے پلنگ لایا گیا، وہ اس در کے سامنے بچھایا گیا کہ تشریف لانے والوں کے لئے جگہ وسیع رہے۔ اس وقت سے کبوتروں نے وہ طاق چھوڑ کر دروازۂ وسطانی کے طاق میں بیٹھنا شروع کیا کہ اب جو وہاں بیٹھتے، ان پر تنکے گرتے۔

حضرت مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: وحشی کبوتر بھی تیرا لحاظ کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی: **صالحناهم فصالحوا**، ہم نے ان سے صلح کی، تو انہوں نے بھی ہم سے صلح کی۔ اس پر بعض علمائے حاضرین نے فرمایا کہ ہم پر کیوں تنکے پھینکتے ہیں۔ ہم نے ان سے کون سی جنگ کی ہے؟۔ میں نے کہا: میں یہاں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ یہ جہاں آکر بیٹھتے ہیں، انہیں اڑاتے ہیں۔ کنکریاں مارتے ہیں۔ سلامیوں کی توپیں، جب چھوٹتی ہیں، یہ خوف سے تھر تھرا تھر تھرا کر رہ جاتے ہیں۔ یہ سب میرا مشاہدہ ہے۔

حالاں کہ یہ حرمِ محترم کے وحشی ہیں۔ انہیں اڑانا یا ڈرانا منع ہے۔ پیڑ کے سایہ میں حرم کا ہرن بیٹھتا ہو، آدمی کو اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود بیٹھے۔ ان عالم نے فرمایا: یہ کبوتر ایذا دیتے ہیں۔ اوپر سے کنکریاں پھینکتے ہیں۔ لیمپ کی چمنی توڑ دیتے ہیں۔ میں نے کہا: کیا یہ ایذا بالابتدا

کرتے ہیں؟۔ کہا: ہاں! میں نے کہا: تو فاسق ہوئے اور کبوتر بالا جماع فاسق نہیں۔ چیل، کوے فاسق ہیں۔ وہ ساکت ہو گئے۔

شریعت میں وہ جانور فاسق ہے، جو بغیر اپنے نفع کے بالقصد ابتداً ایذا پہنچائے۔ ایسے جانور کا قتل حرم شریف میں بھی جائز ہے۔ جیسے چیل، کوا، بندر، چوہا۔ چیل، کوے زیور اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ بندر کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ چوہے کتابیں کترتے ہیں۔ جس میں ان کا کوئی نفع نہیں۔ محض براہِ شرارت ایذا دیتے ہیں۔ لہٰذا فاسق ہیں۔ بخلاف بلی کے کہ اگر چہ مرغی پکڑتی، کبوتر توڑتی ہے، مگر اپنی غذا کے لئے۔ نہ تمہاری ایذا کے لئے۔ کنکریاں اگر طاق میں ہوں، کبوتر کے چلنے پھرنے سے گریں گی، نہ یہ کہ چمنی پر کنکری مارنا انہیں مقصود ہو۔

☆...... ایک جملہ تمنائی کا، سلطانی حمام میں نہانا، باہر نکلنا، ابر کا چھانا اور اور مینہ برستے میں طوافِ کعبہ کرنا، مردِ غیب کا نمودار ہونا اور عورتوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا، جی بھر کر سنگِ اسود کا باطمینان بوسہ لینا، منیٰ سے آمد، پھر منیٰ کو روانگی:

'اس قسم وقائع بہت تھے کہ یاد نہیں۔ اگر اسی وقت منضبط کر لئے جاتے، محفوظ رہتے۔ مگر اس کا ہمارے ساتھیوں میں سے کسی کو احساس بھی تھا'۔

'جب اواخرِ محرم میں بفضلہٖ تعالیٰ صحت ہوئی، وہاں ایک سلطانی حمام ہے۔ میں اس میں نہایا۔ باہر نکلا ہوں کہ ابر دیکھا۔ حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہوا۔ مجھے حدیث یاد آئی کہ جو مینہ برستے میں طواف کرے، وہ رحمتِ الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً سنگِ اسود شریف کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار پھر عود کر آیا۔ مولانا سید اسماعیل نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کے لئے تم نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی۔ میں نے کہا: حدیث ضعیف ہے، مگر امید بحمد اللہ قوی ہے۔ یہ طواف بحمدہ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طائفین کی وہ کثرت نہ تھی اور اس سے بھی زیادہ لطف کا طواف بفضلہٖ عزوجل گیارھویں ذی الحجہ کو نصیب ہوا تھا۔ طوافِ زیارت کے لئے کہ بعدِ وقوفِ عرفہ فرض ہے۔

عام حجاج دسویں ہی کو منیٰ سے مکۂ معظّمہ جاتے ہیں۔ میرے ساتھ مستورات تھیں اور خود بھی بخار اٹھائے ہوئے تھا۔ گیارھویں کو بعدِ زوال رمیٔ جمار کر کے اونٹوں پر مع مستورات روانہ ہوا،

حرم شریف میں نمازِ عصر ادا کی۔ آج تمام حجاج منیٰ میں تھے۔ حرم شریف میں صرف پچیس تیس آدمی، یہ طواف نہایت اطمینان سے ہوا۔ ہر بار جی بھر کر سنگِ اسود شریف پر منہ ملنا اور بوسہ لینا نصیب ہوتا۔

ایک عربی صاحب کو، جنہیں پہنچانتا نہیں، مولیٰ تعالیٰ نے بے کہے، مہربان فرمادیا کہ ہر پھیرے کے ختم پر، چند آدمی، جو طواف کر رہے تھے، انہیں روک کر کھڑے ہو جاتے کہ بہنوں کو سنگِ اسود شریف کا بوسہ لینے دو۔ یوں ہر پھیرے پر میرے ساتھ کی مستورات بھی مشرف بہ بوسۂ سنگِ اقدس ہوئیں۔ **والحمدللہ و تقبل اللہ۔**

بعدِ ختمِ طواف میں دیوارِ کعبہ معظّمہ سے لپٹا اور غلافِ مبارک ہاتھ میں لے کر یہ دعا عرض کرنی شروع کی: **یا واجد یا ماجد لا تزل عنی نعمة انعمتها علی**، اور بہت پر کیف رقت طاری ہوئی کہ آزادی اور یکسوئی تھی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ایک عربی صاحب میرے برابر آ کر کھڑے ہوئے اور بآواز چلا کر رونا شروع کیا۔ ان کے چلانے سے کچھ طبیعت بٹی۔ پھر خیال آیا۔ ممکن کہ یہ مقبولانِ بارگاہ سے ہوں اور ان کے قرب کا فیض مجھ پر تجلّی ڈالے۔ اس تصور سے پھر اطمینان ہو گیا۔ مغرب پڑھ کر منیٰ کو واپس آئے۔

☆ ......علومِ حدیث کی سندِ جید و عالی کی تلاش، مگر آپ ہی کی سند حدیث سب سے عالی و جید نکلی، یوں ہی جفار و جفر داں کی تلاش، مگر جو ملے، آپ ہی سے سیکھنے لگے، بلکہ بریلی تک تشریف لائے، حضرت مولانا سید عبد القادر شامی مدنی کے صاحبزادے مولانا سید حسین مدنی بریلی آئے، چودہ مہینے قیام کیا اور علمِ جفر، علمِ اوفاق و تکسیر سیکھے:

'اس تقریباً تین مہینے کے قیام میں میں نے خیال کیا کہ حدیث میں کسی کی سند میری سند سے عالی ہو، تو میں ان سے سند لے کر علو حاصل کروں۔ مگر بفضلہٖ تعالیٰ تمام علما سے میری ہی سند عالی تھی۔ یہ بھی خیال کیا کہ یہ شہرِ کریم تمام جہان کا مرجع و ملجا ہے۔ اہلِ مغرب بھی یہاں آتے ہیں۔ ممکن کہ کوئی صاحب جفر داں مل جائیں کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے۔ ایک صاحب معلوم ہوئے کہ جفر میں مشہور ہیں۔ نام پوچھا، معلوم ہوا، مولانا عبد الرحمان دہّان، حضرت مولانا احمد دہّان مکی کے چھوٹے صاحبزادے، میں نام سن کر اس لئے خوش ہوا کہ یہ اور ان کے بڑے

بھائی صاحب مولانا اسعد دہّان کہ اب قاضئ مکہ معظّمہ ہیں۔ مجھ سے سندِ حدیث لے چکے تھے۔ میں نے مولانا عبد الرحمان کو بلایا۔ وہ تشریف لائے۔ کئی گھنٹے خلوت رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاعدہ، جو ان کے پاس ناقص تھا، قدرے اس کی تکمیل ہوگئی۔

اسی کے قریب سرکارِ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔ وہاں بھی ایک صاحب عبد الرحمان نام ہی کے ملے۔ یہ عبد الرحمان دہّان عربی مکی ہیں اور وہ عبد الرحمان آفندی ترکی شامی۔ کئی روز متصل تشریف لاتے اور دیر تک بیٹھ کر چلے جاتے۔ ہجوم حضراتِ اہلِ علم ومعززین کے سبب انہیں بات کا موقع نہ ملتا۔ ایک دن میں نے ان سے غرض پوچھی۔ کہا: تنہائی میں کہوں گا۔ دوسرے دن ان کے لئے وقت نکالا۔ کہا: میں جفر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فرمایا: یہاں نہ میرا اب زیادہ قیام ہے، نہ تیرا۔ میں خاص اس کی تحصیل کو تیرے پاس ہندوستان میں آؤں گا۔ وہ تو نہ آئے۔ مگر مولانا سید حسین مدنی صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبد القادر شامی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے اور چودہ مہینے فقیر خانہ پر قیام فرمایا اور یہ علم اور علمِ اوفاق وتکسیر سیکھے۔

انہیں کے لئے میں نے رسالہ 'اطائب الاکسیر فی علم التکسیر' زبانِ عربی میں املا کیا، یعنی میں عبارت زبانی بولتا اور وہ لکھتے جاتے اور اسی لکھنے میں وہ سمجھتے جاتے۔ علمِ جفر میں اتنی دستگاہ ہوگئی تھی کہ پانچ سوالوں میں دو کا جواب صحیح نکال لیتے کہ ان کے لئے میں نے اس علم سے اجازت تعلیم کا سوال پہلے کرلیا تھا اور جواب ملا کہ ضرور بتاؤ کہ یہ اسی کے واسطے اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں۔ اگر چند مہینے اور رہتے، تو امید تھی کہ سب جواب صحیح نکالنے لگتے۔ میں نے جو جداولِ کثیرہ اس فن کی تکمیل جلیل کے لئے اپنی طبعزاد ایجاد کی تھیں، رخصت کے وقت انہیں نذر کردیں کہ خود اس فن کے ترک کا قصد کرلیا تھا۔ جس کی وجہ سوالوں کی کثرت سے لوگوں کا پریشان کرنا تھا'۔

☆......علمِ جفر سے توجہ ہٹانے کی غرض، ایک امیر کبیر کا سوال، سید شاہ مہدی میاں مارہروی کی سفارش، مریضہ کی موت اور جگہ کی نشاندہی، سوائے ایک قاعدہ کے اس فن میں کوئی استاذ نہیں، وہ ایک قاعدہ سید العارفین سرکار نور سید شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں مارہروی سے سیکھا، شیخِ اکبر محی

الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابوں سے استفادہ، **'سفر السفر عن الجفر بالجفر'** کی تصنیف کی۔

'اور بالخصوص یہ عجیب واقعہ کہ ایک امیر کبیر کی بیگم بیمار ہوئیں۔ جن کا مذہب سنی نہ تھا۔ انہوں نے میرے آقا زادے حضرت سیدنا سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب دامت برکاتہم کے ذریعہ سے سوال کرایا۔ جواب نکلا۔ سنیت اختیار کریں۔ ورنہ شفا نہیں اور اس فن کا حکم ہے کہ جو جواب نکلے، بلا رورعایت کہہ دیا جائے۔ میں نے یہی لکھ بھیجا۔ منظور نہ ہوا اور مرض بڑھتا گیا۔ اب حضرت ہی کے ذریعہ سے سوال آیا کہ موت کب اور کہاں ہوگی۔ اپنے شہر میں یا نینی تال پر کہ اس وقت تبدیلِ آب و ہوا کے لئے مریضہ کا وہیں قیام تھا۔

یہ سوال ۸ رشوال مکرم ۱۳۲۸ھ کو ہوا۔ جواب نکلا۔ محرم الحرام یعنی ماہِ محرم میں موت ہوگی اور کہاں ہوگی، اس کے جواب میں نے ان کے شہر کے نام کا پہلا حرف اور اس کے بعد 'ق' اور اس کے بعد دو کا ہندسہ اور آگے خویش لکھ دیا۔ وہاں کے جفار بلائے گئے کہ اس معمے کو حل کریں۔ انہوں نے حرف نام شہر سے تو شہر مراد لیا اور 'ق' سے قلعہ اور آگے نہیں چلتا۔ حالاں کہ اس حرف سے شہر مراد تھا اور 'ق' سے قریب اور دو سے حرف 'ب' کہ اول لفظ بیت ہے۔ یعنی موت نینی تال میں ہوگی، بلکہ اپنے شہر میں، مگر نہ اپنے محل میں، بلکہ قریب بیتِ خویش دوسری جگہ میں۔ ایسا ہی واقع ہوا۔ تو ۷ ارمحرم کو اپنے شہر کے ایک باغ میں موت واقع ہوئی۔

جب اس جواب کا شہرہ ہوا، اطراف سے جلد بازوں کے خط ذی قعدہ ہی سے آنے لگے کہ تم نے تو موت کی خبر دی تھی اور ابھی نہ ہوئی۔ میں نے کہا: بھائیو! اگر محرم سے پہلے موت واقع ہو، تو جواب غلط ہو جائے گا۔ نہ کہ اس کی صحت کے لئے تم ابھی موت تلاش کرتے ہو اور اس قسم کے طوفانِ بے تمیزی کے سبب میں نے یہ قصد کر لیا کہ اگر یہ جواب غلط گیا، تو اس فن پر اتنی محنت کروں گا کہ باذنہ تعالیٰ پھر غلطی نہ ہو۔

یہ علم تمام علوم سے مشکل تر اور سکھانے والے مفقود اور اکابر مصنفین کو کمالِ اخفا مقصود۔ جو علوم ظاہر ہیں اور مصنفین و معلمین ان کا اعلان چاہتے ہیں۔ ان کی تو حالت یہ ہے کہ کتاب کچھ کہتی ہے اور ناظر کچھ سمجھتا ہے۔ تو اس علم میں ناظر کی غلط فہمی کیا تعجب ہے اور وہ بھی مجھ جیسے کے

لئے، جس نے نہ کسی سے سیکھا، نہ کوئی مشورہ و مذاکرہ کرنے والا۔ صرف ایک قاعدہ 'بدوح یلن' کہ مزدوجات سے ہے، والا حضرت عظیم البرکت حضرت سیدنا شید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ العزیز نے ۱۲۹۴ھ میں تذکرۃً تعلیم فرمایا تھا۔ اس کے بعد جو کتابیں اس فن کے نام سے مشہور و رائج ہیں، ان کی نسبت اسی فن سے سوال کیا۔ اس نے ان پر نہایت تشنیع کی اور کہا کہ یہ سب مہمل و باطل وجلانے کے قابل ہیں۔

صرف دو کتابوں کی مدح کی۔ جو ان سب رائج کتابوں سے جدا ہیں۔ جن میں ایک حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہے۔ وہ دونوں کتابیں مولیٰ عزوجل نے مجھے بہم کرادیں۔ انہیں مطالعہ کیا۔ جہاں تک بزورِ مطالعہ منکشف ہوا اور جہاں مطلب حضرات مصنفین نے ذہن میں رکھا تھا، اس کی نسبت جتنا قاعدہ معلوم ہولیا تھا، اس سے سوال کئے۔ اس نے مطلب بتایا۔ ایک قاعدہ اور حل ہوا۔ اب جو آگے الجھا، اس سے پوچھا، اس نے بتایا اور حل ہوا۔ اس طور پر اس فن کی قدرے ابجد معلوم ہوئی۔ میری کتاب 'سفر السفر عن الجفر بالجفر' انہیں مباحث میں ہے۔ جس میں ساٹھ سوال جواب ہیں، یعنی جفر سے جفر کو واضح کرنے کی کتاب۔ اس نے ایک دوسرے علم زائرچہ کے ایک عظیم سرِ مکتوم کو بھی واضح کیا۔ جس کی نسبت حضرت شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ زائرچہ میں ہے کہ زمانہ سیدنا شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس راز کے اخفا کا حلفی عہد ہے۔

رسائلِ فن میں نہایت غامض چیستاں کی طرح اس کے بارہ پتے دیئے گئے ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ خاتم آدم میں ہے۔ میں نے اس کی نسبت بھی اسی پہلے قاعدہ جفر سے سوال کیا۔ اس نے روشن طور پر بتادیا۔ اب جو ان بارہ پہیلیوں کو دیکھوں، تو سب خود بہ خود منکشف ہوگئیں۔ میرے جی میں آیا کہ کچھ اس فن کی طرف بھی توجہ کروں کہ اس کا رازِ پنہاں تو کھل ہی گیا ہے۔ اس پر اقدام کا ائمۂ فن نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ چندروز کچھ اسمائے الٰہیہ تلاوت کئے جاتے ہیں۔ مدتِ موعود میں خوش نصیب بندہ بکرم اللہ تعالیٰ زیارتِ جمالِ جہاں آرائے حضور انور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوتا ہے۔ اگر سرکارِ اقدس سے اس میں اشتغال کا اذن ملے، مشغول ہو۔ ورنہ چھوڑ دے۔ میں نے وہ اسمائے طیبہ تلاوت کئے، پہلے ہی ہفتہ میں سرکار کا کرم ہوا۔

جسے میں پہلے شاید ذکر بھی کر چکا ہوں۔ اس سے اذن کا استنباط ہوسکتا تھا، مگر میں نے ظاہر پر محمول کر کے ترک کر دیا۔

غرض جفر سے جواب جو کچھ نکلے گا، ضرور حق ہوگا کہ علم اولیائے کرام کا ہے۔ اہلِ بیتِ عظام کا ہے۔ امیر المومنین علی مرتضی کا ہے رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ مگر اپنی غلط فہمی کچھ اچنبا نہیں۔ تو اگر یہ جواب غلط گیا، کافی محنت کروں گا اور صحیح اترا، تو اس فن کا اشتغال چھوڑ دوں گا کہ آئے دن سوالوں کی محنت اور الٹے اعتراضوں کی دقت کون سہے۔ جواب بحمد اللہ تعالیٰ صحیح اترا اور میں نے اشتغال چھوڑ دیا۔ وہ طبع زاد جداول کہ تدقیقِ تام سے بنائی تھیں اور جنھوں نے اس فن کے بہت اعمالِ مشکلہ کو آسان کر دیا تھا، چلتے وقت حضرت سید صاحب موصوف کے نذر کر دیں۔

☆......مولانا شیخ عبد الغفار بخاری بریلی میں، سید العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں مارہروی کی فرمائش، بخاری صاحب کا آٹھ ماہ قیام، سنگاپور سے یادآوری کا خط، ملکِ چین کو روانگی، شیخ حسین مدنی شامی جیسا بے طمع عرب، شیخ سید ابراہیم مدنی شامی کی آمد، شیخ سید احمد خطیب مدنی شامی کے خطوط، شیخ سید محمد مدنی کی آمد:

'ان [شیخ سید حسین مدنی شامی] سے پہلے مولانا عبد الغفار صاحب بخاری اسی فن کے سیکھنے کو تشریف لائے تھے۔ انہوں نے حیدر آباد سے حضرت میاں صاحب قبلہ قدس سرہ [حضرت نوری میاں مارہروی] کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ کام خطوط سے نہیں ہوسکتا۔ خود آیئے۔ وہ مارہرہ شریف آئے۔ اتنے میں حضرت بریلی تشریف لائے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خان سلمہ کے یہاں رونق افروز ہیں کہ عصر کے وقت مولوی صاحب تشریف لائے۔ ماشاء اللہ کمالِ متقی وصالح وعالم تھے۔ وہ جہاں ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں خیر خوبی سے رکھے۔ حضرت [نوری میاں مارہروی] قدس سرہ نے فقیر سے ارشاد فرمایا کہ یہ جو کچھ سیکھیں۔ ان کو بتاؤ۔ میں ارشادِ حضرت کے سبب حسبِ قاعدہ اس فن سے اجازت طلب نہ کر سکا کہ اگر ممانعت ہوئی، حکمِ حضرت کے خلاف کیوں کر کروں گا۔

آٹھ مہینے تک انہیں سکھایا۔ ایامِ سرما میں بعض دفعہ رات کے دو دو بج جاتے۔ وہ عالم پورے تھے۔ قواعد خوب منضبط کر لئے۔ آٹھ پہر میں ایک سوال نہایت اجلا باضابطہ مرتب فرما لیتے اور

جواب تلاش کرتے، نہ ملتا، مجھے دکھاتے، میں گذارش کرتا، دیکھئے، یہ جواب رکھا ہے۔ اپنی ران پر ہاتھ مارتے کہ ہمیں کیوں نظر نہیں آتا۔ میں گذارش کرتا کہ جتنی بات تعلیم کے متعلق تھی۔ وہ آپ کو پوری آ گئی۔ رہا جواب، وہ القائے ملک ہے۔ اگر القا نہ ہو، اپنا کیا اختیار، یہ اس کا نتیجہ تھا کہ اس علم سے بے اجازت لئے انہیں سکھایا۔ آٹھ مہینے رہے اور چلتے وقت فرما گئے کہ میں جیسا آیا تھا، ویسا ہی جاتا ہوں۔ ان کی محبت وصلاح وتقوی کے سبب اکثر ان کی یاد آتی ہے۔ جزیرۂ سنگاپور سے ان کا ایک خط آیا تھا۔ اس کے بعد کچھ معلوم نہیں۔

سید حسین مدنی [شامی] صاحب سا کوئی سیر چشم و بے طمع عربی میں نے ان عرب سے آنے والوں میں نہ دیکھا۔ ان کی خوبیاں دل پر نقش ہیں۔ میں حضرت سید اسماعیل مکی کا تذکرہ اکثر ان کے سامنے کرتا، تو فرماتے، نہ رہے۔ سعادت ان کی کہ ان کی ایسی یاد تمہارے قلب میں ہے۔ اب اپنے چلے جانے کے بعد وہ کیوں کر دیکھیں کہ ان کی کتنی یاد ہے۔ یہاں سے ملکِ چین کو تشریف لے گئے۔ پھر ان کا کوئی خط بھی نہ آیا۔ نہ مدتوں تک مدینۂ طیبہ ان کا کوئی خط گیا۔ ان کے چھوٹے بھائی سید ابراہیم مدنی ان سے پہلے یہاں تشریف لائے تھے۔ وہ اس زمانہ میں قازان کو گئے ہوئے تھے کہ ملکِ روس میں ہے اور یہ تبت کو۔ ان کے بڑے بھائی سید احمد خطیب مدنی کے خطوط آتے کہ والدہ بہت پریشان ہیں۔ سید حسین کہاں ہیں۔ یہاں کسے پتا معلوم تھا۔ اب سنا گیا ہے کہ شاید مدینۂ طیبہ پہنچ گئے۔ یہ سید صاحب محمد مدنی کا بیان ہے۔ جو پارسال تشریف لائے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......اب مدینۂ طیبہ کو روانگی، مرض وضعف ونقاہت سے نڈھال، احباب کی ممانعت، حمال اونٹ اشرفیاں لے کر روانہ، ڈاکٹر رمضان آفندی کا معالجہ، ۲۴ صفر المظفر کو کعبۂ تن سے کعبۂ جان کی طرف روانگی، سرکار ابد قرار سے استعانت اور اعانت و دستگیری، مرض وضعف و کمزوری میں اچانک افاقہ، مشائخِ مکۂ مکرمہ کی آنکھیں بھر آئیں، جنگل کی تاریک رات روشن، حبشی ملاح کا سیدنا غوثِ اعظم، سیدی احمد کبیر، سید احمد رفاعی، سیدی احدل پکارنا، چوتھے دن رابغ، رابغ کے سردار شیخ حسین کے بھائی کے مقدمہ کا شرعی فیصلہ، حاجی کفایت اللہ سے سامان رہ گیا، بئیر شیخ پر وقتِ فجر، کرچ کا ڈول اور رسی ندارد، عمامہ باندھ کر پانی لے کر وضو اور نماز کی ادائیگی، من

جانب اللہ سواری کا انتظام، سردارِ رابغ اور حمال اور اونٹ سب مہربان، چھٹے روز مدینۂ منورہ عربی وضع کے لباس میں پہلی حاضری، خادم خاص حاجی کفایت اللہ سے، جو اسباب رابغ میں چھوٹ گئے تھے، دوسرے دن مدینۂ منورہ پہنچ گئے:

'خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ صفر کے پہلے عشرہ میں عزمِ حاضری سرکارِ اعظم مصمم ہو گیا۔ اونٹ کرایہ کر لئے۔ سب اشرفیاں پیشگی دے دیں۔ آج سب اکابر علما سے رخصت ہونے کو ملا۔ وہاں پان کی جگہ، چائے کی تواضع ہے اور انکار سے برا مانتے ہیں۔ ہر جگہ چائے پینی ہوئی۔ جس کا شمار نو فنجان تک پہنچا اور وہاں بے دودھ کی چائے پیتے ہیں۔ جس کا میں عادی نہیں اور چائے گردے کو مضر ہے اور میرے گردے ضعیف۔ رات کو معاذ اللہ! بشدت حوالیٔ گردہ کا درد ہوا۔ ساری شب جاگتے کٹی۔ صبح ہی سفر کا قصد تھا کہ مجبورانہ ملتوی رہا۔ حمالوں سے کہہ دیا گیا کہ تا شفا جا نہیں سکتے، وہ چلے گئے اور اشرفیاں بھی انہیں کے ساتھ گئیں۔ ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے پلاستر لگائے۔ دو ہفتے سے زائد تک معالجے کئے۔ بحمد اللہ شفا ہوئی۔

مگر اب بھی دن میں پانچ چھ بار چمک ہو جاتی تھی۔ اسی حالت میں دوبارہ اونٹ کرایہ کئے۔ سب نے کہا کہ اونٹ کی سواری میں حال بہت ہو گی اور حال یہ ہے کہ میں نے نہ مانا اور توکلاً علی اللہ تعالیٰ چوبیس صفر ۱۳۲۴ھ کعبۂ تن سے کعبۂ جان کی طرف روانہ ہوا۔ براہِ بشریت مجھے بھی خیال آتا تھا کہ اونٹ کی ہال سے کیا حال ہو گا۔ ولہٰذا اس بار سلطانی راستہ اختیار نہ کیا کہ بارہ منزلیں اونٹ پر ہوں گی، بلکہ جدہ سے براہِ کشتی رابغ جانے کا قصد کیا۔ مگر ان کے کرم کے صدقے ان سے استعانت عرض کی اور ان کا نامِ پاک لے کر اونٹ پر سوار ہوا۔ ہال کا ضرر پہنچنا درکنار، وہ چمک کہ روزانہ پانچ چھ بار ہو جاتی تھی، دفعۃً دفع ہو گئی۔ وہ دن اور آج کا دن ایک قرن سے زیادہ گذرا کہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک نہ ہوئی۔ یہ ہے ان کی رحمت، یہ ہے ان سے اسعانت کی برکت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا سید اسماعیل اور بعض دیگر حضرات شہر مبارک سے بار دور تک برسم مشایعت تشریف لائے۔ مجھ میں بوجہِ ضعفِ مرض پیادہ چلنے کی طاقت نہ تھی۔ پھر بھی ان کی تعظیم کے لئے ہر چند اترنا چاہا، مگر ان حضرات نے مجبور کیا۔ پہلی رات کہ جنگل میں آئی، صبح کے مثل روشن

معلوم ہوتی تھی۔جس کا اشارہ میں نے اپنے قصیدہ حضور جانِ نور میں کیا۔ جو حاضری دربارِ معلیٰ میں لکھا گیا تھا:

وہ دیکھ جگمگاتی ہے شب اور قمر ابھی　　پہروں نہیں کہ بست و چہارم صفر کی ہے

جدہ سے کشتی میں سوار ہوئے۔کوئی تیس چالیس آدمی اور ہوں گے۔کشتی بہت بڑی تھی۔ جسے ’ساعیہ‘ کہتے ہیں۔ اس میں جہاز کا سا مستول تھا۔ ہوا کے لئے پردے حسبِ حاجت مختلف جہات پر بدلے جاتے۔ حبشی ملاح کہ اس کام پر مقرر تھے۔ان کے کھولنے باندھنے کے وقت اکابر اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عجب اچھے لہجے سے ندا کرتے جاتے۔ ایک حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، تو دوسرا حضرت سیدی احمد کبیر، تیسرا حضرت سیدی احمد رفاعی، چوتھا سیدی احدل کو۔ علی ہذا القیاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ہر کشش پر ان کی یہ آوازیں عجب دلکش لہجے سے ہوتیں اور بہت خوش آتیں۔

ایک بصری صاحب نے اپنی حاجت سے زیادہ جگہ پر قبضہ کر رکھا تھا، ان سے کہا گیا، نہ مانے۔ معلوم ہوا کہ ان پر اثر ان دوسرے بصری شیخ عثمان کا ہے۔ میں نے ان سے کہا: یا شیخ! انہوں نے کہا: الشیخ عبد القادر جیلانی۔ شیخ تو حضرت عبد القادر جیلانی ہیں۔ان کے اس کہنے کی لذت آج تک میرے قلب میں ہے۔انہوں نے ان پہلے بزرگ کو سمجھا دیا۔اس کے بعد جب ان کو کچھ حالات معلوم ہوئے، پھر تو وہ نہایت مخلص، بلکہ کمالِ مطیع تھے۔

تین روز میں کشتی رابغ پہنچی۔ یہاں کے سردار شیخ حسین تھے۔ٹٹیوں کے مکان قیام کے لئے تھے۔ جب ان میں اترنا ہوا، اللہ اعلم! لوگوں کو کس نے اطلاع دی۔ان کے بھائی ابراہیم مع اپنے اعزہ ایک جماعت کے تشریف لائے اور اپنے یہاں کا ایک نزاعی مقدمہ کہ مدت سے نا فیصل پڑا تھا، پیش کیا۔ میں نے حکمِ شرعی عرض کیا۔ بحمد اللہ! باتوں ہی باتوں میں باہم فیصلہ ہو گیا۔

ربیع الاول شریف کا ہلال ہم کو یہیں ہوا۔ یہاں سے اونٹ کرایہ کئے گئے۔ نمازِ عصر پڑھ کر سوار ہونا ہوا۔تمام اسباب قلعہ کے سامنے سڑک پر نکال کر رکھا تھا۔گنتی کے اونٹوں کا قافلہ تھا۔ہم لوگ سوار ہو گئے اور یہ خیال کیا کہ حاجی صاحب [حاجی کفایت اللہ] اسباب بار کرا دیں گے۔ حاجی صاحب بھی سوار ہو گئے اور اسباب وہیں سڑک پر پڑا رہ گیا۔ جب منزل پر پہنچے، اب نہ

کپڑے ہیں، نہ برتن ہیں، نہ گھی ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔ یہ پانچ منزلیں ساتھیوں کے برتنوں اور منازل پر وقتاً فوقتاً خرید حوائج سے گذریں۔ چھٹے دن بحمد اللہ تعالیٰ خاک بوسِ آستانِ جنت نشان ہوئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

راہ میں جب بئیر شیخ پر پہنچے ہیں، منزل چند میل باقی تھی اور وقتِ فجر تھوڑا۔ حمالوں نے منزل پر ہی رکنا چاہا اور جب تک وقتِ نماز نہ رہتا۔ میں اور میرے رفقا اتر پڑے۔ قافلہ چلا گیا۔ کرچ کا ڈول پاس تھا۔ رسی نہیں اور کنواں گہرا، عمامے باندھ کر پانی بھرا، وضو کیا، بحمد اللہ نماز ہوگئی۔ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ طولِ مرض سے ضعف شدید ہے۔ اتنے میل پیادہ کیوں کر چلنا ہوگا۔ منہ پھیر کر دیکھا، تو ایک حمال محض اجنبی اپنا اونٹ لئے میرے انتظار میں کھڑا ہے۔ حمدِ الٰہی بجالایا۔ اس پر سوار ہوا۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا لائے؟۔ کہا: ہمیں شیخ حسین نے تاکید کردی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ کچھ دور آگے چلے تھے کہ میرا اپنا حمال اپنا اونٹ لئے کھڑا ہے۔ اس سے پوچھا؟۔ کہا: جب قافلے کے حمال نہ ٹھہرے، میں نے کہا: شیخ کو تکلیف ہوگی۔ قافلہ میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا۔ یہ میری سرکارِ کرم کی وصیتیں تھیں، صلی اللہ تعالیٰ و بارک وسلم علیہ وعلی عترتہ قدر رأفتہ ورحمتہ۔ ورنہ کہاں یہ فقیر اور کہاں سردارِ رابغ شیخ حسین، جن سے جان، پہچان اور کہاں وحشی مزاج حمال اور ان کی خارق العادات روشیں۔

سرکارِ اعظم میں حاضری کے دن بدن کے کپڑے میلے ہوگئے تھے اور کپڑے رابغ میں چھوٹ گئے تھے اور ایک یا دو منزل پہلے شب کو ایک جوتا کہیں راستہ میں نکل گیا۔ یہاں عربی وضع کا لباس اور جوتا خرید کر پہنا اور یوں مواجہ اقدس کی حاضری نصیب ہوئی۔ یہ بھی سرکار ہی کی طرف سے تھا کہ اس لباس میں بلانا چاہا۔ دوسرے دن رابغ سے ایک بدوی پہنچا، اونٹ پر سوار اور ہمارے تمام اسباب کہ چلتے وقت قلعہ کے سامنے چھوٹ گیا تھا، اس پر بار، اس نے شیخ حسین کا رقعہ لاکر دیا کہ آپ کا یہ اسباب رہ گیا تھا۔ روانہ کرتا ہوں۔ میں ہر چند اس بدوی صاحب کو آتے جاتے دس منزلوں کی محنت کا نذرانہ دیتا رہا، مگر انہوں نے نہ لیا اور کہا: ہمیں شیخ حسین نے تاکید فرمادی ہے کہ شیخ سے کچھ نہ لینا'۔

☆......اہلِ مدینہ مکے والوں سے زیادہ مہربان، ۳۱/دن مدینۂ پاک میں حاضری، بارھویں ربیع

النور یہیں ہوئی، ملنے والے علما اور عظما کی قطار، مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی کی حاضری، مصر، شام اور بغداد کے علما و مشائخ نے 'الدولۃ المکیۃ' کی نقلیں لیں اور تقریظیں لکھیں، اجازت و خلافت حاصل کرنے والوں کی بے تابی، شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی کا اشتیاق، حضرت مولانا سید عباس رضوان، حضرت مولانا سید مامون البری، حضرت مولانا سید احمد جزائری، حضرت مولانا شیخ ابراہیم خربوطی مفتی حنفیہ، حضرت مولانا تاج الدین الیاس مفتیٔ حنفیہ سابقاً، حضرت مولانا شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی وغیرہم کا شوقِ ملاقات، الدولۃ المکیۃ اور حسام الحرمین کی تقاریظ کی دھوم دھام، شیخ سید احمد برزنجی کی تقریظ، قبا شریف میں تقاریظ، سید عبداللہ کے مکان پر مجلس، امام احمد رضا کا مسکت جواب، شیخ کے دل میں غبار، شیخ عبدالقادر طرابلسی شلبی کا سوال، مولانا حامد رضا خان کا جواب، قبا شریف کی حاضری، سید الشہدا حضرت امیر حمزہ کی حاضری:

'یہاں [مدینۂ منورہ] کے حضراتِ کرام کو حضراتِ مکۂ مکرمہ سے زیادہ اپنے اوپر مہربان پایا۔ بحمدہ تعالیٰ اکتیس ۳۱/روز حاضری نصیب ہوئی۔ بارھویں شریف کی مجلس مبارک یہیں ہوئی۔ صبح سے عشا تک اسی طرح علمائے عظما کا ہجوم رہتا۔ بیرونِ بابِ مجیدی مولانا کریم اللہ علیہ رحمۃ اللہ تلمیذ حضرت مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی رہتے تھے، ان کے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ 'حسام الحرمین' و 'الدولۃ المکیۃ' پر تقاریظ میں انہوں نے بڑی سعیٔ جمیل فرمائی۔ جزاہ اللہ خیراً کثیراً۔ یہاں بھی اہلِ علم نے 'الدولۃ المکیۃ' کی نقلیں لیں۔ ایک نقل بالخصوص مولانا کریم اللہ نے مزید تقریظات کے لئے اپنے پاس رکھی۔ میرے چلے آنے کے بعد بھی مصر و شام و بغداد مقدس وغیرہا کے علما، جو موسم میں خاک بوسِ آستانۂ اقدس ہوتے، جن کا ذرا بھی زیادہ قیام دیکھتے اور موقع پاتے، ان کے سامنے کتاب پیش کرتے اور تقریظیں لیتے اور بصیغۂ رجسٹری مجھے بھیجتے رہتے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

علمائے کرام یہاں بھی فقیر سے سندیں اور اجازتیں لیں۔ خصوصاً شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں 'یا سیدی' فرماتے۔ میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی: حضرت سید تو آپ ہیں۔ فرمایا: واللہ! تم سید ہو۔ میں نے عرض کی۔ میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا: تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم فرماتے ہیں: مولی القوم منهم، قوم کا غلام آزاد شدہ انہیں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقے میں آفاتِ دنیا وعذابِ قبر وعذابِ حشر سے کامل آزادی فرمائے، آمین۔

یوں ہی حضرت مولانا سید عباس رضوان ومولانا سید مامون بری ومولانا سید احمد جزائری و مولانا شیخ ابراہیم خربوطی ومفتیٔ حنفیہ مولانا تاج الدین الیاس ومفتیٔ حنفیہ سابقاً مولانا عثمان بن عبدالسلام داغستانی وغیرہم حضرات کے کرم بھولنے کے نہیں۔ ان مولانا داغستانی سے قبا شریف میں ملاقات ہوئی تھی کہ وہیں اٹھ گئے تھے۔

مکۂ معظمہ کی طرح زیادہ اہم 'حسام الحرمین' کی تصدیقات تھیں۔ جو بحمد اللہ تعالیٰ بہت خیر وخوبی کے ساتھ ہوئی۔ زیادہ زمانۂ قیام انہیں میں گذر گیا کہ ہر صاحب پوری کتاب مع تقریظاتِ مکہ معظمہ دیکھتے اور کئی کئی روز میں تقریظ لکھ کر دیتے۔ مفتیٔ شافعیہ حضرت سید احمد برزنجی نے 'حسام الحرمین' پر چند ورق کی تقریظ لکھی اور فرمایا: اس کتاب کی تائید میں اسے ہمارا مستقل رسالہ کر کے شائع کرنا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ 'حسام الحرمین' کا کام پورا ہونے کے بعد 'دولۃ المکیۃ' پر تقریظات کا خیال ہوا۔ دونوں حضراتِ مفتیٔ حنفیہ نے مدینۂ طیبہ اور قبا شریف میں تقریظیں تحریر فرمائیں۔

تیسری باری مفتیٔ شافعیہ کی آئی۔ یہ آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ یہ ٹھہری کہ ان کے داماد سید عبداللہ صاحب کے مکان پر اس کتاب کے سننے کی مجلس ہو۔ عشا کہ وہاں اولِ وقت ہوتی ہے، پڑھ کر بیٹھے۔ میں نے کتاب سنانی شروع کی۔ بعض جگہ مفتی صاحب کو شکوک ہوئے۔ میری غلطی کہ میں نے حسبِ عادت جرأت کے ساتھ مسکت جواب دیئے، جو مفتی صاحب کو اپنی عظمتِ شان کے سبب ناگوار ہوئے۔ جا بہ جا ان کا ذکر میں نے 'الفیوضات المکیۃ' حاشیۂ 'دولۃ المکیۃ' میں کر دیا ہے۔ بارہ بجے جلسہ ختم ہوا اور مفتی صاحب کے قلب میں ان جوابوں کا غبار رہا۔ مجھے بعد کو معلوم ہوا۔ اس وقت اگر اطلاع ہوتی، میں معذرت کر لیتا۔

ایک رات ان کے شاگرد شیخ عبدالقادر طرابلسی شلبی کہ مدرس ہیں، فقیر کے پاس آئے اور بعض مسائل میں الجھنے لگے۔ حامد رضا خان نے انہیں جواب دے دیئے۔ جن کا جواب وہ نہ

دے سکے اور وہ بھی سینہ میں غبار لے کر اٹھے۔ ان کا غبار مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ جس کی میں نے پرواہ نہ کی۔ انصاف پسند تو اس کے ممنون ہوتے ہیں، جو انہیں صواب کی طرف راہ بتائے۔ نہ یہ کہ بات سمجھ لیں، جواب نہ دے سکیں اور بتانے سے رنجیدہ ہوں۔

اور فقیر کو متواتر ناسازیوں کے بعد مکۂ معظّمہ میں جو کئی مہینے گذرے واللہ اعلم! وہ کیا بات تھی، جس نے حضراتِ کرام مدینۂ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ علما تو علما، اہلِ بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا اور یہ جملہ فرمایا کہ ہم سالہا سال سے سرکار میں مقیم ہیں۔ اطراف و آفاق سے علما آتے ہیں، واللہ! یہ لفظ تھا کہ جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی بات نہیں پوچھتا اور تمہارے پاس علما کا یہ ہجوم ہے۔ میں نے عرض کی: میرے سرکار کا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کریماں کہ در فضل بالا ترند
سگاں پروند و چناں پرورند

اپنے کرم کا وہ جب صدقہ نکالتے ہیں
ہم سوں کو پالتے ہیں اور ایسا پالتے ہیں

ایامِ اقامتِ سرکارِ اعظم میں صرف ایک بار مسجدِ قبا شریف کو گیا اور ایک بار زیارتِ حضرت سید الشہد احمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاضر ہوا۔ باقی سرکارِ اقدس ہی کی حاضری رکھی۔ سرکار کریم ہیں۔ اپنے کرم سے قبول فرمائیں اور خیریتِ ظاہر و باطن کے ساتھ پھر بلائیں۔

ع: ہم کو مشکل ہے انہیں آسان ہے۔

☆......۳۱؍دن قیام کے بعد واپسی، علما و مشائخ کا دور تک مشایعت کرنا، ہندوستان آنے کے بعد بھی سندوں اور اجازت ناموں کی درخواستیں آنا اور علمائے حرمین کی خواہش وطلب اور اصرار پر اجازت نامے روانہ کرنا، مدینہ مکرمہ سے جدہ، ناقابلِ برداشت گرمی اور تپتا ہوا ریت، پتھر اور موسم، علامہ نذیر احمد اور حاجی کفایت اللہ کی یاد رکھی جانے والی خدمت و محبت، جدہ سے عدن، عدن سے کراچی، کراچی سے بمبئی، احمد آباد، اجمیر شریف ہوتے ہوئے ہندوستان آنے کے ایک ماہ بعد بریلی روانگی، ہر مقام پر خوش آمدید اور جشنِ فتح کا ساسماں، اپنوں کا دل باغ باغ، اغیار کا

سینہ داغ داغ، مگر کچھ اپنے بھی حسد و جلن و آتشِ مخالفت میں جل کر راکھ:

'رخصت کے وقت قافلے کے اونٹ آ لئے ہیں۔ پا بر کاب ہوں۔ اس وقت تک علما کو اجازت نامے لکھ کر دیئے۔ وہ سب تو 'الاجازۃ المتینۃ' میں طبع ہو گئے اور یہاں آنے کے بعد دونوں حرمِ محترم سے درخواستیں آیا کیں اور اجازت نامے لکھ کر گئے۔ یہ درجِ رسالہ نہیں، چلتے وقت حضراتِ مدینہ کریمہ نے بیرونِ شہر دور تک مشایعت فرمائی۔ اب مجھ میں طاقت تھی۔ ان کی معاودت تک میں بھی پیادہ ہی رہا۔

اونٹ جدہ کے لئے کئے تھے۔ اب موسم سخت گرمی کا آ گیا تھا اور معاً قافلہ روانہ ہوتا تھا۔ سر پر آفتاب اور پاؤں کے نیچے گرم ریت یا پتھر۔ اللہ تعالیٰ مولوی نذیر احمد صاحب کا بھلا کرے۔ فرضوں میں تو مجبور تھے کہ خود بھی شریکِ جماعت ہوتے، مگر جب میں سنتوں کی نیت باندھتا، چھتری لے کر سایہ کرتے۔ جب پہلی رکعت کے سجدے میں جاتا، پاؤں کے نیچے اپنا عمامہ رکھ دیتے کہ باقی رکعتوں میں پاؤں نہ جلیں۔ ابتدا سے یوں نہ کر سکتے کہ میں عمامہ رکھنا در کنار، نماز میں چھتری لگانے پر بھی ہرگز راضی نہ ہوتا۔ انہوں نے اور حاجی کفایت اللہ صاحب نے اس سفر مبارک میں بلا طمع، بلا معاوضہ محض اللہ و رسول کے لئے جیسے آرام دیئے، اللہ تعالیٰ ان کا اجرِ عظیم دنیا و آخرت میں ان صاحبوں کو عطا فرمائے، آمین۔

جدہ پہنچ کر جہاز تیار ملا۔ بمبئی کے ٹکٹ بک رہے تھے۔ خریدے اور روانہ ہوئے۔ جب عدن پہنچے، معلوم ہوا کہ جہاز والے نے کہ رافضی تھا، دھوکا دیا۔ عدن پہنچ کر اعلان کیا کہ جہاز کراچی جائے گا۔ ہم لوگوں نے قصد کیا کہ اتر لیں اور بمبئی جانے والے جہاز میں سوار ہوں۔ اتنے میں انگریز ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا: بمبئی جانے والوں کو قرنطینہ میں رہنا ہوگا۔ ہم نے کہا: اس مصیبت کو کون جھیلے، اس سے کراچی ہی بھلی۔ راستہ میں طوفان آیا اور ایسا سخت کہ جہاز کا لنگر ٹوٹ گیا۔ سخت ہولناک آواز پیدا ہوئی۔ مگر دعاؤں کی برکت کہ مولیٰ تعالیٰ ہر طرح امان رکھی۔

جب کراچی پہنچے ہیں، ہمارے پاس صرف دو روپے باقی تھے اور اس زمانہ تک وہاں کسی سے تعارف نہ تھا۔ جہاز کنارے قریب ہی لگا اور عین ساحل پر چونگی کی چوکی۔ جس پر انگریز یا کوئی گورا نوکر، اسباب کثیر، یہاں محصول تک دینے کو نہیں۔ ہر چیز کی تعلیم ارشاد فرمانے والے پر بے شمار

درود وسلام! ان کی ارشاد فرمائی ہوئی دعا پڑھی۔ وہ گورا آیا اور اسباب دیکھ کر بارہ آنے محصول کہا۔ ہم نے شکرِ الٰہی کیا اور بارہ آنے دے دیئے۔ چند منٹ بعد وہ پھر واپس آیا اور کہا: نہیں، نہیں، اسباب دِکھاؤ! سب صندوق وغیرہ دیکھے اور بارہ آنے کہہ کر چلا گیا۔ پھر واپس آیا اور سب صندوق کھلوا کر اندر سے دیکھے اور پھر بارہ ہی آنے کہے اور رسید دے کر چلا گیا۔ اب سوا روپیہ باقی رہا۔

اس میں سے منجھلے بھائی مرحوم مولوی حسن رضا خان کو تار دیا کہ دوسو روپیہ بھیجو۔ یہاں وہ تار مشتبہ ٹھہرا کہ بمبئ سے آتا۔ کراچی سے کیسا آیا۔ بارحال روپے پہنچ گئے۔ بمبئ کے احباب وہاں لے جانے پر مصر ہوئے، وہاں جانا پڑا۔ مولوی حکیم عبد الرحیم وغیرہ احباب احمد آباد کو اطلاع ہوئی، آدمی بھیجے، باصرار احمد آباد لے گئے۔ سواریوں کو بمبئ سے محمد رضا خان و حامد رضا خان کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ میں ہندوستان میں اترنے سے ایک مہینے بعد مکان پر پہنچا۔

وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ کو بفضلہٖ تعالیٰ شدید ذلتیں اور ناکامیاں ہوئیں۔ المرجوفون فی المدینہ کی وراثت سے یہاں یہ اڑا رکھی تھی کہ معاذ اللہ! فلاں قید ہو گیا۔ بمبئ آ کر یہ خبر سنی۔ احباب نے مجلسِ بیان منعقد کی اور چاہا کہ اس کی نسبت کچھ کہہ دیا جائے۔ واحدِ قہار نے ان کا کذب خود ہی سب پر روشن فرما دیا تھا۔ مجھے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں! اتنا ہوا کہ آیۂ کریمہ: **انافتحنا لک فتحاً مبیناً** ' کا بیان کیا اور اس میں فتحِ مکہ مکرمہ اور اس سے پہلے صلح حدیبیہ کی حدیث ذکر کی۔ اس میں کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرما کر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکۂ معظّمہ بھیجا۔ یہاں انہیں دیر لگی۔ کافروں نے اڑا دیا کہ وہ مکہ میں قید کر لئے گئے۔

میرے آنے سے پہلے ہی اطراف سے لوگوں نے مولانا عبد الحق [الہ آبادی مہاجر مکی] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو استفسارِ واقعات کے خطوط لکھے۔ جس کے جواب انہوں نے وہ دیئے کہ سنیوں کا دل باغ باغ ہو گیا اور وہابیوں کا کلیجہ داغ داغ۔ والحمد للہ رب العالمین۔ ان میں سے بعض جواب میرے دیکھنے میں آئے۔ جن میں فرمایا ہے کہ یہ خبیث کذابوں کا کذبِ خبیث ہے۔ اس کو تو مکۂ معظّمہ میں وہ اعزاز ملا۔ جو کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔

وہابیہ کی تو کیا شکایت کہ وہ پورے اعداء ہیں اور کیوں نہ میرے دشمن ہوں کہ میرے مالک و

مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ان کے افتراؤں نے بعض جاہل کچے سنیوں کو بھی میرا مخالف کر دیا تھا۔ یہ بہتان لگا کر کہ یہ معاذ اللہ! حضرت شیخ مجدد کو کافر کہتا ہے اور جب مکۂ معظّمہ میں علمِ غیب کا مسئلہ بفضلہٖ تعالیٰ باحسنِ وجوہ روشن ہو گیا،علمِ الٰہی اور علمِ نبوی کا غیر متناہی فرق میں نے واضح کر دیا۔تو اب یہ جوڑی کہ عیاذاً باللہ! یہ قدرتِ نبوی قدرتِ الٰہی کے برابر کہتا ہے۔ کچے ناسمجھ لوگ آیۂ کریمہ:

' یَااَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ ااِنْ جآ ءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْ ااَنْ تُصِیْبُوْ اقَوْ ماً بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْ ا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ،

پر عمل نہ کرنے والے ان کے داؤں میں آ گئے۔

مدینۂ طیبہ میں ایک ہندی صاحب شیخ الحرم عثمان پاشا کے یہاں کچھ دخیل تھے۔ایک مدرسہ کے نام سے ہندوستان وغیرہ سے چندہ منگاتے۔ یہ بھی انہیں کذابوں کی باتوں سے متاثر ہوئے۔ میں ابھی مکہ معظّمہ ہی میں تھا۔ یہاں جو فتح وظفر مولیٰ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی اور پھر میرے عزم حاضریِ سرکارِ اعظم کی خبر مدینۂ طیبہ پہنچی،ان صاحب نے اپنے زعم پر کہ مجازی حاکمِ شہر کے یہاں رسائی ہے۔ یہ لفظ فرمائے کہ وہاں تو اس نے اپنا سکہ جما لیا۔آنے تو دو۔ یہاں آتے ہی قید کرا دوں گا۔مولیٰ عزوجل کی شان،میری سرکار سے ان کو یہ جواب ملا کہ میں ابھی مکۂ معظّمہ ہی میں ہوں،ان کی نسبت دھوکے سے چندے منگانے کا دعویٰ ہوا اور جیل خانے بھیج دیئے گئے۔

جب میں حاضر ہوا ہوں، وہ میعاد کاٹ کر آ چکے تھے۔مسجدِ کریم میں مجھ سے ملے اور فرمایا: میں تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: علماء وعظماء کی تشریف آوری کا ہجوم آپ دیکھتے ہیں۔ مجھے تنہائی نصف شب کو ملتی ہے۔کہا: میں اسی وقت آؤں گا۔میں نے کہا: اس وقت بندش ہوتی ہے۔کہا: میری بندش نہ ہوگی۔تشریف لائے اور کلماتِ اشتمالت و استعفا کے فرمائے۔ میں نے معاف کیا اور میرے دل میں بحمدہ تعالیٰ اس کا کچھ غبار بھی نہ تھا۔ پھر ہندوستان تشریف لا کر بھی مجھ سے ملے۔اظہارِ نام کی ضرورت نہیں۔ع: چوں باز آمدی ماجرا در نوشت۔

یہ تمام وقائع ایسے نہ تھے کہ ان کو میں اپنی زبان سے کہتا۔ہمراہیوں کو توفیق ہوتی اور آتے اور

جاتے اور ایامِ قیام ہر دو سرکار کے واقعات روزانہ تاریخ وار قلم بند کرتے، تو اللہ و رسول کی بے شمار نعمتوں کی عمدہ یادگار رہوتی۔ ان سے رہ گیا اور مجھے بہت کچھ سہو ہو گیا۔ جو یاد آیا، بیان کیا۔ نیت کو اللہ عز وجل جانتا ہے۔ قَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ: وَ اَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ، اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کر۔ یہ برکات ہیں ان دعاؤں کی کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائیں، **والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی الحبیب الکریم و آلہ وصحبہ اجمعین۔** [الملفوظ حصہ دوم طبع بریلی ص: ۲ر تا ۴۴]

جب 'الدولۃ المکیۃ' تصنیف ہو چکی اور شیخ صالح کمال مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سپرد کی، تو اعلیٰ حضرت نے گورنرِ مکہ مکرمہ کے نام ایک تاریخی خط بھی ارسال کیا۔ یہ تاریخی خط یقین و اعتماد سے کس قدر لبریز ہے۔ خط عربی میں ہے۔ یہاں اردو ترجمہ دیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔ تحریر کرتے ہیں:

'سوال کا جواب مختصراً لکھ کر حاضر کیا جاتا ہے۔ لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی وسعت کا میدان اتنا وسیع ہے کہ مخلوق سے اس کی وسعت کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ صرف خالق ہی جانتا ہے کہ اس کے محبوب کے علم کا میدان کتنا وسیع ہے۔ میری یہ کتاب مذہبِ اہلِ سنت و جماعت کے موافق ہے۔ اس وقت مکۂ مکرمہ علمائے حق سے بھرا ہوا ہے۔ ہر ملک سے علمائے کرام آئے ہوئے ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے میری کتاب سنائی جائے۔ اگر علمائے حق اس کتاب کو مذہبِ اہلِ سنت کے موافق قرار دیں، تو چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں مسئلہ غلط ہے، تو میں اس کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے تیار ہوں'۔ [کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع لاہور، ۲۰۰۵ء ص: ۱/ ۳۱۱ بحوالہ مجموعہ 'رسائلِ رضویہ' طبع بریلی ص: ۲۱۰، ۲۱۱]



اجمیر معلیٰ



اجمیر معلیٰ درگاہِ عالیہ غریب نواز بارگاہ معین الملۃ والدین والحق قدس اللہ سرہ الحق تمام ہندوستانی مسلمانوں کا روحانی راجدھانی ہے۔ امرا و غربا، علما و مشائخ، وزرا و حکمراں، کون ہے، جو وہاں سر کے بل حاضری نہیں دیتا، شاہ و گدا سب دامن پسار کر، جھولیاں پھیلا کر حاضر ہوتا ہے اور من کی مرادیں پا کر واپس ہوتا ہے۔ روز بھیڑ لگی رہتی ہے۔ ہر چھٹی شریف میں اور مجمع ہوتا ہے۔ عرس پاک میں تو پورا ہندستان امنڈ آتا ہے۔ غیر ملکی زائرین کی قطار لگی رہتی ہے۔ غریب نواز داتا ہیں ہمارے، لجپال ہیں ہمارے، اجمیر دارالحکومت ہے، خواجہ شہنشاہ ہیں ہمارے۔ ہم منگتا ہیں وہ دیالو ہیں ہمارے، خواجۂ خواجگان زندہ باد، سلطان ہندوستان زندہ باد۔ حضرت خواجہ کی سرکار میں وقت کا مجدد بھی حاضر ہوتا ہے اور جان و دل کا نذرانہ لیے حاضری دیتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے خواب میں حاضری دی ہے۔ دردِ چشم کافور ہوا ہے۔ بیداری میں کم از کم دو بار حاضر ہوئے ہیں اور خواجہ کی چوکھٹ چوم کر اپنی قسمت چمکائی ہے۔ ذرا دیکھیے، وقت کا مجدد کیسا فدائی ہے، کیسا شیدائی اور وارفتہ ہے۔ مجدد اعظم کی یہ وارفتگی، وابستگی، ربودگی، فنادگی، فنائیت، فدائیت سب کے لیے سزاوارِ تقلید و عمل ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلی سے چلتے ہیں۔ سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے بافیض آستانے پر حاضری دیتے ہیں۔ دیکھیے، کیا فرماتے ہیں:

''امابعد! گدائے سرکار غوثیہ، سگِ کوئے قادریہ عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ اس کا حشر سگانِ مولیٰ میں فرمائے) عرض پرداز ہے کہ فقیر نے ماہ مبارک ربیع

الآخر ۱۳۰۲ھ میں سراپا طہارت، حضور پرنور، صاحب فضل بلند، سلطان المشائخ محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ والرضوان کی زیارت کے قصد سے بریلی سے شدرِحال (سفر) کرکے بارگاہِ غیاث پور کی خاک بوسی کی، تین دن بعد وہاں سے آکر شاہ جہاں آباد دہلی میں قیام کا عزم کیا۔"[۱]
(قصیدہ اکسیر اعظم مع ترجمہ، طبع بمبئی، ۲۰۱۲ء، ص:۱۰، ۱۰۹)

اب دیکھیے، دردِ دل اور دوائے چشم کیسے ہوتی ہے۔ خوبصورت خواب اور اس کی تعبیر، اعلیٰ حضرت سے سنیے، رقم طراز ہیں:

"اس سے دو سال قبل میری داہنی آنکھ میں کثرتِ مطالعہ کے باعث کچھ ضعف آ گیا تھا۔ دل نے کہا، آنکھ کی شفا وصفا کی امید پر دوائے چشم کے لیے طبیبوں کے پاس رجوع کیا جاسکتا ہے۔ میں نے دل کا مشہورہ قبول کرلیا۔ لیکن چالیس دن تک پہاڑ کھودا، سوکھی گھاس بھی ہاتھ نہ آئی۔ (کوئی چوہیا بھی نہ ملی) سلطان المشائخ کے فضل راسخ کی جانب توجہ کی۔ ازراہِ محبت وشوق حضرت کی مدح میں چند اشعار لکھے۔ رات کے وقت جب سر تکیے سے لگایا۔ اب خواب مجھے کس دروازے سے اور کس بارگاہ میں لے گیا، (وہ سنئے:)

ایک رنگین جنت نشان مقام ہے۔ جس کے جنوب میں مسجد ہے اور شمال میں ایک درگاہ ہے۔ بخت رسا کے ہمراہ جب وہاں پہنچا، تو اس احاطے میں تین تربتیں نظر آئیں۔ قبلہ کی جانب حضرت کارساز خواجہ غریب نواز، سلطان الہند، وارث نبی قدس سرہ العلی کا مزار باامتیاز ہے۔ اسی کے پیچھے ایک ہاتھ کے فاصلے پر ایک ایسے چاند کی منزل ہے۔ جس کی تابندگی سورج کی طرح ہے۔ جیسے آفتاب اور وقت چاشت اور چاند، جب سورج کے پیچھے آئے، یعنی درجات بخشنے والے صاحب برکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی روح روحہ الملک القوی کا مخزن برکات مرقد مبارک ہے۔ اس کی پشت پر ایک اور قبر ہے۔ جسے میں پہچان نہ سکا۔ سرِ عقیدت کو قدم بنایا۔ جب پہنچنے کے قریب ہوا، تو دیکھا کہ پہلے خواجۂ پاک کا مزار ہے، میں پائتانے بیٹھ گیا۔

اب کیا دیکھتا ہوں کہ مرقد کا بالائی حصہ چاک ہوتا ہے اور حضرت خواجہ اس کے اوپر قبلہ رو آرام فرما ہیں، چشم مبارک کھلی ہوئی ہے۔ قوی، تناور، دراز قامت، شخصیت ہے۔ رنگ سرخ ہے۔ ساتھ ہی ایک دبدبہ اور شوکت و دلیری بھی عیاں ہے۔ آنکھیں کشادہ، داڑھی کے بال سیاہ

وسفید، عیب سے دور، محاسن سے بھرپور، ذات مبارک ہے۔ بے خود ہوکر دوڑا اور اپنے آپ سے بڑھ گیا۔ وہ خاک پاک، جو مزار کے چاک ہونے سے برآمد ہوئی تھی، چہرے اور آنکھ پر لگائی، پھر کیا تھا، اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگا اور سورۂ کہف کی تلاوت شروع کردی۔ دروازۂ مسجد کے پاس چند مجاور میری تلاوت پر ترش رو ہو گئے کہ نماز کا وقت ہے اور اس شخص نے تلاوت کا باب کھول دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: سبحان اللہ! ایک بندہ ایک خواجہ کے سامنے تلاوت میں مصروف ہے۔ ان کے دل پر کیوں گراں گزر رہا ہے۔ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کے لبِ اقدس پر تبسم کی شیرینی نمایاں ہوجاتی ہے۔ گویا مجھے اشارہ فرمارہے ہیں کہ انہیں چھوڑ دو، تم پڑھو اور خبر دار! اے فقیر!! ان کی بات کا کچھ خیال نہ کرنا، اس التفات کی حلاوت نے میرے دل سے ان ترش روبول کی تلخی مٹادی۔

اب مجھے یاد نہیں کہ "ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔(سورۂ کہف آیت ۱۰) تک پہنچا تھا، یا ینشر لکم ربکم من رحمتہٖ ویھیئ لکم من امرکم مرفقا، تک کہ میری آنکھ کھل گئی اور وہ باب بند ہوگیا۔ بحمد للہ، اِدھر یہ خواب دیکھا، اور اُدھر مرض میں نمایاں تخفیف ہوئی، میں نے کہا یہ اس پاک تربت کی خاک ملنے کی برکت ہے اور حضرت خواجہ کی یہ بندہ نوازی حضرت محبوب الٰہی کی مدحت کی بدولت ہے۔ میرا دل جوش میں آیا اور صدا لگائی کہ اے شخص! تو نے آنکھ سے دیکھ لیا اور آنکھ پر آزمالیا۔ تو کوئی پتھر ہی ہوگا اگر اب بھی تیرے یقین میں اضافہ نہ ہوا۔
(قصیدہ اکسیر اعظم مع ترجمہ، طبع ممبئی، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۱۰ تا ۱۱۴)

یہ خواب تھا، اس کی تعبیر تھی، اب حالت بیداری میں آیئے۔ اعلیٰ حضرت سفر ثانی حرمین شریفین سے واپس بمبئی تشریف لائے، شاہ عبدالسلام جبل پوری نے جبل پور جانے کی گزارش کی، تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: برہان ملت مفتی محمد برہان الحق رضوی لکھتے ہیں:

"والد (شاہ عبدالسلام) نے جبل پور تشریف لے جانے کے لیے عرض کیا۔ تو (اعلیٰ حضرت نے) فرمایا: ابھی تو اجمیر شریف حاضری دیتا ہوا، بریلی جاؤں گا، ان شاءاللہ، پھر کبھی جبل پور آؤں گا۔"
(اکرام امام احمد رضا، طبع بمبئی، ۱۹۹۸، ص: ۶۸)

سید شاہ حسین علی وکیل جاورہ خادم درگاہ خواجہ اجمیر شریف تحریر کرتے ہیں:

’’میرے پیر و مرشد مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت فاضل ہندوستان مولانا احمد رضا خان قدس سرہٗ العزیز بھی دو بار دیار خواجہ غریب نواز میں حاضر ہوئے ہیں۔ دوسری حاضری اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ ۱۳۲۵ھ میں حج وزیارت کی سعادت حاصل کرکے جب ساحل ہندوستان (بمبئی) اترے، تو آپ کے فدائی مختلف بلاد وامصار سے آپ کو لینے کے لیے بمبئی پہنچ گئے تھے۔ علاوہ وطن کے اور بھی کئی جگہ سے تار دیئے گئے کہ آپ ہمارے وطن کو اپنے قدوم والا سے منور فرمادیں۔ آپ نے کسی کی نہ سنی۔ آپ سیدھے غریب نواز کے آستانہ پر حاضر ہوئے اور خواجۂ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی درباری حاضری کے بعد آپ نے ان کے شہزادے حضرت خواجہ ہند کے دربار میں حاضری دی۔

یہ حاضری ایسی عقیدت ومحبت کی حامل تھی کہ ہم خدام آستانہ اور تمام مسلمانانِ اجمیر کے دلوں پر نقش ہوکر رہ گئی۔ آج تک ہم خدام میں اس حاضری کے چرچے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب اعلیٰ حضرت فاضل ہندوستان کا صفر ۱۳۴۰ھ میں وصال ہوا اور آستانہ پر ان کے وصال کی خبر پہنچی، تو اجمیر کے سارے مسلمانوں نے کافی تعداد میں جمع ہوکر قرآن اور کلمہ طیبہ سے ایصال ثواب کیا اور اس کے بعد علما ومقررین نے ان کے زریں کارنامے حاضرین کے سامنے پیش کیے اور دنیائے اجمیر کو یہ بتایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمی فوقیت کو آج دنیائے اسلام مانتی ہے۔

علمائے عرب وعجم ان کو اس صدی کا مجدد اور تمام علوم وفنون کا ماہر اور یگانۂ روزگار مانے ہوئے ہیں۔ ان کا شعبۂ حیات اتباع سنت کی وجہ سے اسلامی زندگی کا ایک بہترین نمونہ ہے اور ان کے مذہبی رسائل اور کتابیں عقائد واعمال کا قول فیصل اور شریعت مطہرہ کا اس دور میں آخری فتویٰ ہیں۔ غرض کہ اس موقع پر مسلمانانِ اجمیر اور دیگر زائرین نے بڑی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ جو ایک زمانہ تک یادگار رہے گا۔‘‘ (دربار چشت اجمیر، طبع اجمیر، ص:۶۱،۶۰)

مولانا الحاج سید شاہ فرقان علی رضوی چشتی گدی نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف لکھتے ہیں:

’’اعلیٰ حضرت جب زیارت حرمین شریفین سے ہندوستان واپس تشریف لائے، تو بمبئی کی بندرگاہ سے سیدھے اجمیر شریف خواجۂ ہند کی بارگاہ میں حاضری دینے آئے۔ وابستگان واہل عقیدت کا ایک ہجوم اعلیٰ حضرت کو لے کر سب سے پہلے اپنے شہر یا اپنے قصبہ یا اپنے گھر کو ان کے وجود سے مشرف

کرنے کی سعادت حاصل کرنے کا اصرار کرتا رہ گیا۔مگر آپ نے سارے عقیدت مندوں کی عقیدت پر حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ اپنی عقیدت وشیفتگی کو ترجیح دی۔ چنانچہ وہاں کے عقیدت گذار وگدی نشین سید حسین علی رضوی اجمیری وکیل جاورہ، جو اعلیٰ حضرت کے وکیل دعا گو ومرید خاص بھی تھے۔انہوں نے اپنی مرتبہ کتاب، دربار چشت کے ص:۱۰ر پر لکھا ہے کہ یہ حاضری ایسی عقیدت ومحبت کی حامل تھی کہ ہم خدام آستانہ اور تمام مسلمانانِ اجمیر کے دلوں پر نقش کرگئی۔'' (ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف، دسمبر ۲۰۰۸ء ص:۲۲)

رضویات کے دیرینہ خدمت گار ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے لکھا ہے:

''امام احمد رضا ۱۹۰۴ء میں اپنے دوسرے حج وزیارت سے واپسی پر احمد آباد اور نوساری (سورت صوبہ گجرات) کا سفر کرتے ہوئے اجمیر شریف پہنچ کر بارگاہ خواجہ میں حاضر ہوئے۔حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے سرکار خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کی حاضری دی۔انہیں حضرت خواجہ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی۔ وہ سرکار خواجہ کے فیوض وبرکات، اختیارات وتصرفات اور کرمات بیان کرکے ان کی عظمت وبزرگی ظاہر کرتے ہیں۔مزار خواجہ کو مقاماتِ اجابت میں شمار کرتے ہیں۔انہیں سلطان الہند اور غریب نواز مانتے ہیں۔'' (ماہنامہ جہان رضا، لاہور، جنوری فروری ۲۰۰۰ء، ص:۳۷،۳۵)

شیدائے اعلیٰ حضرت علامہ سید محمد حسینی ناگپور لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت بریلوی کے قیام اجمیر مقدس کے دوران جمعہ مبارکہ پڑا۔اعلان ہوا کہ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت بریلوی درگاہ معلیٰ اجمیر مقدس میں مسجد شاہ جہانی کے اندر قبل جمعہ حضرت خواجۂ ہندوستان کی شانِ ولایت پر بیان فرمائیں گے۔اس جمعہ کو کئی گھنٹہ پہلے ہی نمازیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔یہاں تک مسجد عظمیٰ پوری بھرگئی اور آس پاس کی خالی جگہیں بھی بھر گئیں۔اعلیٰ حضرت کا حسب اعلان قبل جمعہ خواجۂ پاک کی عظمت پر وعظ شروع ہوا۔وعظ اتنا بصیرت افروز اور پُرمغز تھا کہ حاضرین جھوم جھوم اٹھے۔

انہیں میں شہنشاہ دکن میر عثمان علی صاحب نظام سابع حیدرآباد بھی موجود تھے۔وہ اعلیٰ حضرت کا بیان دل آفریں سن کر مچل اٹھے۔کافی تاخیر سے جمعہ ہوا۔اعلان ہوا کہ باقی بیان بعد نماز عشاء اسی مسجد

شاہ جہانی میں ہوگا۔لوگ خوشی سے جھوم اٹھے۔ چنانچہ بعد نماز عشا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے بیان شروع فرمایا۔ رات کا کافی حصہ گزر گیا۔مجمع کے اندر نظام حیدرآباد بھی بیٹھے سنتے رہے۔ چونکہ نظام حیدرآباد حضرت سیدنا خواجۂ پاک کے بہت زیادہ معتقد تھے۔عرس مقدس میں شریک ہوتے تھے۔اس کے علاوہ سال میں کئی بار اجمیر شریف حاضر ہوتے تھے۔انہوں نے اپنی عقیدت کی یادگار درگاہ معلیٰ میں ''نظام گیٹ'' کی صورت میں تعمیر کرکے ظاہر کیا۔جو آج بھی موجود ہے۔

نظام حیدرآباد اپنے مرکز عقیدت حضرت خواجۂ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت امام بریلوی کے دلائل وبراہین سے مزین پُر بیان سن کر جھوم اٹھے اور اعلیٰ حضرت کے معتقد ہوگئے۔ وعظ کے بعد نظام حیدرآباد اعلیٰ حضرت امام بریلوی قدس سرہٗ کی قیام پر حاضر ہوئے۔تمام حاضر باش لوگوں میں بلا امتیاز وہ خود بھی بیٹھ گئے۔ درمیان میں موقع پاکر نظام حیدرآباد نے اعلیٰ حضرت سے التجا کیا کہ حضور! میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: کہئے،تو نظام حیدرآباد نے عرض کیا کہ حضور! میری مملکتِ دکن کو اپنے وجود بافیض سے رونق بخشیے، میں آپ کی خدمت میں مملکت کے صدر الصدور کا عہدۂ جلیلہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ بالکل مظہرِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔آپ کے اتباع میں فرمایا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔نظام سکتے میں رہ گئے۔پھر تھوڑی دیر کے بعد یہی عرض کیا۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پھر یہی جواب دیا۔اسی طرح تین مرتبہ کہا۔اعلیٰ حضرت نے یہی جواب دیا۔بادشاہوں کا مزاج پل پل میں بدلتا رہتا ہے۔کبھی سلام پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالی پر انعام دیتے ہیں۔اسی شاہانہ مزاج سے متاثر ہوکر نظام حیدرآباد بھی متاثر ہوگئے۔'' (ثنائے حضرت خواجہ بزبان امام احمد رضا،از مفتی عابد حسین نوری،مطبوعہ رانچی۔ ۲۰۱۳ء،ص:۸،۷)

امام احمد رضا کا وصال، بارگاہ خواجہ میں فاتحہ سوم اور ایصال ثواب کی محفل کا انعقاد،مولانا سید شاہ غلام علی خادم آستانۂ عالیہ اجمیر معلیٰ رقم طراز ہیں:

''۲۵؍صفر مطابق ۲۸؍اکتوبر یوم جمعہ (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کو بوقت شب سید حسین علی صاحب ولد سید صدیق علی صاحب وکیل جناب نواب صاحب بہادر والی ریاست جاورہ ودرگاہ معلیٰ سرکار اعظم اجمیر شریف کے نام ایک تار مرسلہ حضرت قبلہ مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خان صاحب

بریلی سے آیا۔ جس میں تحریر تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہو گیا۔ اس حادثۂ ہوش ربا کو معلوم کر کے تمام مریدین و معتقدین کو جو اور جتنا رنج و الم ہوا۔ اس کا حال تو عالم الغیب ہی خوب جانتا ہے۔

اس حادثہ کی سب احباب کو اطلاع دی گئی اور سید حسین صاحب نے فاتحہ سوم کا انتظام کیا اور اول بروز اتوار ۲۸ ر صفر کو آستانۂ عالیہ حضور خواجۂ خواجگان سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازۂ جنوب، واقع دالان نواب ارکاٹ بعد نماز صبح قرآن خوانی ہوئی، جس میں صاحب زادگان و چند مدرسین وطلبہ مدرسہ معینیہ عثمانیہ و مدرسین معینیہ اسلامی ہائی اسکول شریک رہے۔ اس کے بعد ڈھائی بجے موافق قاعدۂ صاحبزادگان درگاہ معلیٰ ختم فاتحۂ سوم کے واسطے شرقی دروازہ درگاہ معلیٰ میں آ کر ختم کیا گیا، اس وقت صاحبانِ مذکورہ کے حضرت جناب سید نثار احمد صاحب قبلہ متولی درگاہ اور چند اشخاص مدرسہ حنفیہ صوفیہ و یتامیٰ اجمیر شریف بہ تعداد کثیر شریک تھے۔ بعد ختم تبرک تقسیم ہوا اور اس طرح اعلیٰ حضرت مجدد ماۃ حاضرہ مولانا مولوی شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فاتحۂ سوم سرکار اعظم شریف میں کی گئی۔" (ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رام پور، ۷ر نومبر ۱۹۲۱ء)

علامہ نور احمد قادری (اسلام آباد، پاکستان) اپنے دادا حاجی عبد النبی قادری رضوی (متوفی ۱۹۴۹ء کراچی) کی زبانی سنا ہوا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، یہ راوی حاجی عبد النبی قادری رضوی امام احمد رضا بریلوی کے مرید تھے اور یہ واقعہ امام احمد رضا بریلوی کے آخری ایام حیات کا ہے۔ علامہ نور احمد قادری لکھتے ہیں:

"ہوا یوں تھا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کی خانقاہ میں عرسِ غریب نواز کے موقع پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے دیوان صاحب کیا کرتے تھے، جس میں علما و فضلا دور دور سے آ کر وعظ سننے کے لیے شرکت کرتے تھے، بعض دفعہ دکن کے حکمران نظام دکن میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خاں بھی اس وعظ میں شریک ہوتے رہے، اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لیے بے شمار خلقت وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے اجمیر شریف عرسِ خواجہ غریب نواز میں حاضری کے لیے جانے لگے، تو ان کے ہمراہ دس گیارہ ان کے مریدین بھی تھے، انہیں میں ایک راقم الحروف کے استاد محترم مولانا شاہ عبد الرحمن قادری جے پوری تھے، جو اعلیٰ حضرت کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ

بھی، اور دوسرے خود راقم الحروف کے دادا محترم حاجی عبدالنبی قادری تھے، بقیہ اور حضرات تھے۔

دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کے لیے ''بی بی اینڈ سی آئی آر'' ریل چلا کرتی تھی۔ جب یہ ریل گاڑی ''پھلیرہ جنکشن'' پر پہنچتی، تو قریب قریب مغرب کا وقت ہوجاتا تھا 'پھلیرہ' اس دور کا بہت بڑا ریلوے جنکشن ہوا کرتا تھا، جہاں سانبھر، جودھ پور اور بیکانیر سے آنے والی گاڑیوں کا بھی کراس ہوا کرتا تھا۔ ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجمیر شریف جانے کے لیے اسی میل گاڑی کو پکڑتے تھے، اس لیے یہ میل گاڑی پھلیرہ اسٹیشن پر تقریباً چالیس منٹ ٹھہرا کرتی تھی، خود راقم الحروف نے بھی اس پارٹیشن (۱۹۴۷ء) سے قبل کے دور میں اجمیر شریف حاضری دینے کے لیے اسی گاڑی سے کئی بار سفر کیا، اور پھلیرہ جنکشن کا حال دیکھا۔

بہر کیف! جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے، تو پھلیرہ جنکشن پر پہنچتے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، اعلیٰ حضرت نے اپنے ساتھ والے مریدین سے فرمایا کہ نماز مغرب کے لیے جماعت پلیٹ فارم پر ہی کرلی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھادی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا، انہوں نے تازہ وضو کرلیا۔ اعلیٰ حضرت ہر وقت باوضو رہتے۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے، اور امامت کے لیے آگے بڑھے اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں۔ ان شاء اللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی۔ جب تک کہ ہم لوگ نماز پورے طور سے ادا نہیں کرلیتے ہیں، آپ لوگ قطعاً اس بات کی فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں۔

یہ فرما کر اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھنا شروع کردی۔ مغرب کے فرض کی جب ایک رکعت ختم کر چکے، تو ایک دم گاڑی نے وہسل (Whistle) دے دی، پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر گاڑی میں سوار ہو گئے۔ مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی۔ دوسری رکعت میں مغرب کے فرض کی ہو رہی تھی کہ گاڑی نے اب تیسری اور آخری وہسل بھی دے دی۔ مگر ہوا کیا کہ ریل کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا۔ میل (Mail) گاڑی تھی۔ کوئی معمولی پسنجر گاڑی نہ تھی، اس لیے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ گاڑی آگے نہیں جاتی؟ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

انجن کو ٹیسٹ کرنے کے لیے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف ڈھکیلا، تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی۔ انجن بالکل ٹھیک تھا۔ مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف ڈھکیلتا، تو انجن رک جاتا تھا۔

آخر اتنے میں اسٹیشن ماسٹر جو انگریز تھا، اپنے کمرے سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا اور اس نے ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو، آیا چلتا ہے یا نہیں؟۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا، تو بخوبی پوری رفتار سے چلا، کوئی بھی خرابی اس میں نظر نہ آئی۔ مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا، تو وہ پھر اسی طرح جام ہو گیا اور ایک انچ بھی آگے کو نہ چلا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا؟

اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا، جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کرو تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑو، تو بالکل پٹری پر جام ہو کر رہ جاتا ہے؟ وہ گارڈ مسلمان تھا، اس کے ذہن میں بات آ گئی۔ اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے ہیں، کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔

اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتے، یہ گاڑی مشکل ہے کہ چلے۔ یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے۔ بس اب ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔

اسٹیشن ماسٹر کو یہ بات سمجھ میں آ گئی اور وہ کہنے لگا کہ بلا شبہ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ نماز میں اعلیٰ حضرت کا اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراق عبادت اور خشوع و خضوع کا یہ روح پرور منظر دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی۔ مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔

غرض اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے سلام پھیرا اور باآواز بلند درود شریف پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف ہو گئے۔ جب یہ دعا سے فارغ ہوئے، تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر

(انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ: حضرت! ذرا جلدی فرمائیں۔ یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیتِ عبادت کے سبب چل نہیں رہی ہے۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ:

'بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے اور ان شاء اللہ پھر گاڑی چلے گی، آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے، کوئی بھی سچا مسلمان نماز قضا نہیں کرسکتا، نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، فرض کو کیسے چھوڑا جائے؟ گاڑی ان شاء اللہ نہیں جائے گی، جب تک ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے'۔

اسٹیشن ماسٹر پر اسلام کی روحانی ہیبت طاری ہوگئی۔ اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین نے سکون کے ساتھ جب نماز پورے طور پر ادا کرلی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے، تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا کہ: ان شاء اللہ اب گاڑی چلے گی۔ ہم سب لوگ نماز سے فارغ ہوگئے۔

یہ کہا اور مع اپنے سب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ اسٹیشن ماسٹر نے اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا۔ مگر اس واقعۂ کرامت کا اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بہرکیف! گاڑی کے ساتھ اعلیٰ حضرت اور ان کے یہ چند مریدین تو اجمیر شریف روانہ ہوگئے۔ مگر اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا، رات بھر وہ اسی غور وفکر میں رہا۔ اس کو نیند نہ آئی۔ صبح اٹھا، تو چارج اپنے ڈپٹی کے حوالے کرکے اپنے افرادِ خاندان کے ساتھ حاضری کے لیے اجمیر شریف کو چل پڑا۔ تاکہ وہاں درگاہِ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہوکر اعلیٰ حضرت کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرے۔

جب اجمیر شریف پہنچا، تو دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز وعظ ہو رہا ہے۔ وہ وعظ میں شریک ہوا۔ بیان سنا اور جب وعظ ختم ہوا قریب پہنچ کر اس نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چوم لیے اور عرض کیا کہ: جب سے آپ پھلیرہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہوئے ہیں۔ میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا۔

آخر اپنے افرادِ خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہوگیا ہوں اور اب آپ کے دست مبارک پر

اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت کا یقین کامل ہو گیا ہے اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ہزار ہا زائرین دربار خواجہ غریب نواز کے سامنے اس انگریز کو اور اس کے نو افرادِ خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوث پاک کے نام پر عبد القادر رکھا، اس کا انگریزی نام رابرٹ (Robert) تھا اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا۔ آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلۂ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ:

''ہمیشہ اتباعِ سنت کا خیال رکھنا، نماز کسی وقت نہ چھوڑنا، نماز روزہ کی پابندی بہت ضروری ہے اور جب موقع ملے، تو حج پہ بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور ہمیشہ خدمتِ دین کا خیال رکھنا۔ اس لیے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ اب اپنے وطن بھی جب جاؤ، تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ اب خود بھی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے تمام افراد خاندان کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دلواؤ۔

غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا اور اپنی عارفانہ جنبشِ نگاہ سے اس کے شیشۂ دل کو عشق رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عطر سے بھر کر اس کی روح تک کو مہکا دیا۔ وہ اسلام کا شیدا و وارفتہ ہو گیا۔

اس انگریز کے اس قبول اسلام کا یہ واقعہ اس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا۔ اس لیے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا انگریز نہ تھا، بلکہ ایسے گھرانے کا فرد تھا۔ جس کے بہت سے افراد ہندوستان میں اور اسی طرح انگلستان میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے۔ اہل علم اور باوقار لوگ تھے اور عیسائی مشن کی بڑی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ اس انگریز کے مع افرادِ خاندان مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے جرگہ میں ہل چل پڑ گئی۔

مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس جل گئی، یعنی گورے گھبرا گئے۔ ان کے پادری بوکھلا گئے۔ یہ کیا کم انقلابی واقعہ تھا؟۔ پھر اس نومسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا، زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ

گیا اور وہاں جا کر اسلام کی خدمت کے لیے وقف ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبش نگاہ نے اس کی ساری کایا پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کر کے کام کا آدمی بنا دیا، منزل پر پہنچا دیا اور اس کو ملتِ اسلامیہ کا مستحکم ستون بنا دیا۔'' (سالنامہ 'معارف رضا' کراچی، مطبوعہ ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء، ص: ۱۵۷، تا ۱۶۱، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی)

☆......☆......☆





شہرِ مرادِ دِلی: دِہلی

☆......حضرتِ دہلی، بائیس خواجاؤں کی چوکھٹ پہ اعلیٰ حضرت حاضر ہورہے ہیں۔ ربیع الاول کا ماہِ مبارک ہے۔ ۱۳۰۲ھ ہے۔ بالکل عالمِ شباب ہے۔ عمر رواں کی تیسویں بہار ہے۔ سلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانۂ پاک کی حاضری مقصود ہے۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

'اما بعد! گدائے سرکارِ غوثیہ، سگِ کوئے قادریہ عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ اس کا حشر سگانِ مولیٰ میں فرمائے) عرض پرداز ہے کہ فقیر نے ماہ مبارک ربیع الآخر ۱۳۰۲ھ میں سراپا طہارت، حضور پرنور، صاحبِ فضلِ بلند، سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی علیہ الرضوان الغیر المتناہی (ان پر رب کی بے پایاں رضا متوجہ ہو) کی زیارت کے قصد سے بریلی سے شدِ رحال (سفر) کرکے بارگاہِ غیاث پور کی خاک بوسی کی۔ تین دن بعد وہاں سے واپس آکر شاہ جہاں آباد دہلی میں قیام کا عزم کیا'۔ [قصیدہ اکسیر اعظم مع ترجمہ، طبع بمبئی ۲۰۱۲ء ص: ۱۰۹، ۱۱۰]

☆......ایک حسین خواب اور اس کی حسین تعبیر، تربتِ خواجہ کی خاک پاک نے بیمار آنکھ اچھی کر دی۔ اعلیٰ حضرت تحریر کرتے ہیں:

'اس سے دو سال قبل میری داہنی آنکھ میں کثرتِ مطالعہ کے باعث کچھ ضعف آ گیا تھا۔ دل نے کہا، آنکھ کی شفا صفا کی امید پر دوائے چشم کے لئے طبیبوں کے پاس رجوع کیا جا سکتا ہے۔ میں نے دل کا مشورہ قبول کر لیا۔ لیکن چالیس دن تک پہاڑ کھودا۔ سوکھی گھاس بھی ہاتھ نہ آئی [کوئی چوہیا بھی نہ ملی]۔ سلطان المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضلِ راسخ کی جانب توجہ کی۔ از راہِ محبت وشوق حضرت کی مدح میں چند اشعار لکھے۔ رات کے وقت جب سر تکیے سے لگایا، نیند آ گئی۔ اب خواب مجھے کس دروازے سے اور کس بارگاہ میں لے گیا۔ [وہ سنئے]:

ایک رنگین جنت نشان مقام ہے۔ جس کے جنوب میں مسجد ہے اور شمال میں ایک درگاہ

ہے۔ بختِ رسا کے ہمراہ جب وہاں پہنچا۔ تو اس احاطے میں تین تربتیں نظر آئیں۔ قبلہ کی جانب حضرتِ کارساز غریب نواز سلطان الہند وارثِ نبی قدس سرہ العلی کا مزار باامتیاز ہے۔ اس کے پیچھے ایک ہاتھ کے فاصلے پر ایک ایسے چاند کی منزل ہے، جس کی تابندگی سورج کی طرح ہے۔ جیسے آفتاب اور وقتِ چاشت اور چاند جب سورج کے پیچھے آئے، یعنی درجات بخشنے والے صاحبِ برکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی رَوَّحَ روحۃ الملک القوی کا مخزنِ برکات مرقدِ مبارک ہے۔ اس کی پشت پر ایک اور قبر ہے، جسے میں پہنچان نہ سکا۔ سرِ عقیدت کو قدم بنایا۔ جب پہنچنے کے قریب ہوا، تو دیکھا کہ پہلے خواجۂ بزرگ کا مزار ہے۔

میں پائینتانے بیٹھ گیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ مرقد کا بالائی حصہ چاک ہوتا ہے اور حضرتِ خواجہ اس کے اوپر قبلہ رو آرام فرما ہیں۔ چشمِ مبارک کھلی ہوئی ہے۔ قوی، تناور، دراز قامت شخصیت ہے۔ رنگ سرخ ہے۔ ساتھ ہی ایک دبدبہ اور شوکت و دلیری بھی عیاں ہے۔ آنکھیں کشادہ، ڈاڑھی کے بال سیاہ و سفید، عیب سے دور، محاسن سے بھرپور، ذاتِ مبارک ہے۔ بے خود ہو کر دوڑا اور اپنے آپ سے بڑھ گیا۔ وہ خاکِ پاک، جو مزار کے چاک ہونے سے برآمد ہوئی تھی، چہرے اور آنکھ پر لگائی۔ پھر کیا تھا، اپنے خوش قسمتی پر ناز کرنے لگا اور سورۂ کہف کی تلاوت شروع کر دی۔

دروازۂ مسجد کے پاس چند مجاور میری تلاوت پر ترش رو ہو گئے کہ نماز کا وقت ہے اور اس شخص نے تلاوت کا باب کھول دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا، سبحان اللہ! ایک بندہ ایک خواجہ کے سامنے تلاوت میں مصروف ہے۔ ان کے دل پر کیوں گراں گذر رہا ہے۔ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ حضرتِ خواجہ قدس سرہ کے لبِ اقدس پر تبسم کی شیرینی نمایاں ہو جاتی ہے۔ گویا مجھے اشارۃً فرما رہے ہیں کہ انہیں چھوڑ دو۔ تم پڑھو اور خبردار اے فقیر! ان کی بات کا کچھ خیال نہ کرنا۔ اس التفات کی حلاوت نے میرے دل سے ان ترش رویوں کے انکار کی تلخی مٹا دی۔

اب مجھے یاد نہیں کہ: رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّ ھَیِّیٔ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا [سورۂ کہف آیت نمبر ۱۰] تک پہنچا تھا یا: یَنۡشُرۡ لَکُمۡ رَبُّکُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِہٖ وَ یُھَیِّیٔ لَکُمۡ مِّنۡ اَمۡرِکُمۡ مِّرۡفَقًا، تک کہ میری آنکھ کھل گئی اور وہ باب بند ہو گیا۔ بحمد اللہ اُدھر یہ خواب دیکھا اور اِدھر مرض

میں نمایاں تخفیف ہوئی۔ میں نے کہا، یہ اس پاک تربت کی خاک ملنے کی برکت ہے اور حضرتِ خواجہ کی بندہ نوازی اور محبوبِ الٰہی کی مدحت کی بدولت ہے'۔قصیدہ اکسیر اعظم مع ترجمہ، طبع بمبئی ۲۰۱۲ء ص ۱۱۰ تا ۱۱۴]

☆...... جوشِ مستانہ، صدائے رندانہ، قصیدہ 'اکسیر اعظم' قصائد کا شاہکار نمونہ، اعلیٰ حضرت رقم کرتے ہیں:

'میرا دل جوش میں آیا اور صدا لگایا کہ اے شخص! تو نے آنکھ سے دیکھ لیا اور آنکھ پر آزمالیا۔تو کوئی پتھر ہی ہوگا، اگر اب بھی تیرے یقین میں اضافہ نہ ہوا۔سن! اِدھر آ کہ اس سے اہم مدح کی طرح ڈالیں اور کوئے غوثیت کی خاک پر جاں نثار کردیں۔اس کے بعد یہ قصیدہ مبارکہ، جسے جانِ برادر حسن رضا خان حسنؔ صین عن الحن [مصیبتوں سے محفوظ رہیں] نے تاریخی نام 'اکسیر اعظم' ۱۳۰۲ھ سے موسوم کیا، بہت کم وقت میں تیار ہوکر میرے لئے فرحت بخش ہوگیا۔درگاہِ بے کس پناہ قادریت جاہ علیہ رضوان اللہ سے حسنِ قبول مطلوب اور متوقع ہے'۔[قصیدہ اکسیر اعظم مع ترجمہ، بطع بمبئی ۲۰۱۲ء ص: ۱۱۴]

☆......اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔مفتیٔ اعظم علیہما الرحمہ لکھتے ہیں:

'میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرتِ محبوبِ الٰہی کی درگاہ میں حاضر ہوا۔احاطہ میں مزامیر وغیرہ کا شور مچا ہوا تھا۔طبیعت منتشر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا: حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔اس شور وشغب سے مجھے نجات ملے۔جیسے ہی پہلا قدم روضۂ مبارک میں رکھا ہے کہ معلوم ہوا، سب یک دم چپ ہو گئے۔ میں سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہو گئے۔قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا۔پھر وہی شور وغل تھا۔پھر اندر قدم رکھا۔پھر وہی خاموشی۔معلوم ہوا کہ سب حضرت کا تصرف ہے۔ یہ بیّن کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی۔ بجائے حضرتِ محبوبِ الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامِ مبارک کے یا غوثاہ! زبان سے نکلا۔ وہیں میں نے 'اکسیر اعظم' قصیدہ بھی تصنیف کیا'۔[الملفوظ ۳/ ۵۹، ۶۰]

☆......ملک العلما حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی نقل کرتے ہیں:

'حضرتِ محبوبِ الٰہی کا لقب 'زربخش' بھی ہے۔حضرت کی بخشش کی یہ حالت تھی کہ بادشاہ

کے یہاں سے بڑے بڑے قیمتی جواہرات کے خوان لا کر رکھے گئے۔ ایک صاحب حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کی: اَلْہَدَ ایاَ مُشْتَرَ کَۃ، یا حضرت! ارشاد فرمایا: اما تنہا خوشتر، فرما کر سب ان کو دے دیئے‘۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۸۲۰]

☆......رازدارِ رضویات حضرت سید ایوب علی رضوی بیان کرتے ہیں:

’آپ [اعلیٰ حضرت] عالمِ شباب میں ایک مرتبہ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں وہابیہ سے مناظرہ چھڑ گیا۔ یہ تنہا اور اس طرف سارا وہاب گڑھ۔ جب علمی دلائل سے مقہور و مغلوب ہوئے اور کچھ بن نہ پڑا۔ تو جھوٹا مقدمہ فوجداری دائر کر دیا۔ اس وقت حضور اقدس [اعلیٰ حضرت] کے قلبِ اطہر پر اس قسم کا خیال آیا کہ میں تنہا ہوں اور ان کی ساری جماعت ہے۔ اپنا وطن ہوتا، تو پیروی میں سہولتیں ہوتیں۔ اسی فکر و تردد میں وہ شب آ گئی۔ جس کی صبح کو مقدمہ کی پیشی تھی۔ حضور نے سرکارِ ابد قرار تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا اور دل ہی دل میں عرض کیا کہ سرکار! میری لاج رکھ لیجئے۔ میں نے تو حضور کی عزت و وقعت کی خاطر دخل دیا تھا۔ حضور پر سب کچھ روشن ہے۔ میں یہاں وطن سے دور تنہا پڑا ہوا ہوں۔ سوائے حضور کے کوئی میرا معین و مددگار نہیں ہے۔ حضور! کرم فرمائیں اور دشمنوں کو نیچا دِکھائیں۔ حضور [اعلیٰ حضرت] فرماتے تھے کہ میں دل سے یہ کہہ رہا تھا اور میری آنکھوں سے اشک جاری تھے کہ دفعۃً مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے میرے رخسارہ پر اپنا رخسارہ رکھا۔ جس کی ٹھنڈ مجھے محسوس ہوئی اور یہ غیبی آواز میں نے سنی: تیرے اعداء میں رضا کوئی منصور نہیں۔ اس وقت میرا قلب بعونہ تعالیٰ مطمئن ہو گیا۔ چنانچہ صبح کچہری کھلتے ہی مقدمہ خارج ہو گیا۔ وہابیہ وہاں سے بھی خائب و خاسر پھرے‘۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۲۲۰، ۲۲۱]

☆......شاہکارِ رضا ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

’اسی کے قریب ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا۔ حضور [اعلیٰ حضرت] کسی مسجد میں نماز پڑھ کر وظیفے میں مشغول تھے کہ ایک صاحب نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے اور حضور کے قریب ہی نماز پڑھنے لگے۔ جب قیام کیا، تو دیوارِ مسجد کو تاکتے رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، تو اس وقت تک اعلیٰ حضرت بھی وظیفے سے فارغ ہو چکے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان کو پاس بلا کر مسئلہ

بتایا کہ نماز پڑھنے میں کس کس حالت میں کہاں کہاں نگاہ ہونی چاہیئے اور فرمایا: بحالتِ رکوع پاؤں کی انگلیوں پر نگاہ ہونی چاہیئے۔ یہ سن کر وہ قابو سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے کہ واہ صاحب! بڑے مولانا بنتے ہیں۔ میرا منہ قبلہ سے پھیرے دیتے ہیں۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ ہونا ضروری ہے۔ یہ سن کر اعلیٰ حضرت نے ان صاحب کی سمجھ کے مطابق کلام فرمایا اور دریافت کیا: تو سجدہ میں کیا کیجیئے گا؟۔ پیشانی زمین پر لگانے کے بجائے ٹھوڑی زمین پر لگایئے گا؟ یہ چبھتا ہوا فقرہ سن کر بالکل خاموش ہوئے اور ان کی سمجھ میں بات آ گئی کہ قبلہ رو ہونے کے یہ معنی ہیں کہ قیام کے وقت، نہ کہ از اول تا آخر قبلہ کی طرف منہ کر کے دیوارِ مسجد کو تا کا کرے'۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۳۰۵]

☆......قصیدہ 'اکسیرِ اعظم' غوثِ اعظم کی مدح وثنا میں ہے۔ یہ قصیدہ ایک سو گیارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ جو فارسی زبان وادب کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ قصیدہ کلامِ اعلیٰ حضرت 'حدائقِ بخشش' حصہ دوم، ص:۱۰۸ر تا تا ۱۲۲ر پر موجود ہے۔ یہ قصیدہ 'کشکولِ قادری' کے عرفی نام سے بھی مطبع جماعت اہلِ سنت بریلی سے شائع ہوا تھا۔ یہ نسخہ خاکسار کی لائبریری میں ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں یہ کلام تیار ہوا تھا۔ ۱۳۰۳ھ میں اعلیٰ حضرت نے اس کی شرح 'مجیرِ معظم' کے نام سے خود ہی لکھی۔ مگر یہ شرح اب تک غیر مطبوع تھی۔ جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین علامہ محمد احمد مصباحی نے اصل قصیدہ اور اس کی شرح کا اردو ترجمہ کیا ہے اور 'تابِ منظم' ۱۴۳۳ھ نام رکھا۔ جو کوئی ایک سو تیس برس بعد ۲۰۱۲ء میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی مرحوم رضویات کے بزرگ قلمکار تھے۔ انہوں نے بارگاہِ محبوبِ الٰہی میں اعلیٰ حضرت کی حاضری اور ان کی تعلیمات وافکار پر ایک مضمون لکھا تھا، جو ماہ نامہ 'جہانِ رضا' لاہور جنوری فروری ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا، ص:۲۹ر تا ۵۰ر ملاحظہ ہو۔ اسی طرح ابھرتے قلمکار مولانا توفیق احسن برکاتی نے ایک مضمون لکھا ہے، یہ مضمون دراصل ماہ نامہ 'سنی دعوتِ اسلامی' بمبئی شمارہ جون ۲۰۱۳ء میں بصورتِ اداریہ شائع ہوا ہے۔ جس میں مولانا برکاتی نے قصیدہ 'اکسیرِ اعظم' اور اس کی شرح 'مجیرِ معظم' اور اس کا اردو ترجمہ 'تابِ منظم' کا تعارف کرایا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی متعدد تحریروں میں حضرتِ محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر جا بہ جا کیا ہے۔ سب کو جمع کرنے اور ترتیب دینے سے ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ہم نے یہاں صرف سفر اور حالاتِ سفر ہی درج کئے

ہیں۔

☆......اعلیٰ حضرت کے والدِ گرامی خاتم المحققین شاہ نقی علی خان کی آدابِ دعا پر ایک مستقل کتاب ہے۔جس کا نام 'احسن الوعا لآداب الدعا' ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 'حسنی پریس' بریلی سے چھپی تھی۔ دوسری بار اگست ۱۹۷۳ء میں سنی باب الاشاعت کاغذی بازار کراچی سے شائع ہوئی تھی۔ تیسری مرتبہ 'المجمع الاسلامی' مبارک پور نے چھاپی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کتاب کی جو شرح تحریر فرمائی ہے، وہ 'ذیل المدعا لاحسن الوعا' کے نام سے معروف ہے۔ اس کتاب کے ص:۵۸/ پر درگاہِ محبوبِ الٰہی میں اعلیٰ حضرت کی حاضری کا ذکر ہے۔ جس میں تاج الفحول شاہ محمد عبدالقادر بدایونی اور خاتم المحققین شاہ نقی علی خان کی معیتِ مبارکہ کا بھی تذکرہ ہے۔ حاضری کی تاریخ ۱۷/ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ درج ہے۔ واقعہ وہی قوالی کی آواز بند ہونے اور شروع ہونے کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے بارگاہِ محبوبِ الٰہی میں کم از کم دو بار حاضری دی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: [ذیل المدعا لاحسن الوعا، طبع کراچی، ۱۹۷۳ء ص:۵۸/]

☆......واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ رقم طراز ہیں:

'سترہویں شب ماہِ فاخر ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ میں کہ فقیر کو اکیسواں سال تھا۔ اعلیٰ حضرت مصنفِ علام سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد وحضرتِ محب الرسول جناب مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب قادری بدایونی دامت برکات العالیہ کے ہمراہِ رکاب حاضرِ بارگاہِ بے کس پناہ حضور پرنور محبوبِ الٰہی نظام الحق والدین سلطان الاولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم ہوا۔......دونوں حضراتِ عالیہ اپنے قلوبِ مطمئنہ کے ساتھ حاضرِ مواجہہِ اقدس ہوکر مشغول ہوئے۔ اس فقیر بے توقیر نے ہجومِ شور وشر سے خاطر پریشاں پائی۔ دروازہ مطہرہ پر کھڑے ہوکر حضرتِ سلطان الاولیا سے عرض کی کہ: اے مولیٰ! غلام جس کے لئے حاضر ہوا۔ یہ آوازیں اس میں خلل انداز ہیں۔ (لفظ یہی تھے یا ان کے قریب، بہرحال مضمونِ عریضہ یہی تھا) یہ عرض کر کے بسم اللہ کہہ کر داہنا پاؤں دروازۂ حجرۂ طاہرہ میں رکھا۔ بعونِ ربِّ قدیر وہ سب آوازیں دفعۃً گم تھیں۔ مجھے گمان ہوا کہ یہ لوگ خاموش ہو رہے۔ پیچھے پھر کر دیکھا، تو وہی بازار گرم تھا۔ قدم کہ (اندر) رکھا تھا، باہر ہٹایا۔ پھر آوازوں کا وہی جوش پایا۔ پھر بسم اللہ کہہ کر داہنا پاؤں اندر رکھا، بحمد اللہ پھر ویسے ہی کان ٹھنڈے تھے۔

اب معلوم ہوا کہ یہ مولیٰ کا کرم اور حضرتِ سلطان الاولیا کی کرامت اور اس بندۂ ناچیز شکرِ الٰہی بجالایا اور حاضرِ مواجہۂ عالیہ ہو کر مشغول رہا۔ کوئی آواز نہ سنائی دی۔ جب باہر آیا، پھر وہی حال تھا کہ خانقاہِ اقدس کے باہر قیام گاہ تک پہنچنا دشوار ہوا۔ فقیر نے اپنے اوپر گذری ہوئی گذارش کی کہ اول تو وہ نعمتِ الٰہی تھی اور رب عزوجل فرماتا ہے: وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ۔ اپنے رب کی نعمتیں لوگوں سے خوب بیان کرو۔ مع ہٰذا اس میں غلامانِ اولیائے کرام کے لئے بشارت اور منکروں پر بلا و حسرت ہے۔ الٰہی! صدقہ اپنے محبوبوں کا۔ ہمیں دنیا و آخرت و قبر و حشر میں اپنے محبوبوں کے برکات بے پایاں سے بہرہ مند فرما، آمین۔

[ذیل الدعا لاحسن الوعا، طبع کراچی، ص: ۶۰، ۶۱]



قصبۂ متبرکہ: مارہرہ مطہرہ

مارہرہ مطہرہ، یہ وہ مقدس مقام ہے، جو علما، عرفا، صوفیا، صلحا کے دل کی دھڑکن ہے۔ شاہانِ وقت بھی یہاں سر کے بل حاضری دینا فخر سمجھتے تھے۔ یہی جگہ، جو اعلیٰ حضرت کا پیر خانہ ہے، امام احمد رضا کے قلب و نظر کا قبلہ و کعبہ تھی۔ آپ یہاں کب اور کیسے پہنچے، ۱۲۹۴ھ سے پہلے حاضری کا سراغ نہیں ملتا۔ یہ صرف میری معلومات کی حد تک ہے۔ ۱۲۹۴ھ سے حاضری کی متواتر روائتیں دستیاب ہیں۔ کتنی دفعہ یہاں حاضری ہوئی ہے، حتمی تعداد کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ متعدد بار حاضری دی ہے اور کبھی پا پیادہ اور ننگے پاؤں بھی حاضر ہوئے ہیں۔ یہ تو جسم و جسد کی حاضری تھی۔ ورنہ جان و دل کی حاضری ہمہ وقت ہوتی رہتی تھی۔ تصورِ شیخ میں وہ اتنے محو اور مگن تھے۔ بس جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی، کے مصداقِ اتم تھے اور پیر بھی کیسا، جو امام احمد رضا کو آخرت کی پونجی، سامانِ اخروی اور پیشِ پروردگار حاضر کرنے پر فخر و مباہات فرماتے تھے۔

وہ عرش آشیاں، وہ خلد آشیاں، وہ شاہانِ بے تاج، جن کی بارگاہیں منگتوں کی امید گاہیں ہیں۔ داتاؤں کی نگری ہے۔ آنکھیں بند ہیں۔ لب وا ہیں۔ جھولیاں پھیلی ہیں۔ دینے والا نظر

نہیں آتا، مگر دامن بھر جاتا ہے۔ آنکھیں سیر ہوتی ہیں۔ دل شاد ہوتا ہے۔ روتا منہ آیا تھا، ہنستا منہ جاتا ہے۔ چہرہ پسورتا ہوا آیا تھا، مسکراتا مکھڑا جاتا ہے۔ دامن پسار کر آیا تھا، اتنا ملتا ہے کہ دامن تنگ پڑ جاتا ہے۔ آیا تھا، تو گناہوں سے لت پت تھا، پلٹتا ہے، تو پاک پوتر ہو کر پلٹتا ہے۔ آہ! یہ کیسی داتا نگری ہے۔ یہ کیسی دیالو بستی ہے۔ آیئے وقت کے مجدد امام احمد رضا کی حاضریوں اور پیشیوں پر ایک نظر ڈالئے۔

☆......ڈاکٹر ایوب قادری [کراچی] لکھتے ہیں:

'۱۲۹۴ھ میں فاضلِ بریلوی اور مولانا نقی علی خان بدایوں حضرت مولانا محبِ رسول عبد القادر بدایونی کے پاس تشریف لائے اور پھر اکابرِ علمائے بدایوں حضرتِ شاہ اچھے میاں مارہروی کے عرس میں شرکت کے لئے مارہرہ پہنچے۔ مولانا عبد القادر بدایونی کی تحریک وتعارف پر حضرت فاضلِ بریلوی اور ان کے والد حضرت مولانا نقی علی خان حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی زیبِ سجادۂ درگاہِ عالیہ مارہرہ شریف سے بیعت ہوئے'۔ [سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی، ۱۹۹۳ء ص:۱۹۰]

☆......ڈاکٹر ایوب قادری نے دیدہ نہیں، شنیدہ لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی سنئے، جو داخلی شہادت ہے۔ صحیح اور ثقہ ہے۔ اپنے جدِ امجد شاہ رضا علی خان بریلوی کا ذکرِ جمیل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

'ایک دن میں روتا ہوا دوپہر کو سو گیا۔ دیکھا [خواب میں] حضرتِ جدِ امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا فرمائی اور فرمایا: عنقریب آنے والا ہے وہ شخص، جو تمہارے دردِ دل کی دوا کرے گا۔ دوسرے یا تیسرے روز حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ شریف لے گئے۔ وہاں جا کر شرفِ بیعت حاصل کیا'۔

[الملفوظ، طبع بریلی، ص:۶۸ وحیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۴۲۶]

☆......اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اپنے والدِ کریم شاہ نقی علی خاں کے احوالِ حیات رقم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'۵/جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ کو مارہرہ شریف میں دستِ حق پرست حضرتِ آقائے نعمت دریائے رحمت سید الواصلین سند الکاملین قطب اوانہ وامام زمانہ حضور پرنور سیدنا ومرشدنا

مولانا وماوانا ذخری لیومی وغدی حضرتِ سیدنا سید شاہ آلِ رسول احمدی تاجدارِ مسندِ مارہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وافاض علینا من برکاتہ وعمائہ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضور پیر ومرشد نے مثالِ خلافت واجازت جمیع سلاسل وسندِ حدیث عطا فرمائی۔ یہ غلام ناکارہ بھی اسی جلسہ میں اس جناب [والد ماجد] کے طفیل ان برکات سے شرف یاب ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین'۔ [تفسیر سورۂ الم نشرح از نقی علی خان، طبع دہلی]

☆......اعلیٰ حضرت اپنے مرشدِ گرامی کا ذکر اپنی کتاب 'الاجازۃ المتینۃ' میں یوں کرتے ہیں:

'میں اپنے مولیٰ، اپنے مرشد، اپنے سردار سے راوی ہوں، جو میرے لئے سہارا بھی ہیں اور خزانہ بھی اور دنیا وآخرت میں ذخیرہ بھی، جو شریعت وطریقت کے جامع ہیں اور پاک لوگوں کی دونوں جماعتوں عالموں، عارفوں کے مرجع بھی، جن کی توجہ اصاغر کو اکابر بنا دیتی ہے، یعنی سیدنا الشاہ آلِ رسول احمدی رضی اللہ عنہ بالرضا السرمدی'۔ [الاجازۃ المتینۃ، مشمولہ رسائلِ رضویہ، ادارہ اشاعتِ تصنیفاتِ رضا، بریلی، ص:۱۸۱]

☆......مشہور محقق ومصنف علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری نقل کرتے ہیں:

'حضرتِ پیر ومرشد [شاہ آلِ رسول] اس بیعت کے چند روز پہلے ہی سے یوں نظر آرہے تھے، جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں اور جب یہ دونوں حضرات [شاہ نقی علی واعلیٰ حضرت] وہاں پہنچے، تو بشاش ہو کر فرمایا: تشریف لایئے۔ آپ کا تو بڑا انتظار ہو رہا تھا'۔ [سیرتِ امام احمد رضا، طبع لاہور، ۱۹۹۵ء ص:۴]

☆......حضرتِ سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں، جو رازدارِ درونِ خانہ بھی ہیں، ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

'تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی قدس سرہ العزیز نے فقیر سے بیان فرمایا کہ مولانا نقی علی خان صاحب والد ماجد حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے اپنی بیعت کے ارادے کا اظہار فرمایا۔ اس سے پہلے حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بہ خیالِ بیعت مولانا فضلِ رحماں صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا چکے تھے اور وہاں سے کسی وجہ سے واپس آچکے تھے۔ مولانا بدایونی نے مولانا نقی علی خان صاحب کو یہ جواب دیا

کہ:

'آپ امر بیعت میں مجھ پر اعتماد رکھتے ہیں، تو جس جگہ مناسب جان کر میں آپ کو بیعت کرا دوں، وہاں منظور کر لیجئے'۔

مولانا بریلوی کی طرف سے اس پر رضا مندی ہونے پر مولانا بدایونی، مولانا نقی علی خان صاحب، مولانا احمد رضا خان صاحب اور مرزا عبد القادر بیگ صاحب کو ہمراہ لے کر مارہرہ تشریف لائے۔ چوں کہ مولانا نقی علی خان صاحب نے فرمایا کہ میں بغیر تجدیدِ غسل کئے ہوئے خانقاہِ برکاتیہ میں حاضر نہ ہوں گا۔ لہٰذا سب حضرات پہلے مارہرہ میں ایک سرائے میں جا کر فرو کش ہوئے۔ مگر سرائے کے راستے میں سواری کا یکہ الٹ گیا اور مولانا نقی علی خان صاحب کو چوٹ لگی۔ پھر اسی حالت میں انہوں نے نہا دھو کر کپڑے پہنے اور سب حضرات خانقاہ برکاتیہ میں تشریف لائے اور فقیر ہی کے مکان موسوم بہ 'مدرسہ' پر، جو درگاہِ معلّٰی برکاتیہ کے دروازے کے سامنے تھا اور اس وقت ٹوٹا پڑا ہے، فروکش ہوئے۔ فقیر کے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد صادق صاحب و برادرِ مکرم حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہما بھی ان دنوں مارہرہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ اسی دن ظہر کے وقت مولانا بدایونی، مولانا نقی علی خان صاحب اور مولانا احمد رضا خان صاحب اور مرزا عبد القادر بیگ صاحب کو ہمراہ لے کر حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آلِ رسول صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ فقیر اور فقیر کے والد ماجد اور میاں صاحب بھائی مرحوم بھی ہمراہ گئے۔

حضرت خاتم الاکابر نے پہلے مولانا نقی علی خان صاحب، پھر مولانا احمد رضا خان صاحب، پھر مرزا عبد القادر بیگ صاحب کو داخلِ سلسلۂ علیہ قادریہ جدیدہ فرمایا۔ پھر حضور کی جانب سے ایما ہونے پر کہ مولانا نقی علی خان صاحب اور مولانا احمد رضا خان صاحب کو خلافت بھی دے دی جائے۔ حضرت میاں صاحب بھائی نے اپنے جدِ امجد حضرت خاتم الاکابر کی خدمت میں اس کے لئے بھی عرض کیا اور جلسہ میں حضرت نے خلافت و اجازت جملہ سلاسل و اسناد و تبرکاتِ خاندان علیہ عالیہ قادریہ برکاتیہ سے بھی مولانا نقی علی خان صاحب اور مولانا احمد رضا خان صاحب کو مشرف فرمایا۔ بیعت و خلافت کے بعد بھی کچھ عرصے تک ان سب حضرات نے فقیر

کے مکان پر قیام فرمایا۔اسی دوران تاج الفحول بدایونی نے فقیر سے ارشاد فرمایا کہ:

'مولانا احمد رضا خان صاحب کا حضرت صاحب سے بیعت ہو جانا،ان کے لئے بھی اچھا ہوا اور میرے لئے بھی اچھا ہوا'۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت،طبع لاہور،۲۰۰۳ء ص:۶۹۸،۶۹۹]

☆......تاج الفحول شاہ محمد عبد القادر بدایونی کی ہمرہی میں مارہرہ کا سفر،اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

'مولانا! سات ادلہ والے رسالہ کا اشتیاق ہے۔شاید بدایوں پہنچا ہو۔حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا مولوی عبد القادر صاحب بھی سفر مارہرہ میں ہمراہ تھے۔اب وہاں استفسار کیا جائے گا'۔[کلیاتِ مکاتیبِ رضا،طبع کلیر شریف،۲۰۰۵ء ص:۲/۳۰۰]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی بیان کرتے ہیں:

'ایک مرتبہ حضرت جدی سیدنا سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے عرس میں مولانا احمد رضا خان صاحب تشریف لائے۔اس سفر میں ان کے بہنوی بھی ان کے ساتھ تھے۔انہوں نے میرے خادم غلام نبی سے ان کی ذات پوچھی۔اس نے جواب دیا۔ہم پٹھان ہیں۔اس پر انہوں نے کہا۔تو تم ہمارے بھائی ہو۔انہوں نے غلام نبی سے دریافت کیا۔تم کون سے پٹھان ہو۔چوں کہ وہ بوجہِ لڑکپن و ناواقفی جواب نہ دے سکتا تھا اور بار بار کے سوال سے چڑھ گیا۔اس نے کہا۔میں کون پٹھان، چمڑ پٹھان ہیں۔اس پر مولانا نے از راہِ مزاح اپنے بہنوی سے فرمایا کہ یہ آپ کے بھائی ہیں اور اپنے کو چمڑ پٹھان بتاتے ہیں۔تو یہ آپ کی آل آج معلوم ہوئی کہ آپ چمڑ پٹھان ہیں'۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت طبع لاہور،۲۰۰۳ء ص:۱۰۵]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کا ہی بیان ہے:

'حضرت جدِ امجد سیدنا شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا عرس شریف ایک زمانہ میں میرے والد صاحب قدس سرہ نہایت اہتمام و انتظام اور اعلیٰ پیمانے پر کیا کرتے تھے۔اس میں بارہا حضرت مولانا[احمد رضا] بھی تشریف لائے اور میرے اصرار سے بیان بھی فرمایا۔مگر اس طرح کہ حاضرینِ مجلس سے فرماتے ہیں۔ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا۔دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں۔آپ حضرات مجھ سے مسائلِ شرعیہ دریافت فرمائیں۔ان کے بارے میں جو حکمِ شرعی میرے علم میں ہوگا، چوں کہ بعد سوال اس کو ظاہر کر دینا،حکمِ شریعت ہے، میں ظاہر کر دوں گا۔

فقیر غفرلہ عرض کرتا ہے۔ اتنا سن کر حاضرین میں سے کوئی صاحب حسبِ حال سوال کر دیتے۔ حضور پر نور اپنی تقریر دلپذیر سے ایک مؤثر بیان اس مسئلہ پر فرما دیتے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۱۰۶]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کا ہی بیان ہے:

'ایک بار میرے اصرار سے مولانا [احمد رضا] نے مزار صاحب البرکات قدس سرہ پر اپنے والد ماجد قبلہ کا مؤلفہ مولود شریف [سرور القلوب فی ذکر المحبوب] بھی پڑھا ہے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۱۰۶]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کا ہی بیان ہے:

'ایک بار بہ زمانۂ عرس حضرت جدی شاہ برکت اللہ قدس سرہ درگاہِ معلیٰ میں میاں جی صاحب کے مکتب کے متصل کوٹھری میں، جہاں ہماری ہمشیرہ والدۂ مسعود حسن کی اب قبر ہے، مولانا [احمد رضا] تشریف فرما تھے۔ ہم نے مولانا عبد المجید بدایونی کا شجرۂ عربی درود شریف میں دِکھایا اور کہا کہ ہمارا شجرہ بھی عربی میں درود میں لکھ دیجئے۔ اسی وقت میاں صاحب بھائی مرحوم کے قلم دان سے قلم لے کر قلم برداشتہ بغیر کوئی مسودہ کئے ہوئے ہمارے وظیفے کی کتاب پر نہایت خوش خط اور اعلیٰ درجے کے مرصع و مسجع صیغۂ درود شریف میں 'شجرۂ قادریہ برکاتیہ جدیدۃ' تحریر فرمایا اور اسے حضرت میاں صاحب بھائی کی کتاب پر بھی نقل فرما دیا'۔ یہ واقعہ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ کا ہے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۲۱۷، ۶۹۹] نوٹ: یہ 'شجرۂ صلواتیہ' حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء کے ص: ۱۵۷ر پر منقول ہے۔

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کا ہی بیان ہے:

'مولانا احمد رضا خان صاحب کا حسنِ ادب بارگاہِ رسالت میں اس قدر تھا کہ ایک درود میں لفظ 'حسین' و 'زاہد' تھا۔ آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے نقل کرنا بھی پسند نہیں کیا۔ بلکہ نہایت لطافت کے ساتھ اسے وہاں اس طرح استعمال فرمایا ہے کہ یہی صیغۂ تصغیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتِ شان ظاہر کر رہا ہے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۶۹۹، ۲۱۸،۲۱۷]

☆......رضویات کے مؤسسِ اول ملک العلما حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:
'جامعِ حالات [ملک العلما] غفرلہ کہتا ہے۔ اس درود کی عبارت یہ ہے:

اللھم صل و سلم و بارک علی سیدنا و مولانا محمد المصطفیٰ رفیع الشان المرتضیٰ علی الشان و الذی رجیل من امتہ خیر من رجال السابقین حسین من زمرتہ حسن من کذاو کذامن السابقین'۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۶۹۹، ۲۱۸]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کا بیان ہے:
'مولانا [احمد رضا] کو علمِ تکسیر کی تشویق و تحریک کا سبب میں ہی ہوا تھا۔ میں اس علم کے بہت تذکرے کرتا۔ کتابیں دِکھاتا۔ ایک بار کسی خاندانی کتاب میں ایک نیا وفق سپر مرتضوی نظر سے گذرا۔ مولانا کو بھی دکھایا۔ اس کے قاعدے کی تشریح و توضیح میں کچھ گفتگو رہی۔ مولانا نے وہ کتاب رکھ لی اور ایک دو روز کے بعد ایک مفصل رسالہ میں اس وفق کے بہت سے صور اور اس کے لئے کئی ضابطے کا یہ مفصل و مشرح رسالہ تحریر فرما کر مجھے دے دیا۔ جو میرے پاس بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت بھی محفوظ ہے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۶۹۹، ۲۱۸]

☆......رضویات کے مؤسسِ اول حضرت علامہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:
'۱۳۱۵ھ میں اردو میں دو قصیدے تحریر فرمائے۔ ایک تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی قدس سرہ العزیز کی مدح میں، جس کا نامِ تاریخی 'چراغِ انس' ۱۳۱۵ھ رکھا۔ اس کا مطلع یہ ہے:

اے امام الہدیٰ محب رسول
دین کے مقتدا محبِ رسول

دوسرا قصیدہ حضرت سیدنا سید شاہ ابو الحسن نوری میاں صاحب قدس سرہ کی مدح و ثنا میں ہے۔ اس کا تاریخی نام 'مشرقستانِ قدس' ۱۳۱۵ھ رکھا۔ اس کا مطلع یہ ہے:

ماہِ سیما ہے احمدِ نوری
مہر جلوہ ہے احمدِ نوری

اور مقطع یہ ہے:

کیوں رضاؔ تم ملول ہوتے ہو

ہاں تمہارا ہے احمدِ نوری

اس قصیدے کو استماع فرما کر حضرت ممدوح [نوری میاں] نے اعلیٰ حضرت قدست اسرارہما کو ایک نہایت ہی نفیس معطر و معنبر عمامہ عطا فرمایا اور اپنے دستِ اقدس سے اعلیٰ حضرت کے سر پر باندھا۔ حاضرینِ جلسہ سے حضرت مولانا محمد عبد المقتدر مطیع الرسول صاحب قادری برکاتی عثمانی بدایونی نے فی البدیہہ اس عطیۂ بہیۂ کی تاریخ ۱۳۱۵ھ 'تاج الفخر' سے نکالی'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۶۹۹، ۷۲۳]

☆......واضح رہے کہ تاج الفحول سے اعلیٰ حضرت بہت متاثر تھے۔ ۱۲۹۴ھ میں اعلیٰ حضرت شاہ آلِ رسول علیہ الرحمہ سے مرید ہوئے۔ ۱۲۹۶ھ میں اعلیٰ حضرت اپنے والدِ گرامی کے ہمراہ سفرِ حج پر تھے اور یہاں ان کے مرشدِ مکرم شاہ آلِ رسول علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں کی روحانی تربیت اور صحبتِ فیض میں آئے۔ نوری میاں سے علمی استفادہ کیا اور علمِ جفر وغیرہ تذکرۃً سیکھا۔ خلافت و اجازت کی سعادت بھی پائی۔ اب آگے دیکھئے۔

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی فرماتے ہیں:

'میاں صاحب بھائی قبلہ یعنی حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ العزیز نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! اب اس وقت دینداری کی علامت یہ ہے کہ جو شخص مولانا عبد القادر صاحب بدایونی اور مولانا احمد رضا خان سے محبت رکھے۔ اسے دیندار جانو اور جو شخص ان دونوں سے بغض و عداوت رکھے، اسے سمجھ لو کہ بدمذہب ہے یا کسی بدمذہب کے پھیرے میں پھنسا ہوا ہے اور جس مسئلہ پر ان دونوں کا اتفاق ہوا ہے۔ جانو کہ یہ مسئلہ بہت ہی محقق ہے اور جس مسئلہ سے ان دونوں کو اختلاف ہو، اسے جان لو کہ یہ غیر محقق اور غلط ہے اور فرماتے تھے کہ بیٹا! ہمارا تو اب یہی دستور العمل ہے [اور فقیر کا بھی یہی دستور العمل رہا] کہ جو مسئلہ، جو مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا۔ اس پر فوراً دل مطمئن ہو گیا اور ان کی اعلیٰ تحقیق اور غور و تدبر کے

کثیر در کثیر مشاہدات و واقعات نے یہ حالت کر دی تھی کہ جو مسئلہ دریافت کرتا اور اس کی نسبت لکھ دیتا کہ مسئلہ کا حکم لکھ دیجئے۔ دلیل کی ضرورت نہیں‘۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۶۹۹، ۱۰۰۴]

☆......سراج السالکین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری کا فرمان: چشم و چراغِ خاندانِ برکات:

’حضرت اقدس سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کو جو خصوصیت اعلیٰ حضرت قبلہ سے تھی، محتاجِ بیان نہیں۔ ہمیشہ جملہ مسائل وعقائد میں اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی اور تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب عثمانی بدایونی قدس سرہ العزیز سے مشورہ فرماتے اور جو جو مدائح فرمایا کرتے، ہر باریابِ صحبت پر واضح ہیں۔ ایک صحیفہ شریفہ میں اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا:

’مولوی صاحب! خدا کی قسم میں حضرت شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے سے بہتر جانتا ہوں۔ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی! میری عمر میں سے اعلیٰ حضرت کو عمر عطا فرما‘۔

۱۳۲۳ھ میں جب اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرمین طیبین حاضر ہوئے۔ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی! مجھے موت نہ آئے۔ جب تک مولانا احمد رضا خان صاحب کو بالخیر واپس آیا دیکھ نہ لوں۔ محرم ۱۳۲۱ھ کو ایک خط بصیغۂ رجسٹری بھیجا۔ جس کی نقل مطابقِ اصل یہ ہے:

’چشم و چراغِ خاندانِ برکاتیہ مارہرہ مولانا احمد رضا خان صاحب دام عمرہم و علمہم، از ابوالحسین،

بعد دعائے مقبولیت فقرہ محررہ معلیٰ القاب سطر بالا واضح ہو کہ یہ خطاب حضرت صاحب رضی اللہ عنہ نے مجھ کو دیا تھا۔ باوجودیکہ میں لائق اس کے نہ تھا۔ تحریر فرمایا کرتے تھے۔ چوں کہ اب میں بظاہر اسبابِ انواعِ امراض میں ایسا مبتلا ہوں کہ مصداق اس مصرع کا ہو گیا ہوں:

ع: اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند۔

اور مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اٹھ گئے اور جگہ خالی کر گئے۔ تو اب سوائے آپ کے حامی کار اس خاندان عالی شان کا خلفا میں کوئی نہ رہا۔ لہٰذا یہ خطاب میں نے آپ کو بایمائے غیبی پہنچا دیا۔ بطوع و رغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا اور میں نے بطیبِ خاطر بلا جبر و اکراہ و رغبتِ

قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا۔ یہی خط اس کی سند میں باضابطہ ہے۔فقیر ابوالحسین از مارہرہ، ۲۲/محرم ۱۳۲۰ھ‘۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت،طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۶۹۹، ۱۰۰۶]

☆......۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں مارہ مطہرہ میں سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں کا عرس تھا۔ جس میں آپ [اعلیٰ حضرت] شریک ہوئے اور نہایت عارفانہ خطاب فرمایا۔ رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ جس دن آپ کا بیان ہونے والا تھا، اس دن عجب کیفیت تھی۔مخلوقِ خدا کی اتنی کثرت تھی کہ شمار وقطار سے باہر ہے۔نہایت پر کیف اور پر لطف مجلس تھی اور ہر شخص محوِ سماعت تھا۔آپ نے بیحد عمدگی سے وعظ فرمایا۔آپ کی خوش بیانی اور خوش کلامی گاہے ہنسا، گاہے رُلا اور گاہے تڑپا دیتی تھی۔کوئی وعظ وخطاب سننا چاہے، تو وہ امام احمد رضا کی زبان سے سنے‘۔[ہفت روزہ ’دبدبہ سکندری‘ رام پور، یکم اگست ۱۹۱۰ء ص:۶/]

☆......۱۳۳۲ھ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ خود لکھتے ہیں:

’سرکار مارہرہ مطہرہ حاضر ہوا۔ چھ روز میں واپس آیا اور صعوبتِ سفر اور ناسازئ طبع سے اکیس روز معطلِ محض رہا۔ اب مبتلائے بعض افکار ہوں۔ طالبِ دعا ہوں‘۔[کلیات مکاتیبِ رضا، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء، ۱/ ۳۳۴]

☆......☆......☆



قصبۂ داد وداد: گنج مرادآباد

پہلا سفر

محلِ وقوع:

گنج مرادآبا، کبھی ایک بستی تھی، اب ایک قصبہ ہے۔ اسے اس علاقے کے حاکم مراد شیر خان نے آباد کیا تھا۔ صدرالافاضل والے مرادآباد سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے گنج کا اضافہ کر دیا گیا۔ یہ ملّاواں کے قریب، ضلع اُنّاؤ، یوپی میں ہے۔ سرکار صفی پور کا آستانہ بھی یہیں قریب ہی ہے۔ شاہ مدار علیہ الرحمہ کا دربار مکن پور شریف بھی اسی ضلع میں ہے۔ کوئی دس بارہ کیلومیٹر اتر ضلع ہردوئی میں بلگرام شریف ہے، جہاں فاتحِ بلگرام سید محمد صغریٰ قدس سرہ کا آستانۂ عالیہ ہے۔ یہی برگزیدہ بزرگ بلگرام، مارہرہ، مسولی کے سادات و مشائخِ کرام کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ جس زمانے میں اعلیٰ حضرت گنج مرادآباد حاضر ہوئے تھے، اس وقت وہاں ریل پٹری نہیں تھی۔ ۱۹۳۰ء میں کان پور سے گنج مرادآباد کے لئے یہ پٹری بچھائی گئی۔ [حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کی ڈائری، بحوالہ تذکرہ محدث سورتی، طبع کراچی، ص:۵۲]

شاہ فضلِ رحماں:

۱۲۰۸ھ میں سندیلہ، یوپی میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی کا نام شاہ اہل اللہ تھا۔ جو شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی کے مرید تھے۔ یہ 'فضلِ رحماں' نام انہی کا رکھا ہوا ہے۔ جو مادۂ تاریخِ ولادت بھی ہے۔ شاہ فضلِ رحماں سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی کے شاگرد تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں شاہ محمد آفاق دہلوی کے مرید وخلیفہ تھے۔ پہلے قیام ملّاواں میں تھا۔ بعد میں گنج مرادآباد میں طرحِ اقامت ڈالی۔ جب سے اس کی شہرت پاتال سے آکاش جا پہنچی۔ علمی و روحانی رتبہ اتنا بلند تھا کہ اس دور کے سرآمدِ روزگار علمائے کرام آپ ہی کے دامنِ کرم سے

وابستہ تھے۔ ایک سو پانچ برس کی عمر شریف پائی۔ ۱۳۱۳ھ میں وصال ہوا۔ مزار مقدس اب مرجعِ خلائق ہے۔ [الف: تذکرہ محدث سورتی، خواجہ رضی حیدر، طبع کراچی، ص:۵۳، ب: تذکرہ علمائے اہلِ سنت، مفتی محمود احمد رفاقتی، طبع فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص:۲۰۷، ج: ماہ نامہ 'جہانِ رضا' لاہور ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۹ء ص:۳۸]

اعلیٰ حضرت کا سفر:

اس سفر موج ظفر کے بارے میں نبیرۂ محدث سورتی شاہ مانا میاں پیلی بھیتی اپنی کتاب 'سوانحِ اعلیٰ حضرت' میں لکھتے ہیں:

'عظیم البرکت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی ۱۳۱۱ھ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا فضلِ رحماں گنج مرادآباد کی زیارت کے لئے گنج مرادآباد تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپ کے ہمرہ مولانا وصی احمد سورتی، مولانا خلیل الرحمٰن خان تلمیذ مولوی لطف اللہ علی گڑھ، قاضی خلیل الدین حسن رحمانی المعروف حافظ پیلی بھتی اور استاذِ زمن علامہ احمد حسن کان پوری شامل تھے۔ اس زمانے میں گنج مرادآباد کے لئے ریل نہیں چلی تھی۔ ہردوئی، اُنّاؤ یا بالامؤ سے لوگ بیل گاڑی میں بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت اپنے احباب کے ساتھ بالامؤ اسٹیشن سے بیل گاڑی کے ذریعہ گنج مرادآباد تشریف لے گئے تھے۔ شاہ فضلِ رحماں کو آپ کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا آپ نے مریدین کے ساتھ قصبہ سے باہر تشریف لاکر اعلیٰ حضرت کو خوش آمدید کہا۔ تین روز سے زائد اعلیٰ حضرت گنج مرادآباد میں مقیم رہے'۔ [سوانحِ اعلیٰ حضرت، شاہ مانا میاں پیلی بھیتی، طبع کراچی، ۱۳۹۰ھ ص:۱۵۷]

خانقاہِ فضلِ رحماں کے سابق سجادہ نشین حضرت مولانا افضال الرحمٰن نے بھی اپنی کتاب 'افضالِ رحمانی' میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور ملاقات کی تاریخ ۲۹ر رمضان ۱۲۹۲ھ بیان ہے'۔ [بحوالہ تذکرہ محدث سورتی، خواجہ رضی حیدر، طبع کراچی، ص:۵۶]

☆......مؤرخِ اہلِ سنت مفتی محمود احمد رفاقتی یوں رقم طراز ہیں:

'فاضلِ بریلوی مولانا شاہ احمد رضا ۱۳۱۹ھ [یہ سن غلط ہے، صحیح رمضان ۱۲۹۲ھ ہے] میں شیخ المحدثین مولانا وصی احمد محدث سورتی کی رفاقت میں گنج مرادآباد آپ [شاہ فضلِ رحماں] کی

ملاقات کو پہنچے۔ حضرت نے مولانا بریلوی کا قصبہ سے باہر نکل کر استقبال کیا اور اپنے مخصوص حجرے میں مہمان ٹھہرایا اور عصر کے بعد کی صحبت میں آپ کے بارے میں حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے آپ میں نور ہی نور نظر آتا ہے اور اپنی ٹوپی اُوڑھادی اور ان کی ٹوپی خود اُوڑھ لی۔[تذکرہ علمائے اہلِ سنت، مفتی محمود احمد رفاقتی، طبع فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص:۱۰۸]

اس سفر کا ذکر کئی قلمکاروں نے کئی جگہوں پر کیا ہے۔ہم یہاں شاہ فضلِ حسن صابری فاروقی کا مؤثر و مستند بیان نقل کرتے ہیں۔شاہ فضلِ حسن صابری ہفت روزہ ’دبدبہ سکندری‘ رام پور کے نائب مدیر تھے اور تقریباً ہم عصر تھے۔ البتہ پہلے یہ واضح کر دوں کہ اعلیٰ حضرت کا سفر گنج مراد آباد ۱۹/ ۲۰/ برس کی عمر میں ہوا تھا کہ وہ ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ جب کہ شاہ فضلِ رحماں علیہ الرحمہ کی عمر شریف اس وقت ۸۴/ برس کی تھی کہ سن ولادت ۱۲۰۸ھ ہے۔ وہ ٹوپی، جوشاہ فضلِ رحماں نے اعلیٰ حضرت کو عطا فرمائی تھی، وہ آج بھی تبرکاً الحاج شوکت خان رضوی مقیم کراچی کے پاس موجود ہے۔ حاجی شوکت صاحب حضرت مولانا شاہ محمد ابراہیم رضا بریلوی کے داماد ہیں۔[سال نامہ ’تجلیاتِ امام احمد رضا‘ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، ص:۳۲]

☆......مدیر’دبدبہ سکندری‘ رام پور شاہ فضلِ حسن صابری تحریر کرتے ہیں:

’اس پرآشوب زمانے میں حضرت تقدس مآب مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب نقشبندی گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بے مثال بزرگ ہوئے۔جن کی عظمت ہند سے لے کر عرب تک قلوب میں عزت کے ساتھ متمکن ہے اور اب وہ شیخ العرب والعجم لکھے جاتے ہیں۔ یہ مراتب ہیں۔اس میں اللہ والوں کی ذات کے لئے مجھے کیا، ہر زندہ دل کو سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔اس شیخ العرب والعجم نے اس ذاتِ اقدس[امام احمد رضا] کا وہ احترام کیا ہے کہ آج ہمعصرو ہم پایہ سے محال و ناممکن۔

رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ کا مبارک مہینہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس گنج مرادآباد تشریف لائے اور ایک جگہ قیام فرما کر اپنے سوہمراہوں کو شیخ علیہ الرحمہ کی خدمتِ مبارک میں بھیجا اور تاکید فرمادی کہ صرف اتنا کہنا:

’ایک شخص بریلی سے آیا ہے۔ملنا چاہتا ہے‘۔

حضرتِ شیخ علیہ الرحمہ نے معاً فرمایا:

'وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ ان کے دادا اتنے بڑے عالم، ان کے والد اتنے بڑے عالم اور وہ خود عالم، فقیر کے پاس کیا دھرا ہے'۔

پھر نرم ہو کر بکمالِ لطف فرمایا:

'بلایئے۔ تشریف لائیں'۔

بعد ملاقات اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے مجلس [میلاد] شریف کی نسبت حضرتِ شیخ علیہ الرحمہ سے استفسار کیا۔ ارشاد فرمایا:

'تم عالم ہو، پہلے تم بتاؤ'۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا:

'مستحب جانتا ہوں'۔

[حضرت شیخ علیہ الرحمہ] فرمایا:

'آپ لوگ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور میں سنت جانتا ہوں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، جو جہاد کو جاتے تھے، ......تو کیا کہتے تھے؟۔ یہ نا کہ......مکہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوئے......اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اتارا......انہوں نے یہ معجزے دِکھائے......اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل دیئے۔

اور مجلسِ میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟۔ یہی بیان ہوتے ہیں، جو صحابہ اس مجمع میں کرتے تھے۔ فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڈوا [لڈو] بانٹتے ہو۔ وہ اپنی مجلس میں موڑ [یعنی سر] بانٹتے تھے'۔

غرض حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو بکمالِ اعزاز و اکرام باصرارِ تام تین روز ٹھہرایا۔ ۲۹ رماہ مبارک کو رخصت کیا۔ جب عید سر پر آ گئی اور وقتِ رخصت فرشِ مسجد کے کنارے تک تشریف لائے'۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔

فرمایا: 'تکفیر میں جلدی نہ کرنا'۔

اعلیٰ حضرت نے دل میں خیال کیا کہ:

'میں تو ان کو دل میں کافر کہتا ہوں، جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان انور میں گستاخی کرتے ہیں'۔

یہ خیال لاتے ہی معاً حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا:

'ہاں! جو ادنیٰ حرف گستاخی کا شانِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بکے، ضرور کافر کہنا، بے شک [وہ] کافر ہے'۔

پھر حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا:

'ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے موڑ [سر] کی ٹپیا [ٹوپی]، تمہارے موڑ پر دھر دیں اور تمہارے موڑ کی اپنے موڑ پر دھر لیں'۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے برائے ادب سر جھکا لیا۔ حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی کلاہِ مبارک اپنے سرِ مقدس پر رکھ لی اور اپنی کلاہِ مقدس اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کے سرِ مبارک پر رکھ دی۔ جو آج تک بطور تبرک محفوظ کی گئی ہے۔ اس روایت کا نتیجہ ظاہر۔ کھلی وصاف بات پر خامہ فرسائی بیکار۔ کیا کوئی اس عزت کی نظیر پیش کر سکتا ہے؟۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے لائق اور اہل سجادہ نشین حضرت قبلہ وکعبہ مولانا شاہ احمد میاں قبلہ مد ظلہم العالی سے مجھے خاص طور سے شرفِ قدم بوسی حاصل ہے، جن کے افضال وکرم کی انتہا نہیں اور میں بحمد اللہ اس شیخ الوقت علیہ الرحمہ کے حالاتِ مقدس سے بھی واقف ہوں۔ وہاں تک رسائی مشکل تھی۔ لیکن بمصداق:

ہر کجا چشمۂ بود شیریں مردم ومرغ ومور گرد آیند

مخلوقِ خدا آ کر اپنی امیدوں کی جھولیاں پھیلاتی تھی اور شیخ علیہ الرحمہ کو درِ شہوار سے ان کو بھرنا ہوتا تھا۔ مراد یہ کہ مخلوقِ خدا چار طرف آ کر گھیرتی تھی اور انہیں مجبور ہونا پڑتا تھا۔ پھر ان کی زندگی کے کارنامے صدہا تو اہلِ قلم نے قلم بند فرمائے۔ رہے سہے لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ تو کہنا یہ ہے کہ:

'کیا انہوں نے یہ افضال واکرام کسی دوسرے عالم فاضل یا درویش صوفی پر بھی فرمائے یا نہیں؟۔ بے شک یہ عزت اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو حاصل ہوئی۔ یہ معلوم کر کے ہمارے ہم

وطن متعصب افراد اور زائد اپنے ہی طیش کی آگ میں جلنے لگیں گے اور شک و تعصب کئی گنا بڑھ جائے گا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ:

’الحمدللہ ہمیں ایسی صورت کا گرویدہ اور والہ وشیدائی بنایا ہے۔ جن کی نعلین کو بوسہ دینے کے متمنی علمائے مکہ معظّمہ اور صرف یہی نہیں، بلکہ انہیں ایک بے نظیر امام بھی جاننے اور ماننے والے ہیں اور طبقۂ صوفیا کے سربرآوردہ شیخ ان سے ٹوپیاں بدلنے والے اور انہیں ایک پشتینی عالم وفاضل سمجھنے والے ہیں‘۔



دوسرا سفر

مولانا محمد عبد الاحد:

آپ استاذ المحدثین شاہ وصی احمد محدث سورتی کے فرزند تھے۔ پیلی بھیت میں ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل والد ماجد سے کی۔ ۱۹۱۳ء میں تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے کیا۔ اعلیٰ حضرت سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ خطاب زبردست کرتے تھے۔ سلطان الواعظین کے لقب سے مشہورِ زمانہ ہوئے۔ امام احمد رضا کے دوسرے حج کے قافلے میں آپ بھی شامل تھے۔ شاہ فضلِ رحماں گنج مرادآبادی کی نواسی سے شادی ہوئی۔ یہ دولہن حضرت مولانا محمد عبدالکریم گنج مرادآبادی کی دخترِ نیک اختر تھیں۔ بارات میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بھی شریک تھے۔ یہ ۱۳۲۳ھ کا واقعہ ہے۔

[تذکرہ علمائے اہلِ سنت، مفتی محمود احمد رفاقتی، طبع فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص:۱۶۸]

یادگار واقعہ:

یہاں ایک یادگار واقعہ پیش آیا۔ جو تاریخ کے صفحے پر نقش ہو کر رہ گیا۔ اس نقشِ حسین کا نظارہ آپ بھی کیجئے۔ واقعہ یہ ہے:

’جب آپ [مولانا عبدالاحد] کی بارات رخصت ہو کر ریلوے اسٹیشن مادھو گنج جانے کے لئے تیار ہوئی۔ اسٹیشن پہنچنے سے تین میل پہلے ہی مغرب کا وقت آ گیا۔ قریب کا گاؤں، ڈاکوؤں کی بستی مشہور تھی۔ اسی گاؤں کے ایک آدمی نے آ کر اطلاع دی۔ آپ [اعلیٰ حضرت] نے فرمایا: اللہ اور اس کا محبوب ہماری مدد فرمائے گا۔ تھوڑے وقفے کے بعد ڈاکوؤں کا آتا دِکھائی دیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی

قدس سرہ پیش قدمی کر کے ان کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا: ہم تمہارے علاقے کے بزرگ کی نواسی بیاہ کر لے جا رہے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں تم ہمارا لوٹنا مناسب سمجھتے ہو؟۔ آپ کے اس کہنے کا ڈاکوؤں پر خاص اثر ہوا اور وہ سب اپنے خیال سے باز آئے اور معافی چاہی اور توفیقِ الٰہی سے اس گروہ کے کل افراد، جن کی تعداد سولہ تھی، تائب ہوئے اور داخلِ سلسلہ ہونے کا شرف حاصل کیا'۔

[تذکرہ علمائے اہلِ سنت، مفتی محمود احمد رفاقتی، طبع فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص:۱۶۸]

☆......☆......☆



مدینۃ الاولیا: بدایوں شریف

☆......مؤرخین نے لکھا ہے کہ بدایوں قبۃ الاسلام ہے۔ مدینۃ الاولیا ہے۔ بڑی سرکار، چھوٹی سرکار اور دیگر اولیا و علمائے کرام کے علاوہ یہاں کا خانوادۂ عثمانی بھی علمی و روحانی اعتبار سے پچھلے دو سو برس سے نہایت ممتاز رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا تعلق اس خانوادہ سے تھا اور گہرا تھا۔ خصوصاً شاہ فضلِ رسول اور ان کے بیٹے تاج الفحول سے علمی و قلبی تعلق تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا یہاں متعدد مرتبہ بدایوں تشریف لے گئے اور تاج الفحول بھی بریلی تشریف لایا کیے۔ تاریخ وسن اور تعدادِ سفر کا تعین کارے دارد ہے۔ اس لئے سفر اور حالاتِ سفر جستہ جستہ ملاحظہ فرمائیے۔

☆......ڈاکٹر ایوب قادری [کراچی] لکھتے ہیں:

'فاضلِ بریلوی، مولانا عبد القادر بدایونی سے ملاقات، تبادلۂ خیال اور علمی مذاکرات کے سلسلہ میں مدرسہ قادریہ بدایوں تشریف لے جاتے تھے۔ کبھی کبھی کسی علمی مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں مولانا عبد القادر بدایونی کو پہلے سے لکھ دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبد القادر بدایونی اس مسئلہ کو ذہن نشین فرماتے اور اس مسئلہ سے متعلق جملہ کتب، کتبخانہ سے نکلوا کر رکھ لیتے تھے۔ اس سے ان دونوں حضرات کے تعلقِ خاطر کا اندازہ ہوتا ہے'۔[سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی، ۱۹۹۳ء ص:۱۹۰]

☆......ڈاکٹر ایوب قادری [کراچی] لکھتے ہیں:

’۱۲۹۴ھ میں فاضلِ بریلوی اور مولانا نقی علی خان بدایوں حضرت مولانا محبِ رسول عبد القادر بدایونی کے پاس تشریف لائے اور پھر اکابرِ علمائے بدایوں حضرتِ شاہ اچھے میاں مارہروی کے عرس میں شرکت کے لئے مارہرہ پہنچے۔مولانا عبدالقادر بدایونی کی تحریک وتعارف پر حضرت فاضلِ بریلوی اوران کے والد حضرت مولانا نقی علی خان حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی زیبِ سجادۂ درگاہِ عالیہ مارہرہ شریف سے بیعت ہوئے‘۔

[سال نامہ ’معارفِ رضا‘ کراچی، ۱۹۹۳ء ص:۱۹۰]

☆......ڈاکٹر ایوب قادری نے دیدہ نہیں، شنیدہ لکھا ہے۔اعلیٰ حضرت کی سنئے، جو داخلی شہادت ہے۔صحیح اور ثقہ ہے۔اپنے جدِ امجد شاہ رضا علی خان بریلوی کا ذکرِ جمیل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’ایک دن میں روتا ہوا دوپہر کو سو گیا۔دیکھا [خواب میں] حضرتِ جدِ امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا فرمائی اور فرمایا: عنقریب آنے والا ہے وہ شخص، جو تمہارے دردِ دل کی دوا کرے گا۔دوسرے یا تیسرے روز حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ شریف لے گئے۔وہاں جاکر شرفِ بیعت حاصل کیا‘۔

[الملفوظ، طبع بریلی، ص:۶۸ وحیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۴۲۶]

☆......ڈاکٹر ایوب قادری لکھتے ہیں:

’حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی [ف ۱۹۰۱] اور فاضلِ بریلوی سے خصوصی تعلقات تھے۔مولانا شاہ فضلِ رسول قادری بدایونی [ف ۱۸۷۲ء] کے عرس میں فاضلِ بریلوی اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان [ف ۱۸۸۰ء] کی معیت میں شریک ہوتے تھے۔فاضلِ بریلوی کی تقاریر کا آغاز اسی عرسِ قادری بدایوں سے ہوا‘۔[سال نامہ ’معارفِ رضا‘ کراچی، ۱۹۹۳ء ص:۱۸۹]

☆......ڈاکٹر ایوب قادری کا یہ جملہ:

’فاضلِ بریلوی کی تقاریر کا آغاز اسی عرسِ قادری بدایوں سے ہوا‘۔

ذرا محلِ نظر ہے۔ایک تو اس تقریر کا سن وتاریخ متعین نہیں، دوسرا یہ کہ اعلیٰ حضرت نے عیدِ میلاد کے موضوع پر دو گھنٹے کی تقریر چھ برس کی عمر میں کی تھی اور یہ واقعہ بدایوں کی تقریر سے

بہت پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔

[دیکھئے: مجدد بریلوی ازمولانا صابرالقادری، طبع لاہور ۱۹۹۶ء ص: ۴۱،۴۲]

☆...... یہ ۱۳۱۷ھ کا سن تھا، جب اعلیٰ حضرت نے 'قصیدۂ نور' لکھا۔ اسی برس عرسِ قادری بدایوں میں پڑھا بھی گیا۔ یہ عرس سراپا قدس یکم جمادی الثانی تا ۷ر جمادی الثانی منعقد ہوا تھا۔ یہ قصیدہ ۵ر جمادی الثانی کو ۱۰ر بجے دن سے قبلِ ظہر تک سنایا گیا۔ سنانے والے بدایوں کے مشہور نعت خواں مولانا حافظ عبدالحبیب قادری نے پڑھا اور مجمع، جو رندوں کا تھا، نورعلی نور ہو گیا۔ اس عرس کی روداد مولانا ضیاء القادری بدایونی مصنف 'اکمل التاریخ' [۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء] نے لکھی۔ اس وقت ۱۳۱۷ھ روداد نگار کی عمر ستر برس کی تھی۔ یہ روداد مولانا ضیاء القادری کی کتاب 'چراغِ صبحِ جمال' میں پہلی بار شائع ہوئی۔ ایک مدت بعد اکتوبر ۱۹۹۳ء میں 'مجلہ بدایوں' کراچی سے بھی شائع ہوئی۔ پھر قریب دو دہے بعد ماہ نامہ 'جامِ نور' دہلی شمارہ جولائی ۲۰۱۳ء میں بھی سہ بارہ شائع ہوئی۔ روداد نگار مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

'۵ر جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ ہے۔ خوش گوار گرمی کا موسم ہے۔ آستانۂ عالیہ قادریہ میں مولانا ہادی علی لکھنوی علیہ الرحمہ کی شہادت کا بیان ہو چکا ہے۔ مسندِ علما و مشائخ پر اکابر عظما رونق افروز ہیں۔ ایک در میں گاؤں تکیے سے پشت لگائے صدرِ خانوادۂ قادریہ مسند نشینِ آستانۂ برکاتیہ نورِ مجسم فیضِ ہمہ تن فرزندِ محبوبِ ذوالمنن قطبِ زمن حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین قبلہ احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ جلوہ فرما ہیں۔ صحنِ درگاہِ معلیٰ میں ہم شبیہ غوث الثقلین سیدنا مولانا حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں، حضرت مولانا شیخ المشائخ سیدنا شاہ تجمل حسین جمن میاں شاہجہاں پوری، حضرت سید شاہ فخر عالم قادری، حضرت نوشہ میاں قادری چشتی سنبھلی، وحضرت سجادہ نشین آستانہ قادری رزاقیہ بانسہ شریف، حضرت سجادہ نشین آستانۂ عالیہ کالپی شریف، حضرت مولانا حافظ سید شاہ عبد الصمد مودودی چشتی حافظِ بخاری سہسوانی، حضرت مولانا مجدد مأۃ حاضرہ شاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی، حضرت مولانا سیدنا شاہ وصی احمد محدث سورتی، مولانا ہادی علی خان سیتا پوری، مولانا ہدایت رسول لکھنوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین، نیز مارہرہ، بریلی، بدایوں، پیلی بھیت وغیرہ کے اکابر علما و ادبا و شعرا موجود ہیں۔

دس بجے دن کے بعد قصیدہ نور شروع ہوا تھا۔ صحنِ درگاہ تمام مقدس نورانی بزرگوں سے بھرا ہوا تھا۔ آفتاب کی شعائیں سرخ شامیانے سے چھن چھن کر نعت خوانوں کے لب و دہن اور حاضرین کے رخہائے روشن کو چومنے میں مصروف تھیں۔ شامیانے سے نور چھن رہا تھا۔ در دیوار سے نور نور کا نغمہ بلند ہو رہا تھا۔ علما و مشائخ، ادبا و شعرا، حاضرینِ محفل کیف و سرور کے عالم میں سبحان اللہ و صل علی کے مؤدبانہ تحسین و آفرین میں مشغول تھے۔ ایک ایک شعر چار چار پانچ پانچ بار پڑھوایا جا رہا تھا۔ ہر شخص پر وجد طاری تھا۔ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ انوارِ الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ حافظ حبیب صاحب نے پورا قصیدہ صاحبِ عرس کے حضور اور مصنفِ قصیدہ [اعلیٰ حضرت] کی موجودگی میں پڑھا اور ایک بجے کے قریب ختم کیا۔ جس وقت حافظ صاحب نے مقطع پڑھا:

اے رضاؔ یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدی نور کا

حضرت سیدنا شاہ احمد نوری قدس سرہ نے [جو گردن جھکائے مراقب نظر آرہے تھے] گردن مبارک بلند فرمائی۔ دستِ دعا اٹھائے۔ حضرت فاضلِ بریلوی والہانہ انداز کے ساتھ اٹھے۔ زبان سے چیخ نکلی اور حضرت میاں صاحب قبلہ کے زانوئے اقدس پر سر رکھ دیا'۔ [ماہ نامہ 'جامِ نور' دہلی جولائی ۲۰۱۳ء ص: ۴۵، ۴۴]

☆......ڈاکٹر ایوب قادری نے اس سفر اور قصیدہ کا تذکرہ یوں کیا ہے:

'۱۳۱۷ھ میں فاضلِ بریلوی نے اپنا مشہور قصیدۂ نور لکھا۔ جس کا پہلا شعر:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اور آخری شعر:

اے رضاؔ یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدی نور کا

سب سے پہلے یہ قصیدہ عرسِ قادری بدایوں میں ۵؍جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ کو پڑھا گیا۔ جس میں

ہندوستان کے نامور علما اور مشائخ مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا ہادی علی خان سیتاپوری، مولانا ہدایت رسول، شاہ محمد فاخر الہ آبادی، مولانا عبد الصمد سہسوانی، شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی، شاہ تجمل حسین شاہجہاں پوری وغیرہ موجود تھے۔ حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں صدرِ مشائخ تھے۔ حضرت فاضلِ بریلوی بھی تشریف فرما تھے۔ بدایوں کے مشہور نعت خواں حبیب قادری مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں قصیدۂ نور پڑھا۔ لوگ بیان کرتے تھے کہ محفل سراپا نور بن گئی۔ ایک ایک شعر چار چار پانچ پانچ بار پڑھا گیا۔ کیف وسرور کی ایک کیفیت برپا تھی۔ تحسین وآفرین کے نعرے تھے۔ دس بجے یہ قصیدہ شروع ہوا اور قبلِ ظہر ختم ہوا۔

حضرت شاہ احمد نوری قدس سرہ نے، جو گردن جھکائے مراقب نظر آرہے تھے، گردن اٹھائی اور دست بدعا ہوئے۔ حضرت فاضلِ بریلوی والہانہ انداز کے ساتھ اٹھے اور بے ساختہ ایک چیخ نکلی اور حضرت نوری کے زانوئے مبارک پر سر رکھ دیا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

[سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی، ۱۹۹۳ء ص: ۱۹۱،۹۲]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی بیان فرماتے ہیں کہ:

'ایک سال مولانا فضلِ رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں میں نے اور میاں صاحب بھائی قبلہ مرحوم نے مولوی حامد رضا خان صاحب اور بریلی کے ایک مرزا جی کو، جن کا نام اس وقت خیال سے اترا ہوا ہے اور جن کے پاس موئے مبارک شریف بھی تھا اور خوش آواز آدمی تھے، نعت شریف، نور کا قصیدہ پڑھنے بیٹھا دیا تھا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب کا دستور یہ تھا کہ وہ بعد مغرب میرے پاس زمانۂ عرس میں آبیٹھتے تھے۔ مولوی حامد رضا خان صاحب پڑھ رہے تھے کہ مولانا تشریف لے آئے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ مولوی حامد رضا خان صاحب اور مرزا جی ساتھ مل کر اشعارِ نعت شریف پڑھ رہے ہیں، فوراً ہی اٹھ کر قیام گاہ تشریف لے گئے اور مولوی حامد رضا خان صاحب کو بلوالیا۔

مجھے خیال گذرا کہ کہیں مولوی حامد رضا خان صاحب پر ناراض نہ ہوں۔ میں نے مولانا عبد القادر صاحب سے یہ خیال ظاہر کر کے انہیں مولانا کے خیمے میں بھیجا۔ مولوی حامد رضا خان پہنچ چکے تھے اور مولانا عبد القادر صاحب سے اس بارے میں گفتگو آنے پر مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا کہ:

’حضرت! میں علما کے لئے اس طرح ایسے مواقع پر عوام کے ساتھ آوازیں ملاکر نغمہ وترنم سے نعت شریف پڑھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ مجھے صاحبزادہ صاحب [یعنی فقیر کے بڑے لڑکے سید غلام محی الدین، فقیر عالم صاحب سے بھی مثنوی شریف کے ساتھ اس طریقے پر نعت شریف کے اشعار پڑھوانا نامناسب معلوم ہوا تھا۔ فقیر عالم سے اشعارِ نعت مولانا عبدالقادر صاحب نے اس سے پہلے پڑھوائے تھے]۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۷۹، ۷۸، ۲۷]

☆......رضویات کے مؤسسِ اول ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادر رضوی لکھتے ہیں:

’جامعِ حالات فقیر ظفر الدین قادر رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ ان مرزا صاحب کا نام مرزا اسماعیل بیگ تھا۔ یہ اعلیٰ حضرت کے قریبی رشتہ دار تھے اور اعلیٰ حضرت کے مکان سے پچھّم ان کا مکان تھا۔ جس کا ایک حصہ حضرت حجۃ الاسلام نے خرید کر خانقاہ میں شامل کرلیا ہے اور دوسرے حصے کے متعلق حضرت مفتی اعظم کے لئے بات چیت مرزا صاحب مرحوم کے منجھلے صاحبزادے احمد مرزا صاحب سے ہورہی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بھی شاملِ خانقاہ ہوجائے۔ مرزا اسماعیل بیگ صاحب کے والد کا نام نامی مرزا ابراہیم بیگ تھا۔ جو مرزا اسفند یار بیگ کے صاحب زادے تھے۔ انہیں مرزا اسفند یار بیگ کی صاحب زادی حسینی خانم سے حضرت رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خان صاحب کی شادی ہوئی، اس وجہ سے جناب مرزا اسماعیل بیگ صاحب اعلیٰ حضرت کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے‘۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۸۰، ۷۹، ۲۷]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی بیان فرماتے ہیں:

’مولانا احمد رضا خان صاحب بمضمون ’اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَہُمْ‘ جس قدر کفار ومرتدین پر سخت تھے، اسی درجہ علمائے اہلِ سنت کے لئے ابرِ کرم، بلکہ سراپا کرم تھے۔ جب کسی سنی عالم سے ملاقات ہوتی، دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے اور ان کی ایسی عزت وقدر کرتے کہ وہ خود اپنے کو اس کا اہل خیال نہ کرتے۔ خصوصاً مولانا عبدالقادر صاحب اور مولانا احمد رضا خان صاحب میں، جو اخلاص ومحبت واتحاد ووداد کے تعلقات تھے، دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کو مولانا عبدالقادر صاحب اپنے عزیز ترین بھائی سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ اپنا قوتِ بازو خیال فرماتے اور مولانا احمد رضا خان صاحب بھی

ان کو اپنا بزرگ بھائی جانتے تھے۔ ان کے اعزاز و اکرام میں ما فوق العادت کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرماتے۔ حتیٰ کہ ان کے سامنے حقہ نہ پیتے، پان نہ کھاتے۔
[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۲۸۰]

☆......رضویات کے مؤسسِ اول ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادر رضوی لکھتے ہیں:

'جامعِ حالات فقیر ظفر الدین قادر رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ جس زمانہ میں قصیدہ' آمال الابرار وآلام الاشرار' اعلیٰ حضرت کو سنایا کرتا تھا۔ جب اس شعر پر پہنچا:

اذا حلوا تمصرت الایاوی اذا راحوا فصار المصر بید

یعنی جب وہ تشریف فرما ہوتے، تو ویرانہ شہر بن جاتا ہے اور جب کوچ کرتے ہیں، تو شہر ویران ہوجاتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ تو محض شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ واقعہ ہے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہی شان تھی کہ جب یہاں فرکش ہوتے، عجب رونق اور چہل پہل ہو جاتی۔ در و دیوار روشن ہوتے۔ انوار و برکات کی بارش ہوتی اور جب واپس تشریف لے جاتے، باوجویکہ صرف وہی ایک جاتے، گھر کے سب لوگ، محلہ والے سب کے سب رہتے، لیکن عجیب اداسی اور ویرانی چھا جاتی۔ دولہا گیا، رہ گئے باراتی۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۲۸۰]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی بیان فرماتے ہیں:

'جس درجہ مولانا احمد رضا خان صاحب، مولانا عبد القادر صاحب کی عزت کرتے، اسی طرح مولانا عبد القادر صاحب ان سے محبت کرتے۔ ان کی خاطر داری فرماتے۔ ان کی حمایت کے لئے ہر موقع پر کوشاں رہتے۔ بدایوں سے مفضلہ کے گروہ کی بغرضِ مناظرہ ومباحثہ بریلی جانے کی خبر مسموع ہوئی، مولانا عبد القادر صاحب نے فوراً بریلی جانے کے لئے سامان درست فرمالیا۔ مگر روانگی کے قبل معلوم ہوگیا کہ وہ گروہ تابِ مقابلہ نہ لاکر بھاگ آیا۔ اس لئے ارادۂ سفر ملتوی فرمادیا'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۸۱، ۲۸۰]

☆......رضویات کے مؤسسِ اول ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادر رضوی لکھتے ہیں:

'اسی قسم کا ایک واقعہ جامع مسجد شمسی بدایوں میں پیش آیا اور غالباً یہ واقعہ سیتا پور سے پہلے کا ہے۔ حضرت مولانا عبدالقیوم بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بغیر اطلاع و علم مؤذن مسجد سے کہہ دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد جناب مولانا احمد رضا خان صاحب کے وعظ کا اعلان کر دینا۔ انہوں نے فرض جمعہ کے سلام کے ساتھ ہی کھڑے ہو کر اعلان کر دیا۔ سب حضرات سنن ونوافل کے بعد تشریف رکھیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی کا وعظ ہوگا۔ جب اعلیٰ حضرت سنن ونوافل سے فارغ ہوئے، دیکھا کہ سب لوگ انتظار میں بہزار ذوق وشوق بیٹھے ہوئے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے عذر فرمایا کہ: 'میں تو وعظ نہیں کہا کرتا'۔

مولانا عبدالقیوم صاحب نے فرمایا: تو آج یہیں سے وعظ کی ابتدا ہو۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ: آپ نے مجھے پہلے سے اطلاع نہیں دی۔

مولانا نے فرمایا کہ: آپ کے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اعلیٰ حضرت حسبِ اصرار منبر پر تشریف لے گئے اور دو گھنٹے کامل نہایت ہی پر اثر زبردست وعظ فرمایا۔ مولانا عبدالقیوم نے بعد ختمِ وعظ مصافحہ کیا اور فرمایا کہ:

'کوئی عالم کتابیں دیکھ کر آنے کے بعد بھی ایسے خطاب اور پر از معلومات و پر اثر بیان سے حاضرین کو محظوظ نہیں کر سکتا ہے۔ یہ وسعتِ معلومات جناب ہی کا حصہ ہے'۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۲۷۳، ۲۷۲]

☆......حاضر باش مریدِ خاص حضرت سید ایوب علی قادری رضوی بریلوی بیان کرتے ہیں:

'ایک مرتبہ حضور پرنور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف میں بدایوں تشریف لے گئے۔ وہاں ۹ر بجے صبح سے ۳ر بجے دن تک کامل چھ گھنٹے سورۂ والضحیٰ پر حضور کا بیان ہوا اور پھر فرمایا کہ:

'اسی سورۂ مبارکہ کی کچھ آیاتِ کریمہ کی تفسیر میں ۸۰ر جز رقم فرما کر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ: اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے کلامِ پاک کی تفسیر لکھوں؟'۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۱۷۷]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کا بیان ہے:

'ایک بار مولانا فضلِ رسول صاحب کے عرس کے زمانہ میں مجھے معلوم ہوا کہ مولوی غلام قطب الدین برہمچاری صاحب آئے ہوئے ہیں اور بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد بدایوں میں وعظ فرمائیں گے۔ان کے بیان کا شہرہ سن کر مجھے بھی اشتیاق ہوا۔میں نے مولانا عبدالقادر صاحب سے کہا کہ ہم اور آپ نمازِ جمعہ جامع مسجد میں چل کر پڑھیں۔وہاں بیان بھی سنیں گے۔مولانا عبد القادر صاحب اور میں جامع مسجد جانے لگے،تو مولانا احمد رضا خان صاحب نے مولانا بدایونی سے اجازت طلب کی کہ درگاہ شریف میں ہی جمعہ قائم کرلیں۔اس لئے کہ جامع مسجد کی نسبت کچھ قرأت وغیرہ ضروریاتِ نماز نقصان وقصور مسموع ہوا[ہے]۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت،طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۲۵۹]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

'ایک بار مولانا فضلِ رسول صاحب قدس سرہ العزیز کے عرس میں مولانا احمد رضا خان صاحب تشریف لائے تھے۔کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آنولوی کو میلاد شریف پڑھنے بیٹھا دیا تھا۔انہوں نے اثنائے تقریر میں یہ کہا کہ:

'پہلے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جان مبارک میں قیامت کے دن فرشتے روح ڈالیں گے'۔

چوں کہ اس میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا۔یہ سن کر مولانا موصوف[اعلیٰ حضرت] کا چہرہ متغیر ہوگیا اور جناب مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا:

'آپ اجازت دیں،تو میں ان کو منبر پر سے اتار دوں؟'۔

مولانا عبد القادر صاحب،مولانا آنولوی صاحب کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبد المقتدر صاحب سے فرمایا کہ:

'مولانا!ایسے بے علم لوگوں کو مولانا احمد رضا خان صاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے نہ بیٹھایا کیجئے۔جن کے سامنے بیان کرنے کے لئے علم اور زبان پر بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے'۔

اسی سلسلہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا کہ:

'انہی وجوہ سے آج کل کے واعظین اور میلاد خوانوں کے بیانوں اور وعظوں میں جانا چھوڑ دیا ہے'۔

اور حضرت شاہ علی حسین صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے متعلق فرمایا کہ:

'حضرت ان میں ہیں، جن کا بیان میں بخوشی سنتا ہوں'۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۶۸، ۲۶۷]

☆......مولانا ابوالبرکات صدیقی پیلی بھتی کا بیان ہے:

'ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت بدایوں تشریف لے گئے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول شاہ عبد القادر صاحب قادری برکاتی معینی قدس سرہ العزیز کے یہاں مہمان تھے۔ مدرسہ قادریہ مسجدِ خرما میں خود حضرت تاج الفحول امامت فرماتے۔ جب فجر کی تکبیر شروع ہوئی، تو حضرت مولانا عبد القادر صاحب نے اعلیٰ حضرت عالمِ اہلِ سنت فاضلِ بریلوی کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیا۔ اعلیٰ حضرت نے نمازِ فجر کی امامت کی اور قرأت اتنی طویل فرمائی کہ مولانا عبد القادر صاحب کو بعد سلام کے شک ہوا کہ آفتاب تو کہیں طلوع نہیں ہو گیا۔ مسجد سے نکل نکل کر لوگ آفتاب کی جانب دیکھنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ:

'آفتاب نکلنے میں ابھی ۲ رمنٹ ۳۸ رسکنڈ باقی ہیں'۔

یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۴۹، ۲۴۸]

☆......اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں شاہ عبد القادر قادری برکاتی عثمانی بدایونی علیہ الرحمہ کا مقام اور 'تاج الفحول' کا خطاب، اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

'چودھویں صدی کے علما میں باعتبارِ حمایتِ دین و نصرتِ سنت، نیز بلحاظِ تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا۔ ایامِ ندوہ میں اور جب اس کے بعد فقیر نے سرگرم حامیانِ دین کے لئے خطاب تجویز کئے ہیں۔ حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو 'الاسد الاسد الاشد'۔ قاضی عبد الوحید فردوسی کو 'ندوہ شکن، ندوی فگن'۔ مولانا ہدایت رسول لکھنوی کو 'شیر بیشۂ اہلِ سنت' رحمہم اللہ تعالیٰ، حاجی محمد لعل خان صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالیٰ کو 'حامئ سنت، ماحئ بدعت'۔ اسی زمانہ میں حضرت فاضلِ بدایونی قدس سرہ کو 'تاج الفحول' سے تعبیر

کیا۔ جو آج تک ان کے اخلاف میں منقول و مقبول ہے اور وہ بے شک باعتباراتِ مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً ۔۔[فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی، ۳۶۸، ۶/۳۶۷]

☆......موضع کرتولی، ضلع بدایوں میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی آبائی زمینداری تھی اور ہے۔ درج ذیل عبارت میں لفظ 'دیہات' سے مراد شاید وہی موضع کرتولی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اس ضمن میں فرمایا:

'بحمد اللہ تعالیٰ میں نے جب سے ہوش سنبھالا۔ اللہ کے سب دشمنوں سے دل میں سخت نفرت پائی۔ ایک بار اپنے دیہات کو گیا تھا۔ کوئی مقدمہ پیش آیا تھا۔ جس میں چوپال کے تمام ملازموں کو بدایوں جانا پڑا۔ میں تنہا رہا۔ اس زمانے میں معاذ اللہ درد قولنج کے ہوا کرتے تھے۔ اس دن ظہر کے وقت سے درد شروع ہوا۔ اسی حالت میں، جس طرح بنا، وضو کیا۔ اب نماز کو کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ رب عزوجل سے دعا کی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگی۔ مولیٰ عزوجل مضطر [پریشان حال] کی پکار سنتا ہے۔ میں نے سنتوں کی نیت باندھی۔ درد بالکل نہ تھا۔ جب سلام پھیرا، وہی حالت تھی۔ بعد کی سنتیں پڑھیں، درد موقوف اور پھر سلام کے بعد بدستور۔ میں نے کہا: اب عصر تک ہوتا رہ۔ پلنگ پر لیٹا کروٹیں لیتا رہا کہ درد سے کسی پہلو قرار نہ تھا۔ اتنے میں سامنے سے اسی گاؤں کا ایک برہمن [خبیث بزعمِ خود توحید کا قائل اور براہِ مکر وفریب میرے خوش کرنے کے لئے مسلمانوں کی طرف مائل بنتا تھا] گذرا۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر اندر آیا اور میرے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا: کیا یہاں درد ہے؟۔ مجھے اس کا نجس ہاتھ بدن کو لگنے سے اتنی کراہت و نفرت پیدا ہوئی کہ درد کو بھول گیا اور یہ تکلیف اس سے بڑھ کر معلوم ہوئی کہ ایک کافر کا ہاتھ میرے پیٹ پر ہے۔ ایسی عداوت رکھنا چاہئے'۔ [الملفوظ، طبع بریلی، ۲/۸۷، ۸۸]

☆......☆......☆



شہرِ محب و مِیت: پیلی بھیت

☆......خواجہ رضی حیدر صاحب، ڈائریکٹر قائدِ اعظم اکیڈمی کراچی لکھتے ہیں:

’ہندوستان کے صوبہ یوپی میں نیپال کی ترائی میں [پیلی بھیت] قدیم شہر ہے۔ حافظ رحمت خان روھیلہ نے ۱۷۶۲ء میں آباد کیا تھا اور اس کا نام ’حافظ آباد‘ رکھا گیا تھا۔ بعد میں حافظ رحمت خان روھیلہ کے حکم پر ایک فصیل شہر کے اطراف سے نکلنے والی پیلی مٹی کی تعمیر کروائی۔ جس کی وجہ سے یہ شہر ’حافظ آباد‘ سے ’پیلی بھیت‘ ہو گیا۔ کیوں کہ ہندی اور سندھی میں بھیت دیوار کو کہتے ہیں...... حافظ رحمت خان نے شہر کے وسط میں ایک جامع مسجد بنوائی۔ جو اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ پیلی بھیت میں ہندو کائستوں اور بنجاروں کے علاوہ مسلمان پٹھانوں، پنجابی سوداگروں اور سیدوں کی اکثریت ہے۔

پیلی بھیت علمِ دین کا شہرہ ہندوستان کے دیگر شہروں کے مقابلے میں کم تھا۔ مگر صوفیا کی ایک بڑی اکثریت اس شہر میں ہمیشہ سے موجود تھی۔ حافظ رحمت خان کے دورِ حکومت میں شاہ کلیم اللہ شاہ میاں کے مجاہدۂ باطنی کی شہرت عام تھی اور حافظ رحمت خان بھی آپ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ اس کے جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء، جو صوفیا پیلی بھیت میں مقیم تھے، ان میں شاہ نعمت اللہ شاہ میاں نقشبندی، شاہ طف اللہ شاہ میاں، شاہ سبحان شاہ میاں اور شاہ مستان شاہ میان کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں‘۔ [تذکرہ محدث سورتی، خواجہ رضی حیدر، طبع کراچی، ص: ۷۴]

☆......خاتم المحققین شاہ نقی علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیلی بھیت آمد و رفت کے بارے میں ایک اہم دانشور لکھتے ہیں:

’علماء میں مولانا احمد رضا خان کے والد مولانا نقی علی خان کی شخصیت ایسی تھی جس کو پیلی بھیت کے عوام الناس قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مولانا نقی علی خان اکثر بریلی سے پیلی بھیت تشریف لاتے اور خصوصاً میلاد کی محافل میں شرکت کرتے تھے‘۔

[تذکرہ محدث سورتی، خواجہ رضی حیدر، طبع کراچی، ص: ۷۵]

☆...... حجۃ العصر الشاہ وصی احمد محدث سورتی کی آمد اور آفاقِ عالم میں پیلی بھیت کی شہرت کے متعلق مؤرخ لکھتا ہے:

'حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مذہبی حلقوں میں پیلی بھیت کو مرکزی حیثیت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے قیام پیلی بھیت کے بعد حاصل ہوئی اور اس شہر کا نام ہندوستان کی مذہبی اور سیاسی تاریخ میں زندہ جاوید ہو گیا۔

حافظ الملک حافظ رحمت خان روھیلہ نے جامع مسجد پیلی بھیت میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ جس کا نام 'حافظ العلوم' رکھا گیا۔ اس مدرسہ میں ابتدائی طور پر قرآن حکیم کے ناظرہ کی تعلیم کا انتظام تھا۔ لیکن بعد میں طالبانِ علم کی ضرورتوں کے پیشِ نظر عربی، فارسی، حدیث، تفسیر، فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم کا بھی انتظام کر دیا گیا۔ اس مدرسہ کے پہلے مدرس مولانا حافظ سعد اللہ تھے۔ جب کہ قرآن حکیم کے ناظرہ کی ذمہ داری مولانا محمد موسیٰ کے سپرد تھی۔ ۱۲۹۷ھ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی جب پیلی بھیت پہنچے، تو عمائدین اور علمائے شہر نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور جامع مسجد پیلی بھیت میں قائم مدرسہ حافظ العلوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر فرما دیا...... مولانا وصی احمد نے پندرہ سال حافظ العلوم میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں'۔ [تذکرہ محدث سورتی، خواجہ رضی حیدر، طبع کراچی، ص:۷۶]

☆...... اولین تعارف و تعلق کب اور کیسے قائم ہوا۔ تعین مشکل ہے۔ لیکن دونوں میں جو تعلقِ خاطر تھا، وہ قابلِ رشک ہے۔ حضرت محدث سورتی بکثرت بریلی تشریف لاتے تھے۔ قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت ۱۹ر مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے۔ عقائد و مسائل میں دونوں کا باہم اتفاق مثالی تھا۔ معمارِ رضویات ملک العلما مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ رحمۃ الباری احباب کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

'ان میں بھی اخص ترین مخلص حضرت محدث سورتی ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کہ اصول و فروع، کسی ایک مسئلہ میں بھی اعلیٰ حضرت کے خلاف نہیں تھے۔ صاحبِ ورع و تقویٰ، عالمِ باعمل، حق گوئی کی یہ شان کہ ہر وقت ہر حال میں حق بات دوٹوک اور فیصلہ کن کہنے میں اصلاً پس و پیش نہ کیا کرتے تھے۔ اس لئے اعلیٰ حضرت جب کبھی ان کو خط تحریر فرماتے، آداب والقاب

اس طرح لکھتے ”الاسد الاسد و الاشد الارشد کنز الکرامۃ جبل الاستقامۃ“۔ ان کو اعلیٰ حضرت سے نہ صرف محبت، بلکہ عشق تھا۔ اس لئے شاید ہی ایسا کوئی مہینہ ہوتا کہ پیلی بھیت سے بریلی شریف تشریف لا کر اعلیٰ حضرت سے ملاقات نہ کرتے ہوں۔ ان دونوں علم و عمل، دین و دیانت، رشد و ہدایت کے شمس و قمر کے ملنے کا منظر بھی قابلِ دید ہوتا تھا۔

پیلی بھیت سے اکثر محدث سورتی صاحب صبح کی گاڑی سے تشریف لاتے کہ دن بھر قیام کر کے شام کے وقت واپس ہو جائیں گے۔ اس کو اعلیٰ حضرت کی کرامت کہیے یا حضرت محدث سورتی صاحب کا جذبہ و محبت، اکثر ایسا ہی اتفاق ہوتا کہ جس دن حضرت محدث سورتی صاحب تشریف لاتے، کسی نہ کسی ضروت سے اعلیٰ حضرت باہر ہی تشریف رکھتے اور آتے ہی ملاقات ہو جاتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت باہر نہیں ہوتے، تو اطلاع ہونے پر باہر تشریف لے آتے۔ جیسے ہی ان دونوں کی نظریں دو چار ہوتیں، پہلے مصافحہ، پھر معانقہ فرماتے۔ اس کے بعد ایک دوسرے کی دست بوسی کرتے۔ پھر دونوں حضرات سائبان میں قالین پر تشریف رکھتے۔ پھر ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے بعد علمی باتیں شروع ہوتیں۔ افسوس کہ اس وقت ان کی علمی باتوں کے لکھنے کا خیال نہ ہوا۔ ورنہ خدا جانے، کیسے گراں مایہ نکات، علوم و معارف اکٹھا ہو جاتے۔ جن کی قدر علما کرتے اور عوام ان سے بے شمار فائدہ اٹھاتے“۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۱۳۶]

☆...... حضرت ملک العلما کے مشاہدات کے بعد حضرت محدثِ اعظمِ ہند سید شاہ محمد کچھوچھوی کا سوال اور حضرت محدث سورتی علیہم الرحمہ کا جواب پڑھیئے، جو درج ذیل ہے:

”حضرت محدث صاحب اور اعلیٰ حضرت کے تعلقات کو دیکھ کر ایک بار حضرت محدث صاحب کے آخری تلمیذ مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی نے پوچھا کہ آپ کو شرفِ بیعت حضرت مولانا شاہ فضلِ رحماں گنج مرادآبادی سے حاصل ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو جو محبت اعلیٰ حضرت سے ہے، وہ کسی دوسرے سے نہیں۔ اعلیٰ حضرت کی یاد، ان کا تذکرہ، ان کے فضل و کمال کا خطبہ آپ کی زندگی کے لئے روح کا مقام رکھتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔

آپ [حضرت محدث سورتی] نے فرمایا کہ سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں ہے، جو میں نے مولوی اسحاق محشی بخاری سے پائی اور وہ بیعت نہیں ہے، جو گنج مرادآباد میں نصیب ہوئی۔ بلکہ وہ

ایمان ہے، جو مدارِ نجات ہے، جسے میں نے صرف اعلیٰ حضرت سے پایا اور میرے سینے میں پوری عظمت کے ساتھ مدینہ کی محبت و عظمت بسانے والے اعلیٰ حضرت ہیں۔ اسی لئے ان کے تذکرے سے میری روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ان کی ایک ایک بات اپنے لئے مشعلِ ہدایت جانتا ہوں'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۱۳۸]

☆......مرشد المشائخ شیخ محمد ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اور خواجہ رضی حیدر نقل کرتے ہیں:

'چنانچہ میں [ضیاء الدین احمد] لاہور سے دہلی آ گیا۔ جہاں ایک برس قیام کے بعد حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت پہنچا اور تقریباً چار سال پیلی بھیت میں رہ کر تمام علوم کا تکملہ کیا'۔ [تذکرہ محدث سورتی، خواجہ رضی حیدر، طبع کراچی، ۱۹۹۲ء ص: ۲۷۳]

☆......مرشد المشائخ شیخ محمد ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی سے میری پہلی ملاقات بھی حضرت محدث سورتی کی وجہ سے ہوئی۔ چوں کہ حضرت محدث سورتی سے اعلیٰ حضرت کا خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ میں اپنے استاذ کے ہمراہ ہر جمعرات کو بریلی جاتا اور جمعہ کی نماز پڑھ کر پیلی بھیت لوٹ آتا'۔

[تذکرہ محدث سورتی، خواجہ رضی حیدر، طبع کراچی، ۱۹۹۲ء ص: ۲۷۴]

☆......قاری امانت رسول پیلی بھیتی لکھتے ہیں۔ یہ قول بھی حضرت شیخ ضیاء الدین مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہی ہے:

'ہر جمعرات کو پیلی بھیت سے چل کر محدث سورتی کے ہمراہ بریلی شریف حاضر ہوتا تھا'۔

[پندرھویں صدی کا مجدد، مطبوعہ پیلی بھیت، ۱۴۲۹ھ ص: ۲۳]

☆......اعلیٰ حضرت اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

'نیاز مند پیلی بھیت گیا ہوا تھا۔ کل جمعہ کو واپس آیا'۔

[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ص: ۱/ ۷۰]

☆......رضویات کے معمارِ اول ملک العلما حضرت شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی تحریر کرتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت استاذی مولانا وصی احمد

محدث قدس سرہ کے مہمان ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں ’عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ‘ کا ذکر نکلا۔ حضرت محدث صاحب نے فرمایا کہ:

’میرے کتب خانے میں ہے‘۔

اتفاقِ وقت، باوجودیکہ اعلیٰ حضرت کے کتب خانہ میں کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا اور ہر سال معقول رقم کی نئی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں۔ مگر اس وقت تک ’عقود الدریہ‘ منگوانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

’میں نے نہیں دیکھی ہے۔ جاتے وقت میرے ساتھ کر دیجئے گا‘۔

حضرت محدث سورتی نے بخوشی قبول کیا اور کتاب لاکر حاضر کر دی۔ مگر ساتھ ساتھ فرمایا کہ:

’جب ملاحظہ فرمالیں، تو بھیج دیجئے گا۔ اس لئے کہ آپ کے یہاں تو بہت کتابیں ہیں۔ میرے پاس یہی گنتی کی چند کتابیں ہیں۔ جن سے فتوی دیا کرتا ہوں‘۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اچھا۔

اعلیٰ حضرت کا قصد اسی دن واپسی کا تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کے ایک جاں نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی۔ اس وجہ سے رک جانا پڑا۔ رات کو اعلیٰ حضرت نے ’عقود الدریہ‘ کو، جو ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تھی، ملاحظہ فرمالیا۔ دوسرے دن دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر گاڑی کا وقت تھا۔ بریلی شریف روانگی کا قصد فرمایا۔ جب اسباب درست کیا جانے لگا، تو ’عقود الدریہ‘ کو بجائے سامان میں رکھنے کے فرمایا کہ:

’محدث صاحب کو دے آؤ‘۔

مجھے تعجب ہوا کہ قصد لے جانے کا تھا۔ واپس کیوں فرمارہے ہیں۔ لیکن کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت محدث صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اعلیٰ حضرت سے ملنے اور اسٹیشن تک جانے کے لئے زنانہ مکان سے تشریف لا ہی رہے تھے کہ میں نے اعلیٰ حضرت کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ عرض کیا۔ میں اس کتاب کو لئے ہوئے حضرت محدث صاحب کے ساتھ واپس ہوا۔ حضرت محدث صاحب نے فرمایا کہ:

’میرے اس کہنے کا کہ ’جب ملاحظہ فرمالیں، تو بھیج دیجئے گا، شاید آپ کو ملال ہوا کہ اس کتاب

کو واپس کیا'۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

'قصد بریلی لے جانے کا تھا اور اگر کل ہی جاتا، تو اس کتاب کو ساتھ لے جاتا۔ لیکن جب کل جانا نہ ہوا، تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی۔ اب لے جانے کی ضرورت نہ رہی'۔

حضرت محدث صاحب نے فرمایا: 'بس ایک مرتبہ دیکھنا کافی ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہو گی، فتاویٰ میں لکھ دوں گا اور مضمون تو ان شاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کے لئے محفوظ ہو گیا'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۴، ۱۰۳]

☆......بعد میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے پاس 'عقود الدریہ' آ گئی اور اس پر حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ [دیکھئے: فتاوی رضویہ، طبع بمبئی، ۱۰/ ۵۱۴]

☆......نبیرۂ محدث سورتی قاری احمد پیلی بھیتی بیان کرتے ہیں:

'مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے سالانہ جلسہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ پیلی بھیت تشریف لائے۔ ایک روز صبح کو حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی محمد بشیر میاں علیہ الرحمہ سے ملنے تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں کو بیعت کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بمقتضائے کمالِ غیرت علی احکام الشرع بغیر ملے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔ دوسرا کوئی ہوتا، تو بگڑ جاتا۔ لیکن حضرت شاہ جی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا کمالِ بت نفسی و حق پسندی اس طرح جلوہ گر ہوا کہ جب شام کو اعلیٰ حضرت بریلی تشریف لے جانے لگے، تو شاہ جی میاں صاحب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو اسٹیشن تک پہنچانے گئے اور صبح کے واقعہ پر اظہارِ افسوس کر کے فرمایا کہ:

'مولانا! اب آئندہ عورتوں کو پسِ پردہ بیٹھا کر ان سے بیعت لیا کروں گا'۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۲۶۲]

☆......حاضر باش حضرت مولانا سید ایوب علی قادری رضوی کا بیان ہے:

'ایک مرتبہ حضور اعلیٰ حضرت پیلی بھیت میں حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی

کے یہاں تشریف لے گئے۔ دورانِ قیام میں ایک روز کسی صاحب کے یہاں دعوت تھی اور بوجہِ نقاہت پالکی میں تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ منجملہ اور متوسلین و معتقدین کے خود حضرت محدث صاحب ممدوح پیادہ پا پالکی کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ چوں کہ کہاروں کی رفتار تیز تھی۔آپ نے سعی فرمائی۔ یہاں تک کہ دوڑنا شروع کر دیا اوراسی پر بس نہ کیا، بلکہ نعلین شریفین در بغلین کر لیں، شارعِ عام پر عام، بلکہ تمام حضرات حیرت و استعجاب سے پالکی اور مولانا ممدوح کو دیکھ رہے تھے۔ یکا یک کہاروں نے کاندھا بدلنے کے لئے پالکی روکی۔ چوں کہ حضرت محدث صاحب تیز روی سے ہمراہ تھے، لہٰذا رو میں پالکی کی کھڑکی کا سامنا ہو گیا۔جس وقت اعلیٰ حضرت کی نظر حضرت محدث صاحب پر پڑی کہ برہنہ پا پالکی کے ہمراہ ہیں، کہاروں کو حکم فرمایا: پالکی یہیں رکھ دواور فرمایا: مولانا! یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: حضور تشریف رکھیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔محدث صاحب نے فرمایا: آپ بہت کمزور اور ابھی مکان دور ہے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اچھا، تو آپ یہیں سے تشریف لے جائیے۔تب میں پالکی میں بیٹھوں گا۔ورنہ میں بھی پیدل چلوں گا‘۔

بالآخر محدث صاحب کو واپس لوٹنا پڑا۔تب پالکی آگے بڑھی۔ چوں کہ حضرت محدث صاحب بھی وہاں مدعو تھے، اعلیٰ حضرت کے پہنچ جانے کے بعد ان رئیس صاحب نے دوبارہ پالکی حضرت محدث صاحب کے لئے بھیجی‘۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۸۴، ۲۸۳]

☆......نبیرۂ محدث سورتی قاری احمد پیلی بھیتی کا بیان ہے:

’اعلیٰ حضرت مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں قیام فرما ہیں۔ سید شوکت علی صاحب خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حضرت میرا لڑکا سخت بیمار ہے۔تمام حکیموں نے جواب دے دیا ہے۔ یہاں ایک بچہ ہے۔صبح سے نزع کی حالت میں ہے۔سخت تکلیف ہے۔ میں بڑی امید کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔اعلیٰ حضرت سید صاحب کی پریشانی سے بہت متاثر ہوئے اور خود ان کے ہمراہ مریض کو دیکھنے تشریف لے گئے۔مریض کو ملاحظہ فرمایا۔ پھر سر سے پیر تک ہاتھ پھیر پھیر کر کچھ دعائیں پڑھتے رہے۔سید صاحب، جو ابھی حیات ہیں، فرماتے ہیں کہ

حضرت کے ہاتھ رکھتے ہی مریض کو صحت ہونا شروع ہوگئی اور صبح تک وہ مرتا ہوا بچہ اعلیٰ حضرت کی دعا کی برکت سے بالکل تندرست ہو گیا‘۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۹۷۸]

☆......وہی نبیرۂ محدث سورتی قاری احمد پیلی بھیتی بیان کرتے ہیں:

’۸؍ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ کو حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی خانقاہ میں عرس شریف کے موقع پر رسیوں میں جکڑے ہوئے ایک مسلمان نوجوان دیوانے کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ پاگل کے رشتہ داروں نے بیان کیا کہ کچھ ماہ سے یہ پاگل ہے۔ ہزاروں علاج کیا۔کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پاگل خانہ میں اس لئے نہیں داخل کیا کہ وہ وہاں مریضوں کو بہت مارتے ہیں۔ہم بڑی امید کے ساتھ حضور کی خدمت میں لائے ہیں۔ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔تمام گھر سخت پریشان ہے۔

اعلیٰ حضرت تمام واقعات سننے کے بعد چند منٹ اس دیوانے کی طرف بہت غور سے دیکھتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ نگاہوں سے مرض کھینچ رہے ہیں۔ حضرت کی نگاہ ملاتے ہی دیوانے کی مجنونانہ حرکت میں افاقہ ہونا شروع ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اسی جگہ بے حس و حرکت ہو کر گر پڑا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے رشتہ داروں سے فرمایا: اب یہ ٹھیک ہے۔رسیاں کھول دو اور گھر لے جاؤ اور روزانہ ایک عدد منقیٰ تھوڑے سے دودھ کے ساتھ کھلا دیا کرو۔خدا کے فضل سے وہ دیوانہ شخص اب تک زندہ ہے اور اپنے نوجوان لڑکوں کے ساتھ کاروباری زندگی میں مصروف ہے‘۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۹۷۹]

☆......انہیں نبیرۂ محدث سورتی قاری احمد پیلی بھیتی کا بیان ہے:

’۱۳۲۹ھ میں اعلیٰ حضرت مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حضرت مولانا شاہ محمد وصی احمد محدث سورتی کے ہاں مقیم تھے کہ سید فرزند علی صاحب اعلیٰ حضرت سے ملنے آتے ہیں اور دست بوس ہوتے ہیں۔سید صاحب کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔اعلیٰ حضرت بہت دیر تک بہت گہری نظروں سے سید صاحب کے چہرے کو دیکھتے رہے۔سید صاحب فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی نگاہوں نے مجھے عرق عرق کر دیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت مجھ کو ڈاڑھی رکھنے کی خاموش ہدایت فرما رہے ہیں۔ میں

نے صبح کو حاضرِ خدمت ہو کر اپنے فعلِ شنیع سے توبہ کی۔ آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں کہ سید صاحب کا چہرہ نہایت خوش نما ڈاڑھی سے سجا ہوا ہے۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۹۸۰]

☆......نبیرۂ محدث سورتی حضرت مولانا قاری احمد پیلی بھیتی کا بیان ہے:

'حضرت محدث علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت سے فرمایا کہ بڑی بیٹی 'حنیف النساء' کی آنکھیں تین ماہ سے دکھ رہی ہیں۔ مختلف علاج کئے گئے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ ورم کی وجہ سے آنکھیں نہیں کھلتیں۔ رات بھر سخت بے چینی اور تکلیف رہتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے قلم سے کاغذ کے دو ٹکڑوں پر 'اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہِ' کچھ گولائی کے ساتھ تحریر فرمایا اور محدث سورتی کو فرمایا کہ ایک ایک کاغذ آنکھوں پر رکھ کر ایک باریک کپڑا باندھ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حسبِ ہدایت ظہر کے بعد جب کپڑا کھولا گیا، تو آنکھوں میں نہ ورم تھا، نہ سرخی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان آنکھوں میں کبھی کوئی شکایت ہی نہیں ہوئی۔ افسوس کہ مدرسۃ الحدیث کی عمارت منہدم ہونے کے وقت یہ کاغذ کے ٹکڑے ضائع ہو گئے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۹۸۰، ۹۸۱]

☆......محدث سورتی کے مدرسہ میں جن تعلیم پاتے ہیں، قاری احمد پیلی بھیتی بیان کرتے ہیں:

'۱۳۱۹ھ میں حضرت محدث علیہ الرحمہ 'التعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی' تحریر فرما رہے تھے۔ ایک دن بہت سے اوراق آپ کی چوکی پر سے غائب ہو گئے۔ بہت تلاش کئے گئے۔ مگر وہ اوراق دستیاب نہ ہو سکے۔ اعلیٰ حضرت سے اس واقعہ کو بیان کیا گیا۔ آپ نے بیان فرمایا۔ وہ ضائع نہیں ہوا ہے۔ بلکہ احتیاط سے رکھا ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے حضرت محدث سورتی سے فرمایا کہ آپ کی مسجد میں جنوں کی ایک جماعت رہتی ہے۔ ان میں ایک صاحب علومِ اسلامیہ سے بھی واقف ہے اور آپ کے درسِ حدیث میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ وہ دیکھنے کے لئے کاغذات لے گئے تھے۔ مگر واپس رکھنا بھول گئے۔ آپ مسجد میں تلاش کیجئے۔ چنانچہ مسجد میں تلاش کیا گیا۔ تو وہ مسودہ ایک اونچے طاق پر حفاظت سے رکھا ہوا دستیاب ہوا'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۹۸۱]

☆......ایک سیدانی کے روپے ایک سال بعد مل گئے۔ قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں:

'پیلی بھیت کی ایک سیدانی صاحبہ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت! ایک سال ہوا۔ میں نے کچھ روپیے اور اشرفیاں اپنے کمرے کے ایک کونے میں گاڑ دیا تھا۔ مگر اب وہاں دیکھتی ہوں، تو نہیں ہے۔ لڑکی کی شادی قریب ہے اور اسی لئے رکھے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ وہ اس جگہ نہیں ہے۔ بلکہ وہاں سے ہٹ کر کوٹھری میں فلاں جگہ پہنچ گئے ہیں۔ اس جگہ تلاش کیا گیا۔ تو سب کے سب مل گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ بغیر بسم اللہ کہے، اگر روپیہ دفنایا جائے، تو اپنی جگہ قائم نہیں رہتا ہے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۹۸۱]

☆......حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی بیان کرتے ہیں:

'ایک مرتبہ پیلی بھیت شریف حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے عرس سراپا قدس سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی۔ حضور نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفہ کی صندوچی حاجی کفایت اللہ سے طلب فرمائی۔ کسی نے جلدی سے آرام کرسی ویٹینگ روم سے لاکر بچھا دی۔ ارشاد فرمایا: یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔ جتنی دیر تک وظیفہ پڑھا، آرام کرسی کے تکیے سے پشت مبارک نہ لگائی'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۱۰۷]

☆......اعلیٰ حضرت نے 'مدرسۃ الحدیث' کا سنگِ بنیاد رکھا، مولانا قاری احمد کا بیان:

'نبیرۂ حضرت محدث سورتی قدس سرہ العزیز جناب مولانا قاری احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۳۰۱ھ میں آپ [اعلیٰ حضرت] پیلی بھیت تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب علیہ الرحمہ کے استدعا پر اپنے ہاتھ سے 'مدرسۃ الحدیث' کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس تقریب میں بدایوں، لکھنؤ، رام پور اور پنجاب کے بہت سے علما شریک تھے۔ سنگِ بنیاد سے فارغ ہو کر علمائے کرام اور ہزاروں مسلمانوں کے اجتماع میں تقریباً تین گھنٹے صرف حدیث کے موضوع پر تقریر فرماتے رہے۔ اس تقریب کے بعد موقع پر کم و بیش تین سو مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ اپنی حیات میں انیس مرتبہ پیلی بھیت تشریف لائے اور ہمیشہ مدرسۃ الحدیث کی عمارت میں اپنے مخلص میزبان حضرت محدث سورتی کے پاس قیام فرمایا'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۴۰۵]

☆......حضرت محدث سورتی کے صاحب زادے کی شادی میں شرکت اور بارات میں روانگی:

'ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت ۱۳۲۳ھ میں حضرت محدث سورتی کے صاحب زادے حضرت مولانا عبدالاحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شادی میں بارات کے ہمراہ گنج مرادآباد تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالاحد صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بارات کی واپسی کے وقت ۳۲؍مرد اور ۸؍عورتیں ہمراہ تھیں۔ ریل نہ ہونے کی وجہ سے گنج مرادآباد اسٹیشن مادھوگنج تک دس میل کا راستہ بیل گاڑی سے طے کرنا پڑتا تھا۔ حضرت نے یہ تمام راستہ پالکی کے ذریعہ طے فرمایا۔ اس جنگلی راستے میں عصر ومغرب کے درمیان، جب کہ اسٹیشن تین میل رہ گیا تھا، قریب کے گاؤں سے ایک آدمی آکر اطلاع کی کہ ڈاکو بارات لوٹنے آرہے ہیں۔ حضرت کو جب اس واقعہ کی خبر کی گئی، تو فرمایا: اللہ اور اس کے محبوب ہماری مدد فرمائیں گے۔ ڈاکوؤں کا گروہ جب آتا ہوا معلوم ہوا، تو حضرت خود آگے بڑھ کر ان کے قریب تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ ہم تمہارے علاقے کے ایک برگزیدہ بزرگ کے خاندان کی لڑکی بیاہ کر لے جارہے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں بھی تم ہمارا لوٹنا مناسب سمجھتے ہو؟۔ حضرت کے اس فرمان کے بعد خدا نے ایسی عنایت فرمائی کہ سولہ ڈاکوؤں کا مسلح گروہ اپنے خیال سے باز آیا اور حضرت سے معذرت چاہی۔ شب کو آٹھ بجے یہ بارات اسٹیشن کو پہنچی اور رات کو وہیں قیام کیا۔ حضرت کی نورانی شخصیت نے اس واقعہ سے بہت جلد اطراف کے دیہات میں ایک عام شہرت حاصل کرلی۔ صبح کو ڈاکوؤں کے گروہ کے چند مسلمان بہت سے دیہاتیوں کے ساتھ اسٹیشن پر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تائب ہوکر بیعت حاصل کی'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۴۰۶، ۴۰۷]

☆......خادمِ رضا وخدمتگارِ رضویات حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی فرماتے ہیں:

'سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد صاحب اپنے ولد ماجد مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی کے عرس سراپا قدس میں ضرور اعلیٰ حضرت کو دعوتِ شرکت دیتے اور حضور پرنور بھی التزاماً شرکت فرماتے۔ حسبِ معمول ایک سال بجائے مولانا ممدوح کے حضرت ننھے میاں صاحب سجادہ نشین حضرت حاجی محمد بشیر صاحب موٹر میں صبح دس بجے پیلی بھیت سے اعلیٰ حضرت قبلہ کو ہمراہ لے جانے کے لئے تشریف لائے۔ حضور کی طبیعت اس روز بہت ناساز تھی اور نقاہت غالب۔ اِدھر

علالت کے باعث یہ حالت، اُدھر حضرت محدث صاحب کے عرس میں شرکت کی اہمیت اور جنابِ سجادہ کا ورودِ مسعود مدِ نظر۔ بالآخر ارشاد فرمایا:

'جس وقت مجھ کو کچھ بھی سکون ہوا، ان شاء اللہ ضرور چلوں گا۔ آپ تشریف رکھئے'۔

چنانچہ اسی روز مغرب بعد موٹر میں پیلی بھیت تشریف لے گئے اور عرس شریف میں شرکت فرمائی۔ وہاں سے مراجعت ریل گاڑی سے ہوئی۔ نواب گنج اسٹیشن پر، جہاں گاڑی صرف دو منٹ ٹھہرتی ہے، نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا۔ حضور والا نے گاڑی ٹھہرتے ہی، تکبیرا قامت فرما کر گاڑی کے اندر نیت باندھ لی۔ غالباً پانچ شخصوں نے اقتدا کی۔ ان میں میں بھی تھا۔ لیکن ابھی شریکِ جماعت نہیں ہو پایا تھا کہ میری نظر غیر مسلم گارڈ پر پڑی، جو پلیٹ فارم پر کھڑا سبز جھنڈی ہلا رہا تھا۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ لائن کلیئر لے جانے والے نے ہاتھ بڑھا کر انجن ڈراوٗر کو کاغذ دے دیا۔ جس کے یہ معنی تھے کہ گاڑی چھوٹ رہی ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہوا۔ یعنی حضور نے باطمینان تمام بلا اضطراب کے تینوں رکعتیں ادا کیں اور جس وقت دائیں جانب سلام پھیرا تھا، گاڑی چل دی۔ مقتدیوں کی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ نکل گیا۔

اس کرامت میں قابلِ غور بات یہ تھی کہ اگر جماعت پلیٹ فارم پر کھڑی ہوتی، تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ گارڈ نے ایک بزرگ ہستی کو دیکھ کر گاڑی روک لی ہوگی۔ ایسا نہ تھا۔ بلکہ نماز گاڑی کے اندر پڑھی تھی۔ اس تھوڑے وقت میں گارڈ کو کیا خبر ہو سکتی تھی۔ ایک اللہ کا محبوب بندہ فریضۂ نماز گاڑی میں ادا کرتا ہے اور گر بالفرض دیکھ بھی لیتا کہ نماز ہو رہی ہے، تو اس غیر مسلم کو مسئلۂ شرعیہ اسلامیہ سے کیا واقفیت کہ چلتی گاڑی میں فجر کی سنتیں اور فرض نمازیں اور وتر ادا نہیں ہوتیں اور اگر بالفرض یہ بات کسی سے سن بھی لی ہو، تو اس غیر مسلم کو اس کی کیا پرواہ کہ ایک بزرگ مسلمان کی عبادت قواعدِ شرعیہ کے مطابق ادا ہو۔ اس لئے مجھے گاڑی روک دینی چاہئے'۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۹۱۹، ۹۲۰]

☆......حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کا مقام و مرتبہ، اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

'یہ مسئلہ پیلی بھیت کا ہے اور وہاں ان صفاتِ مذکورہ کا کوئی عالم نہیں، سوائے مولانا مولوی محمد

وصی احمد صاحب محدث سورتی دامت فیوضہم کے،تو ان کی طرف رجوع لازم اوران پر واجب کہ بعد غور تمام وتحقیقاتِ تام جملہ مسائلِ مذکورہ ومصالحِ نابالغین وما لہم وما علیہم پر نظرِ غائر فرما کر حزم واحتیاطِ کامل سے کام لیں اور ذی رائے دیندار اہلِ سنت عمائدِ شہر کو رائے وشوریٰ میں شریک کریں'۔ [فتاویٰ رضویہ،طبع بمبئی،۵/۸۸۸]

☆......شاہ فضلِ حسن صابری، مدیر'دبدبہ سکندری' رامپور لکھتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب پیلی بھیت تشریف لے جاتے،تو حضرت جناب تقدس مآب حاجی میاں محمد بشیر صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ضرور ملنا ہوتا۔ایک روز اعلیٰ حضرت بعد مغرب تشریف لے گئے۔حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے آہِ سرد بھری۔جس کی وجہ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے دریافت فرمائی۔تو فرمانے لگے کہ:فیض بند ہو گیا ہے'۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا:کیا باعث؟۔

ارشاد فرمایا کہ:ایک دفعہ دل میں بیٹھے بیٹھے یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ کہیں کوئی بات شاید ان وہابیوں کی بھی حق ہو۔ یہ خیال آتے ہی فیض کا دروازہ بند فرما دیا گیا ہے۔آپ ذکر شریف حضور پرنور محبوبِ اکرم سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیجئے۔اس سے فیض جاری ہو جائے گا'۔

چنانچہ اسی وقت مجلسِ مبارکِ غوثیت ترتیب دی گئی۔ بعد نمازِ عشا نصف شب تک اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے ذکرِ قدس سے حاضرین کو بہرہ یاب فرمایا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہزاروں دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔

اب تو غالباً رشک وحسد کا آسمان کور باطنوں پر ٹوٹ پڑے گا کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے ایک ایسے پیرِ کامل کا فیض جاری کرا دیا۔ہم کہتے ہیں کہ یہ معمولی بات ہے۔اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس خدا کے محبوب بندے ہیں اور خدا کے محبوبِ عظیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی کچھ شانِ کریمی بھی معلوم ہے؟۔ پڑھیے،کلامِ قدسی:

'کُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رَضَائی اَنَا اَطْلُبُ رَضَاکَ یَا مُحَمَّدُ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ'۔

یعنی سب ہماری رضا چاہتے ہیں اور ہم آپ کی رضا جوئی چاہتے ہیں اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

☆......شیر پور روانگی، پورن پور اسٹیشن پر زبردست استقبال، دو دن قیام، شفایابی کا ظہور، ذکاء

اللہ خان رضوی مرحوم بیان کرتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت کی عادت تھی کہ بہت کم شہر سے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ برابر افتا و تصنیف، ذکر و شغل، طاعت و عبادت میں مشغول رہتے۔ لیکن مخلصین کے اصرار اور دینی ضرورت دیکھ کر کبھی کبھی باہر تشریف لے جاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیر پور ضلع پیلی بھیت میں منگل خان بالا خان صاحب، جو وہاں کے بہت بڑے رئیس تھے اور اعلیٰ حضرت کے بڑے معتقد تھے، وہاں ان کے رشتہ داروں میں کوئی عورت بیمار ہوئیں، شیر پور سے کچھ لوگ اعلیٰ حضرت کو لینے کے لئے حاضر ہوئے اور بہت طرح سے ضرورت ظاہر کی، تو اعلیٰ حضرت تشریف لے جانے کا وعدہ فرمالیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ یہ خادم اور اعلیٰ حضرت کے بھانجے جناب علی احمد خان صاحب مرحوم حضرت کے ہمراہ تھے۔

پورن پور اسٹیشن پر بہت سے حضرات استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضرت کو بڑے آرام و عافیت کے ساتھ شیر پور لے گئے۔ جیسے ہی اعلیٰ حضرت وہاں پہنچے، منگل خان صاحب یا بالا خان صاحب [خادم کو یاد نہیں کہ کون تھے] غرض دونوں بھائیوں میں سے ایک صاحب تشریف لائے اور عرض کیا کہ شاید حضور ریل پر سوار ہو رہے ہوں کہ مریضہ کو بعونہ تعالیٰ شفا ہونی شروع ہو گئی۔ اب حضور کے قدم مبارک آ گئے ہیں۔ بالکل صحت ہو جائے گی ان شاء اللہ العزیز۔ اعلیٰ حضرت نے دو یوم قیام فرمایا۔ مریضہ بفضلہٖ تعالیٰ اچھی ہو گئی۔ بڑی خاطر و ادب و تعظیم کے ساتھ اعلیٰ حضرت کو رخصت کیا گیا'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۹۱۱، ۹۱۲]

☆...... برہانِ ملت مفتی محمد برہان الحق رضوی جبل پوری لکھتے ہیں:

'صبح نمازِ فجر کے بعد بریلی پہنچا۔ معلوم ہوا، اعلیٰ حضرت، حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے عرس میں پیلی بھیت تشریف لے گئے ہیں۔ میں نے بریلی پہنچنے کی کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ نہ والد ماجد نے دعوت نامہ میں میرے پہنچنے کا کوئی دن لکھا تھا۔ میں نے آستانے کے دار الافتا میں اپنا سامان رکھا۔ گھر میں سے سیدہ والدہ ماجدہ نے ناشتہ بھیجا۔ میں ناشتہ کر کے ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ گیارہ بجے پیلی بھیت سے تار پہنچا:

'برہان میاں کو پیلی بھیت بھیجو' [احمد رضا]۔

میں ظہر کے بعد پیلی بھیت کے لئے روانہ ہو گیا۔ پیلی بھیت پہنچا، تو اسٹیشن پر مولانا عبد الاحد

صاحب میرا انتظار کر رہے تھے۔ مصافحہ، معانقہ کے بعد میں نے پوچھا: میں نے کوئی اطلاع نہیں دی تھی، آپ کیسے اسٹیشن آ گئے؟۔ کیا اعلیٰ حضرت نے فرمایا: برہان میاں کو اسٹیشن لینے جاؤ۔

اعلیٰ حضرت کا قیام مولوی فضلِ حق ٹمبر کونٹکٹر کی کوٹھی میں تھا۔ رات مولانا عبد الاحد نے مجھے حضرت کی خدمت میں جانے نہ دیا۔ محدث صاحب علیہ الرحمہ کے عرس کے جلسہ میں شریک ہوا۔ صبح مولانا کے ساتھ ناشتہ کے لئے بیٹھا تھا۔ لقمہ ہاتھ میں تھا کہ ایک صاحب یہ کہتے ہوئے آئے کہ اعلیٰ حضرت ناشتہ میں برہان کا انتظار فرما رہے ہیں۔ میں نے لقمہ رکھ دیا اور تانگہ پر کوٹھی پہنچا۔ دیکھا، ناشتہ چنا ہوا ہے اور حضرت منتظر بیٹھے ہیں۔ خادم کو معانقہ سے مشرف فرمایا۔ میں نے قدمبوسی کی۔ حضرت نے والد ماجد اور سب کی خیریت دریافت فرمائی۔ ناشتہ شروع فرمایا، میں بھی شریک ہوا'۔ [اکرامِ امام احمد رضا، مفتی محمد برہان الحق، طبع بمبئی، ۱۹۹۸ء ص: ۷۰، ۷۱]

☆......قطب الارشاد امام احمد رضا قادری قدس سرہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

'ایک ضرورتِ شدیدہ سے پیلی بھیت جانا ہوا۔ حضرت مولانا محدث سورتی دامت برکاتہم نے اس کا ذکر فرمایا۔ فقیر نے عرض کی وقتِ فرصت سن لوں گا۔ نصف شب کے قریب وہاں کی ضروریات اور احباب کی ملاقات سے فارغ ہوا اس وقت وہ مسودہ فقیر کو سنایا گیا۔ جا بہ جا تبدیلات و نقص و زیادات و محو و اثبات عرض کرتا گیا اور حضرت ممدوح تحریر فرماتے گئے۔ ۱۸ ر صفحہ تک اس وقت ہوا۔ پھر صبح بعد فراغ وظائف، جب کہ ریل کا وقت قریب تھا، بقیہ بعجلت تمام کیا۔ مولوی ابوالعلی امجد علی صاحب سلمہ بھی ہمراہ تھے۔ ان سے گذارش کی کہ آپ کے پاس بھی ایک مسودہ آیا ہوا ہے۔ یہی ترمیمات آپ بھی لکھ کر بھیجنا اور اتفاق رائے فقیر سے بھی 'انجمن مبارک' کو اطلاع دیں۔ مگر بریلی آ کر مولوی صاحب کو کثرتِ کار میں یاد نہ رہا۔ یوں وہ اصلاحات فقیر کی طرف سے پہنچی بھی اور نہیں بھی'۔ [الف: فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی، ۱۲/ ۱۳۴ ب: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع کلیر شریف، ۲/ ۲۷۴، ۲۷۵]

☆......☆......☆



قریۂ نور و سرور: بیسل پور

☆......بیسل پور، ضلع پیلی بھیت یوپی میں ہے۔ حضرت مولانا عرفان علی قادری رضوی، حضرت مولانا شفیع احمد قاری رضوی، حضرت مولانا عتیق احمد قاری اور رؤسا و عمائدین کی دعوت پر اعلیٰ حضرت وہاں تشریف لے گئے، جب آپ پیلی بھیت تشریف فرما تھے۔ پیلی بھیت اور بیسل پور کا یہ سفر غالباً آخری سفر تھا۔ اعلیٰ حضرت کا یہ سفر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں ہوا تھا۔ صدر الافاضل علامۃ الشاہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی [۱۳۰۰ھ/ ۱۳۶۷ھ]، صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی [متوفیٰ ۱۳۶۷ھ]، خلفِ اکبر حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان بریلوی [۱۲۹۳ھ/ ۱۳۶۲ھ] ہم رکاب تھے۔

حضرت مولانا عرفان علی رضوی اعلیٰ حضرت کے مرید و خلیفہ تھے۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی نے ان پر ایک مضمون لکھا تھا، جو ماہ نامہ 'جہانِ رضا' لاہور میں چھپا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے تیرہ [۱۳] خطوط مولانا بیسل پوری کے نام جا بہ جا مطبوع ہیں۔ ان خطوط کا پہلا مجموعہ 'بعض مکاتیبِ مجددؒ' کے عنوان سے سب سے پہلے انہوں نے ہی مرتب کر کے حسنی پریس بریلی سے چھپوایا تھا۔ حضرت مولانا شفیع احمد قادری اعلیٰ حضرت کے مرید تھے اور دار الافتا بریلی میں امین الفتویٰ بھی، خلافت کا مجھے علم نہیں۔

☆......حضرت مولانا عرفان علی قادری رضوی بیسل پوری بیان کرتے ہیں:

'حضور پرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو بار بیسل پور تشریف لائے۔ پہلی مرتبہ ساڑھے دس بجے دن کے بذریعہ ریل رونق افروز ہوئے اور شام کو واپسی کا ارادہ مصمم تھا۔ گویا صرف چند گھنٹے کا قیام تھا۔ بیسل پور کے مسلمانوں کو حضور کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہونے کا کم موقع تھا۔ مگر حضور نے سب کے دامنِ مراد کو بھرا۔ بعض حضرات کے مکان پر تشریف لے گئے۔ واپسی میں اسٹیشن ایک گھنٹہ دیر کر کے پہنچے۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ کا کرم اس وقت تک گاڑی اسٹیشن نہ آئی تھی۔ گاڑی حضور پرنور کے سامنے آئی۔ اطمینان سے اعلیٰ حضرت گاڑی میں رونق افروز ہوئے۔ جب گاڑی چلنے لگی، لوگوں نے بطورِ اظہارِ عقیدت کہا کہ یہ اعلیٰ حضرت کی

کرامت تھی کہ گاڑی پورے ایک گھنٹہ لیٹ آئی'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۸۸۷]

☆......حضرت مولانا عرفان علی قادری رضوی بیسل پوری پھر بیان کرتے ہیں:

'دوسری مرتبہ جب حضور بیسل پور تشریف فرما ہوئے، تو احقر نے حضور کی توجہ ایک بزرگ کے مزار کی طرف مبذول کی۔ ان بزرگ کے حالات سے اہلِ قصبہ سے کوئی متنفس واقف تھا، نہ حضور پرنور، بعد نمازِ عصر مزار شریف کی زیارت کو تشریف لے گئے اور کچھ دیر تک تنہا مزار شریف کے حجرے کے اندر قیام فرمایا۔ بعدہ احقر سے فرمایا کہ: یہ ولی اللہ کا مزار ہے۔ اس کا نام شاہ کمال انصاری ہے۔ نقشبندیہ خاندان ہے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۸۸۸]

☆......اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوبار بیسل پور تشریف فرما ہوئے۔ جو مذکور ہوا۔ حضرت مولانا عرفان علی قادری رضوی نے کسی ایک سفر کی بڑی دلچسپ روداد لکھی ہے۔ مولانا کی عبارت کا یہ ٹکرا: دن کے ساڑھے دس بجے، سے ظنِ غالب ہوتا ہے کہ یہ روداد پہلے سفر کی ہے۔ یہ روداد ۲۹/ مارچ ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں ہفت روزہ 'دبدبہ سکندری' رام پور میں شائع ہوئی تھی۔ جو یہاں نذرِ قارئین ہے۔

☆......مجددِ وقت کی تابشوں نے بیسل پور کا نصیب چمکا دیا: از مولانا عرفان علی رضوی:

'مسلمانوں کے قلوب میں علمائے کرام اور اولیائے عظام کی عظمت کا ہونا ایمان کی نشانی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ، جو ان کی عزت و توقیر کرتے اور فلاحِ دارین حاصل کرتے ہیں۔ یہ وہ پاک نفوس ہیں، جو آسمانوں پر بادشاہ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں۔ جن کی نسبت ارشاد ہوتا ہے: **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل**۔ ان کی دوات کی روشنائی شہدا کے خون سے افضل ہے۔ ان کا قلم واسطے اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمت ہے۔ کیوں کہ یہی ہم کو چاہِ ضلالت [گمراہی کا کنواں] سے بچاتے اور صراطِ مستقیم بتاتے ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ کفر و الحاد کی تند ہوائیں چل رہی ہیں۔ ہزاروں ایمان چرانے کے واسطے مارِ آستین بنے بیٹھے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار رحمتیں مسلمانوں کے سردار سرکار عالی وقار اعلیٰ حضرت عظیم

البرکت ولی باخدا جناب مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی مدظلہم الاقدس پر نازل ہوں، جنھوں نے اہلِ سنت کی دستگیری فرمائی۔ راہِ ایمان دِکھائی۔ کفر والحاد کی گھنگھور گھٹاؤں کے دور کرنے میں دامے، درمے، سخنے، قدمے ہر طرح سعی فرمائی اور شب وروز اسی فکر میں ہیں کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا چاہِ ضلالت میں نہ گرنے پائیں۔ ان کے قدم صراطِ مستقیم سے نہ ہٹنے پائیں۔ غرضے کہ ان کی ذاتِ بابرکات اہلِ سنت کے واسطے آج ہندوستان میں مسیحا بن رہی ہے۔

مولانا مولوی شفیع احمد خان صاحب رضوی اور احقر کی دلی آرزو تھی کہ کہیں اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس بیسل پور تشریف فرما ہوں اور ہم کو اپنے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائیں۔ آخر کار ہماری قسمت کا ستارہ چمکا اور ۹؍جمادی الاخریٰ کی شب میں ۱۱؍بجے اعلیٰ حضرت پیلی بھیت رونق افروز ہوئے۔ اس وقت جو مسرت ہوئی، اس کا لطف کچھ ہمارا ہی دل جانتا ہے۔ حضور کی طبیعت ناساز تھی۔ لہٰذا بپاسِ ادب بیسل پور تشریف لے جانے کے متعلق عرض کرنے سے مجبور تھے۔ مگر دل کی امنگیں جوش مار رہی تھیں کہ کسی نہ کسی طرح بیسل پور کا نصیب چمک جائے۔

۹؍جمادی الاخریٰ کو ۱۲؍بجے دن کے جناب مولوی محمد نعیم الدین صاحب ناظم مدرسہ اہلِ سنت و جماعت مراد آباد اور اعلیٰ حضرت کے برادرِ خورد جناب مولوی محمد رضا خان صاحب قبلہ کی سعی سے اعلیٰ حضرت نے ہماری درخواست کو شرفِ قبول عطا فرمایا اور ۱۰؍جمادی الاخریٰ کو ساڑھے آٹھ بجے صبح کے اسٹیشن پیلی بھیت تشریف لے گئے۔ پلیٹ فارم سے ٹرین تک فدائیوں نے اپنے دوش پر آرام کرسی پر بیٹھا کر پہنچایا۔ ۹؍بجے ٹرین روانہ ہوئی اور ساڑھے دس بجے دن کے بیسل پور پہنچ گئی۔ بیسل پور اسٹیشن کا پلیٹ فارم مسلمانوں سے ایسا بھرا ہوا تھا کہ پنڈلی سے پنڈلی اور شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ ٹرین کے ٹھہرتے ہی پھول نثار کئے گئے۔ اسٹیشن پر شامیانہ نصب کیا گیا تھا۔ جس کے نیچے عمدہ فرش تھا۔ باقاعدہ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ مغرب کی جانب تخت پڑا تھا۔ شامیانے سے ٹرین تک ٹول کا فرش تھا۔ جس کے دونوں طرف گملوں کی قطاریں تھیں۔ اعلیٰ حضرت ٹرین سے اتر کر تخت پر رونق افروز ہوئے اور دیگر صاحبان بچھی کرسیوں پر تشریف فرما ہوئے۔ مولوی شفیع احمد خان صاحب رضوی، شیخ عظمت علی خان صاحب رضوی، شیخ

مقصود علی خان صاحب رضوی ممبر میونسپل بورڈ، منشی احمد اللہ خان صاحب رضوی ممبر میونسپل بورڈ و رئیس بیسل پور و نثار خان صاحب رضوی کی ڈالیاں پیش ہوئیں۔ جن میں ہار، گجرے، گلدستے رکھے ہوئے تھے۔ اس وقت شیخ علی بخش صاحب پیلی بھیتی مدح خواں مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہے تھے:

لائے ہیں آپ کے خدام سجا کر ڈالی
دل سے مقبول شہا بہرِ خدا کر ڈالی
لعلِ جنت تیرے ہاروں کے لئے زیبا تھے
بے نوا لائے ہیں پھولوں کی بنا کر ڈالی

یہ منظر قابلِ دید تھا۔ ذرائی پر اجمائے چاروں طرف خاموش کھڑے تھے۔ ہار پہنائے اور گلدستے ہاتھوں میں دیئے گئے۔ بعدہ سواریاں پیش کی گئیں۔ اعلیٰ حضرت فٹن پر رونق افروز ہوئے، جو ہاروں سے سجائی گئی تھی اور فٹنیں اعلیٰ حضرت کے ہمراہیوں کے واسطے موجود تھیں۔ اعلیٰ حضرت کی سواری کے دونوں طرف دو دو سوار تھے، جن کے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں اور بلم تھے۔ آگے آگے دو نقیب ہاتھوں میں خوش نما علم لئے نعت شریف پڑھتے جا رہے تھے۔ ایک علم کے پرچم پر دونوں طرف: 'نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ'
اور دوسرے کے دونوں طرف: 'فَتْحٌ قَرِیْبٌ'
لکھا ہوا تھا۔

اس شان و شوکت کے ساتھ یہ جلوس قصبہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں چار دروازے قائم کئے گئے تھے۔ پہلے دروزہ پر سرخ ٹول پر:
'اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْنَ'

دوسرے پر:
'اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا مُجَدِّدَ الْوَقْتِ'

تیسرے پر:
'اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا وَلِیَّ اللّٰہِ'

اور چوتھے پر:

'اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَاقُطْبَ الْوَقْتِ'

تحریر تھا۔ راستہ میں جا بہ جا اعلیٰ حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع کے واسطے اشتہار چسپاں تھے۔ جلوس اسٹیشن سے روانہ ہوکر بازار اور تحصیل ہوتا ہوا اعلیٰ حضرت کی فرودگاہ مکانِ احقر پر پہنچا، جو خاص طور سے قبل سے سجایا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اعلیٰ حضرت نے استراحت فرمائی۔ مخلصین نے تشریف آوری کی خوشی میں، جو نظمیں تصنیف کی تھیں، ان کو مسموع فرمایا۔ بہت سی نذریں پیش ہوئیں، جو اعلیٰ حضرت نے دستِ قبول کے اشارے سے سب مدح خوانوں کو عطا فرمائیں اور احقر کو نہایت نفیس رومال عطا فرمایا، جو درحقیقت میرے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔

بعدہ منشی طفیل احمد خان صاحب رضوی نے مولانا مولوی شفیع احمد خان صاحب رضوی کی تصنیف کردہ نظم نہایت خوش الحانی سے پڑھی۔ پھر مولانا شفیع صاحب نے اپنی تصنیف کردہ دو نعتیہ نظمیں خود پڑھ کر سنائیں۔ نعتیہ نظموں کے خاتمہ پر اعلیٰ حضرت نے مولانا کو نہایت نفیس عمامہ عطا فرمایا۔ جس کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ پھر اعلیٰ حضرت اور تمام ہمراہیوں نے کھانا ملاحظہ فرمایا۔ بعد نمازِ ظہر منشی احمد اللہ خان صاحب رضوی رئیس بیسل پور کے مکان پر ان کی والدہ کو شرفِ بیعت عطا فرمانے کے واسطے تشریف لے گئے۔ وہاں سے شیخ کمال انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف پر تشریف لے جا کر فاتحہ پڑھا۔ پھر منشی صاحب کے باغ میں واپس تشریف لاکر کچھ دیر تک قیام فرمایا۔ نماز عصر اور مغرب مسجد میں تشریف لاکر ادا فرمائی۔

بعدہ احقر کے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ شب میں دس بجے بعد فراغتِ طعام محفلِ میلاد شریف منعقد ہوئی۔ بعد ذکرِ ولادتِ اقدس مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور مولوی حکیم ابو العلا محمد امجد علی صاحب رضوی اعظم گڈھی نے اپنے بیانات سے اہلِ محفل کو مستفید فرمایا۔

۱۱؍ جمادی الاخریٰ کو مولانا مولوی شفیع احمد خان صاحب کے مکان پر دعوتِ طعام تھی۔ جس وقت مولانا کے مکان پر اعلیٰ حضرت کی پالکی پہنچی، فوراً گولوں کی سلامی شروع ہوئی۔ مکان کے اندر پر تکلف فرش تھا۔ بعد فراغتِ طعام اعلیٰ حضرت اور تمام ہمراہیوں کو ہار پہنائے گئے۔ نمازِ ظہر کے بعد حضور بغرضِ واپسی اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ اس وقت بھی فدائیوں کا کثیر مجمع تھا۔ وہاں

مولانا مولوی نعیم الدین صاحب مدظلہ کی مندرجہ ذیل تصنیف کردہ نظم پڑھی گئی۔

اوج پر ہے آج کیا تقدیر بیسل پور کی
قابلِ دیدار ہے تنویر بیسل پور کی

فخر کرتا ہے ہر اک پیروجواں شادی کناں
کس کے قدموں سے بڑھی توقیر بیسل پور کی

بمبئی کلکتہ ترسیں ودہلی حسرت میں رہے
حضرتِ اعلیٰ آئیں یہ تقدیر بیسل پور کی

زیر دست قدوم بادشاہِ دیں پناہ
کر رہی ہے عزت و توقیر بیسل پور کی

حضرتِ اعلیٰ سے عقیدت اور خلوصِ اعتقاد
کیسی پر تاثیر ہے اکسیر بیسل پور کی

کفر بھاگا دین جاگا نورِ حق روشن ہوا
مٹ گئی سب ظلمتِ شب گیر بیسل پور کی

آپ کے فیضِ توجہ کی بدولت اے کریم
نورِ ایماں سے ہوئی تخمیر بیسل پور کی

آپ کی قدموں کے صدقہ ان کی زینت بخشی
خوب عالم میں ہوئی تقدیر بیسل پور کی

آپ کی رونق فروزی کی عجب سج دھج کے ساتھ
ہے زبانِ شکر ہر تعمیر بیسل پور کی

یہاں بہت زیادہ نذریں پیش ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت نے سب مدح خواں شیخ علی بخش صاحب کوعطافرمائیں۔

دو دن بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ بکثرت مشرف ہوئے۔ حتیٰ کہ اسٹیشن پر اور ٹرین میں تشریف فرما ہونے کے بعد بھی بہت سے حضرات داخلِ بیعت ہوئے۔ واپسی کا منظر بھی قابلِ

دید تھا ہر شخص کے چہرہ پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ بعض حضرات کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا تھا اور کیوں نہ ہو کہ تمام قصبہ پکا سچا سنی ہے اور حضور کا محب و معتقد ہے۔ وہابیت، قادیانیت، غرض کہ ہر قسم کی بدمذہبی سے بالکل پاک ہے اور اب تو اعلیٰ حضرت کی تشریف آوری نے چار چاند لگا دیئے۔ اللہ تعالیٰ بطفیلِ حبیبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تمام مسلمانوں کے قلوب میں اولیاء وعلمائے کرام کی سچی محبت عطا فرمائے، آمین۔

☆......☆......☆



دینی وسیاسی نیک نہاد بنیاد: سیتا پور و خیر آباد

☆......سیتا پور اور خیر آباد، لکھنؤ کے توابع میں ضرور ہے، مگر لکھنؤ سے کم شہرت کا حامل نہیں ہے۔ سیتا پور سادات وصوفیائے کرام کا مسکن و مامن ہے، تو خیر آباد علما و اولیا عظام کا مرکز ہے۔ جس نے ملک کی سیاسی اور مذہبی تاریخ میں ایک حدِ فاصل اور خطِ امتیاز کھینچا ہے۔ اعلیٰ حضرت خیر آباد دو بار تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ اپنے والدِ گرامی خاتم المحققین شاہ نقی علی خان کے ہمراہ اور دوسری بار مجددِ سلسلۂ برکاتیہ سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی اور تاج الفحول علامہ شاہ محمد عبد القادر بدایونی کی معیتِ مبارکہ میں۔ خیر آباد میں اعلیٰ حضرت کا قیام حضرت شاہ حسین بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں ہوا تھا۔ شاہ حسین بخش علمِ شریعت اور علمِ طریقت دونوں میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ ۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ میں وصال ہوا۔ جن کا تعلق مخدومانِ خیر آباد سے تھا۔ تفصیل کے لئے مفتی محمود احمد رفاقتی کی کتاب 'تذکرہ علمائے اہلِ سنت' دیکھئے۔

اعلیٰ حضرت کا مرکزِ عقیدت مارہرہ مطہرہ ہے۔ ساداتِ مارہرہ مطہرہ کی ایک جلیل القدر شاخ سیتا پور میں آباد تھی اور ہے۔ جو دینی اور دنیاوی لحاظ سے نہایت قابلِ احترام ہے۔ سید شاہ محمد

صادق سیتاپوری کی ذاتِ بابرکات اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں نمایاں تھی۔ اعلیٰ حضرت سیتاپور تین بار تشریف لے گئے۔ خیرآبادی اسفار کو ملا کر پانچ بار سفر کیا۔ یہ اسفار زیادہ تر سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی اور تاج الفحول علامۃ الشاہ محمد عبدالقادر قادری برکاتی عثمانی بدایونی علیہما الرحمہ کے ہمراہ ہوئے۔ تفصیلِ سفر اور واقعاتِ سفر درج ذیل عبارتوں میں ملاحظہ کیجئے۔

☆......نبیرۂ محدث سورتی حضرت مولانا قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت کو مارہرہ شریف بیعت ہونے کی وجہ سے وہاں کے جملہ صاحبزادگان سے ایک خاص خلوص ومحبت تھی۔ مارہرہ شریف کے ایک بزرگ حضرت مولانا سید شاہ محمد صادق صاحب کا قیام سیتاپور میں تھا۔ حضرت مولانا سید شاہ محمد اسماعیل حسن میاں صاحب سے اعلیٰ حضرت کے تعلقات بہت ہی مخلصانہ ومحبانہ تھے۔ اس وجہ سے بھی سیتاپور تشریف لانے کا اتفاق ہوتا تھا اور ایک دفعہ سفرِ خاص ایک اثرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے ارادے سے بھی ہوا۔ وہ سفر آپ نے اپنے والد ماجد صاحب قدس سرہ العزیز کے ساتھ کیا تھا۔ اس واقعہ کو مولوی عبدالشاہد خان صاحب شیروانی نے اپنے رسالہ'باغیٔ ہندوستان' یعنی سوانح و حالات استاذ الاساتذہ مولانا فضلِ حق خیرآبادی قدس سرہ العزیز میں اس طرح لکھا ہے:

'ص: ۲۲ر مولانا [فضلِ امام والد ماجد حضرت مولانا فضلِ حق صاحب قدس سرہ] روحانیت میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کے والد شیخ محمد ارشد صاحب فرشتہ سیرت انسان تھے۔ اس لئے مولوی محمد ارشد صاحب کو تشویش رہی تھی۔ پیر ومرشد کی خدمت میں قلبی بے چینی ظاہر کی۔ پیر نے دعا کی۔ شب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ سرورِ رسالت پکی باغ میں [جہاں مرحوم کی قبر تھی] تشریف لائے اور بیل کے درخت کے نیچے وضو فرمایا۔ بعد نمازِ فجر پیر ومرید دونوں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے روانہ ہوئے۔ راستے میں دونوں ملاقی ہوئے۔ تو ایک دوسرے کو بشارت کا حال بتادیا۔ وہیں سے دونوں پکی باغ میں پہنچے۔ تو دیکھا کہ مقامِ معہود پر وضو کا اثر یعنی یہ پانی کی تری موجود تھی۔ ایک عرصے تک لوگ اس کی زیارت کرتے رہے۔

مولانا نقی علی خان صاحب بھی مع اپنے صاحبزادہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے ۱۳۰۹ھ

میں اس مقام کی زیارت کے لئے بریلی سے خیر آباد پہنچے اور مولانا حسین بخش کے مہمان ہوئے۔ افسوس نہ اب وہ درخت باقی، نہ اس جگہ کا پتا چل سکتا ہے۔ مفتی فخر الحسن خیر آبادی، جو ان معزز مہمانوں کی زیارت میں شریک رہے تھے، خطیرہ کے پاس اس بیل کے درخت کی جگہ بتاتے ہیں'۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۴۰۷، ۴۰۸]

☆......رازدارِ رضویات ملک العلما حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی فرماتے ہیں:

'جامع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی عرض کرتا ہے کہ اس واقعہ میں ۱۳۰۹ھ کا سال لکھنے میں غلطی ہوئی۔ اس لئے کہ حضرت مولانا نقی علی خان صاحب کا وصال ۱۲۹۷ھ میں ہو چکا تھا۔ تو وصال کے بارہ سال بعد اعلیٰ حضرت کے والد ماجد صاحب اس سفر میں کیوں کر ساتھ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے تحقیق کے لئے مخلصی جناب مولانا مولوی سید نجم الحسن صاحب خیر آبادی کو خط لکا۔ انہوں نے اپنے والا نامہ مورخہ ۲۰؍ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں تحریر فرمایا:

☆......مولانا سید نجم الحسن صاحب خیر آبادی کا خط:

'ذوالمجد والکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکرمت نامہ پہنچا۔ کاشفِ احوال ہوا۔ اعلیٰ حضرت کی تشریف [آوری] کا واقعہ مؤلفِ کتاب کو میں نے ہی بتلایا تھا اور خود انہوں نے والد صاحب صاحب قبلہ مدظلہ [مولانا فخر الحسن صاحب] سے یہی دریافت کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت اس سلسلہ میں میرے دادا مولانا حسین بخش صاحب مرحوم کے پاس تشریف لائے تھے۔ ساتھ میں مولانا نقی علی خان صاحب نور اللہ مرقدہ بھی تھے۔ آج آپ کا گرامی نامہ پڑھ کر محترم والد صاحب نے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے بخوبی یاد ہے اور اتنا یاد ہے کہ میں قسم کھا سکتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت مع والدِ بزرگوار تشریف لائے تھے۔ سیتاپور کسی ضرورت سے آنا ہوا ہوگا۔ وہاں سے اونٹ گاڑی پر خیر آباد تشریف فرما ہوئے۔ دادا صاحب نے والد صاحب کے مقامِ متبرک کی زیارت کے لئے ساتھ کر دیا تھا۔ سنہ کا تعین ممکن ہے، غلط ہو گیا ہو۔ خود والد صاحب کو ذاتی طور پر سنہ یاد نہیں ہے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۴۰۸]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی بیان فرماتے ہیں:

'ایک بار میں اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی اور حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی خیر آباد گئے۔ مولانا عبد القادر صاحب نے مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی سے ملنے کے لئے جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہ کہہ کر ہمراہ جانے سے عذر کیا کہ مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی کے متعلق مسموع ہوا ہے کہ وہ فقہائے کرام، علمائے اعلام کے خلافِ شان غیر مناسب کلمات کہا کرتے ہیں۔ مجھ سے اس کی برداشت نہ ہوگی اور مجلس میں بے لطفی پیدا ہو جائے گی۔ آپ وہاں تشریف لے جائیں اور میں مولانا حسین بخش صاحب سے ملنے جاتا ہوں۔ یہ مولانا حسین بخش صاحب خیر آباد میں فقیہ تھے اور حضرت چھوٹے مخدوم صاحب حضرت مخدوم اللہ دیا خیر آبادی قدس سرہ کی اولاد امجاد میں تھے۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۲۵۹]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کا بیان ہے:

[ایک باران دونوں حضرات [تاج الفحول شاہ عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت بریلوی] میں مسئلہ عینیت وغیریتِ صفاتِ باری تعالیٰ پر بحث ہوئی۔ مولانا عبد القادر صاحب فرماتے کہ صوفیاء کے عینِ ذات ماننے اور فلاسفہ کے عینِ ذات ماننے میں فرق ہے اور مولانا احمد رضا خان صاحب اس فرق کے ماننے میں اپنا تامل ظاہر فرماتے تھے۔ آخر یہ ٹھہری کہ سیتا پور چلئے اور وہاں حضور جدِ امجد سیدنا شاہ اچھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مؤلفہ کتاب 'آئینِ احمدی' کی جلدِ عقائد میرے کتب خانہ میں ہے اور دیگر کتبِ صوفیا بھی موجود ہیں۔ ان میں فرق کو دیکھ لیجئے۔

دونوں حضرات تشریف لائے اور 'آئینِ احمدی' جلدِ عقائد سے کتاب 'زبدۃ العقائد' مؤلفہ سید احمد صاحب کالپوی قدس سرہ، جو ہمارے پیرانِ سلسلہ سے ہیں، مولانا عبد القادر صاحب نے نکال کر دِکھائی۔ اسے دیکھ کر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا: میں بغیر دلیل تسلیم کئے لیتا ہوں کہ صوفیا کے قولِ عینیت اور فلاسفہ کے قولِ عینیت میں فرق ہے۔ اس لئے کہ میرے مرشدانِ عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عینِ ذات مانتے ہیں، وہ اس طرح نہیں، جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں۔ اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں اب تک نہیں آیا ہے۔ لیکن چوں کہ میرے مرشدانِ عظام فرماتے ہیں۔ اس لئے اپنے مرشدانِ عظام کے ارشاد پر

سرِ تسلیم خم کئے دیتا ہوں'۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۱۱۱]

☆......حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی فرماتے ہیں:

'جناب مولانا احمد رضا خان صاحب وعظ بیان فرمانے سے بہت احتراز فرماتے تھے۔ایک بار جامع مسجد سیتاپور میں ایک نے بلا اجازت وعلم مولانا کے وعظ کا اعلان کر دیا۔لوگ رک گئے۔مولانا کو اعلان کرنا بہت ناگوار گذرا۔مگر جناب مولانا عبد القادر بدایونی نے فرمایا: مولانا! لوگ رکے ہوئے ہیں، کچھ بیان فرما دیجئے۔سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد وضو جدید کر کے سورۂ اعلیٰ کا نہایت اعلیٰ بیان فرمایا'۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص:۱۷۲]

☆......☆......☆



دارالفرح والسرور: رام پور

☆......بریلی اور رام پور روہیلکھنڈ کے دو اضلاع ہیں اور دونوں آس پاس ہیں۔رام پور اولیاء وعلماء کا مامن ومسکن بھی ہے اور نوابانِ رام پور کی وجہ بھی اس کی شہرت ہے۔اعلیٰ حضرت کا تعلق اس شہر سے بڑا گہرا تھا۔اعلیٰ حضرت رام پور کتنی بار تشریف لے گئے۔تاریخ وسنہ اور حتمی تعداد کا تعین مشکل ہے۔حضرت مفتی اعجاز ولی خان رضوی بریلوی نے عمر کے چودھویں سال پہلا سفر بیان کیا ہے۔اعلیٰ حضرت کی شادی خانہ آبادی ۱۲۹۱ھ میں ہوئی تھی اور یہ سفرِ رام پور شادی کے بعد ہوا تھا۔اس لئے ملک العلما نے یہ سفر ۱۲۹۲ھ میں بتایا ہے۔خود اعلیٰ حضرت نے دو جگہ ۱۹ر برس کی عمر میں یہ سفر ہونے کو لکھا ہے۔مفتی محمود احمد رفاقتی 'تذکرہ علمائے اہلِ سنت' میں

۱۲۹۰ھ اور ۱۲۹۱ھ کے درمیان کا وقفہ متعین کیا ہے۔ سفر رام پور کے حوالے سے جتنے واقعات ملتے ہیں، وہ یا تو سب ایک ہی سفر کے متعلق ہیں یا زیادہ سے زیادہ دو بار کا سفر ہوا ہوگا۔ مولانا محمد شہاب الدین رضوی نے 'اعلیٰ حضرت اور علمائے رام پور' کے سے ایک وقیع مقالہ قلم بند کیا ہے، جو تعلقات و روابط پر اچھی روشنی ڈالتا ہے۔ ملاحظہ ہو: سال نامہ 'یادگارِ رضا' بمبئی ۱۹۹۴ء۔

☆......محققِ اہلِ سنت مفتی محمود احمد رفاقتی مظفر پوری لکھتے ہیں:

'تقریباً ۱۲۹۰ھ، ۱۲۹۱ھ میں رام پور حاضر ہو کر مجدد الملۃ مولانا احمد رضا بریلوی نے [علامہ عبد العلی رام پوری سے 'شرح چغمنی' کے چند سبق پڑھے۔' تذکرہ علمائے اہلِ سنت، طبع فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص:۱۱۳]

☆......قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ خود یوں تحریر کرتے ہیں:

'......اور 'شرح شغمنی' کے صرف پندرہ اوراق جناب مولانا مولوی عبد العلی صاحب رام پوری مرحوم و مغفور سے، وہ بھی جناب کے فرمانے ہی سے، اس وقت عمر ۱۹؍سال تھی۔ درس مدتوں ختم ہو گیا تھا۔ رام پور بوجہِ قرابت جانا اور کچھ دن ٹھہرنا ہوا تھا۔ صاحبِ مکان مرحوم کے یہاں حضرت موصوف [علامہ عبد العلی علیہ الرحمہ] تشریف لائے۔ مسئلہ امتناعِ نظیر کا تذکرہ ہوا۔ فقیر نے اس میں وہ تقریرات بیان کیں کہ مولانا ان پر متعجب ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا پڑھتے ہو؟۔ عرض کی، درس کئی سال بیت گئے، ختم ہو گیا۔ سب کچھ اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ فرمایا: شرح چغمنی پڑھی ہے؟۔ عرض کی، نا۔ فرمایا: اسے ہم سے پڑھ لو کہ اس فن کا ایسا جاننے والا نہ پاؤ گے۔

ان کے فرمانے سے ان چند روزہ قیام میں یہ پندرہ ورق پڑھے۔ کسی دن ڈھائی ورق ہوتے کہ فقیر صرف عبارت پڑھتا چلا جاتا۔ جہاں حضرت کو خیال ہوتا کہ نہ سمجھا ہوگا۔ استفسار فرما لیتے۔ مطلب عرض کر دیتا۔ کسی دن آدھی سطر ہوتی۔ جس دن فقیر کو کوئی شبہ ہوتا، اس دن تقریر و بحث میں وقت ختم ہو جاتا۔ مولانا موصوف کی اس نعمت کا اظہار ضروری تھا کہ ناشکری نہ ہو۔ [کشف العلہ عن سمت القبلہ از اعلیٰ حضرت، طبع بریلی ۲۰۰۲ء ص:۹۹، ۱۰۰]

☆......حضرت مفتی اعجاز ولی خان رضوی بریلوی بیان فرماتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت کی عمر کا چودھواں سال تھا۔ افتا کا کام حضرت نے اپنے ذمہ لے لیا تھا کہ ایک شخص رام پور سے اقدس حضرت امام المحققین مولانا نقی علی خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت سن کر بریلی تشریف لائے اور جناب مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی کا فتویٰ، جس پر اکثر علماء کی مواہیر و دستخط ثبت تھے، پیشِ خدمت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ:

'کمرے میں مولوی صاحب ہیں۔ ان کو دے دیجئے۔ جواب لکھ دیں گے'۔

وہ کمرے میں گئے اور آ کر عرض کیا کہ: کمرے میں مولوی صاحب نہیں ہیں۔ فقط ایک نوعمر صاحب زادہ صاحب ہیں'۔

فرمایا: انہیں کو دے دیجئے، وہ لکھ دیں گے'۔

انہوں نے کہا کہ: حضور! میں تو جناب کی شہرت سن کر آیا تھا'۔

حضرت نے فرمایا: آج کل وہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں۔ انہیں کو دے دیجئے۔

اعلیٰ حضرت نے جو اس فتویٰ کو دیکھا، تو ٹھیک نہ تھا۔ انہوں نے اس جواب کے خلاف جواب تحریر فرمایا اور اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت نے اس کی تصدیق وتصویب فرمائی۔ پھر وہ صاحب اس فتویٰ کو دوسرے علما کے پاس لے گئے۔ ان لوگوں نے حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین کی شہرت دیکھ کر انہیں کے فتویٰ کی تصدیق کی۔

جب والیٔ رام پور نواب کلب علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں وہ فتویٰ پہنچا، آپ نے شروع سے اخیر تک اس فتویٰ کو پڑھا اور تمام لوگوں کی تصدیقات دیکھیں۔ دیکھا کہ سب علما کی ایک رائے ہے۔ صرف بریلی کے دو عالموں نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت شاہ مولانا ارشاد حسین رام پوری کو یاد فرمایا۔ حضرت تشریف لائے۔ نواب صاحب نے فتویٰ ان کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت مولانا کی دیانت اور انصاف پسندی دیکھئے کہ صاف فرمایا: فی الحقیقت وہی حکم صحیح ہے، جو ان دو صاحبوں نے لکھا۔

نواب صاحب نے پوچھا: پھر اتنے علما نے آپ کے فتویٰ کی تصدیق کس طرح کی؟۔ فرمایا: ان لوگوں نے اعتماد مجھ پر میری شہرت کی وجہ سے کیا اور میرے فتویٰ کی تصدیق کی۔ ورنہ حق وہی ہے، جو انہوں نے لکھا ہے۔ یہ سن کر نواب صاحب کو اعلیٰ حضرت کی ملاقات کا شوق ہوا۔ جناب نواب

صاحب نے اعلیٰ حضرت کو یاد فرمایا۔ جب دربار میں تشریف لے گئے، چاندی کی کرسی پیش ہوئی۔ آپ نے فرمایا: چاندی کا ستعمال مردوں کو درست نہیں اور لکڑی کی کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔

نواب صاحب نے خیال ظاہر کیا کہ: میری رائے میں آپ مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی سے کچھ منقول پڑھیں۔ اعلیٰ حضرت، خدمت اقدس میں تشریف لائے اور مولانا صاحب سے فرمان نواب صاحب کہا۔ مولانا نے دریافت فرمایا: کیا پڑھو گے؟۔ فرمایا: میرا امتحان لے لیا جائے، جس کتاب کے لائق آپ تصور فرمائیں، وہ پڑھوں گا۔ فرمایا: تم خود بتاؤ۔ کیا پڑھو گے۔ فرمایا: 'افق المبین'۔ [یہ فن منطق کی اعلیٰ کتاب ہے] مولانا نے فرمایا: تم ابھی صاحب زادے ہو۔ 'افق المبین' آسان کتاب نہیں ہے۔ فرمایا: میں نے تو کہا تھا۔ امتحان لے لیا جائے۔ مولانا نے فرمایا: اچھا کس کتاب کا امتحان دو گے؟۔ فرمایا: 'افق المبین' کا۔ 'افق المبین' کتب خانہ سے لائی گئی۔ چند منٹ اعلیٰ حضرت نے مطالعہ فرمایا۔ پھر فرمایا: آپ امتحان لے لیجئے۔ امتحان دیا اور خوب امتحان دیا۔ اس کے گھنٹوں کسی مسئلہ پر گفتگو رہی۔ جب گفتگو ختم ہوئی، تو مولانا عبدالحق نے فرمایا: اچھا اب پڑھو۔ حضرت نے فرمایا: اب تو میں آپ کا مقابل ہو۔ اب کیا پڑھوں؟ اور یہ کہہ کر حضرت بریلی واپس تشریف لے آئے۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۲۱۹، ۲۲۰]

☆...... ماہرِ رضویات ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی فرماتے ہیں:

'جامعِ حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ بیان مولوی اعجاز ولی خان صاحب کا ہے۔ لیکن مجھے ایسا یاد آتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اس واقعہ کو مجھ سے خود بھی ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت آپ غالباً بیس سال کے تھے۔ یہ واقعہ اعلیٰ حضرت کی شادی کے بعد کا ہے۔ ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی اور شادی ۱۲۹۱ھ میں، تو کم از کم یہ واقعہ ۱۲۹۲ھ کا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: جب میں نے فتویٰ لکھا اور جناب مولانا ارشاد حسین صاحب کے فتویٰ کے خلاف حکم دیا اور بعد کو دوسرے علما نے مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب ہی کے فتویٰ کی تصدیق وتصویب کی۔ جب ریاست رام پور میں وہ فتویٰ پہنچا، تو لوگوں نے چاہا کہ قبل اس کے کہ نواب صاحب خدمتِ عالی میں فتویٰ پہنچے، بریلی کے جواب کو نکال کر علاحدہ کر دیا جائے۔ تاکہ نواب صاحب کی خدمت میں ایک ہی قسم کی سب تصدیقیں پیش ہوں۔

لیکن تحریر کا طریقہ کچھ ایسا تھا کہ یہ ناممکن تھا کہ بریلی کی تحریر الگ کر دی جائے اور پتا نہ چلے۔اس لئے علمائے رام پور کو مجبوراً پیش کرنا پڑا اور یہ خیال کیا کہ نواب صاحب شروع سے اخیر تک تو اس کو دیکھیں گے نہیں۔اول آخر کچھ دیکھ لیں گے۔لیکن عجب اتفاق کہ نواب صاحب نے اول سے آخر تک ایک ایک سطر بغور پڑھی۔جب انہوں نے دیکھا کہ سب علما کے فتاوے حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب کی تائید وتصدیق میں ہیں۔صرف دو عالموں کی رائے اس کے خلاف ہے۔

جناب شیخ فضل حسین صاحب افسر ڈاک خانہ جات وہاں تشریف رکھتے تھے۔ان سے پوچھا کہ آپ جانتے ہیں۔یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کون شخص ہیں؟۔جناب شیخ صاحب موصوف نے فرمایا: وہ حضور کا ہی عزیز ہے۔جناب شیخ موصوف ریاست رام پور میں گورنمنٹ کی طرف سے ڈاک خانہ جات کے ایک افسر تھے اور نواب صاحب اور ریاست کے بہت ہمدرد تھے۔جس کی وجہ سے نواب صاحب کے دل میں ان کی بڑی وقعت تھی۔جب نواب صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ مفتی، مولانا احمد رضا خان صاحب، شیخ صاحب کے رشتہ دار ہیں اور ان کے والد جناب مولانا نقی علی خان صاحب شیخ صاحب کے سمدھی ہیں۔تو نواب صاحب نے فرمایا کہ: آپ اپنے رشتہ دار کو بلوایئے۔ہم ان کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ حسبِ طلب ودعوت جناب شیخ صاحب جب اعلیٰ حضرت قبلہ رام پور تشریف لے گئے، جناب شیخ صاحب اپنے ساتھ نواب صاحب کے یہاں اعلیٰ حضرت کو لے گئے۔جس وقت اعلیٰ حضرت نواب صاحب کے یہاں پہنچے۔چوں کہ دبلے پتلے تھے۔نواب صاحب نے دیکھ کر بہت تعجب کیا اور اپنے ساتھ پنگڑی پر بیٹھا لیا اور بہت لطف ومحبت سے باتیں کرنے لگے۔اسی دوران میں نواب صاحب نے مشورہ دیا کہ ماشاء اللہ آپ فقہ و دینیات میں بہت کمال رکھتے ہیں۔بہتر ہوگا کہ: مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی سے منطق کی کتابیں پڑھ لیں۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ: والد ماجد صاحب نے اجازت دی، تو تعمیلِ ارشاد کی جائے گی۔

اسی دوران مولانا عبد الحق صاحب بھی تشریف لے آئے۔نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ان سے تعارف کرایا اور اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔جس طرح بعض متمول صرف مالدار ہی نہیں ہوتے، بلکہ مال ان کے سر پر سوار رہتا ہے، اسی طرح بعض علما بھی صرف عالم ہی نہیں ہوتے، بلکہ علم ان

کے سر پر سوار رہتا ہے۔ ایسے لوگ دوسرے علما کی عزت کرنی جانتے ہی نہیں، بلکہ دوسرے کی شان میں بلاوجہ توہین وتحقیر آمیز کلمات والفاظ استعمال کرنا شانِ علم خیال کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت سے علامہ خیرآبادی نے دریافت کیا۔ منطق کی کتاب کہاں تک پڑھی ہے؟۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ’قاضی مبارک‘۔ یہ سن کر علامہ خیراابادی نے دریافت کیا کہ ’تہذیب‘ پڑھ چکے ہیں؟۔ جس دماغ اور شان سے مولانا نے سوال کیا۔ اسی انداز سے اعلیٰ حضرت نے جواب دیا۔ کیا آپ کے یہاں ’قاضی مبارک‘ کے بعد ’تہذیب‘ پڑھائی جاتی ہے؟۔ یہ جواب سن مولانا نے خیال فرمایا کہ: ہاں! یہ بھی کوئی شخص ہے۔ اس لئے اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسرا سوال کیا کہ بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے؟۔ فرمایا: تدریس، افتاء، تصنیف۔ فرمایا: کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: جس مسئلۂ دینیہ میں ضرورت دیکھی اور خصوصاً ردِ وہابیہ میں۔ علامہ خیرآبادی مرحوم زبردست سنی عالم تھے، مگر سنی گر نہ تھے۔ ان کے ہاں جماعتِ اہلِ سنت کا کوئی شوق وولولہ دل میں نہ تھا۔ فرمایا: آپ بھی ردِ وہابیہ کرتے ہیں؟۔ ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے کہ ہر وقت اسی خبط میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی کی طرف اشارہ تھا۔ اتنے بڑے عالم کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا علامہ خیرآبادی کو زیبا تھا یا نہیں۔ یہ ناظرین کی ہِم سلیم پر چھوڑتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں میں بے تکلفی اور آپس کی محبت کا اثر ہو۔

اس لئے کہ حضرت تاج الفحول، علامہ فضلِ حق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید اور علامہ عبد الحق صاحب مرحوم کے استاذ بھائی رفیق اور ساتھی تھے۔ لیکن اعلیٰ حضرت ان کی حمایتِ دین اور نکایتِ مفسدین کی وجہ سے بہت عزت کرتے تھے۔ اس لفظ کو سن کر بہت کبیدہ [خاطر] ہوئے اور فرمایا: جنابِ والا! سب سے پہلے وہابیہ کا رد حضرت مولانا فضلِ حق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا اور ’تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ‘ مستقل کتاب مولوی اسماعیل کے رد میں تصنیف فرمائی۔ یہ سن کر مولانا عبد الحق نے فرمایا: اگر ایسی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی، تو مجھ سے پڑھا یا نہیں جا سکے گا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: آپ کی باتیں سن کر میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ ایسے شخص سے منطق پڑھنی، اپنے علمائے ملت، حامیانِ سنت کی توہین وتحقیر سننی ہوگی۔

اس کے بعد کچھ دنوں اعلیٰ حضرت نے رام پور میں قیام فرمایا اور جناب مولانا عبد العلی صاحب

سے 'شرح چغمنی' پڑھی۔ پھر واپس تشریف لائے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۲۲۰ تا ۲۲۳]

☆......واقفِ رازہائے سربستۂ رضویات ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی کا دوسرا بیان:

'اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ کسی ضرورت سے رام پور تشریف لے گئے۔ وہاں جناب مولانا عبد العلی صاحب ہیات کے مشہور فاضل تھے۔ چند روز ان کی خدمت میں رہ کر 'شرح چغمنی' کے اسباق لئے تھے۔ دوسری مرتبہ بعض خاص رشتہ داروں کے یہاں رام پور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت کے خسر جناب شیخ فضل حسین صاحب مرحوم حضور نواب رام پور نواب کلب علی صاحب بہادر مغفور کے یہاں اعلیٰ عہدے پر مامور تھے۔ نواب صاحب کے دربار میں اعلیٰ حضرت کا تذکرہ ہوا۔ نواب صاحب مشتاقِ ملاقات ہوئے۔ حسبِ طلب اپنے خسر صاحب قبلہ رام پور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب نے خاص اپنے پلنگ پر بیٹھنے کے لئے فرمایا اور کچھ علمی باتیں پوچھتے رہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ: یہاں مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی مشہور منطقی ہیں۔ آپ ان سے کچھ منطق کی کتابیں قدماء کی تصانیف سے پڑھ لیجئے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اگر والد ماجد صاحب کی اجازت ہوگی، تو کچھ دن یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مولانا عبد الحق خیر آبادی بھی تشریف لے آئے۔ جناب نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ان سے تعارف کرایا اور فرمایا: باوجود کم سنی ان کی کتابیں سب ختم ہیں اور اپنے مشورے کا ذکر فرمایا۔ مولانا عبد الحق صاحب مرحوم کا عقیدہ تھا کہ:

'دنیا میں صرف اڑھائی عالم ہوئے۔ ایک مولانا بحر العلوم، دوسرے والدِ مرحوم اور نصف بندۂ معصوم'۔

وہ کب ایک کم عمر شخص کو عالم مان سکتے تھے۔ اعلیٰ حضرت سے دریافت فرمایا کہ: منطق میں انتہائی کون سی کتاب آپ نے پڑھی ہے؟۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: 'قاضی مبارک'۔ یہ سن کر دریافت فرمایا کہ: 'شرح تہذیب' پڑھ چکے ہیں؟۔ یہ طعن آمیز سوال سن کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ: 'کیا جناب کے یہاں 'قاضی مبارک' کے بعد 'شرح تہذیب' پڑھائی جاتی ہے؟۔ سیر کا سوا سیر جواب پا کر جناب مولانا عبد الحق نے سوال کا رخ دوسری جانب پھیر دیا اور پوچھا، اب کیا مشغلہ ہے؟۔

فرمایا: تدریس، افتاء، تصنیف۔ پوچھا، کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟۔فرمایا: مسائلِ دینیہ وردِ وہابیہ۔سن کر فرمایا: ردِوہابیہ! ایک میراوہ بدایونی خبطی ہے کہ ہمیشہ اسی خبط میں رہتا ہے اور ردِوہابیہ کیا کرتا ہے۔اشارہ حضرت مقتدائے ملت تاج الفحول محب الرسول عالی جناب مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ العزیز کی طرف تھا اور میرا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت تاج الفحول، جناب مولانا فضلِ حق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید تھے۔اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا:

’جناب کو معلوم ہوگا کہ وہابیہ کا رد سب سے پہلے جناب مولانا فضلِ حق صاحب، جناب کے والد ماجد ہی نے کیا اور مولوی اسماعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا تھا اور ان کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام ’تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی‘ تحریر فرمایا ہے‘۔

اس پر مولانا عبدالحق صاحب خاموش ہوگئے اور کچھ جواب نہ دیا۔اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے۔جب تک حضرت والد ماجد صاحب قدس سرہ عالمِ حیات میں تھے، جو کچھ میں لکھتا، والد ماجد صاحب کو دِکھا لیا کرتا تھا۔کبھی کبھی ضرورت دیکھتے، اصلاح فرما دیتے۔علمی مضامین اور تحقیقاتِ مسائل کو ملاحظہ فرما کر مسرور ہوتے اور جلیل دعاؤں سے سرفراز فرماتے۔انہی مستجاب دعاؤں کا اثر ہے کہ اس وقت سے آج تک دینی خدمات کی ادائیگی میں بد مذہبوں کی کیادی و عیاری کے پردے چاک کرنے اور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بھولی بھیڑوں کو عیار بھیڑیوں سے بچانے میں مشغول ہوں اور بفضلہ تعالیٰ ان تمام بے دینوں کے مقابل غالب و منصور اور بد مذہب خائب وخاسر ہیں‘۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص:۹۷ تا ۹۹]

☆......حضرت مولانا عرفان علی رضوی بیسل پوری کہتے ہیں:

’ایک مرتبہ حضور [اعلیٰ حضرت] کے سامنے نواب کلب علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ والی ریاست رام پور کا ذکر ہو رہا تھا۔فرمایا کہ: مرحوم اہلِ دل سے تھے۔پھر فرمایا کہ: میں ان کو ایامِ حج میں ہر سال مدینہ منورہ کی گلیوں میں فقیروں کی طرح پھرتا دیکھتا ہوں۔اس سے ظاہر ہوا کہ حضور پرنور مرشدی وملجائی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانۂ حیات میں ہر سال باطنی طور پر ایامِ حج میں مدینۂ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔نیز نواب صاحب مرحوم بھی بعد وفات ہر سال ایامِ حج میں مدینہ شریف کی زیارت کیا کرتے تھے۔جبھی تو دونوں کی ملاقات

مدینۂ منورہ میں ہر سال ہوتی تھی'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۹۶۴]

☆......اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

'میری عمر ۱۹؍ سال کی تھی۔ اس وقت رام پور کو ریل نہ تھی۔ بیل گاڑی پر سوار ہو کر گیا۔ ساتھ میں عورتیں تھیں۔ راستے میں دریا پڑا۔ گاڑی والے غلطی سے بیلوں کو اس میں ہانک دیا۔ اس میں دلدل تھی۔ بیل پہنچتے ہی گھٹنوں تک دھنس گئے اور نصف پہیہ گاڑی کا، جتنا بیل زور کرتے، اندر دھنستے چلے جاتے تھے۔ اب میں نہایت حیران کہ ساتھ میں عورتیں ہیں۔ اتر سکتا نہیں کہ دلدل میں خود دھنس جانے کا اندیشہ، اسی پریشانی میں تھا کہ ایک بوڑھے آدمی، جس کی صورت نورانی اور سفید ڈاڑھی تھی، نہ اس سے پہلے کبھی انہیں دیکھا، نہ جب سے اب تک دیکھا، تشریف لائے اور فرمایا: کیا ہے؟۔ میں نے تمام واقعہ عرض کیا۔ فرمایا: یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ گاڑی والے سے فرمایا کہ: ہانک۔ اس نے کہا، کدھر ہانکوں؟۔ آپ دیکھتے ہیں۔ دلدل میں گاڑی پھنسی ہوئی ہے۔ فرمایا: ارے! تجھے ہانکنا نہیں آتا۔ ادھر کو ہانک۔ یہ کہہ کر پہیہ کو ہاتھ لگایا۔ فوراً گاڑی دلدل سے نکل گئی'۔

[الف: الملفوظ، طبع بریلی، ص ۴۹، ب: حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۹۷۴]

☆......امامِ علمائے عرب و عجم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

'حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا۔ اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ وہ دعا یہ ہے:

'اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً'۔

جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا، الحمد للہ تعالیٰ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالیٰ محفوظ رہوں گا۔ البتہ ایک بار مجھے اس کے پڑھنے کا افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں اکثر آشوبِ چشم ہو جایا کرتا تھا اور بوجہِ حدتِ مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ ۱۹؍ سال کی عمر ہوگی کہ رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو رمدِ چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی، جب سے اب تک پھر آشوبِ چشم نہیں ہوا'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۱۶۹]

☆......☆......☆



رشکِ امصار و بلاد: مراد آباد

☆......مراد آباد شاہِ ہندوستاں شاہجہاں کے دور میں آباد ہوا۔ سنبھل کے صوبہ دار رستم خان دکنی نے اسے بسایا۔ [ماہ نامہ'ماہِ نور' دہلی، مئی ۲۰۱۳ء ص:۵۵] ہمالہ کی تلہٹی میں واقع اتر پردیش کا یہ ضلع مراد آباد پیتل، تانبے کے برتن، ظروف اور مصنوعات کی وجہ سے عالمی شہرت کا حامل ہے۔ [ماہ نامہ'سنی دنیا' بریلی جون ۲۰۱۳ء ص:۲۲]

☆......باطل قوتوں کو لاجواب کرنے والے مناظر، دلائلِ قاہرہ کا انبار لگانے والے مصنف و محقق، طوفانوں کا رخ موڑنے والے قائدِ ملتِ اسلامیہ، سیاست دانوں کو لوہے کے چنے چبوانے پر مجبور کرنے والے سیاسی مدبر صدر الافاضل استاذ العلما مولانا سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی [۱۳۰۰ھ/ ۱۳٦۷ھ] اسی مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ پلے بڑھے اور پڑھا، پڑھایا۔ آپ شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی [۱۲٦٦ھ/ ۱۳۵۵ھ] کے مرید و خلیفہ تھے۔ [تذکرہ علمائے اہلِ سنت از مفتی محمود احمد رفاقتی، طبع فیصل آباد، ۱۹۹۲ء ص:۲۵۳] قطب الارشاد امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی خلافت و اجازت سے آپ سرفراز تھے۔ [ماہ نامہ'الرضا' بریلی، ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ ص:۱۲]

☆......اس سفر کی تفصیل میں اعلیٰ حضرت کا ایک طویل خط ہے، جو اس سفر اسباب و محرکات پر روشنی ڈالتا ہے۔ مناسب ہے کہ یہ خط یہاں درج کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ یہاں اشرف علی تھانوی نے مناظرہ کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کی تھی، مگر بر وقت وہی پرانی روش، راہِ فرار اختیار کیا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔ سر دست اعلیٰ حضرت کا خط پڑھیئے۔ لکھتے ہیں:

'فقیر بارگاہِ عزیز قدیر عز جلالہ مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ اب حسبِ معاہدو قرار داد مراد آباد پھر محرک ہے کہ آپ کو سوالات و مواخذات 'حسام الحرمین' کی جواب دہی کو آمادہ ہوں۔ میں اور آپ جو کچھ کہیں، لکھ کر کہیں اور سنا دیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیتے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کے بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔ معاہدہ میں

۲۷/صفر مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ آج ۱۵/کواس کی خبر مجھ کو ملی۔ ۱۱/روز کی مہلت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے، اسی قدر کہ یہ کلمات شانِ اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہ تعالیٰ دو منٹ میں اہلِ ایمان پر ظاہر ہوسکتا ہے۔

لہٰذا فقیر اسی عظیم ذوالعرش کی قدرت ورحمت پر توکل کر کے یہی ۲۷/صفر روز جاں افروز دو شنبہ اس کے لئے مقرر کرتا ہے۔ آپ فوراً قبول کی تحریر اپنی مہری دستخط روانہ کریں اور ۲۷/صفر کی صبح مرادآباد میں ہوں اور آپ بالذات اس امرِ اہم واعظم میں دین کو طے کرلیں۔ اپنے دل کی آپ جیسی بتائیں گے، وکیل کیا بتائے گا۔ عاقل بالغ مستطیع غیر محذرہ کی توکیل کیوں منظور ہو؟۔

مع ہٰذا یہ معاملہ کفر واسلام کا ہے۔ کفر واسلام میں وکالت کیسی؟۔ اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہیں آسکتے اور وکیل کا سہارا ڈھونڈ ییے، تو یہی لکھ دیجئے۔ اتنا تو آپ کو حسبِ معاہدہ لکھنا ہی ہوگا کہ وہ آپ کا وکیلِ مطلق ہے۔ اس کا تمام ساختہ، پرداختہ، قبول، سکوت، نکول، عدول، سب آپ کا۔ اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ اگر بعون العزیز المقتدر عز جلالہ آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساکت یا فار [بھاگنے والا] ہوا، تو کفر سے توبہ علی الاعلان آپ کو کرنی اور چھاپنی ہوگی کہ توبہ میں وکالت ناممکن ہے اور اعلانیہ کی توبہ اعلانیہ لازم۔

میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی کے سر جاتا ہے کہ توبہ کرنی ہوئی، تو آپ ہی پوچھے جائیں گے۔ پھر آپ خود ہی دفعِ اختلاف کی ہمت کیوں نہ کریں؟۔ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے دوسرا آئے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفعِ خجلت کی سعئ بے حاصل کرتے ہیں۔ ہر بار ایک ہی طرح کے جوابات ہوتے ہیں۔ آخر تابہ کے؟۔ یہ اخیر دعوت ہے۔ اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے، تو الحمدللہ! میں فرضِ ہدایت ادا کر چکا۔ آئندہ کسی کے غوغہ پر التفات نہ ہوگا۔ منوا دینا میرا کام نہیں۔ اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔ **واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، والحمد للہ رب العالمین۔** [الف: دافع الفساد عن مرادآباد، مطبوعہ مرادآباد ۱۳۲۹ھ، ب: کلیاتِ مکاتیبِ

رضا، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ص:۱ / ۱۷۹، ۱۸۰]

☆......۱۳۳۸ھ میں اشرف علی تھانوی رنگون جا کر مناظرہ کا شور مچایا۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی و دیگر علمائے اہلِ سنت نے وہاں تک ان کا تعاقب کیا۔ اسی پس منظر میں درج ذیل عبارت ملاحظہ کیجئے۔ اعلیٰ حضرت، اشرف علی تھانوی کو لکھتے ہیں:

'اور مراد آباد کے واقعہ نے آپ اور آپ کے تمام موالی کے ماتھے پر جلی قلم سے سورۂ مدثر شریف کی دو آیتیں لکھ دیں۔ جن کی دوسری ہے: فرت من قسوۃ۔ کیا جوش تھے کہ تو مناظرہ کو تیار ہیں۔ احمد رضا کو جو بلائے، پانچ سو دیں گے، ہزار دیں گے۔ یہاں اطلاع آتے ہی میں نے فوراً تاریخ مقرر کی اور تاریخ سے ایک دن پہلے پہنچ گیا۔ اب کیا تھا۔ سب لو ہے ٹھنڈے، جان کے لالے پڑ گئے۔ یا مجسٹریٹ المدد! یا پولیس الغیاث! ہائے وائے کر کے مناظرہ بند کیا۔ جب حالتیں یہ ہیں، تو کیا مردانگی ہے کہ یہاں ہمیشہ فرار پر فرار کیجئے اور ہزاروں میل سمندر پار رنگون جا کر غوغا مچایئے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مسلمان وہاں تعاقب نہ کرے گا؟۔ [کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع کلیر شریف ۲۰۰۵ء ص:۱ / ۱۸۳]

اعلیٰ حضرت کا سفر مراد آباد فروری ۱۹۱۱ء میں ہوا تھا۔ بریلی اسٹیشن پر کثیر علما و احباب نے یہ کہتے ہوئے الوداع کہا:

بسفر رفتنت مبارک باد　　　　بسلامت روی و باز آئی

[ہفت روزہ 'دبدبہ سکندری' رام پور ۶/ مارچ ۱۹۱۱ء ص:۹/]

☆......مدیر 'دبدبہ سکندری' رام پور نوٹ میں لکھتے ہیں:

'راقم دبدبۂ سکندری کے ایک شفیق مندرجہ ذیل اطلاع بنا بر اندراجِ اخبار ارسال فرما کر خواہش ظاہر فرماتے ہیں کہ پبلک کی دلچسپی کے لئے اسے شائع کر دیا جائے۔ لہٰذا درج ذیل ہے۔ [وہوا ہٰذا]

'جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً'

الحمد للہ کہ ۲۶/ صفر یوم یک شنبہ کو دن کے ایک بجے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مأۃِ حاضرہ مؤید ملتِ طاہرہ جناب تقدس مآب حاجی الحرمین الشریفین مولانا مولوی مفتی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب حنفی قادری برکاتی بریلوی مدظلہم الاقدس جلسۂ دستار بندی اور ایک دینی

خدمت کے لئے [جو مناظرہ کی صورت میں فرقۂ پر مقلدین سے تھی] بریلی سے روانہ مرادآباد ہوئے۔ بریلی کے اسٹیشن پر اعلیٰ حضرت کے فدائی اعلیٰ حضرت کو:

بسفر رفتنت مبارک باد　　　　بسلامت روی و باز آئی

کہنے کے لئے حاضر آئے تھے۔ اعلیٰ اسٹیشن رام پور پر پہنچے، تو حضرت مولانا مولوی ابوالذکا شاہ محمد سلامت اللہ صاحب نقشبندی حنفی رام پوری اور حضرت جناب مولانا مولوی ابوالوقت شاہ محمد ہدایت الرسول صاحب حنفی قادری احمد رضائی و حضرت جناب مولانا مولوی سید شاہ خواجہ احمد میاں صاحب قادری حنفی اور منشی محمد فضل حسن صاحب صابری قادری سب اڈیٹر اخبار دبدبہ سکندری خلف حضرت ابوالفضائل والکمالات مولوی شاہ محمد فاروق حسن صاحب صابری چشتی قادری حنفی اور ایک مجمع کثیر نے اعلیٰ حضرت کی بکمالِ اخلاص قدم بوسی حاصل کی اور باستثناء منشی محمد فضل حسن صاحب کے یہ تمام حضرات وغیرہ اعلیٰ حضرت کے ہمراہ مرادآباد گئے۔

جب ٹرین مرادآباد اسٹیشن پر داخل ہوئی، تو پلیٹ فارم پر مشتاقین و مخلصین کا اس قدر ہجوم تھا کہ پلیٹ فارم ٹکٹ ملنا محال ہو گیا اور آخرش مسٹر کارنر صاحب اسٹیشن ماسٹر نے براہِ نوازش بغیر پلیٹ فارم ٹکٹ سب کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ ہر شخص اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے اشتیاق میں ہمہ تن محو تھا اور ان سب کا اخلاص و جوشِ عقیدت پکار پکار کر اس شعر کا مضمون بیان کر رہا تھا:

اے آمدنت باعثِ آبادئ ما　　　　ذکرِ تو بود زمزمۂ شادئ ما

اعلیٰ حضرت جب اسٹیشن سے باہر تشریف فرما ہوئے، تو یہاں عجیب منظر تھا۔ ہزارہا خلقِ خدا کا ازدحام اعلیٰ حضرت کی تمنائے قدم بوسی میں تھا اور پچاس ساٹھ گاڑیاں رؤسائے شہر کی موجود تھیں۔ حضرت جناب مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب حنفی سنی نے عام مہمان حضرات کو بحیثیتِ پریذیڈنٹ [صدر] جلسۂ دستار بندی مدرسۂ اہلِ سنت مرادآباد گاڑیوں پر سوار کرایا۔ پہلی گاڑی پر اعلیٰ حضرت سوار تھے اور آگے پیچھے تمام حضرات تھے۔ غرضے کہ عجیب شاندار منظر تھا۔ یہ جلوس چوک بازار سے نکلتا ہوا کوٹھی جناب خان بہادر ننھے خان صاحب ٹھکیدار و رئیسِ اعظم پر ٹھہرا اور ذرا دیر ٹھہر کر پھر یہ جلوس درگاہ پاک حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین سیدنا شاہ بلاقی شاہ ولایت قادری رضی اللہ عنہ کی طرف چلا۔ وہاں منتظمینِ جلسہ نے قبل سے اس شاندار مہمانداری کے

لئے ڈیرے اور خیمے وغیرہ استادہ کرر کھے تھے۔ اعلیٰ حضرت مع تمام خدام وغیرہ انہی خیموں میں فرو کش ہوئے۔

عصر کے بعد جناب مولانا مولوی حاجی محمد عبد الاحد صاحب حنفی سنی ساکن پیلی بھیت کا بیان ہوا۔ جب وعظ کی صحبت ختم ہوگئ، تو معلوم ہوا کہ فریقِ ثانی [غیر مقلدین] نے ایک خط بھیجا کہ ہم مناظرہ کریں گے اور اس سے قبل ایک تار بریلی بھی دیا گیا تھا کہ ہم مناظرہ کو تیار ہیں۔ الحمد للہ کہ اہل سنت والجماعت نے بھی اس کا جواب اثبات میں دیا اور گویا صبح کو مناظرہ قرار پا گیا۔

شب کو بعد نمازِ عشا جناب مولانا مولوی شاہ محمد فاخر صاحب الہ آبادی کا وعظ ہوا۔ آپ کا طرز وعظ کے لئے مابہ الامتیاز ہے۔ آپ نے حضور پرنور حبیبِ اکرم شہنشاہِ دوعالم صاحبِ علمِ ما کان وما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے فضائل وکمالات پر دیر تک گہر ریزی کی۔ مناظرہ کے شوق و احقاقِ حق کے اشتیاق میں علمائے کرام اہلِ سنت والجماعت دور دراز مقامات سے مرادآباد تشریف لائے تھے۔ جن کی تعداد ستر سے تجاوز کر گئی تھی۔ مقاماتِ ذیل سے یہ سب حضرات تشریف لائے تھے۔ آرہ، کان پور، علی گڈھ، بریلی شریف، رام پور، پیلی بھیت، بدایوں شریف، الہ آباد، پور بندر، شاہجہاں پور اور بعض حضرات نے تار دیئے تھے کہ ہم حاضری سے معذور رہنے کا سخت افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ غرض یہ مجمع علمائے کرام اہلِ سنت والجماعت کا بہت زور وشور سے وعظ کی پاک صحبتیں منعقد کرتا رہا۔

۲۷ رفروری کو جب روزِ روشن نے منہ دِکھایا، تو حضراتِ علمائے کرام اہلِ سنت والجماعت اس امر کے منتظر رہے کہ فریقِ ثانی مناظرہ کے لئے آئے۔ لیکن بجائے فریقِ ثانی جناب محمد سعید صاحب کوتوال شہر مرادآباد اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کے پاس آئے اور فرماتا کہ فریقِ ثانی [غیر مقلدین] ہمارے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ مولوی احمد رضا خان صاحب ہمارے اوپر چڑھ کر آئے ہیں اور ہم سے مناظرہ کریں گے، تو لوگوں میں فساد ہو جائے گا اور نقضِ امن ہو جائے گا۔ اس واسطے مولوی احمد رضا خان صاحب کو روک دیجئے۔ یہ کہہ کر کوتوال صاحب نے فرمایا کہ آپ مناظرہ نہ کریں۔

جناب مولانا ابو الوقت مولوی محمد ہدایت الرسول صاحب حنفی سنی قادری نے فرمایا کہ فریقِ ثانی کا ہمارے پاس بریلی تار گیا تھا کہ ہم مناظرہ کو تیار ہیں اور یہاں بھی دستخطی ومہری خط موجود ہے کہ ہم مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو اب کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ان سے مناظرہ نہ کریں۔ ہم تو ان

کے بلائے ہوئے آئے ہیں۔ ہاں! اگر فریقِ ثانی کو فساد اور نقضِ امن کا اندیشہ معلوم ہوتا ہے، تو ایک خط اپنے لوگوں کے دستخط کرا کے ہمارے پاس روانہ کریں کہ ہم مناظرہ نہیں کریں گے کہ باعثِ فساد و نقضِ امن ہے۔ اس صورت میں ہم لوگ مناظرہ نہیں کریں گے۔

چنا چہ جب لائق کوتوال صاحب کو اس امر سے اطلاع ملی کہ علمائے کرام اہلِ سنت والجماعت فریقِ وہابیہ کے بلائے ہوئے آئے ہیں۔ تو آپ ان کی اس کارروائی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور فریقِ غیر مقلد کو بلا کر کہا کہ آپ لوگوں نے تو ہم سے یہ ظاہر کیا تھا کہ علمائے اہلِ سنت ہم پر چڑھ کر مناظرہ کرنے کو آئے ہیں۔ حالاں کہ بلایا، تو آپ نے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ لوگ نقضِ امن کرنا چاہتے ہیں۔ اب آپ لوگ لکھ دیں کہ ہم مناظرہ نہیں کریں گے۔ جس پر ان لوگوں کے دستخط اور مہر بھی تھی۔ وہ تحریر کوتوال صاحب لے کر اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ وہ مناظرہ نہیں کریں گے۔

لہٰذا آپ بھی مناظرہ کا التوا فرمادیں۔ یہ سن کر مولانا مولوی ابولوقت شاہ محمد ہدایت الرسول صاحب حنفی سنی قادری سلمہ اللہ تعالیٰ نے علمائے اہلِ سنت والجماعت کی طرف سے فرمایا کہ جب وہ مناظرہ نہیں کریں گے، تو ہم کو بھی ضرورت نہیں۔ چنانچہ ضابطہ کے بموجب کوتوال صاحب نے علمائے اہلِ سنت سے اس قول پر دسخط کرا لئے۔ بدیں وجہ کہ نقضِ امن نہ ہونے پائے اور مناظرہ کی کیفیت کا خاتمہ اس طرح ہوگیا۔

سہ پہر کو اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کا درگاہ پاک ہی پر وعظ شریف ہوا۔ سبحان اللہ وبحمدہ، اعلیٰ حضرت کے وعظ شریف کی کچھ بھی تعریف کرنا بالکل 'چھوٹا منہ اور بڑی بات' کے مصداق ہے۔ اعلیٰ حضرت کا وعظ شریف اعلیٰ درجہ کے نکاتِ بے بدل سے مملو ہوتا ہے۔ غرضے کہ بعد عصر سے شروع ہوا تھا اور عشا کے وقت ختم ہوگیا اور اعلیٰ حضرت کے وعظ کے بعد جناب مولانا مولوی عبد الماجد صاحب بدایونی کا وعظ ہوا اور جلسہ ختم ہوگیا۔

۲۸ر فروری کو بعد طلوع آفتاب پھر جلسہ شروع ہوگیا، جو دن کے بارہ بجے تک ہوتا رہا۔ دوپہر کو تمام حضرات علمائے کرام اہلِ سنت والجماعت کو مراد آباد کے مشہور و معروف رئیس اور پکے حنفی سنی عالی جناب مولانا حضرت قاضی محمد امداد حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دولت خانہ پر دعوتِ طعام پر

مدعو کیا تھا۔ ان تمام حضرات نے قاضی صاحب ممدوح کی مبارک خواہش کو پورا فرمایا۔ گویا قاضی صاحب قبلہ کے دولت خانہ پر علمائے ربانی کا ایک مختصر جلسہ ہوگیا اور یہ جلسہ بخیر وخوبی ختم ہوگیا۔

شام کو ۵/بجے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس مع الخیر والعافیہ روانہ بریلی ہو گئے اور تمام حضرات علمائے کرام اہلِ سنت والجماعت اپنے اپنے مقامات کو تشریف لے گئے۔ جناب مولوی حکیم محمد نعیم الدین صاحب حنفی بانی جلسہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ آپ نے کمالِ علوِ ہمتی اور جاں فشانی سے اس جلسہ کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا اور نیز دوسرے اراکینِ جلسہ بھی قابلِ تحسین ہیں کہ باوجودے کہ اتنا بڑا جلسہ تھا۔ مگر کسی فرد کو ذرا سی بھی شکایت کا موقع نہ دیا اور جلسہ کو خوب آراستہ کیا۔

[راقم یکے حاضرِ جلسہ]۔[ہفت روزہ 'دبدبہ سکندری' رام پور ۶/مارچ ۱۹۱۱ء ص:۸/تا ۱۰/]

☆......☆......☆



شہرِ خداداد: الہ آباد

☆......الہ آباد کا پرانا نام پیاگ، پراگ، پریاگ تھا۔ اس نام سے آج ایک ٹرین چلتی ہے۔ اس کا ایک قدیم نام 'اگرہ' بھی ملتا ہے۔ ہندو مذہبی کتاب 'پران' کے مطابق الہ آباد اور کوشمبی دو اہم حصے تھے۔ رامائن کے زمانہ میں رشی منیوں کی چند چھوپڑیاں تھیں۔ موریہ، گپت، کُشن خاندان کی بھی یہاں حکومت رہی ہے۔ چین کا مشہور سیاح اور تاریخ داں ہونگ سانگ ۶۴۳ء میں الہ آباد آیا تھا۔ ۱۱۹۳ء میں شہاب الدین غوری نے اس پر قبضہ کیا اور دہلی سلطنت کا حصہ بنایا۔ ۱۵۲۶ء میں مغل سلطنت کے زیرِ اقتدار آیا۔ ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء میں بادشاہ اکبر نے گنگا جمنا کے دوآبہ کے کنارے ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرایا۔ اس کا نام 'الہ آباش' رکھا۔ جو بعد میں الہ آباد کہلایا۔ پھر یہ ہندوستان کے اہم شہروں میں شمار ہونے لگا۔ جھونسی، جس کا قدیم نام 'ہربونگ پور' تھا، کوشمبی، خسرو باغ اور کڑا مانک پور، یہ اس کی پرانی آبادیاں ہیں۔ کڑا مانک پور میں فوجی چھاونی بھی تھی۔

[منبع الانساب، سید معین الحق جھونسوی/ ڈاکٹر ساحل سہسرامی، طبع علی گڑھ، ۲۰۱۰ء ملخصاً متعدد

صفحہ]

☆...... بادشاہوں کی فتوحات سے پریاگ میں نورِ اسلام جا بہ جا پہنچ چکا تھا۔ سید علی مرتضیٰ [۶۶۰ھ/ ۷۶۰ھ] کی آمد، جو غالباً ۷۱۰ھ میں ہوئی تھی، سے اسلام کی روشنی تیزی سے پھیلی اور دور تک پھیلی۔ سید علی مرتضیٰ بن سید بدر الدین بن سید صدر الدین بن سید محمد مکی بھکری، یہ پہلے بزرگ ہیں، جو بھکر، سندھ، پاکستان سے جھونسی، الہ آباد تشریف لائے۔ یہ تشریف آوری باشارۂ غیبی آقائے کائنات سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھی۔ پھر یہ علاقہ دعوتِ اسلام کی اہم چھاؤنی بن گیا۔

[منبع الانساب، سید معین الحق جھونسوی/ ڈاکٹر ساحل سہسرامی، طبع علی گڑھ، ۲۰۱۰ء ص: ۵۳]

دوسری اہم ہستی حضرت مولانا شمس الدین ثانی معروف بہ مولانا خواجگی قادری [م ۷۶۹ھ] ہیں۔ [نفسِ مصدر ص: ۶۱] جو کڑا مانک پور میں اپنے فیوض و برکات اور نورِ اسلام کا باڑ الٹا رہے تھے۔ آٹھویں صدی ھجری ختم ہوتے ہوتے اور نویں صدی ھجری آتے آتے دعوتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے کئی دائرے، زاویئے اور مراکز قائم ہو گئے۔

خسرو باغ، الہ آباد کے جنوب مغربی کنارے ہے۔ جہاں تین مقبرے ہیں۔ ان میں ایک مقبرہ بادشاہ جہانگیر کی پہلی بیوی شاہ بیگم کا ہے۔ مانک پور میں مولانا خواجگی قادری کی بارگاہ ہے، آٹھویں صدی ھجری میں یہاں مخدوم حسام الدین مانک پوری قدس سرہ صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ جو مقتدائے وقت تھے۔ آپ کا تعلق مخدوم نور قطبِ عالم پنڈوہ شریف سے تھا۔ مخدوم اشرف جہاں گیر آپ سے ملنے مانک پور تشریف لائے۔ [نفسِ مصدر ۳۳۸]



پہلا سفر

☆......قطب الارشاد امام احمد رضا قادری قدس سرہ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد دو بار تشریف لے گئے۔ پہلی بار حاضری غالباً اس وقت ہوئی، جب سید شاہ محمد بشیر الہ آبادی زیبِ سجادہ دائرۂ شاہ اجمل کا وصال اپریل ۱۸۱۸ء میں ہوا، تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ تعزیت کے لئے تشریف لے گئے اور دوسری بار اس وقت جانا ہوا، جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ جبل پور کے تاریخی سفر سے ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں واپس بریلی شریف جا رہے تھے۔ سید شاہ نذیر احمد اجملی دائرہ شاہ اجمل

نے چائے نوشی کی دعوت دی تھی۔ اس دعوت کا نظارہ حاضر باش خواجہ تاش حضرت مولانا سید شاہ ایوب علی قادری رضوی علیہ الرحمہ کی آنکھوں سے کیجئے، جو بعد میں درج ہو رہا ہے۔ پہلے اول سفر کا خوش نما منظر دیکھئے۔ جو سید شاہ احمد اجملی کے قلم سے ہے۔

☆……سید شاہ احمد اجملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

'جب حضرت سید شاہ محمد بشیر الہ آبادی سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل الہ آباد [و آستانۂ جنیدیہ شہر غازی پور و آستانۂ سید شاہ ولی سکندر پور] کا ۱۹۱۸ء میں وصال ہوا۔ تو آپ کی تعزیت کے لئے حضرت مولانا امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ میرے والد حضرت مولانا سید نذیر احمد اجملی الہ آبادی کے پاس تعزیت کے سلسلہ میں الہ اباد تشریف لائے۔ والد علیہ الرحمہ کی جانب سے آپ کی آمد پر اسٹیشن پر استقبال کے لئے ایک اشتہار شائع ہوا۔ پھر والد محترم نے مع اپنے خاندان کے جملہ افراد و عوام کے ساتھ الہ آباد اسٹیشن پر آپ کا استقبال کیا۔

مولانا دائرۂ شاہ اجمل حاضر ہوئے۔ حضرت سید شاہ محمد بشیر الہ آبادی کے مزار پر حاضری دی۔ فاتحہ پڑھی اور دیگر بزرگانِ خاندان کے مزار پر حاضری دی اور بحیثیت سجادہ نشین کے میرے پاس بھی رسمِ تعزیت کے لئے آئے۔ یہ ان کی محبت اور خلوص تھا۔ میں بھی واپس بزرگوار کے ساتھ بحیثیت ان کے فرزند اور بحیثیتِ سجادہ نشین دائرۂ شاہ اجمل حضرت کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود تھا۔ مجھے ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جب آپ رسمِ تعزیت ادا کر رہے تھے، جیسے اپنے مربی اور بزرگ کی موت پر آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔

مولانا موصوف دو دن میرے غریب خانہ پر جلوہ افروز رہے اور محفلیں منعقد ہوتی رہیں۔

حضرت مولانا موصوف نے اس فقیر کے خاندان میں موجود تبرکات مثلاً: موئے مبارک، دستار سرکارِ کائنات، تسبیحِ غوثِ پاک و جائے نماز حضرت غوثِ پاک و دیگر بزرگانِ دین و خاندان و پیرانِ سلسلہ کے تبرکات کی زیارت کی۔ غالباً آپ کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ بھی تھے۔ یہ ایسا ربط ہے، جو ان دونوں بزرگوں کے درمیان تھا اور یہ ہمیں بتا گئے کہ ہم یہ رابطہ ہمیشہ قائم رکھیں'۔ [ماہ نامہ 'کنز الایمان' دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء ص: ۴۸]

☆……اب وہ اشتہار، جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے استقبال کے لئے دائرۂ شاہ اجمل کی طرف

سے شائع ہوا تھا، اس کا عکس نوادرات میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی نقل مطابقِ اصل یہ ہے:

'خیر مقدم مجد دِ مأۃِ حاضرہ

غالباً مسلمانانِ الہ آباد کے لئے یہ پہلا اور نادر موقع ہے کہ فخر الاسلام حجۃ الملۃ والدین سند العلما تاج الفضلا اعلیٰ حضرت جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی مجد دِ مأۃِ حاضرہ کی تشریف آوری کا مژدۂ روح افزا ہے۔ ۲۰/اپریل یوم یک شنبہ کو ساڑھے سات بجے صبح قبلہ و کعبہ والد ماجد جناب مولانا حکیم سید شاہ نذیر احمد صاحب مدظلہ العالی استقبال کے لئے بڑے اسٹیشن پر تشریف لے جائیں گے اور اسی وقت جناب مولانا ممدوح مزار پر انوار جدِ امجد جناب حضرت سید شاہ محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ پر بغرضِ فاتحہ خوانی و ادائے رسمِ تعزیت تشریف لائیں گے اور بعد تناولِ ماحضر دس بجے دن کو دہرہ دون میل سے عازمِ بریلی ہوں گے۔

ایسے مقدس یگانۂ روزگار بزرگ کی زیارت مغتنمات سے ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ساڑھے سات بجے صبح اسٹیشن پر اور اس بعد دس بجے دن تک دائرۂ شاہ محمد اجمل قدس سرہ العزیز میں زیارت ہو سکتی ہے۔

المعلن: [حافظ] شاہ سید احمد غفرلہ داماد و سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ سجادہ اجملیہ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد [مطبوعہ اشتہار الہ آباد ۱۹۱۸ء]



دوسرا سفر

☆...... یہ سفر غالباً ۱۷/رجب ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں ہوا تھا۔ چوں کہ ۲۸/رجب ۱۳۳۷ھ کی شام کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ بریلی شریف واپس تشریف لا چکے تھے۔ جس کی رپورٹ ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری' رام پور میں شائع ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو: [دبدبۂ سکندری، رام پور ۲۸/اپریل ۱۹۱۹ء ص:۵/]

☆......اب اس سفر کی پوری روداد واقفِ اسرارِ رضویہ حضرت مولانا سید ایوب علی قادری رضوی علیہ الرحمہ کے حقیقت نگار قلم سے پڑھئے۔ تحریر فرماتے ہیں:

'یہاں [الہ آباد] اسٹیشن پر ویٹنگ روم میں تقریباً ایک دن ایک رات قیام رہا۔ چوں کہ

مولانا نذیر احمد صاحب دائرۂ شاہ اجمل سے وعدہ فرمالیا تھا۔ اس لئے بذریعہ موٹر وغیرہ وہاں سب لوگوں کا جانا ہوا۔ مولانا ممدوح نے اپنی بیرونی نشستگاہ میں شامیانہ اور باقاعدہ فرش کا انتظام کیا تھا۔ حضور نے ان کی چائے کی دعوت منظور فرمائی تھی۔ تمام صحن اور دالان عوام سے بھرا ہوا تھا۔ حضور مسند پر تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک شخص کرتا پہنے، جس کی آستین کسی قدر چڑھی ہوئی، سر پر دوپلی ٹوپی، ہاتھ میں ڈنڈا، تیز رفتاری سے آتا ہوا دِکھائی دیا اور اس کے پیچھے چار پانچ آدمی اور تھے۔ ان کے بھی ہاتھوں میں لکڑیاں تھیں۔ یہ جماعت فرش کے کنارے آکر کھڑی ہوتی ہے اور اس کا سرغنہ تقدیمِ سلام کے بعد حضور سے بایں الفاظ مخاطبہ کرتا ہے:

’آپ نے مجھے پہنچانا، میں کون ہوں‘؟۔

حضور نے لاعلمی ظاہر کی۔ کہنے لگا۔ میرا نام افتخار الحق [قاسم میاں قادری رضوی ساکن گونڈل، جو حضور کی تشریف آوری جبل پور کی خبر سن کر آ گئے تھے اور اس جلسہ میں تشریف فرما تھے] اور یہ قاضی قاسم، جو سامنے بیٹھا ہے۔ یہ پہلے میرا مرید تھا۔ [دانت پیستے ہوئے] اس نے آپ سے میرے نام کا کفر کا فتویٰ لے کر اسے چھپوایا اور مجھے تمام کاٹھیاروار بھر میں بدنام کیا ہے۔

حضور نے فرمایا: میرے یہاں کسی کے نام پر فتویٰ نہیں دیا جاتا، بلکہ قائل کے قول پر حکمِ شرعی بتایا جاتا ہے۔ کہنے لگا، خیر میں یہی دریافت کرنے آیا ہوں کہ آپ نے میری کیسے تکفیر کر دی۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی مولانا شفیع احمد صاحب قادری رضوی بیسل پوری نے، جو ’امین الفتویٰ‘ تھے، اور اس سفر میں بھی افتاء کے کام کے لئے حضور کے ساتھ تھے، ایک جست لگائی اور بیچ میں آکر بیٹھ گئے اور افتخار الحق کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا۔ اگر چہ میں اس واقعہ سے خالی الذہن ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ سوال کیا تھا اور تکفیر کس قول پر ہوئی ہے۔

مگر میں تمہاری تشفی کے لئے تیار ہوں۔ اگر مجھ سے تشفی نہ ہو، پھر اعلیٰ حضرت سے مخاطبہ کرنا۔ اس پر افتخار الحق نے کہا [نقلِ کفر، کفر نہ باشد] میرا دعویٰ یہ تھا کہ میری شان ہے، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، اور میں اب بھی کہتا ہوں کہ میری شان ہے، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ۔ مولانا شفیع احمد خان صاحب نے فرمایا: تمہارے اس قول کو مجلس میں بیٹھے کچھ لوگوں نے سنا اور کچھ لوگوں نے نہیں سنا۔ ذرا آواز سے کہئے۔ اس پر افتخار الحق نے کھسیانے لہجے میں پھر اعادہ کیا۔ مولانا نے فرمایا: ادھر دالان میں بھی اندر تک کچھ آدمی ہیں، ذرا بلند

آواز سے ایک بار اور بھی اپنا دعویٰ بیان کردو۔ تاکہ سب لوگ اچھی طرح سن لیں۔

چنانچہ تیسری مرتبہ غصے میں بھر کر خوب زور سے اپنے قول کو ظاہر کیا۔ اس کے بعد مولانا نے حاضرینِ جلسہ کی طرف مخاطب ہوکر دریافت فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس قول کو سن لیا۔ مجمع سے متفق طور پر آواز آئی۔ ہاں سن لیا۔ اس کے بعد افتخار الحق سے پوچھا۔ آپ 'مجہول النسب' ہیں؟۔ یعنی آپ کا کوئی باپ نہیں۔ افتخار الحق رہتکی نے کہا۔ ہاں میرا کوئی باپ نہیں۔ اتفاق سے افتخار الحق کے باپ بھی دالان میں سب کے پیچھے کھڑے تھے، چنانچہ مقامی حضرات میں سے ایک صاحب ان کا بازو پکڑے ہوئے اندر لائے اور افتخار الحق سے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ، یہ کون ہیں؟۔ اس پر جواب دیا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔ یہ سن کر ان کے والد نے اپنی رانیں پیٹتے ہوئے کہا۔ مولانا! کس کے منہ لگے ہو۔ یہ تو پاگل ہوگیا ہے۔ پاگل! غرض تمام حاضرین افتخار الحق کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

اس کے بعد رہتکی نے کہا۔ افتخار الحق نام ہے روح کا، نہ جسم کا۔ جسم سے اسے کوئی علاقہ نہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ یہ آپ نے عجیب بات کہی۔ اس کا ابھی مشاہدہ ہوسکتا ہے۔ لائیے، میں آپ کے جسم میں چاقو سے ایک چرکا لگائے دیتا ہوں۔ چوں کہ آپ کو جسم سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ یہ سنتے ہی اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور قدرے سکوت کے بعد اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے جیب سے چاقو نکال کر کھولا اور اپنی کلائی بڑھاتے ہوئے مولانا سے کہا۔ ہاں لیجئے، چرکا لگائیے۔

یہ مہیب منظر دیکھ کر مولوی نذیر احمد نے کڑکتی ہوئی آواز سے فرمایا۔ ٹھہریئے۔ صاحب ٹھہریئے۔ اور افتخار الحق سے فرمایا۔ پہلے آپ اس کا جواب دیں کہ بغیر میری اجازت حاصل کئے ہوئے میرے مکان میں آپ کو آنے کا کیا حق تھا؟۔ آپ کو مجھ سے اجازت لینا چاہیے تھی۔ میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر تمہیں اعلیٰ حضرت سے کچھ گفتگو کرنا ہے، تو حضور ریلوے اسٹیشن پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہاں جاکر بات چیت کر لینا۔ میرے یہاں سے اسی وقت نکل جاؤ۔ افتخار الحق کو چوں کہ یونہی اپنی جان چھڑانی مشکل ہورہی تھی۔ لہٰذا یہ کہتے ہوئے کہ بہت اچھا، میں جاتا ہوں۔ اسٹیشن ہی پہنچوں گا اور مع ہمراہیان نکلا اور چلا گیا۔ ہم

لوگوں نے شام تک انتظار کیا۔ مگر کون آتا ہے۔ حالاں کہ رات بھی اسٹیشن پر ہی قیام رہا۔
صبح کو سات آٹھ بجے گاڑی روانہ ہوئی تھی۔ بیعت کا سلسلہ جاری تھا۔ گاڑی چلتے میں بھی دوڑ دوڑ کر لوگ مرید ہو رہے تھے اور اکثر لوگ زار زار روتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی اور سب لوگ منتہائے نظر تک پلیٹ فارم پر حسرت بھری نگاہوں سے ٹرین کو دیکھتے رہے۔ مختصر یہ کہ ہم سب بخیر و عافیت ابتدائی شب میں بریلی شریف واپس آ گئے اور ہمارے ساتھ عبد القدیر برہان پوری بھی آئے اور آستانۂ عالیہ پر مقیم ہوئے۔ برادرم قناعت علی انہیں پھاٹک میں ٹھہرا کر اپنے مکان چلے گئے اور صبح کو حسبِ دستور قدیم حاضرِ آستانہ ہو کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے‘۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص:۳۴۸ تا ۳۵۰]



سفرِ مانک پور

☆......اعلیٰ حضرت مانک پور شریف کیوں تشریف لے گئے۔ تفصیل دستیاب نہیں۔ گمان غالب ہے کہ سرکار مانک پور کی بارگاہ میں حاضری اور فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوئے ہوں گے۔ برہانِ ملت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی جبل پوری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:
’پیلی بھیت سے میں تنہا تعزیتیں کرتا ہوا مانک پور ایک آدھ روز ٹھہرتا ہوا غالباً روز سہ شنبہ حاضر نہ ہو سکا‘۔ [کلیاتِ مکاتیبِ رضا از غلام جابر شمس، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ص ۱۹۱] ’جبل پور میں میری صحت اچھی رہی‘۔ [کلیاتِ مکاتیبِ رضا از غلام جابر شمس، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ص ۱۹۱] اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر جبل پور کے بعد سفر مانک پور ہوا تھا۔





دبستانِ اردو: لکھنؤ

☆......تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر بدایونی [۱۲۵۳ھ/ ۱۳۱۹ھ] اپنے عہد کی ممتاز ہستی تھے۔ اس دور کے مشائخِ مارہرہ ان پر کامل اعتماد فرماتے تھے۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۳۲۴] اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بھی اپنے والد ماجد خاتم المحققین حضرت شاہ نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تاج الفحول حد درجہ احترام اور آنکھیں بند کر کے ان دونوں کے شرعی فیصلوں پر بھروسہ کرتے تھے۔ یوں تو اعلیٰ حضرت نے تاج الفحول کی معیتِ مبارکہ میں متعدد اسفار کئے ہیں۔ مگر یہ سفرِ لکھنؤ اپنی جلو میں کئی تاریخی واقعات لئے ہوئے ہے۔ یہ مبارک سفر ۱۳۰۹ھ میں ہوا تھا۔ [الملفوظ قادری کتاب گھر بریلی ۱۹۹۵ء ۱/ ۹۳]

☆......اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ایک استفسار کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

'عرض: حضور! کا کی کے کیا معنی ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟۔

ارشاد: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں چند مسافر حاضر ہوئے۔ حضور کے یہاں اس وقت کچھ سامانِ خورد ونوش موجود نہ تھا۔ غیب سے کاک [روٹیاں] آئیں۔ جو سب کو کافی ووافی ہو گئیں۔ جب سے آپ کا کی مشہور ہو گئے۔

☆......اسی تذکرہ میں [اعلیٰ حضرت نے] فرمایا کہ:

'ایک مرتبہ مولانا فضلِ رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جو میرے پیر و مرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت مولانا نور صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے [جو مولانا بحر العلوم ملک العلما کے شاگرد تھے] پڑھتے تھے۔ دہلی میں تھے۔ جلسۂ وہابیہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں حاضرین پر کاک اور چھوہارے برسا کرتے تھے۔ چنانچہ حسبِ دستور آپ کے سامنے بھی بچھار ہوئی۔ ایک کاک اور ایک چھوہارا آپ کو بھی ملا۔ آپ نے چھوہارا توڑا، تو اس میں سے کیڑا نکلا اور کاک کا کنارہ جلا ہوا۔ یہ دیکھ کر تبسم کیا اور بآوازِ بلند کہا۔ صاحبو! آج تک تو سنا کرتے تھے کہ فرشتے بھولتے نہیں، یہ کیسا بھول گئے کہ روٹی بھی جلا دی اور سنتے تھے کہ جنت کا میوہ سڑتا گلتا نہیں،

تعجب ہے کہ چھوہاروں میں کیڑے پڑ گئے۔اس پر بہت شور وغل ہوا۔

آپ کو غصہ آیا۔ پردہ کو ہٹایا۔جس کے پیچھے سے یہ بارش ہورہی تھی۔ دیکھا،تو اسماعیل دہلوی کا ایک غلام،جس کا نام عبد اللطیف تھا،ایک جھولی میں کاک اور ایک میں چھوہارے لئے بیٹھا ہے۔ پردہ ہٹتے ہی پردہ فاش ہوگیا۔اس کے بعد مولانا فضلِ رسول صاحب دہلی سے لکھنؤ حضرت مولانا نور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اندر سے خبر آئی کہ آنے کی ممانعت ہے۔آپ چوکھٹ پر بیٹھ گئے اور رونے لگے اور عرض کی کہ میری کیا خطا ہے۔

معلوم ہو کہ وہ قابلِ معافی بھی ہے یا نہیں؟۔ جب بہت دیر گذر گئی،تو مولانا نور صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باہر تشریف لائے اور فرمایا: تمہیں میں نے اسی لئے پڑھایا تھا کہ وہابیوں کے جلسے میں جاؤ۔آپ نے عرض کی کہ اتنا تو معلوم ہوگیا کہ میری خطا قابلِ معافی ہے اور پھر آپ نے سارا واقعہ اسماعیل دہلوی کے مکر وفریب کا عرض کیا اور کہا: میں اس کا صرف پردہ فاش کرنے کو گیا تھا کہ نامعلوم کتنے بندگانِ خدا اس کی اس عیاری سے گمراہ ہورہے تھے۔آپ سن کر خوش ہوش ہوگئے اور راضی ہوگئے۔

☆......اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ آگے فرماتے ہیں:

’یہی مولانا نور صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک روز راستے میں تشریف لے جاتے تھے۔ سامنے سے علی بخش وزیر بادشاہِ اودھ،جو اس کی ناک کا بال ہورہا تھا،ہاتھی پر چلا آرہا تھا۔اس نے حضرت کو دیکھ کر اتنا ادب کیا کہ ہاتھی کو بیٹھا دیا اور اتر کر قریب حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور سلام نہ لیا کہ وہ رافضی تھا اور ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔سمجھا کہ شاید مجھے دیکھا نہیں۔ دوسری طرف جا کر سلام عرض کیا۔آپ نے اُدھر سے منہ پھیر لیا اور سلام قبول نہ فرمایا۔تیسری دفعہ پھر سلام کیا۔آپ نے جواب نہ دیا۔اس خبیث کو غصہ آیا اور ہاتھی پر چڑھ کر یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ فرنگی محل کے مردوں کی ڈاڑھی اور عورتوں کا سر نہ منڈوایا،تو علی بخش نام نہیں۔

آپ جب مکان تشریف لے گئے،تو ایک طالبِ علم نے علی بخش کا وہ فقرہ عرض کیا۔آپ فوراً باہر تشریف لائے۔آستانے پر اس وقت میرے پیر ومرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا

فضلِ رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاضر تھے۔عرض کیا:حضور! کہاں کا قصد فرماتے ہیں؟۔ فرمایا: بچونورا کی حماقتے تو ہے۔[آپ کی زبان بور بی تھی]رافضی آیا تھا۔سلام کیا تھا۔جواب دے دیا ہوتا۔اب کسی کی ڈاڑھی مونڑے ہے۔کسی کا مونڑے مونڑے ہے۔نورا کی حماقتے تو ہے اور آپ سیدھے بادشاہ کے محل کو تشریف لے چلے کہ اس سے پیشتر کبھی نہ گئے تھے۔ پیچھے پیچھے یہ دونوں حضرات بھی ہو لئے۔اس دن نوروز کا دن تھا۔اس کے محل میں جشن ہو رہا تھا۔ شراب و کباب اور گانے بجانے کے سامان موجود تھے۔جب دربان نے آپ کو تشریف لاتے دیکھا، گھبرا کر دوڑتا ہوا گیا اور بادشاہ کو خبر دی۔بادشاہ سن کر گھبرا گیا اور حکم دیا کہ فوراً تمام منہیاتِ شرع اٹھا دیئے جائیں اور خود دروازہ تک استقبال کر کے حضرت کو اندر لے گیا اور باعزازِ تمام بیٹھایا۔

علی بخش کھڑا ہوا یہ واقعہ دیکھ رہا تھا۔کاٹو،تو بدن میں خون نہیں۔سمجھ رہا ہے کہ یہ اب شکایت فرمائیں گے اور خدا جانے، بادشاہ کیا کچھ کرے گا۔مگر یہ وسیع ظرف اس ہلکے کے قیاس سے ورا ہیں۔ یہ شکایت فرمانے تشریف نہ لے گئے۔ بلکہ اسے اپنی عظمت دِکھانے کو کہ وہ ایذا رسانی کے خیال سے باز رہے۔ بادشاہ نے عرض کی۔ حضرت نے کیسی تکلیف فرمائی؟۔ارشاد فرمایا: تیری زمین میں رہت ہیں۔ہم نے کہا، ہو آئیں۔بادشاہ نے وہ شیرینی، جو نوروز کے لئے آئی تھی، پیش کی۔فرمایا: ہمارے دو بچے بھی باہر ہیں۔چنانچہ ان حضرات کو بھی بلا لیا گیا۔تھوڑی دیر تشریف رکھ کر واپس تشریف لائے۔یہ دونوں حکایتیں مجھ سے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھنؤ میں بیان فرمائیں۔جب میں اور وہ ۱۳۰۹ھ میں کچھ کتابیں دیکھنے لکھنؤ گئے تھے۔[الملفوظ،قادری کتاب گھر بریلی،۱۹۹۵ء ار ۹۳ تا ۹۶]





خلوت کدۂ رضا: کوہ بھوالی، نینی تال

☆......اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت قدس سرہ کوہِ بھوالی، نینی تال کیوں تشریف لے جاتے تھے۔ رازدارِ درونِ رضویات ملک العلما حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

'رمضان ۱۳۳۹ھ اعلیٰ حضرت قبلہ بھوالی میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وجہ سے کہ فرائضِ الٰہیہ کی عظمت اعلیٰ حضرت کا قلب ایسا محسوس کرتا تھا، جو اولیائے کاملین کا مخصوص حصہ ہے۔ گونا گوں امراض اور فراواں ضعف سے یہ طاقت نہ رکھتے تھے کہ موسمِ گرما میں روزہ رکھ سکیں۔ اس لئے آپ نے اپنے حق میں فتویٰ دیا تھا کہ پہاڑ پر سردی ہوتی ہے۔ وہاں روزہ رکھ لینا ممکن ہے۔ تو روزہ رکھنے کے لئے وہاں جانا استطاعت کی وجہ سے فرض ہو گیا۔ اسی فتویٰ کی بنا پر اعلیٰ حضرت متعدد سال سے آخرِ شعبان کوہِ بھوالی تشریف لے جاتے تھے اور نمازِ عید الفطر بریلی شریف میں اپنی مسجد میں ادا فرمایا کرتے تھے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۱۰۲۳]

☆......بھوالی کہاں ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

'نینی تال یہاں [بھوالی] سے ۷ میل ہے۔ وہاں مکان ملنا بہت دشوار ہے۔ جس مکان میں دو روز رہا، بہت تنگ و تاریک و پست تھا۔ اب یہاں بھوالی میں دو مکان ساڑھے تین سو کو لئے۔ جس صاحب کی نسبت آپ نے لکھا ہے، ان کی مذہبی و علمی و عملی حالات سے اطلاع دیجئے'۔ [کلیاتِ مکاتیبِ رضا، غلام جابر شمس، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ۱/ ۳۸۹]

☆......بھوالی کیسا ہے اور اس کی شرعی حیثیت و کیفیت کیا ہے۔ اس حوالے سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز تحریر کرتے ہیں:

'بھوالی، شہر درکنار، کوئی گاؤں بھی نہیں۔ پہاڑ کی تلی میں چند دوکانیں اور مسافروں کے ٹھہر

نے کے معدود مکان۔ اس میں جمعہ وعیدین نہیں ہو سکتے۔ نینی تال شہر ہے۔اس میں صرف دو مسجدیں ہیں۔ ایک چھوٹے بازار اور دوسرے بڑے بازار، جہاں میرے احبابِ اہلِ سنت رہتے ہیں، اس مسجد کا امام ایک دیوبندی ہے۔سنیوں نے مدتوں سے اس کے پیچھے نماز چھوڑ دی ہے۔صوفی عنایت حسین صاحب کی دکان میں جمعہ وعیدین پڑھتے ہیں۔ مجھے انہی احباب نے نماز پڑھنے کو بلایا تھا۔اس دوکان میں، جہاں مدت سے جمعہ ہوتا ہے، میں نے اس رمضان شریف میں ایک جمعہ ادا کیا۔اس کے بعد بھوالی چلا آیا اور اب جا کر نمازِ عید پڑھائی۔عید تو عید، جمعہ کے لئے بھی مسجد شرط نہیں۔مکان، دوکان، میدان سب میں ہوسکتا ہے'۔[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، غلام جابر شمس، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ۱/ ۹۶]

☆......اپنے وصال سے آٹھ سال قبل حضرت ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادری قدس سرہ کے نام ایک خط میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

'سات روز سے دیہات میں آیا ہوا ہوں۔آپ کا کارڈ ملا تھا'۔[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، غلام جابر شمس، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ۲/ ۳۳۵]

☆......اپنے وصال سے پانچ سال قبل اعلیٰ حضرت قدس سرہ ملک العلما کو لکھتے ہیں:

'قریب تین مہینے ہوئے کہ مکان سے جدا ہوں۔[اس وقت بھوالی تشریف فرما تھے] ہفتوں ڈاک جمع ہو کر مجھے ملتی ہے۔آپ کے تین خط ایک ساتھ پائے'۔[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، غلام جابر شمس، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ۲/ ۳۶۰]

☆......اپنے وصال کے دو سال قبل علامہ محمد عبدالاول جون پوری کو تحریر کرتے ہیں:

'فقیر شبِ ہلال ماہِ مبارک سے بغرضِ علاج مع بعض اعزہ اس[کوہِ بھوالی] پر آیا ہوا ہوں۔ وطن سے دور، کتب سے مہجور'۔

[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، غلام جابر شمس، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ۲/ ۱۷۳]

☆......رمضان ۱۳۳۹ھ میں بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا کوہِ بھوالی، نینی تال میں گذرا۔ یہ تحریکِ ترکِ موالات وخلافت کے زور وشور کا زمانہ تھا۔مگر حالات پر اعلیٰ حضرت کی نظر تھی۔ وہیں سے ہدایت ورہنمائی فرمایا کرتے تھے۔خطوط فتاویٰ وتصانیف کا عمل بھی جاری تھا۔انہی

دنوں قیام الملت حضرت مولانا شاہ محمد عبد الباری فرنگی محلی کا توبہ نامہ شائع ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت بے حد مسرور اور خوش تھے اور اپنے احباب مثلاً تاج العلما سید شاہ محمد میاں مارہروی اور حضرت ملک العلما مفتی محمد ظفر الدین قادری علیہما الرحمہ کو جلسۂ تہنیت کی تاکید فرمارہے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: کلیاتِ مکاتیبِ رضا، جلد اول ص: ۵۷ر تا ۸۲ر اور ۳۸۷، ۳۸۸]

☆......صدر الافاضل حضرت مولانا سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی کا تعلق خاطر، جو اعلیٰ حضرت سے تھا، وہ جگ ظاہر ہے۔ اعلیٰ حضرت کوہ بھوالی میں تھے۔ مراد آباد میں صدر الافاضل کے والدِ گرامی کا وصال ہوا۔ صدر الافاضل نے وصال کی خبر دی اور مادۂ تاریخ کی فرمائش کی۔ یاد رہے، یہ مہینہ رمضان اور سال ۱۳۳۹ھ تھا۔ اب دیکھئے۔ اعلیٰ حضرت تعزیت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

'یہ پر ملال کارڈ روزِ عید آیا۔ میں نمازِ عید پڑھنے نینی تال گیا ہوا تھا۔ شب کو بے خواب رہا تھا اور دن کو بے خور و خواب اور آتے جاتے 'ڈانڈی' میں چودہ میل کا سفر۔ دوسرے دن سو رہا تھا۔ سو کر اٹھا، تو یہ کارڈ پایا۔ اسی وقت یہ تاریخیں خیال میں آئیں۔ ایک بے تکلف قرآنِ کریم سے اور ان شاء اللہ فالِ حسن ہے۔ دوسری حسبِ فرمائشِ سامی فارسی میں۔ مگر دو شعر کے لئے فرمایا تھا۔ یہ پانچ ہو گئے اور مادے میں ایک تخرجہ کرنا ہوا۔ جس کا میں عادی نہیں۔ مگر اس میں کوئی لفظ قابلِ تبدیل نہ تھا۔ لہٰذا یوں ہی رکھا اور اسی روز سے مولانا المرحوم کا نام تا بقائے حیات ان شاء اللہ تعالیٰ روزانہ ایصالِ ثواب کے لئے داخلِ وظیفہ کر لیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت اچھے گئے۔ مگر دنیا میں ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی۔ مولیٰ تعالیٰ آخرت میں زیرِ لوائے سرکارِ غوثیت ملائے، آمین۔

'تاریخ از قرآنِ کریم: رزق ربک خیر۔ ۱۳۳۹ھ

یک شہادت وفات دو صفتاں — دگر جمعہ شہادت درست
مرد تپ شہادت سریں — پس سہ شہادت خبر ست
در مزار ست چشم وا یعنی — پیش رو رکۂ نزہت
مردہ ہرگز نہ معین الدین — کہ ترا چوں نعیم الدین پسر ست
از رضا سال بے سر اعمال — قرب صدق ملیک مقتدر ست

۱۳۴۰-۱=۱۳۳۹ھ

شبِ عید کی بے خوابی اور دن کی بے خور و خواب اور دوسرے سفر کا پیچ و تاب، اس کے سبب کل شام تک حالت ردی رہی۔ میں قابلِ حاضری ہوتا، تو سر سے چل کر مزار کی زیارت اور آپ کی تعزیت کرتا۔ مصطفی رضا کل بریلی گئے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ تعزیت کے لئے حاضرِ خدمت ہوں۔ کل شام تک طبیعت کی بہت غیر حالت نے اس نیاز نامہ میں تعویق کی اور آج اتوار تھا۔ لفافہ نہ مل سکا تھا۔ اب حاضر کرتا ہوں'۔ [حیاتِ صدر الا فاضل، طبع لاہور، ص:۱۳۶، ۱۳۷]

☆......سنہ مذکورہ ۱۳۳۹ھ ہی میں مفتی احمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ ڈیرہ غازی خان کو لکھتے ہی:

'نامہ نامی بریلی سے واپس ہوکر یہاں آیا۔ فقیر بارہ ربیع الاول شریف کی مجلس مبارک پڑھ کر شام سے سخت علیل ہوا کہ ایسا مرض کبھی نہ ہوا تھا۔ میں نے وصیت نامہ لکھوا دیا۔ بارے بحمدہ تعالیٰ مولیٰ عز و جل نے شفا بخشی۔ ولہ الحمد۔ اسی دوران میں آپ کا قصیدہ حمیدہ نعتیہ آیا تھا۔ مجھ میں دیکھنے کی قوت کہاں تھی۔ وہ کاغذات میں مل گیا اور مہنوں گم رہا۔ مجھے زیادہ ندامت اس کی تھی کہ جناب نے تحریر فرمایا تھا کہ اس کا مثنی یہاں نہیں۔ مگر الحمد للہ مہینوں کے بعد مل گیا۔ زوالِ مرض کو مہینے گذرے۔ مگر جو ضعفِ شدید اس سے پیدا ہوا تھا، اب تک بدستور ہے۔ فرض و وتر اور صبح کی سنتیں بدقت کھڑے ہوکر پڑھتا ہوں، باقی سنتیں بیٹھ کر۔ مسجد میرے دروازے سے دس بارہ قدم ہے، وہاں تک چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے اور لاتے اور باقی امراض کہ کئی برس سے کاللام ہو گئے ہیں، بدستور ہیں۔ کبھی ترقی، کبھی تنزل'۔

'ان حالات میں شدتِ گرما سے گھبرا کر رمضان شریف کرنے اور گرمیاں گذارنے ۲۹ر شعبان سے یہاں پہاڑ پر آیا۔ طالبِ دعا ہوں۔ یہ کمزوری، یہ قوتِ ضعف، یہ علالتیں، پھر میری تنہائی اور اس پر اعدائے دین کا چاروں طرف سے نرغہ، اس کی، پھر اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد ہے کہ برابر اعدائے دین و دشمنانِ اسلام کی سرکوبی میں وقت صرف ہوتا ہے۔ تقبل المولیٰ بکرمہ ولہ الحمد علی نعمہ، یہاں آکر بھی پانچ رسالے ردِ خبثاء میں تصنیف ہو چکے ہیں اور چھٹا زیرِ تصنیف ہے'۔

[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، غلام جابر شمس، طبع کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ا / ۱۳۴، ۱۳۵]

☆......حضرت ملک العلما کو لکھتے ہیں:

'مبارک! مبارک!! مبارک!!! مولانا مولوی عبد الباری صاحب نے ان ایک سو ایک اور ان کے امثال سے توبہ چھاپ دی۔ ملاحظہ ہو: ہمدم، ۱۱ر رمضان المبارک روز جمعہ، ۲۰ر مئی ۲۰ء ص:۲، ک:۲۔ [کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع کلیر شریف ۲۰۰۵ء ص:۱ /۳۸۷]

☆......اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ کوہِ بھوالی پر آخری رمضان شریف تھا کہ اگلا سال شروع ہوتے ہی ماہِ صفر کی ۲۵ر تاریخ کو وصال ہوا ہے۔ مگر ذی قعدہ و ذی الحجہ میں بھی کوہِ بھوالی میں ہی تھے اور چودہ محرم الحرام کو واپسی ہوئی تھی۔ [مکتوباتِ امام احمد رضا، طبع بمبئی، ۱۹۹۰ء ص:۵۰]

☆......حضرت شیخ ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی خلیفۂ اعلیٰ حضرت علیہما الرحمہ فرماتے ہیں:

'رمضان شریف کا مہینہ قریب تھا اور حضرت گرمی کی شدت اور نقاہت وضعف کے سبب بریلی شریف میں روزے نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے اعلیٰ حضرت بریلی سے نینی تال، بھوالی پہاڑ پر جانے لگے۔ میں اجازت لے کر واپس آ گیا'۔ [سیدی ضیاء الدین احمد، از شیخ محمد عارف ضیائی، طبع لاہور، ۱۴۲۹ھ ۲ /۵۸]

☆......ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ میں اپنے مرض کی کیفیت کا بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

'بھوالی میں ۱۹ر ذی الحجہ سے چار روز مجھے شدید بخار آیا۔ پانچویں دن درد پہلو میں پیدا ہوا۔ پھر درد جگر سے متبدل ہوا۔ ۷ر دن اور آٹھویں کی شب جیسی گذری۔ الحمد للہ رب العالمین علیٰ کل حال واعوذ باللہ من حال اہل النار۔ وہاں نہ کوئی طبیب، کچھ دوا۔ اوپر کی سانس کے ساتھ یہ معلوم کہ جگر کی ایک طرف بان کے برابر موٹی ریح کئی انگلی بلند ہوئی اور دوسری طرف دوسری اور دونوں میں کنکیا کی طرح سے پیچ ہوئے۔ پھر وہیں بیٹھ گئیں۔ اس کے ساتھ بار بار یہ ریاح قلب کی طرف متوجہ ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ اس وقت اندیشہ زیادہ ہوا۔ حدیث میں دعا فرمائی گئی ہے۔ میں نے قلب پر ہاتھ رکھ کر پڑھی۔ ان پر بے شمار درودیں ہوں۔ فوراً بڑی بڑی ڈکاریں آنی شروع ہوئیں اور یہاں تک آئیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ وہ ریاح قلب پر صاف ہو گئے۔ یہ رات کے بارہ بجے کا واقعہ ہے۔

اب جگر نے کہا: مجھے کیوں محروم رکھا جائے؟۔ میں نے اس پر ہاتھ رکھ کر یہی دعا پڑھی۔ بے کسی دوا کے ایک اجابت ہوئی اور درد میں باذنہ تعالیٰ خفت۔ تین بجے کے قریب پھر جگر پر اجتماعِ ریاح اور اشتدادِ درد ہوا۔ میں نے پھر دعا پڑھی۔فوراً دوسری اجابت ہوئی اور درد میں بفضلہٖ تعالیٰ خفت ہوئی۔ چار بجے پھر ایسا ہی ہوا۔ میں نے پھر دعا پڑھی۔فوراً اجابت ہوئی اور درد بالکل جاتا رہا۔ یہ ان کا فضل ہے۔ یہ ان کا کرم ہے۔ **افضل صلوات اللہ و اکمل تسلیماته علیه و علیٰ آله و صحبه و ابنه و حزبه الیٰ ابد الآبدین فی کل آن و حین بعدد کل ذرة الف الف مرة آمین، و الحمدللہ رب العالمین۔**

اور ایک عجیب واقعہ استماع فرمایئے۔ جسے میں نے طبیبوں کے سامنے ذکر کیا اور پوچھا کہ تمہارے طب میں اس کی کوئی وجہ ہے یا طبعیات میں کچھ پتا ہے؟۔ یہی جواب ملا۔ حشا! بلکہ یہ رحمت خاصۂ خدا ہے۔ اس مرض کے ساتھ ہی بشدت کھانسی و زکام اور بلغم میں لزوجت، ایسی کہ دس دس جھٹکوں کے بعد بہ دشواری جدا ہوتا۔ کھانسی اس قدر شدت کی۔ اتنے جھٹکے ہوتے اور جگر و پہلو میں درد، ان کو ان جھٹکوں کی اصلاً خبر نہ ہوتی۔ ایک صاحب کے پاؤں میں زخم ہے۔ کھانسی آتی ہے۔ وہاں درد ہوتا ہے اور یہاں برابر کے اعضاء میں درد اور ان کو ان جھٹکوں کی اصلاً اطلاع نہیں۔ **فالحمد للہ الکریم حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه کما یحب و یرضیٰ۔**

[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع کلیر شریف، ۲/ ۴۲، ۴۳]

☆...... ۱۴ر محرم کو بھوالی سے واپسی کی کیفیت پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ روشنی ڈالتے ہیں:

’چودہ محرم کو پہاڑ سے واپس آیا۔ لاری والے میرے احباب تھے۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ لاری میں میرے لئے پلنگ بچھا کر لائے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت آرام سے آنا ہوا‘۔ [مکتوباتِ امام احمد رضا، طبع بمبئی، ۱۹۹۰ء ص: ۵۰]

☆...... ۱۳۱۱ھ میں حضرت علامہ محمد عبدالسمیع میرٹھی کو لکھتے ہیں:

’فقیر چار مہینے سے اس قریہ میں ہے۔ نامہ نامی بریلی ہو کر یہاں آیا۔ جواب حسبِ ہمِ قاصر حاضر، رسید بریلی ارسال فرمائیں‘۔ [فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی، ۸/ ۱۹۷]

☆......نوٹ: یہاں قریہ سے مراد بھوالی نینی تال بھی ہوسکتا ہے اور موضع کرتولی، ضلع بدایوں بھی

ہو سکتا ہے، جہاں آپ کی معقول زمینداری تھی۔

☆......☆......☆



کان پور

کان پور کا سفر یقینی ہوا ہے۔ مگر اس کی تفصیل دستیاب نہیں۔ اس کا ذکر تمام قلمکاروں نے کیا ہے۔ حتی کہ صاحب 'نزہۃ الخواطر' عبدالحیٔ لکھنوی نے بھی کیا ہے۔ یہاں ندوۃ العلما کے تاسیسی اجلاس میں اعلیٰ حضرت نے شرکت کی تھی اور اصلاح تعلیم کے موضوع پر مقالہ پیش فرمایا تھا۔ یہ صرف ذکر کی حد تک ہی ہے۔ عالم ربانی مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی قبلہ علیہ الرحمہ کا ایک مضمون، جو اسی موضوع پر غیر مطبوعہ میری تحویل میں ہے، اس کے کچھ اقتباسات پیش خدمت ہیں، جن سے اس امر کی کچھ وضاحت ہو جاتی ہے۔ [شمس پورنوی]

حضرت عالم ربانی مفکر اسلام لکھتے ہیں:

'ندوۃ العلما کے اجلاس اول میں دہلی، بدایوں، بریلی، کچھوچھہ، رام پور پھپھوند، لکھنؤ، کان پور، پٹنہ، اور دیگر علاقوں کے اکابر علمائے اہل سنت میں سے گونا گوں حضرات رونق افروز تھے۔ اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے متعلق ندویوں کی یہ روایت ہے کہ وہ بہ نفس نفیس ایک رسالہ اور خاص اس اجلاس کے لئے تحریر کردہ مقالہ لے کر

تشریف لائے اور شریک جلسہ ہوئے تھے اور اصلاح نصاب کے لئے ، جو مجلس مقرر کی گئی تھی، اس کے رکن منتخب کئے گئے تھے۔ مولانا محمد حبیب الرحمٰن شروانی لکھتے ہیں:

’اس موقع پر جو رسالہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے پیش کیا تھا، اس میں مفتی عنایت احمد صاحب ، مولانا لطف اللہ صاحب اور مولانا احمد حسن صاحب کی بڑی شاندار الفاظ میں مدح وثنا کی تھی‘۔[استاذ العلما، ص:۴۲، ۴۳، از مولانا محمد حبیب الرحمٰن شروانی ، بحوالہ تاریخ ندوۃ العلما، جلد اول ص: ۱۰۴]

تاریخ ندوۃ العلما جلد اول کے مرتب نے اس طرح تحریر کیا ہے:

’اس جلسہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا مقالہ بھی تھا‘۔......اصلاح نصاب کی یہ تجویز کثرت رائے سے منظور ہوئی اور اس کے مطابق بارہ علما کی ایک مجلس موجودہ نصاب اور طریقۂ تعلیم پر غور کرکے اپنی سفارشات پیش کرنے کی غرض سے مقرر کی گئی۔ اس کے ارکان میں استاذ العلما مولانا لطف اللہ صاحب، مولانا عبد الحق صاحب حقانی، مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی...... تھے‘۔[تاریخ ندوۃ العلما، جلد اول ص:۱۰۶، ۱۰۷]

ناظم ندوہ مولوی محمد علی مونگیری کے سیرت نگارت کی روایت یہ ہے:

’اس جلسہ میں مولانا احمد رضا خان [جو بعد میں ندوہ کے شدید مخالف ہوگئے] کا مقالہ بھی تھا۔ لیکن وہ وقت کی تنگی کے باعث پڑھا نہ جا سکا اور فیض عام کی روئداد میں شائع ہوا‘۔[سیرت مولانا محمد علی مونگیری، ص:۱۳۱]

لیکن مولانا حکیم مومن سجاد کان پوری، جو حافظ بخاری [سید شاہ عبد الصمد پھپھوندوی] قدس سرہ کے ارشد خلفا میں تھے، جن کا ذکر جمیل ’ملفوظ مصابیح القلوب‘ میں ص: ۲۰۸ تا ص: ۲۱۵ تک پھیلا ہوا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

’کان پور کے جلسۂ دستار بندی میں ابھی کہ ندوہ پیدا بھی نہ ہوا تھا، جناب مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے قبل انعقادِ جلسہ واسطے تنقید وتحدید کے بمواجہہ حضرت مولوی لطف اللہ صاحب صدر ندوہ بحث بھی کی۔ شرعاً، عقلاً، عرفاً اس ظاہری اتحاد واتفاق معدنِ شقاق ومنبع نفاق کی شناعت وناکامی وقباحت وبدانجامی روشن فرمادی اور اس وقت صدر صاحب نے بھی یہی فرمایا کہ ’میں بھی صبح سے یہی چھینک رہا ہوں‘۔[شکایت کر رہا ہوں اور دکھڑا رو رہا ہوں۔] اور بعد گفتگو ناظم صاحب چپ بھی ہوئے۔ مگر اصلاح وترمیم نہ فرمائی۔ حضرت مولانا فاضل بریلوی

کوتو قبول اصلاح وتجدید مقصد کا وعدہ حتمی دے کرٹالا اور صدر صاحب کو خدا جانے کیا پٹی پڑھائی کہ پھر انہوں نے سکوت اختیار کیا اور اب تک دم نہ مارا۔ حضرت مولانا فاضل بریلوی اور جناب مولانا لطف اللہ صاحب رام پوری ندوہ کے پہلے جلسے میں بھی شریک نہ ہوئے اور اپنے اپنے وطن کو چلے آئے۔‘‘[ندوہ کا ٹھیک فوٹو گراف،ص: ۱۳، ۱۴]

اہل سنت کے اکابر واعاظم میں سے جو حضرات بھی رونق بزم رہے ہوں، وہ پوری نیک نیتی، للٰہیت اور اخلاص کے ساتھ شریک تھے اور وہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ اہل حق علما و مشائخ، عمائدین ومعززین، ماہرین تعلیم ،دانشور اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک ایسا متحدہ محاذ عمل میں آئے، جو اپنی کاوشوں، تجویزوں اور مشوروں سے یخ بستہ مسلمانوں کو حرکت وحرارت کا چشمۂ سیال اور اسلاف کی روایات کا امین و پاسبان بنادے کہ عظمت رفتہ لوٹ آئے اور مسلمان دوسری قوموں کے منصب امامت پر فائز ہو سکے۔ لیکن جب ان معظمین نے اہل ہوا، اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کے سربراہوں کو براجمان اور خلاف شرع تقریروں اور تجویزوں کو منظور ہوتے دیکھا،تو ان کی فراستِ ایمانی نے ان پر روشن کر دیا کہ ندوۃ العلما کے ظاہر و باطن میں یکسانیت نہیں ہے اور مقصد سارے فرقوں کا آمیزہ تیار کر کے صلح کلیت کے نئے فتنے کا آغاز کرنا ہے،تو وہ بڑے ملول ورنجیدہ اور شکستہ خاطر ہوئے اور انھوں نے ندوۃ العلما کی پالیسی واضح ہونے تک اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔

لیکن مراسلت و مکاتبت کے ذریعہ افہام وتفہیم کا سلسلہ قائم رکھا۔ حضرت تاج الفحول بدایونی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، حضرت حافظ بخاری، علامہ نذیر احمد خان رام پوری، مولانا لطف اللہ صاحب رام پوری، مولانا سید محمد ابوسعید نقشبندی، مولانا سید حسین حیدر بلگرامی، مولانا حکیم محمد یوسف حسن عظیم آبادی، مولانا ارشاد حسین دہلوی، مولانا حافظ یقین الدین بریلوی، مولانا قاضی معین الدین میرٹھی، مولانا حکیم مومن سجاد کان پوری، منشی مظہر الحق رودولوی، ان کے علاوہ بہت سے علما و مشائخ اور ارباب فضل وکمال نے دوستانہ،مخلصانہ، بلکہ نیاز مندانہ اور خاسارانہ طور طریقوں اور خطوط ومکتوبات کے ذریعہ مولوی محمد علی صاحب مونگیری ناظم ندوہ کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ خدا اور رسول کا واسطہ دے دے کر سمجھایا۔ کتاب وسنت، اجماع

امت اور اسلاف کی روایت اور امت کی پوری تاریخ کا حوالہ دیا گیا۔لیکن وہ باطل فرقوں کے صنا دید کو انجمن ندوۃ العلما سے علاحدہ کرنے پر راضی نہیں ہوئے ۔ بلکہ دور از کار تاویلات ،حیلہ، حوالہ، لیت ولعل اور تضاد بیانی سے اس اہم مسئلے سے صرفِ نظر کرتے رہے۔

منشی مظہر الحق رودولوی، جو ندوۃ العلما کے سرگرم اور پر جوش ممبر تھے، وہ ندوۃ العلما کے ارباب حل وعقد بالخصوص صدر ندوہ اور ناظم ندوہ سے استفسار کرتے ہیں:

’اے حضراتِ ندوہ! کل تو آپ لوگ ’جامع الشواہد‘ کی تصحیح پر مہریں ثبت کر چکے اور ’فتح المبین‘ پر تقریظیں لکھ چکے، یعنی غیر مقلدین کو کلیۃً اہل سنت سے خارج کر چکے، گمراہوں اور بدمذہبوں میں ان کو داخل کر چکے، آج ندوہ کے اجلاس میں بیٹھ کر ان کو اہل سنت بتاتے ہو، اہل سنت میں داخل کرتے ہو، ہم تمہاری کون سی بات پر یقین کریں اور تمہاری کون سی تحریر کو سچا سمجھیں؟‘۔ [مظہر حق، ص:۳۲]





فیضانِ رضا سے سیراب سارا: آرہ، بہار

☆......آرہ پچھمی بہار کا ایک ضلع ہے۔حضرت مولانا شاہ رحیم بخش رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تعلق اسی شہر آرہ سے تھا۔ مولد، مسکن، مدفن بھی وہیں ہے۔ پھلواری شریف، رام پور، سہارن پور میں تعلیم حاصل کی۔قطب الارشاد امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی شہرت سن کر سہارن پور چھوڑ کر بریلی آ گئے۔ مرید ہوئے اور صحبتِ کیمیا اثر سے اکتسابِ علمی کیا۔ اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ تعلیم و طریقت کی تکمیل کے بعد آرہ واپس ہوئے۔ مدرسہ حنفیہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ کچھ دنوں بعد آپ نے خود ایک ادارہ بنایا۔ جس کا نام ’مدرسہ فیض الغربا‘ رکھا۔ تا حیات آپ اس کے صدر مدرس اور ناظم و

مہتمم رہے۔اس مدرسہ کے سالانہ اجلاس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ بنفسِ نفیس شریک ہوتے تھے اور طلبہ کے سروں پر دستار باندھتے تھے۔تاریخ وسنہ سرِ دست پیشِ نظر نہیں۔

یہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے قدم کی برکت تھی کہ کرایہ کے مکان سے اپنا ذاتی مکان میں یہ مدرسہ منتقل ہوا۔آرہ کے مشہور شیخِ طریقت حضرت شاہ محمد فرید الدین علیہ الرحمہ کا اس مدرسہ کی تعمیر وترقی میں بڑا کردار تھا۔اس مدرسہ کے فارغین میں شاہ محمد عبدالغفور صاحب،علامہ محمد ابراہیم صاحب اور علامہ محمد ولی الرحمان پوکھروی افاضلِ روزگار گذرے ہیں۔خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف کے سابق سجادہ نشین سید شاہ محمد بدرالدین علیہ الرحمہ کے فرزند سید شاہ محمد محی الدین نے اعلیٰ حضرت سے ملاقات یہیں کی تھی اور دونوں احترام ومحبت سے ملے تھے۔اعلیٰ حضرت آرہ کتنی بار تشریف لے گئے۔فی الوقت تفصیل پیشِ نظر نہیں۔۱۳۲۷ھ کے ایک مکتوب میں مفتی سید فخر الحسن خیرآبادی کو اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

’نوازش نامہ اس وقت تشریف لایا۔اہالئ دارالافتا بہ عزمِ آرہ شاہ آباد،جلسۂ مدرسہ فیض الغربا پا بہ رکاب ہیں۔اجمالی جواب فوری گذارش ہے کہ تکلیفِ انتظار بھی نہ ہو اور ایک مسلمان کہ سود کی بلا سے بچتا ہے،مبادا تاخیر میں وہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے۔اگر ضرورت ہوگی،ان شاء اللہ تعالیٰ اور تفصیل کردی جائے گی‘۔

[کلیاتِ مکاتیبِ رضا،طبع کلیر شریف،۲۰۰۵ء ص:۲/۲۰۱]

☆......اسرارِ رضویہ کے واقف کار حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی لکھتے ہیں:

’حضرت مولانا رحیم بخش آروی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار حضور پرنور اعلیٰ حضرت قبلہ کے محبوب خلفا وتلامذہ میں ہے۔شہر آرہ صوبہ بہار میں مدرسہ فیض الغربا آپ ہی کی یادگار ہے۔اس مدرسہ کے سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت میں حضور [اعلیٰ حضرت] تشریف لے جاتے ہیں۔قیام ایک وسیع پر فضا عمارت میں ہے۔جس کے صحن میں ایک باغیچہ بھی ہے۔وہاں عرصہ سے پانی کے نلوں کا رواج تھا۔جو شب کے ۱۲/بجے بند ہو جاتا ہے اور صبح چار بجے نل کھلتے تھے۔ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ پانی سے تمام ظروف [برتن] خالی اور نل،جو قیام گاہ سے تقریباً ایک فرلانگ پر تھا،بند ہو چکا تھا۔حضور کے ہمراہیان وخدام جناب حاجی دلا ور حسین خان صاحب قادری رضوی اور

حاجی کفایت اللہ صاحب نے، جب حضور آرام فرمانے لگے، تو ۲ ر بجے کے قریب کھانا تناول کیا اور آپس میں یہ طے کیا کہ شب کو جاگتے رہیں گے اور چار بجے ہی نل سے پانی لے آئیں گے۔ غرض ۳ ر بجے تک وہ بیدار رہے۔ اس کے بعد دونوں حضرات غافل ہو گئے۔ اب ایسے وقت آنکھ کھلتی ہے کہ وقت فجر ہوتا ہے۔ مگر جس وقت یہ اٹھنا چاہتے تھے، اس سے کہیں تجاوز ہو چکا تھا۔

الحاصل یہ قرار پایا کہ پہلے حقہ بھر لیا جائے۔ اگر تازہ نہ ہو، جب تک حضور حقہ نوش فرمائیں گے۔ پانی جا کر لے آئیں گے۔ چنانچہ حاجی دلا ور حسین خان صاحب نے کچے کوئلے ہاتھوں سے توڑ کر جلدی سے چلم تیار کی ہی تھی کہ حضور تشریف لے آئے اور حاجی صاحب کے دونوں ہاتھ کالے دیکھ کر فرمایا کہ حاجی صاحب ہاتھ تو دھو لیجئے۔ چوں کہ ان کے علم میں تھا کہ پانی کا ایک قطرہ موجود نہیں ہے۔ لہٰذا عرض کرنے لگے، حضور! مسجد میں جا کر دھولوں گا۔ اس پر خود حضور نے لوٹا اٹھا کر، جو قریب ہی تھا، حاجی صاحب کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا شروع کیا۔ حالاں کہ اس سے پہلے وہ بالکل خالی تھا۔ جو دستِ اقدس میں آتے ہی پانی سے لبریز ہو گیا۔ یہ واقعہ حاجی کفایت اللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا‘۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ص: ۹۴۹،۹۴۸]

☆ ......اسرارِ رضویہ کے واقف کار حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی کا بیان ہے:

’ایک مرتبہ شب کے وقت مولانا رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ ’میر زاہد‘ کا مطالعہ فرما رہے تھے اور طلبہ کو منجملہ اور اسباق کے اس کا بھی درس دینا تھا۔ دورانِ مطالعہ میں ایک جگہ رکاوٹ پیدا ہوئی، بہت غور فرمایا۔ مگر وہ مقام حل نہ ہوا۔ شب کا زیادہ حصہ اس میں گذر گیا۔ بالآ کر کتاب بند کر دی اور صبح کو جب طلبہ نے پڑھنا چاہا، فرمایا: آج اسے رہنے دو۔ کل دیکھا جائے گا۔ دوسری شب بھر دیر تک اس موقع کو غور کیا۔ مگر سمجھ میں نہ آیا اور صبح کو طلبہ کو پھر ٹال دیا۔ تیسری شب انتہائی سعی فرمائی، مگر کامیابی نہیں ہوئی اور کتاب بند کر کے بارادۂ استراحت لیٹ گئے۔ مگر نیند نہ آئی۔ دیر تک کروٹیں بدلتے رہے۔ بالآ کر آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ ایک اجتماع کثیر میں اسی مسئلۂ لاینحل کو حل فرما رہے ہیں۔ معاً ان کی آنکھ کھل گئی۔ تو فجر کا

وقت تھا۔ وضو فرمایا اور نماز پڑھی اور خوش خوش مدرسہ پہنچ کر طلبہ کو درس دیا اور جس وقت سے بیدار ہوئے تھے، قلب بار بار متقاضی تھا کہ بریلی شریف حاضر ہو کر قدم بوسی کروں۔ چنانچہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سببِ حاضری عرض کیا۔ حضور نے تبسم فرماتے ہوئے اس حل کی تائید فرمائی'۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ص: ۹۴۹، ۹۵۰]

☆......☆......☆



ساڑی اور صبحِ بنارس والا: بنارس

☆...... یہ سفر مستقلاً نہیں، ضمناً تھا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ آرہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ جہاں وہ مدرسہ فیض الغربا کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ یہ اجلاس دستارِ فضیلت کا ہوا کرتا تھا۔ بنارس میں جو واقعہ پیش آیا، وہ درج ذیل ہے۔ صبحِ بنارس اور شامِ اودھ مشہور ہے۔ اعلیٰ حضرت بنارس بھی گئے اور لکھنؤ بھی گئے ہیں۔ مگر تفریح کے لئے نہیں، محض علمی اور دینی مقصد سے۔ جب ان کو اپنے شہر بریلی کے کمپنی باغ کا علم نہیں، تو صبحِ بنارس اور شامِ اودھ کی ہوا خوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بنارس میں جو واقعہ رونما ہوا، شاید اس کا تعلق حضرت مولانا سید غلام قطب الدین برہم چاری سہسوانی سے متعلق ہو کہ وہ وہاں سترہ برس تک ایک مندر میں قیام پذیر تھے اور ہندو مذہب و فلسفہ کا مطالعہ کر رہے تھے۔ مبلغِ عالمِ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم میرٹھی اس مدت میں کئی بار سامانِ اکل و شرب پہنچایا کئے تھے۔ شاید اعلیٰ

حضرت کی ملاقات بھی انہی مولانا برہمچاری سے ہوئی ہو۔ یہ میرا قیاس ہے، کوئی حتمی رائے نہیں۔ لیجئے، اب وہ واقعہ سنیئے۔

☆......دانش گاہِ رضا کے دانشمند حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی بیان کرتے ہیں:

’آرہ مدرسہ کے سالانہ جلسۂ دستار بندی سے فارغ ہوکر بنارس اسٹیشن پر واپسی میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ حاجی کفایت اللہ صاحب سے ارشاد فرمایا: ایک گاڑی کرایہ کی لے آیئے۔ انہوں نے عرض کی۔ حضور! کہاں کے لئے گاڑی والے سے کہا جائے۔ فرمایا: یہاں جو سب سے بڑا مندر ہے، وہاں کے لئے۔ حاجی صاحب سمجھے کہ الفاظ میری سمجھ میں نہ آئے۔ لہٰذا تصدیق کے لئے انہوں نے عرض کیا۔ حضور نے کیا فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے پھر اس ٹکڑا کا اعادہ فرمایا۔ یہ گئے اور ایک فٹن لے آئے۔ حضور کے ساتھ حاجی کفایت اللہ صاحب اور حاجی دلاور حسین صاحب [اعلیٰ حضرت کے بھانجے] جواہر پور والے گاڑی میں بیٹھے۔ تھوڑی دیر میں ایک بہت بڑے مندر کے سامنے گاڑی ٹھہری ہی تھی کہ مندر کے اندر سے دور سے پجاریوں کی طرح بھبھوت ملا ہوا ایک شخص نہایت تیزی کے ساتھ بلا تاخیر ایسے آیا، جیسے کہ انتظار ہی میں تھا۔ حضور سے مصافحہ کیا اور کچھ باہمی گفتگو ہوئی۔

ہر دو صاحبان کا بیان ہے کہ وہ بات چیت نہ عربی تھی، نہ فارسی، نہ اردو میں، بلکہ ایک نئی زبان میں ہم کلامی تھی۔ جو ہم دونوں کی سمجھ میں مطلق نہ آئی۔ بعدہٗ حضور نے اپنی پانوں کی ڈبیا انہیں دی۔ انہوں نے پان کھایا اور جس طرف سے آئے تھے، چلے گئے۔ حضور نے فرمایا: گاڑی بڑھاؤ۔ ریلوے اسٹیشن پر آکر ریل میں سوار ہوئے۔ بریلی شریف واپس آگئے۔ مگر یہ راز نہ کھلا۔ نہ ان دونوں حضرات کو یہ جرأت ہوئی کہ معلوم کریں۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک روز بعد نمازِ عشا حضور پلنگ پر لیٹے تھے اور کچھ خوش خوش تھے۔ حاجی دلاور حسین صاحب جسم داب رہے تھے۔ انہوں نے موقع پا کر دبی زبان سے دریافت کیا۔ فرمایا: ان سے وعدہ تھا وبس‘۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ص: ۹۶۳]

☆......برہان پور اٹک شریف، پاکستان کے محقق سید صابر حسین شاہ بخاری نے ’امام احمد رضا اور مجاذیب‘ کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے، جو ہر طرح قابلِ قدر ہے۔ اس میں بھی یہ واقعہ درج

ہے۔ واقعہ کے آخری الفاظ یہ ہیں:

'......اس کے بعد وہ شخص آبدیدہ ہو کر چلا گیا اور آپ بھی با چشمِ نم واپس لوٹ آئے۔ اعلیٰ حضرت کے خادم صوفی کفایت اللہ کہتے تھے کہ ان دونوں نے کس زبان میں باتیں کیں اور کیا باتیں کیں؟۔ میں سمجھ نہ سکا۔ اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا کہ حضور یہ کون تھے؟۔ آپ نے فرمایا: حاجی صاحب! آم کھائیے۔ پیڑ شمار نہ کیجئے'۔

[الف: امام احمد رضا اور مجاذیب، طبع لاہور ص: ۳۳/ ب: سہ ماہی 'افکارِ رضا' بمبئی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء ص: ۲۶/]

☆......☆......☆



عظیم آباد، پٹنہ

☆......قاضی عبد الوحید فردوسی، مجاہد اہلِ سنت تھے۔ مردِ جری و شجیع تھے۔ علم اور مال دونوں سے قدرت نے نوازا تھا۔ عمر کم پائی۔ عمل زیادہ کیا۔ بڑے کارنامے انجام دیئے۔ وہ دولت مند بھی تھے اور سخاوتِ عثمانی کی سچی تصویر بھی۔ مدرسۂ حنفیہ، ماہ نامہ 'مخزنِ تحقیق' معروف بہ 'تحفۂ حنفیہ'، 'مطبع حنفیہ' اور اجلاسِ اہلِ سنت پٹنہ ۱۳۱۸ھ ان کی حیاتِ تابندہ کے درخشندہ عنوانات ہیں۔ یہ ایک محض متنِ متین ہے، جو بحرِ بے کراں ہے۔ جس کے لئے سفینہ چاہیے۔ یوں ہی مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی اور مولانا الحاج لعل محمد مدراسی، کلکتہ، یہ شخصیتیں بابِ رضویات کے نہایت جلی عنوانات ہیں۔ جو فوری توجہ اور تحقیق کے طالب ہیں۔

☆......قاضی عبد الوحید فردوسی امام احمد رضا کے دستِ راست تھے۔ 'تحفۂ حنفیہ' اور 'مطبع حنفیہ'

رضویات کا دوسرا سب سے بڑا پڑاؤ تھا۔ اعلیٰ حضرت اور فردوسی علیہما الرحمہ کے درمیان پہلا تعارف کیسے ہوا اور کہاں ہوا۔ بتانا ذرا مشکل ہے۔ البتہ ۱۳۱۳ھ سے مراسلت کا ثبوت موجود ہے۔ پہل قاضی صاحب نے ہی کی تھی۔ پھر تو وہ اعلیٰ حضرت کو ایسے بھا گئے کہ ماں جائی بھائی جیسا قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے عظیم آباد سے جب جب آواز لگائی، تو اعلیٰ حضرت نے سن بھی لی اور رختِ سفر بھی باندھ لیا۔ پہلی بار ۱۳۱۸ھ میں، دوسری بار ۱۳۱۹ھ میں کلکتہ کی واپسی پر اور تیسری بار قاضی صاحب کی علالت و وصال پر ۱۳۲۶ھ میں۔ اعلیٰ حضرت تین بار پٹنہ تشریف لے گئے اور ہفتوں قیام فرمایا۔

☆......رجب ۱۳۱۸ھ اجلاسِ اہلِ سنت پٹنہ، تاریخِ اہلِ سنت کا ایک زریں باب ہے۔ جس میں تمام اطرافِ ہندوستان کے علما و مشائخ اور زعما و عمائدین سیکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ خود بہار کی ساری خانقاہوں کی نمائندگی تھی۔ خانقاہِ معظم بہار شریف نالندہ، خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف۔ خانقاہِ میتن گھاٹ، خانقاہِ عشق پاک اور تمام خانقاہوں کے سجادہ نشینوں کا جمگھٹا تھا۔ ایک ہفتہ کا یہ اجلاس علمی بھی تھا اور روحانی بھی۔ حامئ اہلِ سنت بھی تھا اور درپئے اصلاحِ ندوہ بھی۔ یہ خوش عقیدگی کا مئے کدہ بھی تھا اور بدعقیدگی کا آتش کدہ بھی۔

اسی تاریخ ساز اجلاس میں شرکت کے لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پٹنہ کا سفر اختیار فرمایا۔ جو محض سفر نہیں، سفرِ موج ظفر ثابت ہوا۔ یہاں آپ کا قیام ایک ہفتہ قیام رہا۔ متعدد مجالس میں تقاریر فرمائیں۔ ان کی ایک تقریر روداد اجلاس 'دربارِ حق و ہدایت' میں ص: ۱۰۵/تاص: ۱۲۸/ تک چھپی ہوئی ہے۔ یہیں انہوں نے عربی قصیدہ 'آمال الابرار لآلام الاشرار' منظوم تصنیف کیا۔ جو ایک سوستر [۱۷۰] اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ قصیدہ عربی زبان میں ہے۔ جو حکیم عبد الحمید پریشاںؔ کے عربی قصیدے کے جواب میں ہے۔ پریشاںؔ نے اپنا قصیدہ ندوہ کی مدح میں لکھا اور پڑھا تھا۔ یہیں آپ نے ایک آزاد منش شخص سے دیر تک مکالمہ فرمایا۔ جس سے عاجز و زچ ہو کر رہ گیا۔ یہ مکالمہ 'دربارِ حق و ہدایت' میں تین صفحے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہیں اعلیٰ حضرت نے متعدد مضامین و خطوط لکھے۔ پل پل مصروف رہے۔ لمحہ لمحہ مشغول رہے۔ علما سے ملاقاتیں رہیں۔ مشائخ سے صحبتیں رہیں۔ علمی مذاکرے اور دلچسپ مناظرے ہوئے۔ یہیں سب سے پہلے اعلیٰ

حضرت کو 'مجدد' کے معزز لقب سے ملقب کیا گیا۔ جس پر بعد میں تمام علمائے عرب و عجم نے لبیک کہا۔ اسی پٹنہ میں اعلیٰ حضرت پر سب سے پہلی پی ایچ ڈی ہوئی۔ اسی بہار میں پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے اعلیٰ حضرت پر سب سے زیادہ پی ایچ ڈی کروائی۔



پہلا سفر

☆......تاج الفحول بدایونی کی فرمائش، اعلیٰ حضرت کا خطاب، سید شاہ اسماعیل حسن مارہروی کا بیان، رضویات کے اولین بنیاد گذار ملک العلما حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

'۱۳۱۸ھ میں ندوہ کا جلسہ پٹنہ میں ہوا تھا۔ جناب قاضی عبد الوحید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رئیس عظیم آباد، لودی کٹرہ نے متصل تحسینِ ندوہ اہلِ سنت و جماعت کا جلسہ بھی وہیں منعقد کیا تھا۔ اس میں اکثر و بیشتر علمائے اہلِ سنت و جماعت تشریف فرما تھے۔ جب مولانا احمد رضا خان کا بیان شروع ہوا، شب کا وقت تھا۔ میں اور مولانا عبد القادر صاحب جلسے میں نہ تھے۔ قیام گاہ پر تھے۔ میں سونے کو لیٹ گیا تھا۔ حضرت مولانا عبد القادر نے مجھے جگا کر فرمایا کہ میاں! مولانا احمد رضا خان صاحب کا بیان ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہیں۔ اس وقت ہمارے پٹھان کے وارد یکھنے کے قابل ہیں۔ چلیے۔ ہم سب بھی جلسے میں جا پہنچے۔ بہت زوردار بیان مولانا فرما رہے تھے اور یہ معلوم کر کے کہ ندوی حضرات اپنے کو مخفی کئے ہوئے یہاں موجود ہیں۔ ندوہ پر اشد کامل رد فرما رہے تھے۔ جس کو سننے کی صنادیدِ ندوہ کو تاب نہ رہی اور وہ ایک ایک دو دو کر کے کھسکنا شروع ہوئے۔ یہ حالات دیکھ کر مولوی ہدایت رسول صاحب نے مجمع کے درمیان بآوازِ بلند فرمایا: ابھی سے کہاں چلے۔ ابھی تو پہلا ہی چرکا ہے۔ ذرا تو ٹھہریئے'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ص: ۱۷۳]

☆......ملک العلما حضرت مفتی شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

'یہ تمام و کمال وعظ اسی زمانہ میں روداد مجلسِ اہلِ سنت و جماعت مسمیٰ بہ 'دربارِ حق و ہدایت' میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ دورانِ جلسہ میں قصیدہ مبارکہ 'آمال الابرار لآلام الاشرار' جناب مولوی حکیم عبد الحمید پریشاں عظیم آبادی کے قصیدے کے جواب میں پڑھا گیا۔ جس میں مشہور

ترین علمائے اہلِ سنت حاضرینِ جلسہ کے نام ایک ایک کر کے گنائے ہیں'۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ص:۱۷۶]

☆......ایک تاریخی عربی قصیدہ، ایک تاریخی فارسی مثنوی، پریشاںؔ کی شعری وشرعی پریشانیاں، ایک سو اغلاط کا اظہار، حضرتِ ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری لکھتے ہیں:

'۱۳۱۸ھ میں ندوہ کا سالانہ جلسہ پٹنہ سٹی میں صاحب کے مکان پر ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں اہلِ سنت کا جلسہ بھی محلہ لودی کٹرہ میں ہوا تھا۔ ندوہ کے جلسہ میں مولوی عبدالحمید صاحب نے ایک قصیدہ عربیہ پڑھا۔ جس کا مطلع یہ تھا:

لَکُمُ الْبُشْرٰی وَ جَاءَ کُمُ الْوَفُوْدُ اَتَم متالکم الدھر العنود

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مجدد مأۃِ حاضرہ قدس سرہ العزیز نے اسی وزن، اسی بحر میں ایک بلیغ و فصیح قصیدہ ایک سو ستر شعروں کا کئی گھنٹوں میں لکھ کر بنامِ تاریخی 'آمال الابرار لآلام الاشرار' [۱۳۱۸ھ] تیار فرمادیا۔ جس کا مطلع:

ھی الدنیا تبیدر ولا تفید فاف لمن یریدو من یرود

اور مقطع یہ تھا:

غلیمک الوحید رجا رضاک اذ انت العدل والقاضی الوحید

اور بحمد اللہ کہیں قافیہ مکرر نہیں۔ چند جگہ بظاہر تکرار معلوم ہوتی ہے۔ وہ صنعتِ تجنیس کے باب سے ہے کہ لفظ متفق اور معنی مختلف عہو دمنازل، عہو دبینھا، عہو داما نہا، جدید نو، جدید بختیار، جدید روئے زمین۔

اسی طرح عربی قصیدہ کے علاوہ جناب حکیم صاحب موصوف نے ایک مثنوی فارسی میں بھی تحریر فرمائی تھی۔ جس میں 'محامد و فضائلِ ندوہ' بیان کیا۔ حضرت مولانا حسن رضا خان صاحب برادرِ اوسط اعلیٰ حضرت قدست اسرارہم نے اس کا جواب فارسی مثنوی میں دیا۔ جس کا تاریخی نام 'صمصامِ حسن بردابرِ فتن' تحریر فرمایا۔

اعلیٰ حضرت نے ان دونوں [پریشاںؔ کے عربی و فارسی قصیدوں] کی شرعی وشعری سو غلطیاں بنام تاریخی 'سکین ونورہ بردو کاکلِ پریشاں ندوہ' ایک مستقل رسالہ میں ظاہر فرمائیں۔ ازاں جا

کہ قصیدہ عربیہ کے مطلع تحریر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ عز وجل فرماتا ہے: **یؤذینی ابن آدم یسب الدھر و انا الدھر بیدالامر اقلب اللیل و النھار**۔ آدمی مجھے ایذا دیتا ہے۔ دہر کو برا کہتا ہے اور جسے برا کہتا ہے، وہ حقیقۃً میں ہوں۔ کام سب میرے ہاتھ میں ہیں۔ میں رات ودن کو پلٹتا ہوں۔ رواہ البخاری و مسلم۔ اصحابِ ندوہ اگر دہر کو عنود کہہ کر اللہ عز وجل کو ایذا دیں، جائے شکایت نہیں۔ ابھی ندوہ پٹنہ میں ایک عالمِ ندوہ نے وعظ میں کہا: ندوہ کے تین خادم ہیں۔ علما اور رسول اور خدا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ص: ۶۶۴، ۶۶۵]

☆......ایک آزاد منش شاعر اور اس کے وفد سے اعلیٰ حضرت کا مکالمہ، روداد نویس مولانا محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی مدیر ’تحفۂ حنفیہ‘ لکھتے ہیں، ملک العلما نقل فرماتے ہیں:

’رسالۂ مبارکہ ’دربارِ حق و ہدایت‘ میں حضرت مولانا ابو المساکین شاہ ضیاء الدین صاحب قادری رضوی پیلی بھیتی مدیر ’تحفۂ حنفیہ‘[رحمۃ اللہ علیہ] تحریر فرماتے ہیں کہ مجلس علمائے اہلِ سنت و جماعت پٹنہ کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۷؍رجب المرجب لغایتِ ۱۳؍رجب المرجب ۱۳۱۸ھ میں حضور پرنور اعلیٰ حضرت قبلہ شرکت فرماتے ہیں۔ جلسۂ مذکورہ کے اخیر روز ایک شاعر آزاد، نیچری وضع، ڈاڑھی صفانے، جن کے ساتھ اسی وضع کے آٹھ دس حضرات اور بھی تھے۔

خدمتِ اقدس حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہوکر اپنا ایک فارسی ترکیب بند، تین بند کا مدح جلسہ مبہمہ میں [جس سے کچھ بھی واضح نہ ہوتا تھا کہ کس جلسہ کی تعریف ہے] اس اظہار کے ساتھ کہ میں نے اس مجلس مبارک علمائے اہلِ سنت و جماعت کی مدح میں لکھا ہے۔ اس جلسہ میں پڑھ کر فخر حاصل کرنے کی اجازت مانگتا ہوں، پیش کیا۔ حضرتِ والا نے فرمایا: مولانا احمد رضا خان صاحب فاضلِ بریلوی کے پاس لے جایئے۔ انہیں سنا بھی دیجئے۔ اگر وہ بعض الفاظ کی تبدیلی کو کہیں، بدل دیجئے اور انھی سے اجازت لیجئے۔ آزاد صاحب اعلیٰ حضرت کے پاس آئے۔ اپنی نظم دِکھائی۔ حضور نے بعض الفاظ مخالفِ شرع میں اصلاح دی۔ آزاد صاحب نے قبول کی۔ حضور نے ان کی وضع قطع و ترکیب سے سراپا نیچری اور ڈاڑھی منڈی دیکھ کر فرمایا:

'آپ مولوی سید اعظم شاہ صاحب کو اجازت دیجئے کہ وہ آپ کی طرف سے جلسہ میں پڑھ دیں'۔

کہا: میں ایرانی لہجے میں پڑھوں گا۔ شاید مولوی صاحب نہ پڑھ سکیں۔

مولوی اعظم صاحب نے فرمایا: عربی مصری ایرانی، جیسے لہجے میں کہیے، میں پڑھ دوں گا۔ پھر ایک بند ایرانی لہجے میں پڑھ کر سنایا۔

آزاد صاحب نے پسند کیا اور بظاہر راضی ہوئے کہ، یہی پڑھ دیں۔

مولانا مولوی سید عبد الصمد صاحب سہسوانی کا وعظ ہو رہا تھا اور اس کے ختم کا انتظار ہے کہ حافظ عبد المجید صاحب رئیس موضع اندھوس تشریف لائے اور حضور پر نور اعلیٰ حضرت قبلہ سے عرض کیا۔ کچھ ضروری عرض ہے۔ دوسرے کمرے میں تشریف لے چلیے۔ ارشاد فرمایا: جلسۂ وعظ سے اٹھ کر جانا کیا مناسب ہے۔ اگر کوئی ایسی ہی شدید ضرورت ہو، تو خیر، ورنہ ختمِ وعظ کا انتظار کیجئے۔ کہا، اسی وقت کی ضرورت ہے۔ حضور اٹھے اور ایک خالی کمرے میں، جہاں صرف مولوی سید شاہ بشیر صاحب الہ آبادی تشریف رکھتے تھے، تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر بایں الفاظ تمہید شروع کی کہ یہ آٹھ دس نیچری، جو اس ڈاڑھی منڈے کے ساتھ آئے ہیں، سب ندوی تھے۔ اس ڈاڑھی منڈے نے انہیں ہدایت کر کے ندوہ سے بیزار کیا اور جلسہ اہلِ سنت کا طرفدار بنایا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ اگر ایسا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں جزا ہے۔ مگر آپ فرمائیں، اس وقت مقصود کیا ہے۔ کہا: اس کی نظم جلسہ میں دوسرا پڑھے، اس میں اس کی سخت دل شکنی ہے۔ اجازت دیجئے کہ یہی پڑھیں اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ یہ پورا سنی ہے۔ یہاں تک کہ ندوہ کا بھی مخالف ہے۔ آپ اس کی نیچری وضع پر نہ جائیں۔

جب زیادہ اصرار ہوا اور مولوی سید شاہ بشیر صاحب سے بھی حافظ صاحب نے سفارش چاہی۔ تو حضور نے فرمایا: بہت اچھا! یہی پڑھیں گے۔ مگر ایک شرط ہے کہ پہلے کھڑے ہو کر برسرِ جلسہ علانیہ فرمائیں۔ صاحبو! میں سنی صحیح العقیدہ ہوں۔ نیچریوں، وہابیوں، رافضیوں، غیر مقلدوں، سب گمراہوں سے جدا ہوں۔ اس وضع کو بھی خلافِ شرع شریف جانتا ہوں۔ میں نے اپنے علمائے اہلِ سنت و جماعت کی مدح میں کچھ نظم عرض کی ہے۔ اسے سنانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد پڑھ دیں، ہمارا حرج نہیں'۔

حافظ صاحب اس شرط پر راضی ہو گئے۔ وہاں سے جا کر یہ شرط آزاد صاحب سے بیان کی۔ جو انہیں منظور نہ ہوئی۔ حافظ صاحب پھر آئے اور کہا کہ: آپ مجھ سے حلف اٹھوالیں کہ یہ ڈاڑھی منڈا سنی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ: جب وہ برسرِ جلسہ اعلان کر دیں گے، آپ کے حلف کی حاجت نہ رہے گی۔ کہنے لگے، آپ اس کا بھی خیال نہیں کرتے کہ اس نے اتنے لوگوں کو ندوہ کا مخالف بنا دیا ہے۔ اس پر حضور نے آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی:

'قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم مؤمنین۔ [مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تمہیں ایمان کی ہدایت فرمائی۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔]

حافظ نے فرمایا کہ: پہلے آپ اعلان کر دیجئے کہ میں سنی ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: میرا سنی ہونا یہاں سے حرمین محترمین زادہما اللہ شرفاً وتکریماً تک آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ جو میری سنیت پر شاہد عدل ہیں اور بیان کو کہئے، تو رات چار گھنٹے تک فقیر نے یہی بیان کیا کہ میں سنی ہوں اور بحمد اللہ نیچریہ، وہابیہ، رافضیہ وغیر مقلدین وندویہ وغیرہم سب بدمذہبوں سے بیزار ہوں اور جب تک زندہ رہوں گا، بعونہ تعالیٰ تقریراً تحریراً یہی بیان کرتا رہوں گا۔ فقیر پر بحمد اللہ کسی تہمت واحتمال کا محل نہیں۔ جس سے تبریہ کی حاجت ہو۔

حافظ صاحب ساکت ہو گئے۔ مگر آزاد صاحب بہت گرم ہوتے ہوئے تشریف لائے کہ مجھ پر وجہِ تہمت واحتمال کیا ہے؟۔ مولوی سید اعظم شاہ صاحب نے آزاد صاحب کی ٹھوری پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ یہ ہے۔ کہا: ترک ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ: اس سے جواز کیوں کر ثابت ہوا۔ یہ جلسہ ندویہ کی سنگت نہیں، جس میں سب کی کھپت ہے۔ یہاں آ کر اگر اپنی نظم سنانا چاہتے ہیں، تو پہلے وہ اعلان کرنا ضرور ہوگا۔ ورنہ اجازت نہ ہوگی۔ آزاد صاحب، حافظ صاحب اور جملہ نیا چرہ خفا ہو کر چلے گئے۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ یہ پورے آزادی پسند اور ندوہ کے خادم اور کار بند ہیں۔ اسی جلسہ ندوہ میں ان کی اردو نظم مدحِ ندوہ میں چھپ چکی ہے۔ جو انہوں نے ندوہ کے جلسہ میں پڑھی۔ اس مہمل ومبہم ترکیب بند کے سنا دینے میں یہ حکمت تھی کہ اعتراض کی گنجائش ہو گی کہ مجلس علمائے اہلِ سنت میں بھی ایسے حضرات لکچراری کرتے ہیں۔ مگر اہلِ سنت کا حافظ وناصر

اللہ عزوجل ہے، وللہ الحمدٗ۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ص:۲۶۸ تا ۲۷۱]

☆...... برہانِ ملت حضرت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی جبل پوری لکھتے ہیں:

’۸/رجب ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء کو علی الصباح مولانا عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت پٹنہ تشریف لائے۔ مدرسہ حنفیہ کے روزانہ جلسے ہوتے رہے۔ صبح ۱۲/بجے تک اور رات ۲/بجے تک۔ یہ سلسلہ بجائے تین کے چار دن تک پوری شان وشوکت کے ساتھ جاری رہا‘۔

[اکرامِ امام احمد رضا، طبع بمبئی، ۱۹۹۸ء ص:۴۰]



دوسرا سفر

☆......۲۱/سے ۳۰/شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ میں کلکتہ میں عظیم الشان پیمانے پر جلسۂ اہلِ سنت منعقد ہوا تھا۔ جس میں اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی علیہما الرحمہ ساتھ ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی اس جلسہ کے رکنِ رکین اور دخیلِ کار تھے۔ درجنوں اجلۂ علما واکابرِ ہند اس جلسہ میں موجود ومجتمع ہوئے تھے۔ یہ جلسہ کلکتہ کی سرزمین پر انتہائی کامیاب مراحل سے گذر کر اختتام پذیر ہوا تھا۔ واپسی کے وقت قاضی عبدالوحید فردوسی نے عظیم آباد تشریف لانے کی دعوت دی۔ جو اعلیٰ حضرت نے قبول فرمائی اور دوسری بار پٹنہ تشریف لائے اور اہلِ عظیم آباد مسرور ومتفخر ہوئے۔

☆...... پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پوری لکھتے ہیں:

’اجلاسِ کلکتہ کے بعد قاضی صاحب کی دعوت پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ دوسری بار پٹنہ تشریف لائے۔ آپ قاضی صاحب کے مہمان ہوئے۔ علما ومشائخ اور رؤسائے شہر نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس موقع پر ماہ نامہ ’تحفۂ حنفیہ‘ کے کاتب منشی علی حسین صاحب نے آپ کی شان میں ۲۷/اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ پیش کیا۔ جس کا مطلع حسبِ ذیل ہے:

یہ سماں بے شک رہے گا مدتوں تک یادگار
اب کے پٹنے میں نئی صورت سے آئی ہے بہار‘۔

[ماہ نامہ ’تحفۂ حنفیہ‘ پٹنہ، ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ، بحوالہ سال نامہ ’معارفِ رضا‘ کراچی ۲۰۰۵ء ص:۲۵۴/]

☆......پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پوری آگے لکھتے ہیں:

’اسی سفر میں قاضی صاحب نے اپنی اہلیہ محترمہ کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامنِ کرم سے وابستہ کرایا۔ یہاں پر اس واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ قاضی صاحب کے خسر محترم شاہ محمد لطف الرحمان کا کوی ایک تھالخوان پوش میں نذر لائے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا: میں نے قبول کیا۔ لے جائیے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور! ساٹھ روپیے بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ساٹھ روپیے ہیں، تو کیا ہوا، ساٹھ ہزار بھی ہوں، تو فقیر اپنے مولیٰ تعالیٰ کے جود وکرم سے بے نیاز ہے۔ اس دوسرے موقع پر اعلیٰ حضرت کا قیام مدرسہ حنفیہ بخشی ٹولہ، پٹنہ میں رہا۔ آپ نے مدرسہ کی عالی شان عمارت دیکھ کر درج [عربی] ذیل قطعۂ تاریخ ارشاد فرمایا:

يا طالبا حسن المآب ابشر فذا نهج الصواب
عبد الوحيد بنى هنا بيتاً لدرس مستطاب
بالزبر تدعو البينات جئ عنده علم الكتاب
[۱۳۱۹ھ]

[روداد اجلاس دوم مدرسہ حنفیہ پٹنہ، بحوالہ سال نامہ ’معارفِ رضا‘ کراچی ۲۰۰۵ء ص: ۲۵۴]

ترجمۂ اشعار: اے حسنِ مقصود کے طالب! خوش ہو کہ یہ طریقِ صواب [بہتری] ہے۔ عبدالوحید نے درسِ مستطاب کے لئے یہاں گھر بنایا ہے۔ بینات زبر کو بلا رہے ہیں کہ آؤ! ان کے پاس علم الکتاب ہے۔

☆......اسی حسین موقع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے قاضی عبدالوحید کو ’ندوہ شکن‘ اور ’ندوی فگن‘ کے لقب سے نوازا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ بذاتِ خود تحریر فرماتے ہیں:

’جب فقیر نے سرگرم حامیانِ دین کے لئے خطاب تجویز کئے ہیں، تو حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو ’الاسد الاسد الاشد الارشد، مولوی عبدالوحید فردوسی کو ’ندوہ شکن، ندوی فگن‘ مولانا ہدایت رسول لکھنوی کو ’شیر بیشۂ اہلِ سنت‘ رحمہم اللہ تعالیٰ، حاجی محمد لعل خان صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالیٰ کو ’حامیٔ سنت، ماحیٔ بدعت‘ اسی زمانہ میں حضرت فاضلِ بدایونی [شاہ عبد

القادر] کو 'تاج الفحول' سے تعبیر کیا۔ جو آج تک ان کے اخلاف میں مقول ومقبول ہے'۔
[فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی، ۶/ ۳۶۶]

☆......اسرارِ رضویہ کے راز دار ملک العلما حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

'جس زمانہ میں جناب قاضی عبد الوحید صاحب مرحوم مدیر رسالہ 'مخزنِ تحقیق' معروف بہ 'تحفۂ حنفیہ' ورئیس محلہ لودی کٹرہ پٹنہ کی اہلیہ محترمہ مرید ہوئیں۔ تو ان کے والد شاہ بھگو صاحب [شاہ لطف الرحمان عرف شاہ بھگو] کاکوی نے مبلغ ساٹھ روپے نذر کے حاضر کئے۔ اعلیٰ حضرت نے حسبِ دستور ہاتھ رکھ کر فرمایا: اللہ برکت دے اور واپس فرمادیا۔ تو شاہ بھگو صاحب نے خیال کیا کہ مولانا کو شاید معلوم نہیں کہ کتنے روپے ہیں۔ تھوڑی رقم سمجھ کر واپس فرمایا۔ [اس لئے کہ کچھ روپے تھے اور کچھ روپیوں کے نوٹ تھے]۔

اسی لئے کہا: حضور! ساٹھ روپے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: یہ تو ساٹھ روپے ہیں، اگر ساٹھ ہزار بھی ہوں، تو مجھے خدا کے فضل سے ان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ دیا ہے اور احباب ومخلصین کی نذر قبول کرنے سے غنی ومستغنی کردیا ہے'۔
[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۷۰۳]



تیسرا سفر

☆......قاضی صاحب کی علالت ووفات، اعلیٰ حضرت کی تیسری بار پٹنہ آمد، پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی مظفر پوری لکھتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو جب قاضی صاحب کی شدید علالت کی اطلاع ملی، تو آپ عازمِ پٹنہ ہوئے۔ ۱۸/ ربیع الاول کو آپ کا ورودِ مسعود ہوا۔ فوراً قاضی صاحب کے پاس پہنچ کر ان کی مزاج پرسی کی۔ دیر تک ان کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ وقتِ موعود آپہنچا۔ ۱۹/ ربیع الاول

شب چہار شنبہ کو دو بجے قاضی صاحب نے کمالِ فرح وسرور کی حالت میں قفسِ عنصری کو چھوڑا۔ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب پیلی بھیتی نے جنازہ کا آنکھوں دیکھا حال بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا۔ ان کے مطابق حضرت محدث سورتی نے قاضی صاحب کو غسل دیا اور اعلیٰ حضرت نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرِ خاص میں یہ دونوں حضرات اترے۔ اس حقیر [ضیاء الدین] اور شاہ بغدادی نے جنازہ چار پائی پر سے اٹھا کر ان دونوں صاحبان کو دیا۔ قبر میں رکھنے کے بعد امام احمد رضا نے مرحوم کے چہرے سے پردہ ہٹا کر فرمایا کہ: حضرات! دیکھئے!! دین کی سچی مدد کرنے والوں کی بعد وفات حالت، حیات سے بڑھ کر زیادہ پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ [ماہ نامہ 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ، ۱۳۲۷ھ، بحوالہ سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی ۲۰۰۵ء ص:۵۶، ۲۵۵/]

☆...... پروفیسر فاروق احمد صدیقی اخیر میں لکھتے ہیں:

'کچی درگاہ موضع جٹھلی شریف، ضلع پٹنہ میں حضرت شیخ شہاب الدین عرف پیر جگجوت کے مزار کے داہنی جانب قاضی صاحب مدفون ہوئے۔ یہ جگہ پٹنہ شہر سے پانچ میل پورب میں واقع ہے۔ مولانا ضیاء الدین احمد پیلی بھیتی کے مطابق ہمراہِ جنازہ جاتے ہوئے امام احمد رضا کو دو تاریخیں القا ہوئیں۔ آپ نے ان سے اور مولانا ظفر الدین بہاری سے مادوں کے استخراج کی نسبت ارشاد فرمایا: جب جمع کئے گئے، تو پورے اترے۔

یا اکرم الخلقِ انت الکریم — اکرم القاضی عبد الوحید
قال الرضا فی الدعا ارفعه — ارحم القاضی عبد الوحید
[۱۳۲۶ھ]

اور دوسرا مادۂ تاریخ یہ ہے: وُھِبَ الْمُتَّقُوْنَ مِنْ جَنّٰت وَعُیُوْنَ۔ ۱۳۲۶ھ

[ماہ نامہ 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ، ۱۳۲۷ھ، بحوالہ سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی ۲۰۰۵ء ص:۲۵۶/]

☆...... مشہور محقق قاضی عبد الودود، جو قاضی عبد الوحید کے فرزند تھے، نے اپنی کتاب 'میں کون

ہوں، میں کیا ہوں، میں متعدد مقامات پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا تذکرہ کیا ہے اور پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے اس کے اقتباسات نوٹ کئے ہیں۔ قاضی عبدالودود کے بقول: اعلیٰ حضرت وصال سے ایک دن پہلے پہنچے اور وفات کے چار دن بعد تک رہے اور چہارم کر کے لوٹے۔

☆......قاضی صاحب کی تفصیلی حالات وخدمات کے لئے دیکھئے:

☆ روداد اجلاسِ اہلِ سنت پٹنہ، ۱۳۱۸ھ، مطبوعہ، مطبع حنفیہ ۱۳۲۰ھ

☆ قاضی عبدالوحید عظیم آبادی، ماہ نامہ 'حجاز' دہلی ستمبر ۱۹۸۸ء، مضمون پروفیسر مختارالدین احمد

☆ تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، محمد صادق قصوری/ ڈاکٹر مجید اللہ قادری، طبع کراچی، ۱۹۹۲ء

☆ سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی ۲۰۰۵ء مضمون پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پوری

☆......☆......☆



دورِ استعمار کا دارالسلطنت: کلکتہ

☆......ندوۃ العلما کی اولین حیثیت ایک تنظیم کی تھی۔ پہلا مقصد اس کا اصلاحِ نصابِ تعلیم تھا۔ کان پور میں ہی، جو اس کی پہلی میٹنگ ہوئی تھی، اہلِ فراست کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ دوسرے اجلاس منعقدہ لکھنؤ ۱۳۱۲ھ اور پھر تیسرے اجلاس منعقدہ بریلی ۱۳۱۳ھ سے اہلِ علم اور دور بیں نگاہ اور فراستِ مومنانہ رکھنے والے علما و مشائخ چوکس ہو گئے اور اصلاحِ ندوہ کے لئے

کمر کس لی۔ چنانچہ اسی اصلاح و مفاہمت کی ایک بھرپور کوشش عظیم آباد پٹنہ ۱۳۱۸ھ اور اس کے اگلے سال کلکتہ ۱۳۱۹ھ میں کی گئی۔ مصلحینِ ندوہ کو اصلاحِ ندوہ میں کامیابی تو نہیں ملی، مگر عام مسلمانوں کی اصلاحِ عقائد و اعمال ضرور ہوئی۔ دورِ استعمار میں کلکتہ دار السلطنت تھا۔ بڑی تجارتی منڈی تھی۔ اسی کلکتہ میں ۲۱ تا ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۰ء یہ اجلاسِ اہلِ سنت منعقد ہوا تھا۔ جس میں غیر منقسم ہندوستان کے تیس سے زائد علما و مشائخ وارد ہوئے تھے۔ انتظامیہ میں کلکتہ کے تمام علما، مشائخ، عمائدین، پیشۂ تجارت سے جڑے افراد، دانشور حضرات سرگرم عمل تھے۔ چند اسمائے گرامی یہ ہیں:

رئیسِ شہر قاسم عارف بھام، مولانا حکیم عبد الرشید، جو حکیم غلام نبی دہلوی کے فرزند تھے، حاجی محمد اسماعیل، محمد ابراہیم دہلوی، نور محمد عثمان پٹیل، سلیمان احمد، موسیٰ جی حسن اسماعیل، جناب ابراہیم معلم، حاجی احمد ہاشم دوبلی، مولانا حافظ عبد الشکور صاحب مرحبا، جناب سید محمد غوث متولی مسجد چولیا، مولانا سید ابراہیم مدنی، منشی رحمۃ اللہ حنفی، حاجی داؤد جی دادا جی، جناب احمد محمد ماماسا اور جناب اسرار حسین وغیرہ وغیرہ۔

☆......علما و مشائخ میں چند قابلِ ذکر اسماء درج ذیل ہیں:

☆ حافظِ بخاری حضرت سید شاہ محمد عبد الصمد مودودی چشتی سہسوانی پھپھوند شریف

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلی شریف

☆ عید الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی جبل پور

☆ حجۃ العصر حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیت شریف

☆ استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان بریلی شریف

☆ حضرت علامہ عصر ظہور الحسنین فاروقی مجددی رام پور

☆ شیر بیشۂ اہلِ سنت حضرت علامہ شاہ محمد ہدایت رسول قادری لکھنؤ

☆ حضرت علامۃ الشاہ دیدار علی حنفی قادری چشتی الور شریف

☆ حضرت علامہ سید شاہ سلیمان اشرف قادری بہار شریف

☆ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خان بریلی شریف

☆حضرت مولانا قاضی محمد عبدالوحید فردوسی عظیم آباد

☆حضرت علامہ مولانا حکیم سجاد مومن کان پور

☆حضرت علامہ سید شاہ محمد اعظم حنفی شاہ جہاں پور

☆حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم قادری بدایوں شریف

☆حضرت علامہ مولانا سید شاہ محمد اخلاص حسین، سہسوان

☆حضرت مولانا محمد بشیر الدین قادری رضوی جبل پور

☆حضرت علامہ حافظ محمد عبدالحق صاحب پیلی بھیت

☆حضرت علامہ محمد عبدالحمید پانی پتی بنارس

☆حضرت علامہ ابوالمساکین محمد ضیاء الدین احمد پیلی بھیت

☆حضرت علامہ مولانا محمد فدا حسین قادری پنجاب

☆حضرت علامہ مولانا غلام عبدالقادر بیگ بریلوی کلکتہ

☆......کلکتہ سنی تھا۔ تمام مسلم باشندگانِ کلکتہ سنی تھے۔ دو چار، جو ندوہ کے حامی و داعی تھے، وہ عوام مسلمین کو اغوا کرنے میں شب و روز کوشاں تھے۔ انہیں زبانی اور تحریری دعوتِ مناظرہ بھی دی گئی، لیکن وہ سامنے نہ آئے۔ بلکہ ایک دفعہ آٹھ افراد پر مشتمل فیصل بورڈ بھی بنایا گیا۔ جن میں درج اسمائے گرامی قابلِ توجہ ہیں:

☆......سید شاہ امین احمد ثبات فردوسی سجادہ نشین خانقاہِ معظم بہار شریف

☆......سید شاہ محمد بدرالدین قادری مجیبی سجادہ نشین خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف

☆......استاذ العلما حضرت علامہ محمد ہدایت اللہ رام پوری ثم جون پوری

☆......فقیہ الہند حضرت علامہ محمد عبدالوہاب فرنگی محل لکھنؤ

☆......استاذ العصر حضرت علامہ احمد حسن چشتی کان پور

☆......حضرت علامہ محمد عادل فرنگی محل لکھنؤ

☆......حضرت سید شاہ محمد عبدالصمد مودودی چشتی سہسوانی پھپھوند شریف

☆......حجۃ العصر حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیت

☆......عید الاسلام حضرت علامہ شاہ محمد عبد السلام قادر رضوی جبل پور
☆......مجاہدِ اہلِ سنت حضرت علامہ قاضی محمد عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی
☆......حضرت علامہ مولانا حکیم سجاد مومن کان پور
☆......ہندوستان بھر کے چیدہ و نمائندہ علما و مشائخ فیصل بورڈ میں شامل تھے۔ مگر ندوہ کب کسی کی مانتا تھا، جواب ان کی مان لیتا۔ ندوہ کی شہ رگ پر کوئی ایسی قوت ضرور سوار تھی، جو اسے شترِ بے مہار بننے پر مجبور کئے ہوئے تھی۔ مطبع نصرۃ الاسلام کلکتہ کے متعلقہ اشتہارات اٹھا کر دیکھیں کہ اربابِ ندوہ کس قدر صبح و شام گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے تھے۔
☆......مولانا ابوالکلام آزاد کے والد ماجد حضرت علامہ محمد خیر الدین دہلوی ثم کلکتوی سے اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی نے اسی سفر میں ملاقات کی تھی۔ اعلیٰ حضرت کی کلکتہ آمد کا تذکرہ روداد نویس نے یوں کیا ہے۔ حامیٔ اہلِ سنت حضرت مولانا لعل محمد مدراسی رقمطراز ہیں:

'مجددِ مائۃِ حاضرہ صاحبِ حجتِ قاہرہ عالمِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مولانا مولوی حاجی قاری محمد احمد رضا خان صاحب کی تشریف آوری کا تار بریلی سے آیا۔ حضراتِ اہلِ سنت کو سرور بے غایت حاصل ہوا۔ بددینوں کا چہرہ زرد پڑا۔ ندویوں پر ہیبتِ الٰہی کی بجلی ٹوٹ پڑی۔ ان کے دلوں پر پژمردگی چھا گئی۔ ندوہ میں زلزلہ آ گیا۔ بہت سے امراء و غربائے اہلِ سنت گاڑی آنے کے قبل اسٹیشن پر استقبال کے لئے حاضر ہوئے۔ جیسے ہی گاڑی آئی، ویسے ہی شربتِ دیدار کے پیاسے بے تحاشہ ٹوٹ پڑے اور قدم بوس ہوئے۔ زیارت سے شرف حاصل کیا۔ نہایت اعزاز و کرام و بصد حشمت و اہتمام ہم خداموں نے فٹن پر سوار کرایا۔ آگے آگے آقائے اہلِ سنت کی سواری اور پیچھے پیچھے کئی ایک خادموں کی گاڑیاں نہایت تیز چلی جاتی تھیں۔ تمام گاڑیوں کی دور تک ایک لائن [قطار] نظر آتی۔ اسی عزت و شان سے حضرت کی سواری مقامِ جلسہ تک پہنچ گئی۔ شہر والے، جو ایک مدت سے مشتاق تھے، امنڈ پڑے۔ زہے نصیب کلکتہ'۔ ['دربار سراپا رحمت' رودادِ جلسۂ اہلِ سنت، کلکتہ، طبع پٹنہ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء]

☆......حضرت ملک العلما حضرت شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:
'......اسی طرح ندوہ کا جلسہ، جو کلکتہ میں دھرم تلہ کی مسجد عظیم الشان میں ہوا۔ اعلیٰ حضرت کا

وعظ ہوا۔ جس میں مجمع مسجد کے علاوہ تمام سڑکوں پر بھرا ہوا تھا۔ اس جلسہ میں بھی اعیانِ ندوہ تشریف لائے، تو آپ نے روئے سخن ندوہ کی طرف پھیرا اور قرآن وحدیث سے بہت زوردار طریقے پر رد فرمایا کہ کسی کو مجالِ دم زدن نہ ہوئی۔ اسی جلسہ میں بطورِ رجزیہ اشعار بھی فرمائے تھے:

منم کہ علم بہ نیروے بازوم نازد منم کہ حملۂ من شیر را بر اندازد
چشیدہ باشی بہ تیرِ قضا من آنستم شنیدہ بودی 'احمد رضا' من آنستم

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء، ص:۱۷۶]

☆تفصیل کے لئے دیکھئے:

☆ تذکرہ محدث سورتی، طبع کراچی، متعدد صفحات

☆ تذکرہ علمائے اہلِ سنت، طبع فیصل آباد متعدد صفحات

☆'دربار سراپا رحمت' روداد جلسۂ اہلِ سنت، کلکتہ، طبع پٹنہ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء

☆......☆......☆

جبل پور کا تاریخی سفر: ایک جائزہ



تحقیق و ترتیب

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی



روداد نگار

☆ حکیم ملت حضرت مولانا شاہ محمد حسنین رضا خاں قادری

☆ رضویاتی اسکالر حضرت مولانا سید محمد ایوب علی قادری رضوی

☆ برہان ملت حضرت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی

علیہم الرحمۃ والرضوان

خاندانی پس منظر

جبل پور کا یہ خاندان صدیقی النسب ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن حضرت ابوبکر صدیق تک یہ سلسلہ پہنچتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد عبد الوہاب صدیقی طائف سے ہجرت فرما کر حیدرآباد دکن تشریف لائے، جو خانوادۂ سلد یہ کے جدِ تاسع، یعنی نویں دادا ہیں۔ یہ میر قمر الدین آصف جاہ اول بانی سلطنت آصفیہ کا زمانہ تھا۔ شاہ عبد الوہاب مکہ مسجد کے خطیب و امام مقرر ہوئے، ساتھ ہی محکمۂ امور مذہبی کا قلمدان بھی سپرد ہوا۔ پشتہا پشت سے یہ سلسلہ شاہ محمد عبد الرحیم صدیقی تک جا پہنچا۔ یہی شاہ عبد الرحیم حیدرآباد سے جبل پور منتقل ہوئے۔ یہ آصف جاہ رابع میر فرخند علی کا دور حکومت تھا۔ کچھ دن کامٹی مہاراشٹرا میں بھی قیام رہا۔ شاہ عبد الکریم، جن سے اعلیٰ حضرت سے روابط تھے، کے والد شاہ عبد الرحمن کے زمانہ سے یہ خاندان جبل پور ہی میں مقیم ہوا۔(۱)

ربط باہم

امام احمد رضا عالم علامہ تو تھے، اپنے وقت کے قطب الارشاد بھی تھے۔ تیرہویں ہجری ختم ہوتے ہوتے ان کی علمی شہرت اور عبقریت اکناف عالم تک پہنچ چکی تھی۔ مولانا شاہ عبد الکریم حیدرآبادی ثم جبل پوری (متوفی ۱۳۱۷ھ) اس شہرت و عبقریت سے خوب واقف تھے۔ گو باہم ملاقات نہیں تھی، مگر قلمی و کتابی تعارف تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۳۰۷ھ میں مولانا عبد الکریم کے وصال کے دس سال پہلے امام احمد رضا نے اپنے والد کریم شاہ نقی علی خان کی چار کتابیں ان کی خدمت نذر ارسال کیں۔ ان میں سے تین کتابیں مطبع صبح صادق سیتا پور کی مطبوعہ تھیں۔ ارسال کتب کی تاریخ ۷؍ جمادی الاول ۱۳۰۷ھ ہے۔ ۱۳۱۷ھ میں شاہ عبد الکریم کا وصال ہوا۔ تو امام احمد رضا نے پانچ عربی اشعار پر مشتمل قطعۂ تاریخ وفات لکھ کر بھیجا۔ جو ان کی لوحِ مزار پہ کندہ ہے۔(۲)

شاہ عبد السلام

جبل پور کا یہ صدیقی خانوادہ بلحاظِ علم وفضل بلند قدو قامت والا تو تھا ہی، سماجی اور معاشرتی لحاظ سے بھی امتیازی شان رکھتا تھا۔ ۱۳۱۱ھ میں جب ندوۃ العلماء کا تخیل بنا اور اس کا پہلا اجلاس مدرسہ فیض عام کانپور میں ہوا۔ دوسرا اجلاس ۱۳۱۲ھ میں لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ تو شاہ عبد السلام کو خصوصی دعوت دی گئی۔ رکن خصوصی کی حیثیت سے شریک بھی ہوئے۔(۳) واضح رہے کہ شاہ عبد السلام کی پیدائش حیدر آباد دکن میں ہوئی۔ ۳/ برس کی عمر میں والد گرامی کے ہمراہ جبل پور ہجرت کر گئے۔ تمام تر تعلیم اپنے والد ماجد شاہ عبد الکریم سے پائی۔(۴) اور افاضلِ روزگار میں شمار ہوئے۔ اب جو تیسرا اجلاسِ ندوہ بریلی میں ہونا طے پایا۔ تو شاہ عبد السلام کے نام اشتہار، پوسٹر اور خاص دعوت نامہ آیا، جب آپ عازمِ سفر ہوئے، تو شاہ عبد الکریم نے تاکیداً فرمایا، ندوہ میں شریک ہو یا نہ ہو، بریلی میں مولانا احمد رضا خان سے ضرور ملنا۔

شاہ عبد السلام اجلاسِ ندوہ بریلی میں شریک ہوئے، زبردست تقریر بھی کی کہ تقریر وخطابت کے آپ بادشاہ تھے۔ شبلی نعمانی کی توہین آمیز تقریر سن کر آپ کی طبیعت مکدر ہوگئی۔ نوک جھونک، چھڑپ کے بعد آپ اور شاہ محمد حسین الہ آبادی واک آؤٹ کرکے اپنی قیام پر واپس آگئے۔ پھر آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے ملنے گئے۔ کیوں کہ والد گرامی کی تاکید تھی۔ پھر تو آپ تاحیات امام احمد رضا کے ہی ہو کر رہ گئے۔ قطب الارشاد امام احمد رضا سے آپ نے علمی استفادہ کیا۔ روحانی تعلیم اور اسرار باطنی کا فیض اٹھایا۔ علمی وروحانی فیوض وبرکات کے حصول کے بعد امام احمد رضا نے خلافت واجازت سے نوازا۔[۵]

مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی

آپ شاہ عبد السلام کے فرزند ہیں۔ ۱۳۱۰ھ جبل پور میں پیدا ہوئے۔ ساری تعلیم وتربیت جد امجد اور اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت سے پہلی ملاقات بمبئی میں ہوئی۔ ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں دوسری ملاقات بریلی میں ہوئی۔ جب آپ اپنے والد شاہ عبد السلام کے ہمراہ بریلی حاضر ہوئے۔ اپنی فارسی شاعری سنائی۔ تو اعلیٰ حضرت نے برہان میاں (جو بعد برہان ملت مفتی محمد برہان الحق ہوئے) کو اپنی شال، چادر عنایت فرمائی (۷) پھر اسی

سال بغرض تعلیم حاضر ہو گئے۔کوئی تین سال تک حصول تعلیم اور اخذ فیض کرتے رہے۔ درمیان میں امراض اعزہ اور گھریلو ضروریات سے آپ جبل پور ہی زیادہ رہے۔مگر سلسلۂ تلمذ و توجہ خاص برابر جاری رہا۔ ۱۳۳۷ھ میں اعلیٰ حضرت جب جبل پور تشریف لائے، تو تکمیل فرما کر دستار فضیلت اور خلافت واجازت سے نوازا۔ یہ علمی وروحانی سندات ۴۵؍علوم اور گیارہ سلسلوں پر مشتمل تھیں۔(۸) قارئین اندازہ کرسکتے ہیں کہ جبل پور کا یہ علمی خاندان امام احمد رضا کا کیسا والا وشیدا تھا۔

سفر اول

اعلیٰ حضرت کا پہلا حج ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں ہوا تھا۔ شاہ نقی علی خان جیسا روحانی سرپرست اور علمی سائبان شریکِ سفر تھا۔اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر کا تئیسواں سال تھا۔(۹) دوسرا حج اکیاون برس پانچ ماہ کی عمر میں کیا۔ اہل خانہ اور اقارب کے ساتھ تھے۔ ایامِ حج ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۴ء میں روانگی ہوئی۔ تین چار مہینے حرمین شریفین میں طویل قیام کے بعد ربیع الاول ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں جدہ، کراچی ہوتے ہوئے بمبئی واپسی ہوئی۔تو جبل پور سے شاہ عبدالسلام اپنے بیٹے مولانا برہان الحق کو لے کر بمبئی آئے، یہ آنا اعلیٰ حضرت سے محض ملنے کے لیے تھا۔(۱۰) کئی روز تک ساتھ رہا، جب اعلیٰ حضرت نے بمبئی سے بریلی کا قصد فرمایا، تو شاہ عبدالسلام نے گزارش کی کہ جبل پور کو بھی اپنے فیوض سے سرفراز فرمائیں، تب اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ابھی تو اجمیر شریف حاضری دیتا ہوا بریلی جاؤں گا۔ ان شاء اللہ جبل پور پھر کبھی آؤں گا۔(۱۱)

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں استاذ زمن مولانا حسن رضا خان حج کے لیے تشریف لے گئے۔ جو اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی تھے۔ واپسی براہِ بمبئی ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت نے شاہ عبدالسلام کو خط لکھا۔

'اور حساب سے وقفہ پایا، تو بعونہٖ تعالیٰ ضرور حاضر جبل پور ہوکر دو ایک روز جناب کی زیارت سے شرف اندوز ہوتا ہوا بمبئی جاؤں گا اور اگر خط آیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ بالخیر فوراً بمبئی پہنچنا چاہیے، تو جناب کو بذریعہ تار اطلاع دے دوں گا کہ براہِ راست بمبئی جاتا ہوں۔(۱۲)

اللہ تعالیٰ نے کرم کیا، اعلیٰ حضرت کو وقفہ مل گیا، شاہ عبد السلام کی خواہش پوری ہو گئی۔ مفتی برہان الحق لکھتے ہیں:

'اعلیٰ حضرت نے حسب الارشاد بمبئی جاتے ہوئے صفر ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں چار روز قیام فرمایا اور جبل پور کو اپنے قدوم سعادت لزوم سے دار السرور ہونے کا شرف بخشا۔ اس موقع پر والدہ صاحبہ اور بہت سے لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ یہ میری نوعمری کا واقعہ ہے۔(۱۴)

سفر دوم

جبل پور کا یہ دوسرا سفر تاریخی بھی اور تاریخی پس منظر بھی رکھتا ہے۔ اس سفر موج ظفر کے روداد نگار تین ایسی برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ جن کی علمی ادبی حیثیتیں مسلم اور جو بہ نفس نفیس اس قافلۂ علم وعرفان میں شریک سفر تھیں۔ غرض یہ تینوں رودادیں، سرگزشتیں عینی ومشاہداتی ہیں۔ یہ تینوں روداد نگار امام احمد رضا کے تربیت یافتہ، فیض یافتہ، دست گرفتہ اور حاضر باش تھے۔

مولانا حسنین رضا خان، یہ استاذ زمن علامہ حسن رضا خان کے بیٹے تھے، امام احمد رضا کے بھتیجے تھے۔ مولانا حسنین رضا، عالم وفضل تو تھے ہی، ماہر طبیب بھی تھے، حکیم صاحب سے ہی مشہور تھے۔ مفتی، محدث، مفسر، ادیب، نقیب، شاعر، مؤرخ، مدبر، منتظم بہت کچھ تھے۔ خدا نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آنکھیں کھلتے ہی انہوں نے علم وفن کے چمن کی سیر شروع کر دی، امام احمد رضا نے ان کو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور چاہا، سفر جبل پور میں بھی پل پل ساتھ رہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا، آنکھوں دیکھا لکھا۔ ان کی یہ رودادِ سفر سب سے پہلے ماہنامہ 'الرضا' بریلی میں چھپی، جس کے وہ خود مدیر تھے۔

مگر اس وقت اس کا شمارہ میرے پیش نظر نہیں۔ ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور کی فائل میرے سامنے ہے، تاریخ اشاعت ۱۷/ اپریل ۱۹۱۹ء ہے اور ص: ۳، ۴ ہے۔ مگر اس میں شاہ عبد السلام کے دولت کدے تک پہنچنے تک کی روداد ہے۔ بقیہ آئندہ شائع کرنے کا روداد نگار نے وعدہ کیا ہے۔ الملفوظ، اعلیٰ حضرت کے ملفوظات وارشادات کا مجموعہ ہے۔ مفتی اعظم ہند نے اسے ۱۳۳۹ھ میں مرتب فرمایا اور طبع کرایا۔ اس کے حصہ دوم ص: ۳۷ تا ۸۰ پر یہ پوری روداد نظر آرہی ہے، جس کے اختتامیہ میں 'خاکسار مدیر' لکھا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

یہ غالباً 'الرضا' ہی میں چھپی روداد کی نقل ہے۔حیات اعلیٰ حضرت جلد اول مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری میں بھی یہی چیز مطبوع ہے،حیات اعلیٰ حضرت مصنفہ ملک العلماء، ترتیب جدید علامہ اقبال احمد فاروقی مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ۲۰۰۳ء میں بھی من وعن مندرج ہے۔ص: ۳۵۳ تا ۲۶۲ ہے۔

سید ایوب علی رضوی

یہ مولداً منشاً بریلوی تھے۔انگریزی تعلیم یافتہ تھے،حساب وہندسہ کے ماہر تھے۔اسلامیہ اسکول (جواب ڈگری کالج بن گیا ہے) میں ٹیچر ہو گئے تھے۔سید ایوب علی ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۵ء کو محلہ بہاری پوری بریلی میں پیدا ہوئے۔(۱۴) ۱۸۹۵ء میں اعلیٰ حضرت سے بیعت ہوئے۔کچھ دنوں بعد اسکول کی ملازمت ترک کردی اور بارگاہ رضویہ کے شبانہ یوم حاضر باش خواجہ تاش ہوکر رہ گئے۔پھر تو انہوں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ زندگی کس طوفان سے گزر رہی ہے۔حیات اعلیٰ حضرت کا خام مواد اکھٹا کرنا ان کا اہم کارنامہ ہے۔پھر ملک العلماء کو یوں ہی دے دینا زبردست ایثار ہے۔رضوی کتب خانہ کا قیام بھی تاریخ رضویات کا نقش اولین ہے۔درجنوں کتابیں چھاپی اور چھپوائیں۔خود کئی کتابوں کے مصنف،مرتب اور مترجم تھے۔تین حج کیے،ڈھائی سال مدینہ منورہ میں قیام رہا۔مکہ،مدینہ،بغداد،کربلا،نجف،بصرہ کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا۔

مفتی اعظم ہند کی اجازت سے ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت کر گئے،لاہور میں قیام کیا۔فیصل آباد بھی قیام رہا۔نیو شالیمار ملتان روڈ لاہور میں مسجد کی بنیاد رکھی،سنی رضوی مسجد نام رکھ چھوڑا۔پچانوے برس کی عمر تھی،لاہور میں وصال ہوا۔میانی قبرستان میں دفن ہوئے۔تاریخ وصال ۲۶ /رمضان ۱۳۹۰ھ/ ۲۶ /نومبر ۱۹۷۰ء ہے۔(۱۵)

یہ سید ایوب علی رضوی،علام اجل تھے۔کامل فہیم وفریس تھے۔ورع وتقویٰ کا پیکر جمیل، اخلاق ومروت اور دینی حمیت وغیرت کی تصویر تھے۔ان کی خدمات آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔وہ رضویات کے اولین معماروں میں تھے۔ان کے بہت سے قلمی خطوط وکاغذات خاکسار کی تحویل میں ہیں۔توفیق الٰہی نصیب ہوئی،تو یہ ذخیرہ دیکھ کر کچھ نئے گوشے سامنے لانے

کا ارادہ رکھتا ہوں۔ خیر سفر جبل پور میں یہ سید والا تبار بھی امام احمد رضا کی معیت میں تھے۔ انہوں نے بریلی سے جبل پور اور جبل پور سے بریلی واپسی تک لمحہ بہ لمحہ ٹراویل رپورٹ لکھی ہے۔ مگر یہ غالباً کہیں نہیں چھپی، جب 'حیات اعلیٰ حضرت' کے لیے مواد محفوظ کر رہے تھے، شاید یہ رپورٹ بھی اس میں شامل کرنے کا قصدر کھتے تھے۔

مگر وہ سارا مواد انہوں نے ۱۹۳۸ء میں حضرت ملک العلما کے حوالہ کر دیا بالکل بے نفسی کے ساتھ، پھر 'حیات اعلیٰ حضرت' کی اشاعت کی جو رستا خیز کہانی ہے۔ وہ اہل علم کو معلوم ہے۔ خدا نے خیر فرمایا۔ اب یہ سارا مواد ۲۰۰۳ء میں لاہور سے چھپ گیا۔ اسی میں وہ نایاب وگراں قدر روداد سفر بھی ہے۔ کم از کم میری نظر اس کے مطالعہ سے پہلی بار شرفیاب ہوئی۔ ملاحظہ فرمایئے، 'حیات اعلیٰ حضرت' طبع مکتبہ نبویہ، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۳۳۰ تا ۳۵۰۔ وہیں سے یہ نادر تحفہ یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

مفتی محمد برہان الحق

آپ کا مجمل تعارف کرا چکا ہوں، آپ ہی اس سفر کے داعی، رضا کار اور میزبان تھے۔ مفتی برہان الحق نے یہ یادداشتیں محفوظ کر لی تھیں، مگر شاید مصروفیات نے مرتب کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ ۱۹۸۰ء سے ذرا پہلے آپ نے ترتیب دی، جو اکرام امام احمد رضا' کے نام سے موسوم ہے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد کی نظر ثانی کے بعد ہند و پاک سے متعدد بار چھپ چکی ہے۔ اسی میں یہ سفر گزشت سفر ص: ۶۹ تا ۸۲ مرقوم ومرتسم ہے۔

وجہ جواز

یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ ایک سفر کی تین تین رودادیں پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تو گزارش ہے کہ میرے اعلیٰ حضرت کو قارئین بار بار پڑھیں، سامعین بار بار سنیں۔ ہر بار ان کو ایک نیا لطف آئے گا، نیا سرور ملے گا۔ بزرگوں کے ارشادات، مکتوبات، ملفوظات، ہر وقت پیش نظر رہیں، بار بار پڑھیں، سنیں اور سنائیں۔ ہمارا جتنا وقت اس میں گزرے گا۔ گویا ہم ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ خدا کرے، ہماری روح بزرگوں کا ذکر کرتے کرتے نکلے۔

اور پھر وجہ جواز یہ ہے کہ ہر قلمکار کا نقطۂ نظر اور اندازِ فکر الگ الگ ہوتا ہے اور ہر آدمی کا مشاہدہ اور احوال جذب کرنے اور نتائج اخذ کرنے کی قوت وصلاحیت جدا جدا ہوتی ہے۔ یہاں تینوں قلمکاروں کا اندازِ فکر نوع بہ نوع اثرات ونتائج رکھتا ہے۔ بعض باتیں مشترک ضرور ہیں۔ مگر پیشتر باتیں:

ع ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر ست

کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ ہر مضمون کا رخ امام احمد رضا کی ذات کی طرف ضرور ہے۔ مگر اس رُخِ ہزار جلوہ ساماں کا نظارہ آپ بھی تو کیجیے، مگر شرط ہے۔ اتھل طبیعت سے نہیں، ذرا دل تھام کے۔

نورانی چہرہ

یہ نورانی کارواں تھا، جو محوِ سفر تھا، مسرت بداماں تھا۔ فرحت بردوش تھا۔ کیسے کیسے نور نور چہرے تھے، نورانی مکھڑے تھے۔ اس رواں دواں کاروان کا سالار کارواں امام احمد رضا تھے، جو عرب وعجم کا امامِ اجل تھا۔

دونوں شہزادگان ذی شان، حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان، مفتی اعظم ہند شاہ مصطفی رضا قادری تھے، خادم خاص حاجی کفایت اللہ، امین الفتویٰ مولانا شفیع احمد بیسلپوری، بھتیجا مولانا حکیم حسنین رضا قادری، حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی، سید قناعت علی رضوی، سلطان حیدر خان، اور مولانا ابراہیم رضا جیلانی میاں یہ سبھی حضرات تھے۔ برہان ملت مفتی برہان الحق تو تھے ہی کہ وہی اس کارواں کا مقدمۃ الجیش اور مقدمۃ الضیوف تھا۔ لکھنؤ سے سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد ہمرکاب ہوگئے۔ کٹنی اسٹیشن پر الحاج مولانا سید عبدالرزاق رضوی رضا کاروں کی ایک جماعت لے کر پیش قدمی کی اور پرجوش خیر مقدم کے لیے کٹنی اسٹیشن پر جم غفیر لے کر موجود تھے۔

یہ سید عبدالرزاق رضوی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ بھی تھے۔ مزارِ اعلیٰ حضرت کی تعمیر میں ان کا تاریخی رول رہا ہے۔ تعمیر کمیٹی کے خاص رکن تھے۔ ان کی ذات اور کارنامہ پردہ خفا میں ہے۔ میں ارادہ رکھتا ہوں کہ اس روشن کڑی کو اجاگر کروں۔ اُدھر جبل پور سے شاہ محمد عبدالسلام رضوی ایک جماعت کثیرہ لے کر کٹنی اسٹیشن پہنچ چکے تھے۔ اب آپ روداد پڑھیے، اور لطف اٹھائیے۔ مگر پہلے بریلی میں داخلہ کی رپورٹ پڑھ لیجیے۔

جبل پور سے واپسی کے وقت بریلی میں شاندار استقبال

''اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا مولوی حاجی قاری حافظ شاہ احمد رضا خان صاحب سنی حنفی قادری مدظلہم الاقدس ۱۸؍رجب ۱۳۳۷ھ کو شب کے آٹھ بجے بذریعہ کلکتہ پنجاب میل، جس میں آپ کی سکنڈ کلاس کی گاڑی لگا دی گئی تھی۔ رونق افروز بریلی ہوئے۔ چونکہ مخلصان ومعتقدانِ جبل پور بالخصوص جناب مولانا شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی کے اصرار سے جبل پور میں زیادہ قیام ہوا تھا۔ ادھر یہاں بریلی کے محب صادق بے قرار تھے۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ سفر بہ خیر وخوبی ختم ہوا۔ اثنائے راہ میں اکثر مقامات پر مخلصین نے شرف بیعت اور قدم بوسی حاصل کیا۔ بریلی میں بھی نہایت احترام سے استقبال کیا گیا۔ (۱۷)

اعلیٰ حضرت کا شکریہ نامہ

۱۸؍رجب کو اعلیٰ حضرت کی واپسی ہوئی، ۲۲؍رجب کو امام احمد رضا نے شکریہ کا خط لکھا۔ سفر واپسی کی تفصیلات قلم بند کیں، نماز کا اہتمام، کمپنی باغ بریلی کا عمر بھر میں پہلی بار دیکھنا، پہلے مکان نہیں، مسجد میں داخل ہونا، اور نماز عشا با جماعت پڑھنا، پھر نعت خوانوں کا ہجوم اور نعت ومنقبت کا پڑھا جانا، ۱۱؍بجے کھانا کھانا۔ ۱۲؍بجے شب بخار آنا، سر کا درد ہونا، جبل پور میں اتنی عزت، محبت، خلوص ملا۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں: حرمین شریفین کے بعد یہ دوسرا موقع ہے، جو اتنی عزت ملی، پھر نام بنام شکریہ ادا کرنا، صاحبزادے برہان میاں کی خیریت، صاحبزادی کی شادی، حکیم عبد الرحیم کی اصلاح طلب شاعری وغیرہ کا ذکر، یہ ایک طویل محبت بھرا خط ہے۔ دیکھیے۔ (۱۸)

شاہ عبد السلام کی یاد آوری اور شکر گزاری

بریلی سے وہ سرفراز نامہ اِدھر آیا، اور ادھر سے یاد آوری وشکریہ نامہ اُدھر گیا، جس میں شاہ عبد السلام نے لکھا، کہ کامل ایک ماہ جبل پور کا ہر شخص خوش بخت، خوش وقت اور مسرور نظر آتا تھا۔ سارا جبل پور فیض وبرکت سے معمور تھا۔ ان کا کاشانہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ مسجد میں، گھر میں، جاں نثاروں کا ہجوم رہتا تھا۔ سعادت مند مسلمان گروہ در گروہ آتے، قدم بوسی کرتے، ایمانی، روحانی نعمتیں پاتے۔ روز وشب دربار عام گرم رہتا۔ فیض وکرم کا دریا جوش پر رہتا۔ کوئی سوال

کرتا، محقق جواب پاتا۔کوئی تائب ہوتا، کوئی داخلِ سلسلہ ہوتا۔کوئی تعویذ لیتا۔کوئی دعائیں کراتا۔سارا مجمع سراپا ادب بن کر جمع رہتا۔توبہ کرنے والوں اور آپسی نزاع ختم کرنے والوں کی قطار رہتی۔غرض عجب پر کیف اور ایمان افروز وقت تھا۔اب ہر کبیر وصغیر، وہ وقت یاد کر کے روتا ہے اور سرد آہیں بھرتا ہے۔یہ خط چار صفحے کا طویل ہے۔ (۱۹)

امام احمد رضا نے اپنے خط کے شروع میں ایک نظم بھی لکھی ہے، جو ۱۴/اشعار پر مشتمل ہے۔ایک شعر یہ بھی ہے:

وطن گرچہ آرام را درخوراست

جبل پور ما را از وخوش تر است (۲۰)

اب ایک ذاتی شہادت پیش کر کے یہ تمہیدی ابتدائیہ ختم کرتا ہوں۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جبل پور میں بھی تصنیفی کام اور کارِ افتا جاری ساری رکھا تھا۔اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

’فقیر جبل پور آیا ہوا ہے۔آپ کا عنایت نامہ بریلی سے یہاں آیا۔ایسے سوالوں کا خیال ادب والوں دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔مولیٰ تعالیٰ توفیق وبرکات زائد دے‘۔[۲]

حوالاجات

۱ تذکرۂ برہان ملت از: محمد رمضان عبد العزیز ادارہ ضیاء البرہان جبل پور ۱۹۸۵ء، ص: ۱۳
۲ اکرام امام احمد رضا، از: برہانِ ملت / پروفیسر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۲۲
۳ اکرام امام احمد رضا، از: برہانِ ملت / پروفیسر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۲۳
۴ اکرام امام احمد رضا، از: برہان ملت / پروفیسر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۳۶
۵ تذکرہ علمائے اہل سنت، از: مفتی محمود احمد، طبع فیصل آباد، پاکستان، ۱۹۷۲ء، ص: ۱۷۶
۶ اکرام امام احمد رضا، از: برہان ملت / پروفیسر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۳۸
۷ تذکرہ علمائے اہل سنت، از: مفتی محمود احمد، طبع فیصل آباد، پاکستان، ۱۹۷۲ء، ص: ۱۷۶
۸ اکرام امام احمد رضا، از: برہان ملت / پروفیسر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۴۱
۹ (الف) اکرام امام احمد رضا، از: برہان ملت / پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۵۸
(ب) تذکرہ علمائے اہل سنت، از: مفتی محمود احمد، طبع فیصل آباد، پاکستان، ۱۹۷۲ء، ص: ۱۷۶
۱۰ مولانا نقی علی خان، از: ڈاکٹر محمد حسن، طبع کراچی پاکستان، ۲۰۰۵، ص: ۵۱
۱۱ اکرام امام احمد رضا، از: برہانِ ملت / پروفیسر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۶۵
۱۲ اکرام امام احمد رضا، از: برہانِ ملت / پروفیسر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی ۱۹۹۸ء، ص: ۶۸
۱۳ کلیاتِ مکاتیبِ رضا، از: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، جامعہ قادریہ کلیر شریف، ۲۰۰۵ء ۲/ ۱۵
۱۴ اکرام امام احمد رضا، از: برہانِ ملت / پروفیسر مسعود احمد، طبع کرلا بمبئی، ۱۹۹۸ء، ص: ۹، ۶
۱۵ سالنامہ معارف رضا کراچی، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۱۳
۱۶ تذکرہ علمائے اہل سنت، از: علامہ عبد الحکیم شرف قادری، طبع لاہور، ۲۰۰۰، ص: ۱۱۰
۱۷ ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رام پور ۲۸/ اپریل ۱۹۱۹ء، ص: ۵
۱۸ کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مکتبہ نبویہ لاہور، ۲۰۰۵ء ۲/ ۳۴، ۳۵

۱۹ صحائف رضویہ وعرائض سلامیہ قلمی، ص: ٦٦، ٦٧

۲۰ کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مکتبہ نبویہ لاہور، ۲۰۰۵ء ۲/ ۳۲

۲۱ کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مکتبہ نبویہ لاہور، ۲۰۰۵ء ۱/ ۱۴۵

☆......☆......☆





پہلی روداد

حکیم الملت
حضرت مولانا شاہ محمد حسنین رضا قادری
قدس سرہ
(۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء۔۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء)

مآخذ

☆ ماہنامہ 'الرضا' بریلی
☆ ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری، رام پور ۱۷/ اپریل ۱۹۹۹ء، ص: ۳، ۴
☆ الملفوظ دوم، قادری کتاب گھر بریلی، ص: ۷۳ تا ۸۰
☆ حیات اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء، ص: ۳۵۳ تا ۳۶۲

مدیر ''رسالہ الرضا'' بریلی مولانا حسنین رضا خان، صاحب برادر زادۂ اعلیٰ حضرت حاشیہ ملفوظات حصہ دوم میں فرماتے ہیں:

'مسلمانان جبل پور کاٹھیاوار بنگال ایک مدت سے اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی کی خدمت میں عرائض پیش کرتے رہے کہ حضور والا ہمارے تیرہ وتار بلاد کو اپنے قدم میمنت لزوم سے منور فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ہمیشہ عدم فرصت اور ضعف وعلالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عذر فرمادیا۔ مگر اس مرتبہ حامی سنت، ماحی بدعت، جناب مستطاب مولانا مولوی محمد عبد السلام صاحب جبل پوری کے (جو اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس کے خلیفہ ارشد اور اس قطر میں دین وسنت کے قطب اوحد ہیں) انتہائی اصرار سے وعدہ فرمالیا۔ جس وقت عریضہ مولانا موصوف کا حاضر ہوا۔ کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: مولانا کے بے حد کلمات تواضع نے پہلو عذر کا چھوڑا ہی نہیں۔ اگر بالفرض کسی کے لبوں پر دم ہو، وہ بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ان کلمات کو سن کر یہی کہے گا کہ میں حاضر ہوں۔

الغرض ۱۹؍ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ اور شنبہ پانچ بجے صبح کے میل سے عازم جبل پور ہوئے۔ باوجودیکہ روانگی آخری شب میں تھی اس پر بریلی کے اسٹیشن پر متوسلین ومعتقدین کا کافی اجتماع تھا۔ کئی ایک صاحب داخل سلسلہ بھی ہوئے۔ میل لکھنؤ پہنچا۔ وہاں کے لوگوں کو پہلے سے اطلاع نہ تھی۔ اس پر بھی بعض حضرات جنہیں کسی ذریعہ سے علم ہو چکا تھا، حاضر خدمت ہوکر حلقہ بگوش ہوئے۔ پھر میل پرتاب گڈھ پہنچا۔ ہمارا سکینڈ کلاس یہاں میل سے کاٹ کر الٰہ آباد آنے والی ریل میں لگادیا گیا۔

اعلیٰ حضرت الٰہ آباد میں

ریل ساڑھے تین بجے الٰہ آباد پہنچی۔ وہاں چونکہ کافی وقت ملا۔ بعض ہمراہیوں کا خیال ہوا

کہ اپنے شہری احباب سے مل آئیں۔ ان کے شہر میں پہنچنے سے اہل شہر کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تشریف آوری کی اطلاع ہوگئی تھی اور مسلمانوں کے گروہ جوق در جوق آئے اور دست بوس ہونے لگے۔ الٰہ آباد اسٹیشن پر نماز مغرب کی غرض سے اعلیٰ حضرت پلیٹ فارم پر اترے۔ مشتاقانِ دیدار نے ہر چہار جانب سے ہجوم کیا اور نئے آنے والوں نے پروانہ وار گرنا شروع کیا۔ اس خوشنما منظر کو ایک یورپین کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے موقع پا کر قدم بوسی کی عزت حاصل کی اور ادب کے ساتھ سلام کر کے رخصت ہوا۔ صولتِ حق اسے کہتے ہیں کہ جذب قلوب کے لیے کسی تزک واحتشام اور ظاہری دھوم دھام کی ضرورت نہیں۔

الٰہ آباد میں بعض سیٹھوں نے ایک موٹر کار اور ایک اعلیٰ درجہ کی ولایتی لینڈ کو بغرضِ تفریح کے لیے حاضر کی۔ ساڑھے سات بجے ریل الٰہ آباد سے روانہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے مع خدام یہاں سے بھی سیکنڈ کلاس میں سفر کیا۔ ساڑھے چار بجے ریل کٹنی پہنچی۔ یہاں جناب مولوی عبد الرزاق صاحب کٹنی کے گروہ کثیر کے ساتھ موجود تھے۔ جو جبل پور تک ہمرکاب ہوگئے اور خود جبل پور سے حضرت حامی سنت مولانا مولوی محمد عبد السلام صاحب دامت برکاتہم ایک بہت بڑے استقبال جماعت کو لیے ہوئے کٹنی اسٹیشن پر تشریف فرما تھے۔ جیسے ہی گاڑی کٹنی پر رکی کہ زائرین نے گاڑی کو گھیر لیا۔ جب تک گاڑی کھڑی رہی، لوگ قدم بوس ہوتے رہے۔ کٹنی سے ہمارے ہمراہیوں میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا۔

ساڑھے سات بجے کے قریب جبل پور کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ ہمارے ساتھی اس کے قصور و منازل کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور ان کی نظریں انتہائی شوق کے ساتھ اسٹیشن کی عمارت کو ڈھونڈھ رہی تھیں کہ یکا یک اسٹیشن جبل پور کی عمارت بھی ایک گم شدہ محبوب کی طرح سامنے آگئی۔ پھر کیا تھا، اب تو اسٹیشن جتنا قریب ہوتا گیا، جوش و مسرت بڑھتا گیا۔ جب گاڑی رکی، تو بلا تشبیہ محب کی طرح (جس کی انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہوں اور محبوب کی دلکش صورت سامنے آگئی ہو) لوگ دیوانہ وار گاڑی پر جھک پڑے اور اس گل گلزار قادریت پر دل کھول کر پھولوں کی ڈالی نچھاور کی۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ لوگ وفور جوش میں زبان سے:

السلام علیکم یا امام اھل السنہ یا مجدد المائۃ الحاضرہ۔

کے نعرے مار رہے تھے اور ان کی زبان حال کہہ رہی تھی:

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما وفرود آکہ خانہ خانۂ تست

تمام مجمع اپنی اپنی ان مسرتوں میں سرشار تھا اور یہاں ایک اور منظر تھا، جس پر عام کو تنبیہ نہ ہوا۔ یہ وہ موقع تھا کہ کوئی شہرت پسند جاہ دوست ہوتا، تو پھولا نہ سماتا۔ باچھیں کھلی ہوئی ہوتیں۔ گردن بلند ہوتی۔ آنکھیں اپنی تعظیم کے نظارہ سے مست ہوتیں۔ یہاں اس کے برعکس اس منظر جلیل کو دیکھ کر نظر جھکا لی اور گردن نیچی کر لی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے۔ اس لطیف منظر پر حاجی عبدالرزاق صاحب کی نظریں اٹھیں۔ انہیں ادراک ہوا۔ اوران کا جی بھر آیا۔ یہ اس شان کا پرتو تھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ فتح فرمایا۔ اس شان سے اس میں داخل ہوئے کہ سر اقدس اپنے رب کے لیے تواضع میں سواری انور پر قریب سجود پہنچا یا تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ کثرت ہجوم کے خیال سے گاڑی پر فوراً چند آدمی بغرض تحفظ کھڑے ہو گئے کہ مجمع ادھر کا رخ نہ کرے اور بعض نوجوان پولس کی شرکت میں اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کے گزرنے کے لیے راستہ بنانے میں مصروف ہوئے۔ ہر چند کوشش کی گئی۔ مگر اس مقصد میں ناکامیابی ہوئی۔

ناچار چند عقیدت کیش حلقہ باندھ کر کھڑے ہوئے۔ اسی طرح وہ سواد ہند کا ماہ کامل ہالہ میں آ گیا۔ اس وقت کا نظارہ کچھ ایسا دلکش تھا کہ اسٹیشن اسٹاف اور پولس وغیرہ اپنے فرائض منصبی کو چھوڑ کر اس کے دیکھنے میں مصروف تھے۔ مسافروں کو جب اس دلکش نظارہ کے دیکھنے کا موقع نہ ملا، تو پل پر چڑھ گئے اور وہاں سے دیکھا کیے۔ یہاں سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا گاڑی تک جانا بہت دشواری سے ہوا۔ خدا جزائے خیر دے ان باہمت حضرات کو، جنہوں نے اپنے بازوں پر اس مجمع کا سارا زور روکا اور خیر وخوبی کے ساتھ اپنے پیشوا کو لے جا کر ایک پر تکلف گاڑی میں بٹھایا۔ یہاں عام مسلمانوں کو دست بوسی کا موقع دیا گیا۔ بہت دیر تک لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشق کی زیارت سے دارین کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ پھر یہ مجمع

بڑے جوش مسرت کے ساتھ اس قادری بزم کے دولہا کو اپنے جھرمٹ میں لیے ہوئے شہر کی جانب روانہ ہوا۔

ہجوم استقبال

جہاں تک سول آبادی ہے۔ وہاں تک انگریز اور ان کی عورتیں بچے اپنے اپنے بنگلوں کے سامنے آکھڑے ہوئے مجمع کو عموماً اور اعلیٰ حضرت کو خصوصاً ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔ پھر جب یہ مجمع شہر میں داخل ہوا، تو شہر کے باشندے اپنے دروازوں، دکانوں اور چھتوں سے اس دلکش منظر کو دیکھتے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں باادب سلام عرض کرتے رہے۔ سکان شہر کی مجموعی حالت کہہ رہی تھی:

ع: اے آمدنت باعث آبادی ما۔

اسٹیشن سے آہستہ آہستہ چل کر یہ مجمع تقریباً دو گھنٹے میں حضرت مولانا مولوی عبد السلام صاحب مدظلہ کے دولت کدہ کے قریب پہنچا۔ یہاں کوچہ کے موڑ پر ایک عالی شان دروازہ لگایا گیا تھا۔ یہ دروازہ علاوہ زیبائش کے بکثرت کتبوں سے مرصع تھا، جو میزبانوں کی انتہائی عقیدت اور معزز مہمانوں کی شوکت وحشمت کا اظہار کر رہے تھے اور اس کوچہ کے موڑ سے حضرت مولانا کے مکان تک دورویہ کیلے کے بڑے بڑے درخت اور تین تین قطاروں میں قندیلیں نصب کی گئی تھیں۔ جن پر منقبت آمیز مصرعے لکھے گئے تھے۔ پھر جب اس مکان میں داخل ہوا، جو شہنشاہ معظم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب کے قیام کے لیے سجایا گیا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ علمائے کرام کی قدر و قیمت وہی لوگ خوب جانتے ہیں، جن کو خود بھی علم کی خدمت کرنے کا کافی موقع ملا ہے۔

مکان کی زیب وزینت وآئینہ بندی قابل تعریف تھی۔ ہر چیز نہایت موزونیت کے ساتھ اپنی جگہ پر رکھی گئی تھی۔ مکان کے تمام اندرونی وبیرونی حصوں میں ترکی قالینوں اور خوشنما سوزینوں کا فرش تھا اور در و دیوار وسقف وزمین سب بیش قیمت کپڑوں سے دلہن بنے ہوئے تھے۔ اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس کے تشریف رکھتے ہی سب لوگ بیٹھ گئے۔ تمام حاضرین

ساکت تھے اور ہر شخص کے چہرے پر بے انتہا مسرت کے آثار نمایاں تھے، جو مسلمانوں کی گئی سطوت کی یاددہانی کر رہے تھے اور اکابر ائمہ دین کے دربار عام کا پورا نقشہ کھینچ گیا تھا۔ مخدومنا مولانا حضرت مولوی محمد عبدالسلام صاحب دامت برکاتہم کی مسرتوں کا تو کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔ وہ ساکت، مگر زبانی حال درخشاں:

وہ خود تشریف فرما ہیں میرے گھر
بتا اے خوش نصیبی کیا کروں میں!

مولوی عبدالرحیم مذاق کا استقبالیہ قصیدہ

کچھ دیر سکون کا عالم رہا۔ اس کے بعد جناب حکیم مولوی عبدالرحیم صاحب مذاق کھڑے ہوئے اور دست بستہ سلام عرض کر کے یہ نظم پڑھی:

کوئی تاج والے ہوں یا راج والے
ہیں اس در کے محتاج ہر کاج والے
ہے سرکار عالم کے محتاج کا در
یہاں بھیک لیتے ہیں خود راج والے
یہ وہ در ہے دولت ہے جس در کی لونڈی
جھڑکتے ہیں شاہوں کو محتاج والے
یہاں کی فقیری ہے رشک امیری
یہیں آکے گھستے ہیں سرتاج والے
تعلیٰ یہ ہیں سارے محتاج ان کے
کہ آخر تو حامی ہیں معراج والے
یہی ہیں وہ دامن کہ جس میں چھپیں گے
قیامت کے میداں میں ہر لاج والے
خدنگ نظر کا کوئی وار ادھر بھی
ہیں مدت سے مشتاق آماج والے

میں کچھ بھی سہی، سلسلہ میرا دیکھو
میں جس کا ہوں ان میں ہیں معراج والے
مذاق اب مجھے فکر فردا سے مطلب
بنالیں گے سب کام کل آج والے

اس نظم کے بعد یکے بعد دیگرے چھ نظمیں اور چھ صاحبوں نے استقبالیہ قصیدے پڑھے، جو بہ خیال طوالت چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔اس کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت والا میں کلفت سفر کے لحاظ سے عرض کی گئی کہ حضور والا اب آرام فرمائیں اور سب لوگ نیاز مندانہ سلام عرض کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔شہنشاہ ہر دو عالم کے نائب کا پہلا اجلاس یوں ختم ہوا۔ساکنانِ جبل پور کے لیے دن عید اور رات شب برات تھی کہ بارہ برس کے بعد یہ نعمت عظیمہ نصیب ہوئی تھی۔ملاقات کے وقت مقرر تھے۔صبح ۸ بجے سے گیارہ بجے تک اور سہ پہر کو بعد نماز ظہر سے عصر تک اور پھر بعد عشا کافی وقت دیا جاتا تھا۔عصر سے بعد مغرب تک تفریح کا وقت تھا۔گو حضور کا دل کبھی تفریح کی جانب میلان نہ ہوا۔

لیکن ساکنانِ جبل پور کی دل شکنی کا خیال فرماتے ہوئے، ان کے اصرار سے منظور فرمالیا تھا۔بعد عصر مسجد کے دروازے پر موٹر اور گاڑیوں کا روزانہ انتظام رہتا۔ایک ماہ جبل پور قیام رہا۔اس دوران میں اکثر مقدمات کا جو احباب میں باہم خانہ جنگیوں کے باعث عرصے سے پڑے ہوئے تھے۔ایسا تصفیہ فرمایا کہ جن کا سلام وکلام بند تھا، موت وزیست چھوٹ چکی تھی، باہم شیر وشکر ہوگئے۔

ماسٹر محمد حیدر ومحمد ادریس کی صلح کرادی

ایک روز صبح کے جلسہ میں بمعروض منشی عبد الغفار صاحب، ماسٹر محمد حیدر ومحمد ادریس صاحبان (جن کا عرصہ سے نزاع تھا اور دونوں حلقہ بگوشان اعلیٰ حضرت مدظلہ تھے) پیش ہوئے، اولاً ماسٹر محمد حیدر صاحب کا بیان ہوا۔پھر محمد ادریس صاحب کا۔ بیانات سماعت فرما کر ارشاد عالی ہوا۔آپ صاحبوں کا کچھ مذہبی تخالف ہے؟ کچھ نہیں! آپ دونوں آپس میں پیر بھائی ہیں۔نسلی رشتہ چھوٹ سکتا ہے۔

لیکن اسلام وسنت اور اکابر کے سلسلہ سے عقیدت باقی رہتی ہے۔تو یہ رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ دونوں حقیقی بھائی اور ایک گھر کے ہو۔تمہارا دین ایک، مذہب ایک، رشتہ ایک، آپ دونوں صاحب ایک ہوکر کام کیجیے کہ مخالفین کو دست اندازی کا موقع نہ ملے۔خوب سمجھ لیجیے۔آپ دونوں صاحبوں میں جوسبقت ملنے میں کرے گا۔جنت کی طرف سبقت کرے گا۔یہ فرمانا تھا کہ دونوں کے قلوب پر ایک برقی اثر ہوا۔اور بے تابانہ ایک دوسرے کے قدموں پر گر پڑے اور آپس میں نہایت صاف دلی کے ساتھ لپٹ گئے۔جوش محبت کی یہ حالت ہوئی کہ اگر حاضرین میں سے انہیں سنبھال نہ لیتے۔تو دونوں حضرات اس معانقہ قلبی میں گر پڑتے۔واقعی مقدس حضرات کی مٹھی میں قلوب ہوتے ہیں۔جس طرف چاہیں، رجوع کردیں۔

مجھے اس وقت حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ یاد آگیا، جو اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس کی زبان فیض ترجمان سے سنا تھا۔ایک مرتبہ حضور مسجد جامع میں تشریف لے جارہے تھے۔خادم، جو ہمراہ تھے، انہوں نے دیکھا کہ آج خلاف معمول اس مسجد کو جانے والے حضور کو دیکھ رہے ہیں۔لیکن نہ کوئی سلام کرتا ہے، نہ قیام۔

حالانکہ ہمیشہ باہر تشریف لاتے ہی تمام جماعت حضور کی طرف آتی اور دست بوسی ہوتی۔ قدم بوسی سے مشرف ہوتی۔ان کے دل میں یہ خطرہ آتا تھا کہ چاروں طرف سے لوگوں کا اسقدر ہجوم ہوا کہ حضور سے بہت پیچھے رہ گئے۔انہیں خیال ہوا کہ اس سے تو وہی حالت بہتر تھی۔میں حضور کے قریب تو تھا، ان کے دل میں یہ خطرہ آتے ہی حضور نے ان کی طرف روئے انور کیا اور فرمایا: یہ تمہیں نے چاہا تھا۔کیا تمہیں نہیں معلوم، رب عزوجل نے قلوب ہمارے ہاتھ میں رکھے ہیں، جب چاہیں، اسے پھیر دیں اور جب چاہیں، اپنی طرف کرلیں۔اسی طرح اعلیٰ حضرت قبلہ نے ''قصیدہ ذریعہ قادریہ'' میں اشارہ فرمایا ہے:

غرض آقا سے کروں عرض کہ تیری ہی پناہ
بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا
حکم نافذ ہے تیرا، خامہ تیرا، سیف تیری
دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا

جس کو للکار دے آتا ہو تو الٹا پھر جائے
جس کو چمکاؤ دے ہر پھر کے وہ تیرا تیرا
کنجیاں دل کی خدا نے تجھے دیں ایسی
کہ یہ سینہ ہو محبت کا خزینہ تیرا
دل پہ کندہ ہو تیرا نام کہ وہ وزد رجیم
الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کر طغرا تیرا

صلح کلیوں کی اصلاح

جبل پور ہی میں کسی نے عرض کیا۔ حضور صلح کل والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تہذیب کے خلاف ہے، اگر کوئی اپنے پاس ملنے آئے اور اس سے نہ ملا جائے، اس پر ارشاد فرمایا: تہذیب سے اگر تہذیب نیچری مراد ہے، تو وہ تہذیب نہیں، تخریب ہے اور اگر تہذیب اسلامی مراد ہے، تو جن سے ہم نے تہذیب سیکھی وہی منع فرماتے ہیں:

ایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم،

ان سے دور بھاگو اور ان کو اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز مغرب پڑھ کر مسجد سے تشریف لائے تھے کہ ایک شخص نے آواز دی کون ہے، جو اس مسافر کو کھانا دے۔ امیر المؤمنین نے خادم سے ارشاد فرمایا: اسے ہمراہ لے آؤ، وہ آیا اور اسے کھانا منگا کر دیا۔ مسافر نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک لفظ اس کی زبان سے ایسا نکلا، جس سے بدمذہبی کی بو آتی تھی۔ فوراً کھانا سامنے سے اٹھوالیا اور اسے نکال دیا۔

مؤلف ملفوظات صاحب فرماتے ہیں: یہ واقعہ اٹھائیس رجب ۱۳۳۷ھ روز جمعہ قریب عصر کا ہے اس جلسہ میں بعض وہ لوگ بھی تھے، جو بدمذہبوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ حضور پرنور کی یہ گراں بہا نصائح سن کر دل ہی دل میں وہ اپنے اوپر نفرین اور ملامت کر رہے تھے اور

کبھی کبھی کسی گوشہ سے توبہ واستغفار کی آواز بھی آجاتی تھی۔ اسی وقت ایک صاحب نے کھڑے ہوکر دوسرے صاحب سے کہا: آپ کو اکثر اوقات بدمذہبوں کی صحبت میں دیکھا گیا ہے۔ مناسب ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت آج خوش قسمتی سے تشریف فرما ہیں، توبہ کر لیجیے۔ یہ سنتے ہی وہ قدموں پر آ کر گرے اور صدق دل سے تائب ہوئے۔ اس پر ارشاد فرمایا: بھائیو! یہ وقت نزول رحمت الٰہی کا ہے۔ سب حضرات اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جن کے خفیہ گناہ ہوں، وہ خفیہ اور جن کے اعلانیہ ہوں، وہ اعلانیہ کہ: **اذا عملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر و العلانیه بالعلانیه**'۔ جب تو کوئی گناہ کرے، تو فوراً توبہ کر مخفی کی مخفی اور آشکارا کی آشکارا' سچے دل سے توبہ کریں کہ رب عزوجل ایسی ہی توبہ قبول فرماتا ہے۔

فقیر دعا کرتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ! آپ حضرات کو استقامت کرامت فرمائے۔ جو داڑھی منڈواتے یا کترواتے ہیں یا چڑھاتے یا سیاہ خضاب لگاتے ہوں، وہ اور ایسے جو علانیہ گناہ کرتے ہوں، انہیں علانیہ توبہ کرنا چاہیے اور جو گناہ پوشیدہ طور پر کیے، ان سے پوشیدہ کہ گناہ کا اعلان بھی گناہ ہے۔ حضور پرنور کے ان چند فقرات میں اللہ ہی جانے کیا اثر تھا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ گویا وہ اپنے گناہوں کے دفتر آنسوؤں سے دھو رہے تھے اور بیتابانہ پروانہ وار اس شمع انجمن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہونے دوڑے اور قدموں پر گر کر اپنے خفیہ واعلانیہ اعمال سے توبہ کر رہے تھے۔ عجب سماں تھا۔

حضور پرنور خود بھی نہایت گریہ وزاری کے ساتھ ان کے لیے دعائے مغفرت میں مصروف تھے۔ جب سب لوگ تائب ہو چکے، حضور نے ارشاد فرمایا: آج مجھے فائدہ معلوم ہوا کہ میرا جبل پور آنا اور اتنے دنوں قیام کرنا یوں ہوا، (پھر فرمایا کہ) مناسب ہوگا، اگر تائبین کی فہرست تیار کر لی جائے کہ دیکھا جائے، کون کون توبہ پر مقیم ہوتا ہے، اس وقت کچھ لوگ چلے بھی گئے تھے۔ جس قدر موجود تھے، ان کی فہرست درج ذیل ہے، ملاحظہ ہو:

فہرست تائبین

نمبر شمار	اسمائے گرامی	پتہ	جس بات سے توبہ کی
۱	اکبر خان صاحب	لارڈ گنج	خضاب سیاہ
۲	قاسم بھائی صاحب	;;	حلق لحیہ
۳	دادا بھائی صاحب	;;	;;
۴	سیٹھ عبد الکریم صاحب	;;	;;
۵	عمر بھائی صاحب	;;	;;
۶	عبد الشکور صاحب	;;	;;
۷	حافظ عبد الحمید صاحب	کمانیہ پھاٹک	;;
۸	عبد الغنی صاحب	گلھبانی	حلق لحیہ
۹	بابو عبد الشکور صاحب	ارنی گنج	;;
۱۰	حبیب اللہ صاحب	محلہ کھٹک	;;
۱۱	محمد ادریس صاحب	صدر بازار	;;
۱۲	اللہ بخش صاحب	تمرہائی	;;
۱۳	عزیز محمد صاحب	محلہ کھٹک	;;
۱۴	عزیز الدین صاحب	محلہ کھٹک	داڑھی منڈانے سے
۱۵	عبد الجبار صاحب	کمانیہ پھاٹک	;;
۱۶	عظیم الدین صاحب	محلہ کھٹک	;;
۱۷	نظام الدین صاحب	بھرتی پور	;;
۱۸	ولی محمد صاحب	لارڈ گنج	;;
۱۹	سلمان خان صاحب	پل اومتی	;;

۲۰	اولاد حسین صاحب	چھوٹا تالاب	//
۲۱	محمد غوث صاحب	دلہانی	//
۲۲	تراب خان صاحب	//	//
۲۳	محمد حنیف صاحب	شپکاری	//
۲۴	حبیب اللہ صاحب	چھوٹا تالاب	//
۲۵	منشی عارف علی صاحب	بھانی تلیا	خضاب سیاہ
۲۶	منشی عبدالرحیم صاحب	//	حلق لحیہ
۲۷	احمد بھائی صاحب	کوتوالی بازار	//
۲۸	موسیٰ بھائی صاح	//	//
۲۹	مولوی شفیع احمد صاحب	بیسیلپوری	//
۳۰	عبدالمجید صاحب	//	//
۳۱	شیخ باقر صاحب	//	//
۳۲	ایوب علی صاحب	//	//
۳۳	عبدالرحمن خان صاحب	//	//
۳۴	محمد ذاکر خان صاحب	//	//

☆......☆......☆



دوسری روداد

برہان ملت
حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی
جبل پوری علیہ الرحمہ
(متوفی ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء)



اکرام امام احمد رضا

مفتی محمد برہان الحق رضوی
پروفیسر محمد مسعود احمد
علیہما الرحمہ

[طبع بمبئی ۱۹۹۸ء۔ص:۶۹ تا ۸۲]

۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت کو جبل پور بلانے کا جوش وولولہ پیدا ہوا۔ ہم نشین احباب سے مشورہ کیا۔ سب نے نہایت پر خلوص جذبے کے ساتھ میری تائید کی۔ پورے تعاون کا وعدہ کیا۔ ہم سب مل کر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت کو جبل پور بلانے اور دعوت دینے کی درخواست کی۔ والدِ ماجد نے فرمایا کہ: اعلیٰ حضرت کو بلانا معمولی بات نہیں۔ ہم ان کے شایانِ شان عزت اور خدمت کر سکیں گے؟ اگر ذرا بھی کوتاہی ہوئی، تو ہم دنیائے سنیت کو کیا جواب دیں گے؟ سب نے عرض کیا: ''حضور! جیسا فرمائیں گے، ہم دل وجان سے ویسا ہی انتظام کریں گے'' والدِ ماجد نے انتظامات کے متعلق جو فرمایا: سب نے منظور کرلیا۔ فرمایا: ''اعلیٰ حضرت کسی دینی، مذہبی اہم ضرورت کے سوا کہیں تشریف نہیں لے جاتے''۔

چونکہ اس خادم سرکار رضا کو برہان نوازی پر ناز تھا۔ میں نے اس یقین کے ساتھ کہ میری کوشش ان شاء اللہ ضرور کامیاب ہوگی اور میں حضور کو لے آؤں گا۔ عرض کیا: آپ عریضۂ دعوت تحریر فرما دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیں، برہان حضور کو لینے حاضر ہو رہا ہے۔ حضور جب قصد فرمائیں گے۔ برہان سفر کا انتظام کرے گا۔ والد ماجد نے نہایت عقیدت کے ساتھ عریضہ دعوت لکھ دیا۔ انتظامیہ کمیٹی چچا حافظ عبد الشکور صاحب کی صدارت میں قائم کرلی گئی۔ دعوت نامہ لکھے جانے کے چار دن بعد بریلی شریف کے لیے روانہ ہو گیا۔

صبح نماز فجر کے بعد بریلی پہنچا۔ معلوم ہوا۔ اعلیٰ حضرت، حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے عرس میں پیلی بھیت تشریف لے گئے ہیں۔ میں نے بریلی پہنچنے کی کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔

نہ ہی والدِ ماجد نے دعوت نامہ میں میرے پہنچنے کا کوئی دن لکھا تھا۔

میں نے آستانے کے درالافتاء میں اپنا سامان رکھا۔ گھر میں سے سیدہ محترمہ والدہ نے ناشتہ بھیجا۔ میں ناشتہ کر کے ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ۱۱ ربجے پیلی بھیت سے تار پہنچا۔

”برہان میاں کو پیلی بھیت بھجو“ (احمد رضا)

میں ظہر کے بعد پیلی بھیت کے لیے روانہ ہو گیا۔ پیلی بھیت پہنچا۔ تو اسٹیشن پر مولانا عبد الاحد صاحب میرا انتظار کر رہے تھے۔ مصافحہ و معانقہ کے بعد میں نے پوچھا: میں نے کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ آپ کیسے اسٹیشن آ گئے؟ کہا: اعلیٰ حضرت نے فرمایا: برہان میاں کو اسٹیشن لینے جاؤ۔

اعلیٰ حضرت کا قیام مولوی فضل حق ٹمبر کنٹریکٹر کی کوٹھی میں تھا۔ رات میں مولانا عبد الاحد نے مجھے حضرت کی خدمت میں نہ جانے دیا۔ محدث صاحب علیہ الرحمہ کے عرس کے جلسہ میں شریک ہوا۔ صبح مولانا کے ساتھ ناشتہ کے لیے بیٹھا تھا۔ لقمہ ہاتھ میں تھا کہ ایک صاحب یہ کہتے ہوئے آئے کہ اعلیٰ حضرت ناشتہ میں برہان کا انتظار فرما رہے ہیں۔ میں نے لقمہ رکھ دیا اور تانگہ پر کوٹھی پہنچا۔ دیکھا، ناشتہ چنا ہوا ہے اور حضرت منتظر بیٹھے ہیں۔ خادم کو معانقہ سے مشرف فرمایا۔ میں نے قدم بوسی کی۔ حضرت نے والد ماجد اور سب کی خیریت دریافت فرمائی۔ ناشتہ شروع فرمایا۔ میں نے بھی شریک ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

’مولانا عبد السلام صاحب نے اپنے گرامی نامہ میں جبل پور آنے کے لیے میرا پہنچہ اس طرح پکڑ لیا ہے کہ عذر کی گنجائش نہیں اور میرے ضعف کی یہ حالت ہے کہ چند قدم چلنا دشوار ہے‘۔

میں نے مسکراتے ہوئے عرض کیا۔ حضور کی دعا و عافیت سے ان شاء اللہ حضور کو سفر میں بالکل تکلیف و پریشانی نہ ہوگی۔ صاحبِ خانہ مولوی فضل حق نے کہا: برہان میاں! گاڑی دو جگہ بدلنی ہوگی۔ پلیٹ فارم کی طوالت، سیڑھیاں چڑھ کر پل کا عبور، حضرت سے کیسے ہوگا؟۔ میں نے کہا: بریلی سے جبل پور تک سیکنڈ کلاس ریزرو ہوگا۔ کہا یہ بہت مشکل ہے اور ہوا بھی، تو بڑا خرچہ پڑے گا۔ میں نے کہا:

مشکلے نیست کی آساں نہ شود

مرد باید کہ ہراساں نہ شود

اللہ تعالیٰ میری مشکل کو آسان فرمادے گا۔ حضرت نے ان شاء اللہ! فرمایا: ناشتہ دعائے برکت پر ختم ہوا۔ پیلی بھیت سے بریلی شریف واپس آئے۔

بریلی سے جبل پور کا دارومدار ریل کے سیکنڈ کلاس کے ریزرویشن پر تھا۔ میں ضمیر الدین صاحب وکیل کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر سے ملا اور جبل پور تک سیکنڈ کلاس ریزرو کرنے کے لیے کہا۔ اسٹیشن ماسٹر نے جواب دیا۔ یہ او، آر، آر ہے اور الہ آباد ای، آئی، آر، جبل پور تک ریزرویشن کے لیے کمپنی کے سنٹرل دفتر کو لکھنا ہوگا۔ آپ کل آؤ۔ ہم کچھ مدد کریں گے۔ ہم واپس آ گئے۔

میں دوسرے دن گیا۔ اسٹیشن ماسٹر مجھے دیکھتے ہی بولا:

Youareveryluckyman.

تم بڑی قسمت والے ہو۔ سنیچر کو (۱۹ / جمادی الاخریٰ ۷ ۱۳۳ھ / مطابق ۲۲ / مارچ ۱۹۱۹ء) کو دہرہ دون میل میں الہٰ اباد تک فرسٹ کلاس ریزرو ہے۔ اس کے ساتھ ایک سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ ہے۔ وہ ہم تمہارے لیے ریزرو کرتے ہیں۔ پرتاپ گڑھ میں بدلنا نہیں پڑے گا۔ الہٰ آباد میں جبل پور کے لیے سیکنڈ کلاس ریزرو آپ کو ملے گا۔ میں نے تھینکس کہہ کے اپنا نام رجسٹرڈ کرا دیا۔ یہ بدھ کا دن تھا۔ اعلیٰ حضرت سے آ کر عرض کیا اور سفر کی تیاریاں ہونے لگیں۔ میں نے الہٰ آباد، عزیزیم سیٹھ محمد پیر محمد کو خط لکھا کہ الہٰ آباد میں پلیٹ فارم پر ایک کرسی تیار رکھیں۔ اعلیٰ حضرت کو کرسی کے ذیعہ پلیٹ فارم عبور کرنا ہوگا اور جبل پور یک شنبہ صبح پسنجر سے پہنچنے اور استقبال کے انتظام کے لیے لکھ دیا۔

دہرہ دون میل، صبح ساڑھے چار بجے روانہ ہوتا تھا۔ سنیچر کو دن بھر انتظامات ہوتے رہے۔ رات بھی تمام اسی طرح پوری ہوئی۔ ساڑھے تین بجے مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب (مفتی اعظم ہند)، مولانا حسنین رضا خاں صاحب، سید ایوب علی صاحب، سید قناعت علی صاحب اور مولوی محمد شفیع صاحب اسباب لے کر اسٹیشن کے لیے روانہ ہو گئے۔ صبح چار بجے اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب (حجۃ الاسلام)، حاجی کفایت اللہ صاحب اور خادم برہان گاڑی پر اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے۔ میں نے عرض کیا: حضور عین نماز کے وقت گاڑی روانہ

ہو گی۔ نماز فجر کہاں ادا کی جائے گی؟۔ اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: ان شاء اللہ! پلیٹ فارم پر۔

اسٹیشن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی چالیس ۴۰ منٹ لیٹ ہے۔ پلیٹ فارم پر جا نماز، چادریں، رومال بچھائے گئے اور بعونہٖ تعالیٰ کثیر جماعت نے اعلیٰ حضرت کے پیچھے نماز فجر ادا کی، تقبل اللہ! یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی کہ اطمینان کے ساتھ نماز سے فارغ ہوئے۔ گاڑی آئی۔ میں آفس کی طرف چلا کہ ایک ریلوے افسر نے مجھے ساتھ لیا اور سیکنڈ کلاس کا تالا کھول کر مجھے آفس میں آنے کو کہا۔ میں ساتھیوں کو ٹرین میں اسباب رکھنے کے لیے کہہ کر آفس پہنچا۔ پانچ ٹکٹ سیکنڈ کلاس اور پانچ ہی سرونٹ کلاس ٹکٹ لے کر آیا۔ گاڑی میں اعلیٰ حضرت کا بستر لگا کر مختصر ناشتہ، چائے کے بعد لٹا دیا۔ گاڑی روانہ ہوئی۔ مولانا عبد الاحد صاحب پیلی بھیت سے لکھنؤ آئے اور وہاں سے ہمارے ساتھ ہو گئے۔

پرتاپ گڑھ میں ہمارا کمپارٹمنٹ، الٰہ آباد کی گاڑی میں لگا دیا گیا۔ الٰہ آباد میں گاڑی ٹھہرتے ہی اسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر نے میرا نام پوچھا اور کہا کہ آپ کا سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ جو ریزرو ہے، پلیٹ فارم نمبر ۳ پر ہے، ۔ سیٹھ محمد بھائی نے آرام کرسی کا انتظام کر لیا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو سیکنڈ کلاس میں پہنچایا گیا اور سرونٹ میں سامان رکھا۔ وضو کا انتظام کیا۔ سب نے حضرت کے ساتھ ظہر قصر بہ جماعت ادا کی۔ حضرت مولانا حامد میاں شہر میں کسی سے ملنے تشریف لے گئے۔ عصر کے بعد سیٹھ محمد بھائی ایک پارسی کی کار لے آئے۔

اعلیٰ حضرت، مولانا مصطفیٰ میاں، حاجی کفایت اللہ یہ خادم اور محمد بھائی تفریح کے لیے نکلے۔ الٰہ آباد کے خاص خاص مقامات، گنگا جمنا کے ملنے کا تربینی گھاٹ وغیرہا دیکھتے ہوئے واپسی میں ایک بنگلہ کے سامنے گاڑی روک کر پارسی نے التجا کرتے ہوئے کہا ہمارے گھر کے بائی لوگ درشن کرنا مانگتے ہیں۔ میں نے حضرت کی طرف دیکھا، ۔ حضرت نے مسکرا کر سر ہلایا: میں نے پارسی کو اشارہ کیا۔ وہ بنگلہ میں گاڑی لایا۔ معلوم ہوا کہ محمد بھائی نے اعلیٰ حضرت کی بزرگی کا پارسی سے ذکر کر دیا تھا۔ اس کے گھر کی تمام عورتوں بچوں نے ہاتھ جوڑ کر گاڑی گھیر لی اور صاحب جی، صاحب جی کہتے رہے۔ حضرت نے دونوں ہاتھ ہلا کر فرمایا: تم سب اچھے رہو، اللہ

تعالیٰ ہدایت کی نعمت عطا فرمائے۔

الٰہ آباد اسٹیشن پر مغرب با جماعت ادا کی گئی۔ میں نے محمد بھائی سے ٹیکسی کا کرایہ دریافت کیا، ۔محمد بھائی نے کہا: وہ کہتا ہے، مجھے بابا جی کے پیر چھو لینے دو، یہی کرایہ ہے۔ میں نے حضرت سے عرض کیا: حضرت مسکرا کر خاموش رہے۔ میں نے پارسی کو اشارہ کیا۔ اس نے حضرت کی قدم بوسی کی۔ حضرت نے ہدایت کی دعا کی۔ سر اٹھا کر، ہاتھ جوڑ کر وہ رخصت ہوا۔

کھانے اور عشا سے فارغ ہو کر حضرت کا بستر لگایا۔ سب آرام سے بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی رات ۹ بجے روانہ ہوئی۔ پسنجر جبل پور صبح ۶ بجے پہنچتا ہے۔ ابھی ٹرین ۴ بجے کٹنی پہنچی۔ پلیٹ فارم نعرۂ تکبیر کی بہت زوردار آواز سے گونج اٹھا۔ آواز سن کر دروازہ کھولا۔ دیکھا، والدِ ماجد ایک جم غفیر کے ساتھ استقبال کے لیے جبل پور سے تشریف لائے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے قدم بوس ہوئے، اعلیٰ حضرت کے وضو کے لیے انتظام کیا گیا۔ نماز فجر کہاں ہوگی؟ عرض کیا: سلیمنا باد میں، لیکن صرف ۳ منٹ گاڑی ٹھہرتی ہے۔ حضور وضو فرمائیں، خادم حاضر ہوتا ہے۔

میں انجن کی طرف بڑھا، دیکھا ڈرائیور مسلمان ہیں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کر کے جا رہے ہیں۔ مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے کہا: سلیمنا باد میں نماز فجر ادا کرنا ہے۔ پوچھا، کتنا وقت لگے گا؟۔ میں نے کہا: ۱۲/ یا ۱۵/ منٹ۔ کہا: میں لیٹ کر دوں گا۔ گارڈ بھی مل گیا۔ اس نے بھی اطمینان دلایا۔ گاڑی بڑے وقت پر سلیمنا باد پہنچی۔ پلیٹ فارم پر جا نماز، چادریں، رومال بچھا کر تقریباً ۳۰۰ کی جماعت ہوئی۔ پوری ٹرین کے مسافر دیکھ رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت اطمینان کے ساتھ وظیفہ سے فارغ ہو کر گاڑی میں تشریف لائے۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب طباق میں چائے لے آئے۔ یہ ساگر کے قاضی خاندان سے ہیں، اعلیٰ حضرت نے چائے نوش کرتے ہوئے فرمایا:

'مولانا عبد السلام کا اثر ماشاء اللہ ریل پر بھی ہے'۔

غالباً ۲۰/ منٹ ہو گئے۔ الحمد للہ! ڈرائیور نے ٹائم میک اپ کیا اور گاڑی ٹھیک وقت پر جبل پور اسٹیشن پہنچی۔ نعرۂ تکبیر سے اسٹیشن گونج اٹھا۔ پلیٹ فارم پر تل رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ گاڑی رکتے ہی میں نے گاڑی کے دروازہ پر کھڑے ہو کر مجمع کو مخاطب کر کے کہا:

حضرات! اعلیٰ حضرت دام ظلہم الاقدس کی زیارت تمام حاضرین کو مبارک! آپ تمام انتہائی محبت وخلوص کے ساتھ سرکارِ رضا کی قدم بوسی اور مصافحہ کے لیے بے چین ہیں۔ میری گزارش ہے، آپ مصافحہ سے حضرت کو تکلیف نہ دیں، صرف زیارت کرلیں اور راستہ بنالیں کہ حضرت آرام اور آسانی سے باہر تشریف لے جاسکیں۔ قیام گاہ پر ہر ایک کو مصافحہ وقدم بوسی کی آزادی ہوگی۔

مجمع نے نعرۂ تکبیر سے استقبال کیا اور میری گزارش پر عمل کیا گیا۔ درمیان میں راستہ دے دیا۔ اعلیٰ حضرت آہستہ آہستہ دستِ مبارک پیشانی پر رکھ کر اشارہ سے سلام کرتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ گوکل داس کی دوگھوڑوں والی بگھی جو پھولوں سے سجائی گئی تھی، اس پر سوار ہوئے۔ جلوس کے ساتھ ایک گھنٹے میں ہمارے مکان پر پہنچے۔ ملا محمد خاں اور نور خاں نے بغل میں نرم تکیوں کا سہارا دے کر اوپر پہنچایا اور یہ طریقہ ہر وقت سیڑھیاں اترنے چڑھنے کے لیے جاری رہا۔

قیام جبل پور کے زمانے میں، جو معمولات رہے اور جو واقعات وحالات پیش آئے۔ اب وہ بیان کیے جاتے ہیں۔ جبل پور کے قیام کے دوران اعلیٰ حضرت کے یہ معمولات رہے:

۱......نماز کے لیے پانچوں وقت مسجد پیدل تشریف لے جاتے۔

۲......ناشتہ کے بعد زائرین اور ملنے والوں کو مشرف فرماتے۔

۳......دوپہر کو قیلولہ فرماتے۔

۴......نماز ظہر کے بعد پھر لوگ حاضر ہوتے۔

۵......عصر کے بعد کبھی تفریح کے لیے جانا ہوتا۔

۶......بعد مغرب کچھ وقت اوراد ووظائف واشغال میں گزرتا اور کبھی دعوت میں جانا ہوتا۔

۷......بعد عشا گیارہ بجے رات تک عقیدت مند حاضرین کے درمیان ذکر ونصیحت کی محفل ہوتی۔

میری دو بچیاں تھیں۔ زکیہ طلعت عمر پانچ سال اور صبیحہ نورانی عمر تین سال۔ صبح ناشتہ کے بعد اعلیٰ حضرت کتاب مطالعہ فرماتے ہوتے یا فتویٰ لکھاتے ہوتے، دونوں بچیاں سامنے آکر بیٹھ جاتیں۔ ایک دن والدِ ماجد آئے، تو زکیہ نے نورانی سے حضرت کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ بڑے دادا ہیں اور والد کو کہا، یہ چھوٹے دادا ہیں۔ حضرت نے سن لیا اور بہت لطف اندوز ہوئے

اور والد ماجد سے فرمایا:

یہ ایسا کہہ رہی ہیں، والد بھی ہنسے۔

ایک دن مجھ سے فرمایا:

میری دو بچیوں کے لیے کان کے سبزے (ایرنگ) چاہئیں، میں نے صدر بازار میں ایڈل جی کے یہاں سے نہایت خوبصورت یاقوت اور نقلی ہیرے کے دو جوڑے ایرنگ لاکر حضرت کو دکھائے۔ حضرت نے بہت پسند فرمایا اور کہا، ذرا پہنا کر دیکھو! کیسے لگتے ہیں۔ زکیہ، صبیحہ، دونوں سامنے بیٹھی تھیں، پاس بلا کر دونوں کے کانوں میں دستِ مبارک سے پہنا کر دیکھا اور کچھ دعا فرمائی۔ حضرت نے مجھ سے قیمت دریافت کی۔ میں نے عرض کیا: حضور قیمت دے دی ہے۔ پھر بچیوں کے کانوں سے بندے اتارنے لگا۔ فرمایا: رہنے دیجیے۔ اپنی انہیں دو بچیوں کے لیے منگائے تھے اور فوراً مجھے قیمت عطا فرمائی۔ افسوس دونوں بچیاں داغ مفارقت دے گئیں۔ بندے یادگار محفوظ ہیں۔

ایک دن بعد نماز عصر تفریح کے لیے بگھی پر، گن کیرج فیکٹری کی طرف نکلے۔ فوجی گوروں کی پارٹی فیکٹری سے اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف جا رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

کم بخت بالکل بندر ہیں۔

مولانا حسنین میاں نے فرمایا:

صرف دُم کی کسر ہے۔

میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا:

وہ کثرت استعمال سے حذف ہوگئی۔

اس فقرے پر حضرت اور سب ہنسے اور حضرت کے قہقہہ کی آواز سنی گئی، فرمایا:

حذف کی علت خوب رہی۔

جبل پور سے پندرہ میل نربدا ندی کا نہایت زوردار اور دل کش آبشار ہے۔ تقریباً سو فٹ گہرائی میں پتھروں سے ٹکراتا ہوا نربدا کا پانی گرتا ہے۔ اس ٹکراؤ سے دھوئیں کی طرح پھوہار بہت دور تک فضا میں اڑتی اور پھیلتی ہے اور سورج کی شعاعوں سے قوس وقزح کی طرح رنگ

برنگ منظر دور سے بہت ہی خوبصورت نظر آتا ہے۔ اسے دھواں دھار کہا جاتا ہے۔ پانی پتھروں سے ٹکراتا ہوا گہرائی میں سنگِ مرمر کی چٹان پر گرتا ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دودھ ابل رہا ہے۔ اسے دودھ متھن بولتے ہیں۔

پنچبٹی گھاٹ، اسے کشتی پر چلتے ہیں، تو ستر فٹ چوڑی اور کالی گہری نربدا کی سطح پر دونوں جانب ڈیڑھ سوفٹ اونچی سنگِ مرمر کی چٹانوں اور پہاڑوں کے گھماؤ پھراؤ کے ساتھ ملاح کشتی کو کھیتے ہیں۔ ڈھائی تین میل تک درۂ دانیال کا نقشہ نظر آتا ہے۔ جہاں سے آگے کشتی نہیں جاسکتی۔ اس مقام کو بندر کودنی کہتے ہیں۔ یہاں ایک طرف ریت کا مسطح میدان ہے۔

دھواں دھار، جاتے ہوئے راستہ میں داہنی جانب اونچے پہاڑ پر ایک مندر ہے۔ جس کی ایک سو چالیس سیڑھیاں ہیں۔ اس مندر کو چونسٹھ جوگنی کہا جاتا ہے۔ اونچی دیوار کے احاطے میں چونسٹھ خانے ہیں، ہر خانے میں ایک قد آدم سنگ مرمر کا ننگا مادر زاد زنانہ بت ہے۔ ہر بت اس طرح کٹا ہوا ہے۔ جیسے تلوار سے کاٹا گیا ہو۔ کسی کا سر، کسی کے ہاتھ، کسی کی کمر، کسی کی چھاتیاں اور دیگر کٹے ہوئے اعضا اس بت کے سامنے پڑے ہیں۔

بھیڑا گھاٹ میں نربدا کے کنارے اونچی سطح پر دو ڈاک بنگلے ہیں، دونوں کے خانساماں اور نگراں مسلمان ہیں جو سیاحوں اور سیر کرنے والوں کے ٹھہرنے اور کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ دو عام سرائے بھی ہیں۔ جن کا انتظام ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ عام طور پر ہنود تیرتھ اشنان کے لیے سرائے میں ٹھہرتے ہیں۔

کچھ لوگ رات ہی کو انتظام کے لیے بھیڑا گھاٹ چلے گئے۔ نماز فجر کے بعد اعلیٰ حضرت کو لے جایا گیا۔ اوپر والے ڈاک بنگلے میں انتظام تھا۔ پہنچتے ہی ناشتہ کے بعد ایک پالکی پر اعلیٰ حضرت اور سب لوگ پیدل چلے۔ چونسٹھ جوگنی پر سیڑھیوں سے پہنچے۔ حضرت کی نظر جیسے ہی بتوں پر پڑی:

اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریک له الها واحدا لا نعبد الا ایاه واشهد ان سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، پڑھا۔

مندر کے دوسرے دروازے پر سلطان عالمگیر علیہ الرحمہ کے لیے دعا کی۔ اس دروازے

سے باہر نکلے، تو دھواں دھار کی پھوہار میں رنگ برنگ قوس وقزح کا نقشہ بہت خوشنما نظر آیا۔ حضرت نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور وہیں چل رہے ہیں۔ دھواں دھار پہنچے اور دھوئیں کی طرح فضا میں سبز، سرخ، نیلے عکس اور اوپر سے نیچے گرتے ہوئے پانی کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے اور:

ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحٰنک فقنا عذاب النار،

تلاوت فرمائی۔ ایک چھوٹی دھار کے کنارے پتھروں پر حضرت کی پالکی رکھ دی گئی۔ جہاں سے بہت بڑی تیز دھار بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ آبشار بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ کچھ لوگ دور ہٹ کر نہانے لگے۔ ایک گھنٹے بعد ڈاک بنگلے واپس آ گئے۔ کھانا تناول فرما کر کچھ آرام کیا۔ پھر ظہر ادا فرمائی۔

میرے ہم عمر دوست عبد الکریم پہلوان تھے، جو سینہ پر پندرہ بیس من کا پتھر رکھ کر اس پر ایک چھوٹے پتھر کو چورا چورا کر دیتے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کو یہ کرتب دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ظہر کے بعد بنگلہ کے باہر ایک گھنٹے درخت کے سائے میں اعلیٰ حضرت کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ پانچ گز کے فاصلہ پر، سامنے ریت کو پھیلا کر برابر کر کے عبد الکریم اس ریت پر لیٹ گئے۔ تو آٹھ دس آدمیوں نے پندرہ بیس من وزنی چونا پیسنے کے وزنی پتھر کو سنبھال کر پہلوان کے سینہ پر رکھ دیا۔ اس پر دوسرے پتھر کو چار آدمیوں نے پتھروں سے کچل کر چور چور کر دیا۔

اعلیٰ حضرت اس منظر اور کرتب پر بہت خوش ہوئے۔ پہلوان سینہ سے وزنی پتھر ہٹا کر حضرت سے قدم بوس ہوئے۔ حضرت نے فرمایا: بڑا خطرناک تماشا ہے اور جیب سے دس روپے کا نوٹ اور پہلا انعام عطا فرمایا۔ پہلوان کا حوصلہ بڑھا۔ وہ پھر ریت پر لیٹ گئے۔ ایک چھکڑا گاڑی پر بارہ آدمیوں کو سوار کر کے چار آدمیوں نے گاڑی کو کھینچا۔ پہلوان کے سینہ پر سے ایک چکا نکالا۔ حضرت نے پہلوان کی مشق کی تعریف فرمائی اور فرمایا: بڑا خطرناک کھیل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔

عصر کے بعد پنچپٹی گھاٹ سے دو کشتیوں پر نربدا کی سیر کے لیے بیٹھے۔ اعلیٰ حضرت نے کشتی پر قدم رکھ کر فرمایا: **بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا**، میں نے آمین کہا۔ کشتیاں سنگ مرمر کی اونچی

چٹانوں کے درمیان روانہ ہوئیں۔ گھماؤ پھراؤ کے ساتھ مناظر قدرت کے درمیان ۲۹/ جمادی الاخریٰ کو رجب المرجب کا چاند نظر آیا، اعلیٰ حضرت نے چاند دیکھ کر فرمایا:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد هلال خیر ورش۔ ربی وربک اللہ۔

اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ہم سب نے آمین کہہ کر ہاتھ اٹھا لیے۔

بندر کودنی کے خشک ریت کے میدان میں مصلی اور رومال وغیرہ بچھا لیے گئے۔ میں نے اذان دینے کے ارادے سے کان میں انگلیاں لگائیں کہ اذان کی آواز سنائی دی۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت اذان دے رہے تھے۔ حضرت ہی نے اقامت فرمائی اور نماز مغرب پڑھائی۔ فارغ ہونے پر ہم سب قدم بوس ہوئے، تو اپنے دست مبارک میں خادم کا ہاتھ لے کر فرمایا: حدیث شریف میں ہے:

اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے۔ وہاں کا ہر ذرہ شاہد اور گواہ ہو جاتا ہے۔

اس لیے میں نے اذان دی کہ یہاں کا بہتا ہوا دریا، پہاڑ، درخت، سبزہ اور ریت سب مجھ فقیر کے لیے شاہد ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا: حضور! یہ ہماری اور یہاں کی ہر شے کی خوش نصیبی ہے کہ حضور کی زبان مبارک سے اذان مبارک کی سعادت افروز آواز سن کر شہادت کی برکت اور حضور کے ساتھ ثواب کے مستحق ہوئے۔ الحمد للہ! اور یہاں کا ہر ذرہ ہمارے لیے بھی شاہد ہو جائے، حضرت نے فرمایا: ماشاء اللہ! بارک اللہ!

ہم سب کشتیوں پر واپس ڈاک بنگلے آئے۔ اعلیٰ حضرت نے اس سیر پر بہت مسرت ظاہر فرمائی۔ بھیڑا گھاٹ سے ہم سب ۹ بجے رات مکان پہنچے۔

قیام جبل پور کے دوران اعلیٰ حضرت کی تقویٰ شعاری کے جو واقعات سامنے آئے۔ وہ ہم سب کے لیے بہترین نمونہ ہے ہیں۔ چند واقعات یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

۱......ایک دعوت میں دستر خوان چنا جا رہا تھا کہ ٹائم پیس کا الآرم نہایت سریلی پیانو کی آواز میں بجنے لگا، اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اسے بند کرو کہ سریلی راگ کا سننا جائز نہیں۔

۲......ایک دعوت میں کھانے کے بعد ایک صاحب نے ہاتھ دھونے کے بعد دستر خوان سے ہاتھ پونچھا، اعلیٰ حضرت کی نظر مبارک پڑ گئی، فرمایا: دستر خوان صرف کھانے کے لیے ہے۔

اس سے ہاتھ پونچھنا خلاف سنت ہے۔

۳......سیٹھ دادا بھائی حاجی کریم نور محمد کے یہاں سب کے سامنے فیرنی طشتریوں میں تھی۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے بڑی چینی کی رکابی میں تھی۔ فیرنی خوش ذائقہ تھی۔اعلیٰ حضرت نے بہت پسند فرمائی۔ چند چمچے نوش فرما کر دادا بھائی سے فرمایا: دادا بھائی! میں اس رکابی سے فیرنی حضرت عیدالاسلام کو دے سکتا ہوں؟

ہم سب حیرت سے حضرت کو دیکھنے لگے۔دادا بھائی نے عرض کیا: حضور کی مرضی، جسے چاہیں، عطا فرمائیں۔ میں نے عرض کیا: اس کے لیے دادا بھائی کی اجازت کی کیا ضرورت تھی؟ فرمایا:

میرے سامنے دستر خوان پر جو کچھ رکھا گیا۔ وہ امانت ہے۔صرف میں کھا سکتا ہوں۔ جو باقی ہے، وہ صاحبِ خانہ کا ہے۔صاحبِ خانہ کی اجازت سے کسی کو دے سکتا ہوں۔اس لیے میں نے دادا بھائی سے حضرت مولانا کو دینے کے لیے اجازت چاہی کہ خیانت کا شائبہ نہ رہے۔

۴......سوداگر حاجی اکبر خاں کے یہاں دعوت میں قورمہ روٹی کے ساتھ اچھا معلوم ہوا۔ حضرت نے حاجی اکبر خاں سے فرمایا: خان صاحب! یہ قورمہ پی سکتا ہوں؟۔

اکبر خاں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: حضور اجازت کی کیا حاجت ہے اور حاضر کر دوں گا۔

فرمایا: ’شوربہ، ترکاری، روٹی چاول کے ساتھ کھانے کے لیے دستر خوان پر رکھی جاتی ہے، پینے کے لیے نہیں۔ پینا، صاحبِ خانہ کا مقصد نہیں ہوتا۔اس لیے اجازت کی ضرورت ہے‘۔

۵......صدر بازار میں ٹیلر ماسٹر حاجی محمد حیدر کے ہاں دعوت میں ٹھنڈا پانی نہ تھا۔ حاجی صاحب نے اپنے فرزند سے کہا: یٰسین! دیکھ، مسجد کے گھڑے میں پانی ٹھنڈا ہوگا۔ جگ میں لے آؤ۔ حضرت نے فرمایا: مسجد میں پانی صرف مصلیانِ مسجد کے لیے رکھا جاتا ہے۔غیر مصلّی کو اپنے یہاں منگا کر یا راستہ چلتے پینا جائز نہیں۔ مسجد کا پانی نہ منگایا جائے۔

یہ ہیں، وہ واقعات، جو ہر عالم و عامی کے لیے نمونہ ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ شعار اور دیانت دار بنائے، آمین۔

اعلیٰ حضرت نے بریلی میں مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ مجھے جبل پور میں دس دن سے زیادہ نہ روکا جائے گا۔ میں نے عرض کیا تھا، ان شاء اللہ! حضور کی مرضی کے خلاف نہ ہوگا۔اب دس دن

پندرہ دن مزید قیام ہو چکا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے والد ماجد سے فرمایا: مولانا! میں نے برہان میاں سے دس دن کا وعدہ لیا تھا۔ میں نے عرض کیا: حضور نے بے شک دس دن ہی میں واپسی کے لیے فرمایا تھا۔ سرکار! وعدے کے دس دن پورے ہو چکے۔ اب تو وعدہ پر پندرہ زیادہ ہو گئے۔ وعدہ کا وقت ختم ہو چکا اتنا کہہ کر میں قدموں پر جھکا۔ حضرت نے اٹھ کر ہنستے ہوئے سینہ سے لگایا۔ والد ماجد نے فرمایا: حضور جبل پور خوش نصیب ہے کہ یہاں حضور کی صحت بہت اچھی ہے۔ بریلی شریف میں حضور کرسی پر مسجد تشریف لے جاتے تھے۔ یہاں اللہ کے فضل سے پانچوں وقت کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے تھے۔

یہاں اللہ کے فضل سے پانچوں وقت کی نماز کے لیے مسجد پیدل تشریف لے جاتے ہیں۔ سترہ سیڑھیاں نماز کے لیے مسجد پیدل تشریف لے جاتے ہیں۔ سترہ سیڑھیاں نماز کے علاوہ دعوتوں اور تفریح کے لیے بھی اترنے چڑھنے میں صرف سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی نماز میں رکوع وسجود میں عصا کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ یہاں نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے محفوظ رکھے۔ چہرۂ انور پر صحت کا نمایاں اثر ہے۔ اگر حضور چند روز اور قیام فرمائیں۔ تو غلاموں پر کرم ہوگا۔ بہر حال حضور کی مرضی مقدم ہے۔

اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: جبل پور کا پانی بہت زوردار ہے۔ اس سے زیادہ زوردار آپ حضرات کی محبتیں ہیں'۔

الحمدللہ! خوش نصیب جبل پور میں ایک مہینہ چار دن حضور نے قیام فرمایا اور جبل پور کو دار السرور ہونے کا شرف بخشا، الحمدللہ!۔





تیسری روداد

فاضل دین و دانش
حضرت مولانا سید محمد ایوب علی قادری رضوی بریلوی
(م ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء)

حیات اعلیٰ حضرت
مؤلفہ
ملک العلما حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہٗ
(مطبوعہ مکتبۂ نبویہ لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۳۰ تا ۳۵۰)

ایک مرتبہ مولانا عبد الباقی برہان حق صاحب قادری رضوی جبل پوری اپنے والد ماجد حضرت عبد السلام (جناب مولانا شاہ عبد السلام صاحب قبلہ مدظلۂ العالی) کا والا نامہ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعد ملاقات حضور نے فرمایا کہ مولانا نے میرے بلانے کے لیے یہ خط ایسا تحریر فرمایا ہے کہ اگر میرے سینے پر بھی دم آجائے، تو انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ غرض سفر کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ایک روز اندر سے خادمہ رحیمن نامی نے زرد رنگ کا کپڑا حضور کا نیا جبہ سینے کے لیے ذکاء اللہ خان صاحب قادری رضوی کو لا کر دیا کہ اسے عبد الکریم خیاط کو دے آ۔

اس وقت حضور پھاٹک میں رونق افروز تھے۔ فرمایا: اس کپڑے کو کہاں لے جاتے ہو۔ کیسا کپڑا ہے؟۔ انھوں نے کہا: حضور کا جبہ سلے گا۔ عبد الکریم درزی کو دینے جا رہا ہوں۔ فرمایا: آج کیا دن ہے؟۔ خان صاحب نے عرض کیا: حضور منگل ہے۔ فرمایا: گھر میں بھیج دو کہ منگل کے دن جو کپڑا تراشا جائے گا، وہ جلے گا یا ڈوبے گا یا چوری ہوگا۔ پھر فرمایا: زرد عمامہ یا جبہ وغیرہ خوشی لاتا ہے (زرد خضاب سنت ہے۔ حضور ہمیشہ سرخ نری کا دہلی کا یا زرد کارچوبی جوتا استعمال فرماتے تھے) اور سیاہ رنگ کا جوتا رنج لاتا ہے۔

بعدہٗ مولانا برہان الحق صاحب نے دریافت کیا کہ حضور کے ساتھ کون کون حضرات تشریف لے جائیں گے۔ فرمایا: مولانا مجھے تو صرف دو آدمیوں کی ضرورت پڑے گی۔ ایک حاجی کفایت اللہ صاحب کی اور دوسرا افتا کے کام کے لیے مولوی شفیع احمد خان صاحب بیسل پوری کافی ہیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔ حضور نے فرمایا: یہ تو آپ کی مرضی پر ہے۔ جسے چاہیں، لے چلیں۔ مجھ سے نہ پوچھیے۔ مجھے جن کی ضرورت تھی۔ آپ سے کہہ دیا۔ چنانچہ برہان میاں نے دو صاحب تو یہی، جنہیں حضور نے فرمایا تھا اور تیسرے خلف اصغر حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان

صاحب اور چوتھے مولانا حسنین رضا خان صاحب (برادر زادہ اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) منتخب کیے۔

اب مجھے اور برادرم قناعت علی کو نہایت بے کلی کہ کسی طرح ہم لوگوں کا بھی ساتھ میں جانا ہو جاتا۔ یہ بھی غیرت تقاضا نہ کرتی تھی کہ ناخواندہ مہمان ہوں، نہ اس کے متمنی تھے کہ کوئی ہمارے مصارف سفر کا متحمل ہو اور نہ صرف مصارف سفر کا، بلکہ خورد و نوش کا بار ڈالنے میں بھی شرم مانع تھی۔ کبھی خیال کرتے تھے کہ ہم لوگ اپنے صرف سے گئے، تو حضور کی مرضی کے کہیں خلاف نہ ہو۔ علاوہ بریں یہ بھی غیر ممکن و محال معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ خورد و نوش کا انتظام کر سکیں۔ لامحالہ مہمان ہونا پڑے گا اور یہ بڑی غیرت و شرم کی بات ہوگی۔ غرض سوائے اس کے اور کوئی صورت ذہن میں نہ آئی کہ چلو بروقت روانگی پوشیدگی کے ساتھ ٹکٹ خرید کر گاڑی کے پچھلے ڈبے میں بیٹھ جائیں گے اور جبل پور پہنچ کر سرائے میں ٹھہر جائیں گے۔ تاکہ وقتاً فوقتاً چھپ کر حضور کی زیارت ہوتی رہے۔

اب اسی دوران میرے ایک پیر بھائی سلطان حیدر خان حاضر آستانہ ہوئے اور وہ ایک پرچہ حضور کی خدمت میں بدیں مضمون بھیجتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ حضور جبل پور تشریف لے جاتے ہیں۔ لہٰذا مجھے اپنے ہمراہ چلنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ میں اپنے صرف سے چلنے کے لیے تیار ہوں۔ اس پر جواب آیا، بہتر ہے۔ یہ جواب دیکھتے ہی میں نے بھی بلا تاخیر پرچہ لکھا کہ جس طرح حضور نے سلطان حیدر خان صاحب کو اجازت دی۔ مجھے بھی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ اب مجھ پر خوف طاری ہوا اور میں ظہر، عصر، مغرب میں بکوشش نظروں سے اوجھل ہوتا رہا۔ عشا میں بھی مسجد شریف کی املی سے آڑ لیے ہوئے تھا۔ مگر حضور نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے اسی طرف کو تشریف لائے۔ میں دوسری طرف کو ہو گیا۔ کئی بار ایسا ہی ہوا۔

بالآخر سامنا ہو گیا۔ حضور شمالی فصیل پر بیٹھ گئے اور فقیر سے بایں الفاظ ارشاد فرمایا: 'سید صاحب کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجھے آپ کا خیال نہیں؟ میں نظر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ بعدہٗ دریافت فرمایا: آپ کو معلوم ہے۔ یہاں سے جبل پور کا کرایہ ریل کیا ہے؟۔ میں نے کہا: حضور سات روپے تیرہ آنے۔ فرمایا: دونوں طرف کا کرایہ کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا: پندرہ روپیہ دس

آنے۔فرمایا: کیا آپ کے پاس موجود ہیں؟۔ میں نے عرض کیا: حضور موجود ہیں۔فرمایا: اچھا! تشریف لے چلئے۔ اس کے بعد حضور تو کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور میں وہاں سے سیدھا برادرام قناعت علی کو خبر دینے کے لیے تیزی کے ساتھ چلا۔اس روز مجھے اس بات کا تجربہ ہوا کہ انتہائی مسرت میں بھی انسان کو رونا آتا ہے۔راستہ بھر آنکھوں سے آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹا۔

چونکہ رات کا وقت تھا۔ یوں کسی راہ گیر کو پتا نہ چلا۔ بار بار دل میں یہ خیال بھی آتا تھا کہ اگر کوئی دیکھ لے گا، تو کیا کہے گا۔مگر جتنا اپنے آپ کو سنبھالتا، رقت بڑھتی جاتی تھی۔غرض جس وقت برادرم قناعت علی سے میں نے سارا واقعہ بیان کیا۔انہوں نے گھبرا کر اپنی نسبت دریافت کیا کہ میرے لیے بھی اجازت حاصل کی یا نہیں؟ اس کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔جس پر وہ نہایت کبیدہ خاطر ہوئے اور دیر تک ناراضگی کا اظہار کرتے رہے۔ میں اپنے دل میں سخت نادم تھا اور اپنے او پر نفریں کررہا تھا کہ واقع مجھ سے سخت غلطی ہوگئی۔ مجھے لازم تھا کہ جس وقت حضور نے مجھے اجازت دی تھی۔اسی وقت برادرم قناعت علی کے لیے بھی دریافت کر لیتا۔

بالآخر اپنی ندامت مٹانے کے لیے پھر آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا۔نصف شب گزر چکی تھی۔ پھاٹک میں شہزادۂ اصغر حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب مدظلہ العالی بسترِ استراحت پر غنودگی کے عالم میں تھے۔ میرے بے وقت آپہنچنے پر اٹھ بیٹھے اور سبب دریافت فرمایا: میں نے من وعن واقعہ بیان کیا۔فرمایا: اچھا! میں ابھی جا کر اعلیٰ حضرت سے عرض کرتا ہوں اور فوراً اندر مکان میں تشریف لے گئے اور تقریباً نصف گھنٹے کے بعد واپس آئے اور فرمایا: میں نے جس وقت جا کر عرض کیا: تو حضور نے متعجبانہ ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس روپیہ کہاں سے آیا۔اس لیے کہ میں جو کچھ ماہانہ دیتا ہوں، وہ اتنا نہیں کہ پس انداز ہوسکے۔ چونکہ حضرت شہزادہ صاحب ممدوح کو ہماری بابت معلوم تھا۔

لہٰذا انہوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک عرصہ سے انہیں رقوم میں سے بچاتے رہتے ہیں۔ تاکہ اگر کسی جگہ کا حضور سفر کریں، تو ہمیں فکر نہ کرنا پڑے۔ بلکہ ان کے تو یہاں تک ارادے ہیں کہ اگر حضور حرمین طیبین کا قصد فرمائیں، تو جہاں تک ہماری رقوم کفایت کریں گی، حضور کے ساتھ رہیں گے۔اس پر حضور کو رقت طاری ہوئی اور فرمایا کہ دونوں سے کہہ

دو کہ تیاری کریں۔ یہ سنتے ہی میں نہایت تیزی کے ساتھ قناعت علی کو خوش خبری سنانے گیا۔

اگر چہ طبیعت دوڑنے کو چاہتی تھی۔ مگر پچھلی رات کے وقت نامناسب تھا۔ پھر بھی کہیں کہیں دوڑنے لگتا تھا اور اس مرتبہ پہلے سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہوا پہنچا۔ دیکھا کہ برادرم قناعت علی مضطربانہ منتظر تھے۔ میں نے پہنچتے ہی اپنے سینے سے لگایا اور خوش خبری سنائی۔ اب صبح کو ہم دونوں خوش خوش آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے اور جلد جلد اپنے ضروری کا غذات متعلق علم تو قیت درست کرنے لگے کہ اعلیٰ حضرت دو پہر قیلولہ فرمانے سے پہلے باہر تشریف لائے اور اس شان سے کہ دونوں مٹھیاں بند تھیں۔ جن میں سولہ سولہ روپے تھے۔ جو ہم دونوں کو عطا فرما کر واپس تشریف لے گئے۔

اسی روز بعد نماز ظہر مولانا عبد الباقی برہان الحق صاحب نے حضور سے دوسرے روز علی الصباح پنجاب میل سے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا اور بعد منظوری ریلوے اسٹیشن سیکنڈ کلاس کا ڈبہ ریزرو کرانے کے لیے جانے کا قصد کیا۔ اس وقت یہ بھی تذکرہ آیا کہ کتنے ٹکٹ کس کس درجے کے لیے جائیں گے۔ لہٰذا میں نے اور برادرم قناعت علی نے آٹھ آٹھ روپے یعنی ایک طرف کا کرایہ حضور کی موجودگی میں مولانا موصوف کے حوالے کر دیا اور عرض کیا کہ دو ٹکٹ تیسرے درجے کے ہم دونوں کے بھی لے لیجیے۔ مولانا کو قدرے تکلف سا ہوا۔

مگر خاموشی کے ساتھ لے لیے۔ اس وقت حضور کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ ہمارا فعل حضور کے حسب منشاء ہوا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ساتھ جانے والا سامان پھاٹک میں فراہم ہونے لگا۔ مولانا برہان الحق صاحب نے یہ طے کیا کہ صبح چار بجے سب حضرات کو علاوہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے مع سامان اسٹیشن روانہ ہو جانا چاہیے۔

لہٰذا ہم لوگ نماز عشا پڑھ کر اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے اور سامان ضروری لینے کے لیے چلے گئے اور وہاں سے تقریباً ڈیڑھ بجے شب کے پھاٹک میں آ گئے۔ دیکھا کہ حاجی کفایت اللہ صاحب حضور کے کپڑوں کا بکس درست کر رہے ہیں۔ برادرم قناعت علی نے حضور کے جبوں کو دیکھ کر کہا: حاجی جی گھر میں سے مخملی جبہ جو بہت قیمتی ہے۔ وہ بھی منگوا لو۔ انہوں نے ان کے کہنے سے خادمہ کو آواز دی۔ وہ آئی اور اس سے کہا کہ حضرت پیرانی صاحبہ سے کہو کہ وہ جبہ دے

دیجیے۔ انہوں نے بھیج دیا۔ حاجی جی بیچارے نے کہا بھی کہ خلاف موسم ہے۔ کہیں حضور ناراض نہ ہوں۔ مگر سید صاحب نے اس جبہ کو بکس میں سب سے نیچے رکھ ہی دیا۔

اب تھوڑی دیر کے بعد حضور اندر سے تشریف لائے اور حاجی صاحب سے ہر بکس کی بابت فرداً فرداً دریافت فرمانے لگے اور حاجی صاحب بتانے لگے۔ آخر میں اس بکس کو جس میں جبہ مخملی رکھا گیا تھا، دریافت فرمایا: اس میں کیا ہے؟۔ حاجی صاحب نے عرض کیا: حضور کے کپڑے ہیں۔ فرمایا: کھولو۔ انہوں نے کھولا۔ حضور نے خود ایک ایک کپڑا ملاحظہ فرمایا اور جس وقت اس جبہ پر نظر پڑی، عصائے مبارکہ سے اٹھا کر فرمایا: اسے کس لیے رکھا ہے، کیا اس کا موسم ہے۔ یہ لوگوں کو دکھانے کے لیے کہ ہمارے پاس ایسا قیمتی جبہ بھی ہے۔

فرمایئے، اسے رکھنے کا کیا مقصد تھا؟۔ حاجی صاحب کو اس وقت دبی زبان سے کہنا پڑا کہ حضور سید قناعت علی صاحب نے رکھوالیا تھا۔ فرمایا: وہ تو بچے ہیں۔ سمجھتے نہیں۔ تم کیسے تھے کہ ان کے فرمانے سے رکھ لیا اور اسی طرح عصائے مبارکہ پر ڈالے ہوئے اندر لے گئے۔ اب چار بجے سامان وغیرہ کی اسٹیشن روانگی شروع ہوگئی اور سوا پانچ بجے تک سب لوگ مع حاجی صاحب وغیرہ وہاں پہنچ گئے۔

پنجاب میل سے جبل پور کو روانگی

ٹھیک ساڑھے پانچ بجے پنجاب میل آ گیا۔ مگر حضور اس وقت تک تشریف نہیں لائے تھے۔ برہان میاں اور سب لوگ ٹکٹکی لگائے شہر سے آنے والے مسافروں کو دیکھ رہے تھے۔ غرض شدید انتظار کے بعد دور سے ایک یکہ، جس کا جانور بھی خیر سے نہایت سست رفتار تھا، نظر پڑا۔ دیکھا کہ حضور اس میں تنہا تشریف لا رہے ہیں اور جیسے ہی اسٹیشن پر آئے، حاجی صاحب سے فرمایا۔ مصلیٰ بچھایئے۔ میں نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ فوراً ایک گوشہ میں مصلیٰ بچھا دیا گیا اور حضور نے نیت باندھ لی کہ اتنے میں انجن نے سیٹی دی۔ سب لوگ یہ سمجھے کہ بس اب گاڑی چھوٹنے والی ہے۔ برہان میاں نے جلدی کچھ ساتھ جانے والوں کو گاڑی میں بٹھا دیا۔

مگر ہم لوگ حضور کے پاس ہی کھڑے رہے اور یہ دیکھتے رہے کہ حضور کو نماز میں کچھ اضطراب ہوتا ہے یا نہیں۔ لیکن واللہ العظیم ابتداء سے اخیر تک حسب عادت کریمہ اسی اطمینان وخشوع

وخضوع سے نماز ادا فرمائی اور یہی نہیں، بلکہ وہ وظیفہ، جو بغیر پہلو تبدیل کیے بعد نماز فجر پڑھنے کا تھا۔ اسی اطمینان سے ختم کیا۔ برہان میاں نے جو حضور کے فارغ ہونے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ جلدی سے عرض کیا: حضور گاڑی چھوٹنے والی ہے۔ تشریف لے چلیں اور باقی وظیفہ گاڑی میں پڑھ لیں۔ فرمایا: اچھا! چلئے۔ پھر فرمایا: عجیب بیہودہ سواری ہے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

دوران سفر گاڑی میں بیعت کا سلسلہ

عوام جلد جلد دست بوسی اور مصافحہ کرنے لگے اور اسی میں سلسلۂ بیعت شروع ہو گیا اور گروہ کے گروہ مرید ہونے لگے۔ چونکہ فقیر نے رجسٹر مریدین اور شجرہ شریف ساتھ لے لیا تھا کہ یہ خدمت میرے ہی سپرد تھی۔ لہٰذا جو صاحب مرید ہوتے تھے، شجرہ شریف بعد اندراج نام در رجسٹر فقیر دیتا جاتا تھا۔ اس سلسلے کو بھی بہت دیر ہو گئی۔ مگر گاڑی جب بھی نہ چھوٹی۔ یہاں تک کہ آفتاب خوب بلند ہو گیا۔ بعض حضرات نے اسٹیشن ماسٹر سے جا کر سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ لین صاف نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا: برہان میاں کہاں ہے، جو کہہ رہے تھے کہ گاڑی چھوٹنے والی ہے۔ غرض گاڑی بدستور کھڑی ہے اور لوگ جوق در جوق آ رہے ہیں اور مرید ہو رہے ہیں۔

اسی ہجوم میں حضور کے پوتے جیلانی میاں کھڑکی کے پاس آئے اور حضور کی دست بوسی کی۔ انہیں معمولی لباس میں دیکھ کر فرمایا: کیا تم نہیں چلو گے؟۔ انہوں نے عرض کیا: جیسا حضور حکم فرمائیں۔ مگر میں تو یونہی کرتہ پہنے ہوئے چلا آیا ہوں۔ کپڑے مکان پر ہیں۔ فرمایا: کوئی حرج نہیں اور حاجی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ تانگہ میں بیٹھ کر مکان چلے جاؤ اور جیلانی کے کپڑے لے آ۔ یہ کچھ نہ فرمایا کہ جلد آ، یا دیر نہ لگانا، بلکہ نہایت اطمینانی انداز تھا۔ وہ حسب الارشاد روانہ ہو گئے اور تقریباً ایک گھنٹے میں کپڑے لے کر واپس آ گئے۔

اس کے بعد بڑے مولانا صاحب (حضور کے خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب) مصافحہ کر کے دست بوس ہوئے۔ حضور نے ان سے بھی یہی سوال فرمایا: کیا تم نہیں چل رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: مجھ سے کسی نے چلنے کو کہا نہیں۔ ارشاد فرمایا: میں تم سے کہتا ہوں، چلو۔

انہوں نے عرض کیا کہ میں تو حضور کو رخصت کرنے اسی کرتے میں چلا آیا تھا۔ فرمایا: کچھ حرج نہیں۔ وہیں چل کر کپڑے سل جائیں گے، بیٹھ جاؤ۔ برہان میاں نے جلدی سے ٹکٹ سیکنڈ کلاس کا خرید کر دیا۔ اس وقت اسٹیشن ماسٹر سے معلوم ہوا کہ کسی اسٹیشن پر گاڑی کا پہیہ اتر گیا ہے۔ جس کے باعث لین خراب ہوگئی۔ اس کے درست اور صاف کرنے میں اتنی دیر ہوگئی۔ اب عنقریب ٹرین چھوڑنے والا ہوں۔ غرض دس بجے دن کے گاڑی چلی۔

بریلی سے جبل پور کے تمام اسٹیشنوں پر زیارت کرنے والوں کا ہجوم

ایک بات اب تک سمجھ میں نہ آئی کہ بریلی سے جبل پور تک اکثر اسٹیشنوں پر مسلمانوں کی جماعت کو حضور کا منتظر پایا۔ نہ معلوم کس طرح بجلی کی طرح تمام جگہ خبر پھیل گئی تھی کہ حضور فلاں ٹرین سے تشریف لا رہے ہیں۔ لکھنؤ اسٹیشن پر حضرت سلطان الواعظین مولوی حاجی محمد عبد الاحد صاحب قادری رضوی پیلی بھیتی کو دیکھا۔ ان سے حضور نے فرمایا کہ مولانا! آپ تو ابھی یہاں موجود ہیں۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر نیچی نظروں سے عرض کیا کہ حضور کا والا نامہ ملتے ہی میں پیلی بھیت سے حساب لگا کر چلا تھا کہ ایک روز پہلے جبل پور جاؤں گا۔ لیکن لکھنؤ آ کر گاڑی چھوٹ گئی۔ مگر قصداً کہ دل نے یہی کہا کہ حضور کے ساتھ جاؤں گا۔ مگر مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ یہاں بھی اکثر حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔ میرے خیال میں شاذ و نادر ایسے اسٹیشن گزرے ہوں گے کہ کوئی مرید نہ ہوا ہو۔ ورنہ تقریباً ہر اسٹیشن پر عوام حلقہ بگوش ہوا کیے۔ بلکہ بعض اسٹیشنوں پر گاڑی چل دی اور لوگ دوڑ دوڑ کر عرض کرتے جاتے کہ حضور ہم بھی مرید ہونا چاہتے ہیں اور حضور فرماتے جاتے کہ میں نے حضور غوث پاک کی غلامی میں آپ حضرات کو قبول کیا اور فرماتے کہ شجرہ واپسی میں ملے گا یا ڈاک سے منگا لیجیے۔

مختصر یہ کہ تین چار بجے شب کٹنی اسٹیشن آیا جہاں حاجی عبد الرزاق صاحب قادری رضوی نے جنہیں حضور سے خلافت بھی تھی، کثیر جماعت کے ساتھ استقبال کیا۔ نیز اہالیانِ جبل پور سے ایک بہت بڑی جماعت نے یہاں سے خیر مقدم کیا اور دونوں جماعت کے افراد ساتھ ہو لیے اور سپیدۂ سحر نمودار ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک چھوٹے اسٹیشن پر، جس پر ٹرین صرف دو منٹ ٹھہرتی تھی، سب لوگ فریضۂ فجر

ادا کرنے کے لیے پلیٹ فارم پر اتر پڑے۔ بعض کو چلتی گاڑی میں وضو کرنے کا موقع مل گیا تھا اور اکثر نے اسٹیشن پر اتر کر وضو کیا۔ جبل پوری حضرات کوری مارکین کے تھان اس موقع کے لیے اپنے ہمراہ لیتے آئے تھے۔ جو پلیٹ فارم پر طویل رقبہ میں بچھائے گئے۔ ان پر دور تک مسلمانوں نے صف بندی کی۔ حضور نے امامت فرمائی اور بعد سلام طویل دعا کے بعد حسب معمول بغیر پہلو بدلے وظیفہ پڑھا۔ اتنی دیر اور سب حضرات بھی اپنے اپنے اوراد و وظائف پڑھتے رہے۔ بعدہٗ جو لوگ قریب تھے، مصافحے کیے اور دست بوسی کی اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

میرے خیال میں نصف گھنٹے سے زائد ہی ٹرین کھڑی رہی۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر کا برہان میاں نے شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اب گاڑی چھوڑ دیجیے۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہا: مولانا! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ اگر آپ فرمائیں، تو اور روک سکتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا: نہیں، اب ضرورت نہیں۔ آپ کی عنایت سے سب حضرات اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اسٹیشن ماسٹر نے سلام کیا اور سبز جھنڈی کو حرکت ہوئی۔ گارڈ نے بریک کھول دیا اور ڈرائیور نے وقت پورا کرنے کے لیے پوری اسٹیم سے ڈاک گاڑی چھوڑ دی۔ اہالیانِ جبل پور نے، جب حضور وظائف سے فارغ ہوئے، بڑے پیمانے پر چلتی گاڑی میں سب کو ناشتا کھلا دیا۔ دس بجے دن کے ٹرین اسٹیشن جبل پور پہنچی۔

جبل پور پہنچنے پر شاندار استقبال

اہل جبل پور کے ہجوم کا عالم یہ تھا کہ جس طرف نظر پڑتی تھی، آدمی ہی آدمی نظر آ رہے تھے۔ تمام پلیٹ فارم اور پل اور پلیٹ فارم کے پل مقابل لین کے کنارے مسافر خانے، بیرون اسٹیشن کھچا کھچ بھرا تھا۔ گاڑی پہنچتے ہی چاروں طرف سے نعرۂ تکبیر و رسالت سے سارا اسٹیشن گونج گیا۔ پولس کے جوان انسپکٹران وغیرہ اگرچہ کافی تعداد میں موجود تھے۔ وہ ہر چند کوشش کر رہے تھے کہ حلقہ باندھ کر مسافروں کو باہر اسٹیشن کے لے چلیں۔

مگر مجمع کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا، نہ آیا۔ بالآخر عاجز آ کر علاحدہ کھڑے ہو گئے اور حضرت مولانا شاہ عبد السلام صاحب قبلہ اور برہان میاں سے عرض کیا کہ اب آپ ہی اپنے مہمانوں کو سہولت بہم پہنچائیں گے۔ ہمارے قابو سے باہر ہے۔

غرض بڑی مشکل سے سیکنڈ کلاس کے آگے سے ہجوم کو قدرے ہٹایا گیا اور اس قدر کثرت سے گاڑی کے اندر گل ریزی ہوئی کہ تمام درجے میں پھول ہی پھول نظر آرہے تھے۔ اس کے بعد بڑے بڑے ٹوکرے میں گلاب کے پھولوں کے موٹے موٹے گجرے اور پھولوں کے گلدستے بھرے ہوئے آئے۔ جو ہر ایک کے گلے میں بکثرت ڈالے گئے اور دونوں ہاتھوں میں ایک ایک گلدستہ دے کر پلیٹ فارم پر سب کو اتار کر دو بڑے حلقے میں لے کر نعرے لگاتے ہوئے، پھاٹک پر پہنچے۔ تو اسے مقفل پایا۔ جسے خود اسٹیشن ماسٹر نے بایں خیال قصداً بند کر دیا تھا کہ اس حیلے سے مولانا عبدالسلام صاحب کے پیر کو اچھی طرح دیکھ سکوں گا۔ چنانچہ فوراً آ کر قفل کھول دیا۔ باہر اسٹیشن کے دیکھا کہ بکثرت موٹر، فٹنیں اور سیکڑوں تانگے کھڑے ہوئے ہیں۔

اعلیٰ حضرت جبل پور ریلوے اسٹیشن سے پھولوں سے لدی کار پر روانہ ہوئے

ایک بہترین موٹر کار کو پھولوں سے مزین کیا گیا تھا۔ حضور کے لیے لایا گیا۔ جس میں حضور اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اور حضور کے دونوں شاہزادگان سوار ہوئے۔ اس موٹر کے پیچھے دوسرے موٹر میں دیگر لواحقین اور فٹنوں اور تانگوں میں متوسلین ومعتقدین بیٹھے۔ ان کے علاوہ دورویہ سلسلہ عوام کا تھا، جو پیدل ہمراہ تھے۔ یہ جلوس میری نگاہ میں ایک میل سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ تھوڑے تھوڑے فصل سے سڑک پر نہایت ہی شاندار سبزی کے پھاٹک لگائے گئے تھے۔ جن پر سرخ ٹول میں جلی قلم سے سنہری حروف سے بینر لگے ہوئے تھے۔ کسی پر لکھا تھا:

'السلام علیکم یا امام اهل السنة'۔

کسی پر تحریر تھا:

'السلام علیکم یا مجدد مائة حاضره'۔

یورپین اور ان کی میمیں اور بچے اپنے بنگلوں سے باہر آکر کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ جگہ بہ جگہ عوام اور مستورات مکانات کی چھتوں پر، دکاندار اپنی اپنی دکانوں سے نیچے اتر کر پرے کے پرے دست بستہ ٹکٹکی لگائے اس شاندار جلوس کو دیکھ رہے تھے۔ بازار کی خرید وفروخت کا روبار مطلقاً موقوف تھا۔ ہر ایک اس پُر فضا منظر کو مشتاق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اعلیٰ حضرت مولانا عبد السلام کے کاشانۂ اقدس میں پہنچے

الغرض جلوس بڑی آن و بان کے ساتھ خراماں خراماں کئی گھنٹے میں حضرت مولانا سے منونامی نعت خواں نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ پر کیف مناقب اور قصائد پڑھے۔ اخیر میں حضور نے ارشاد فرمایا: کہ حرمین طیبین میں جیسا اس فقیر کو نوازا۔ اس کے بعد اگر نمبر ہے، تو آپ حضرات کا ہے۔ بعدہ جلسہ برخاست ہوا۔ مغرب کی نماز جامع مسجد میں، جو حضرت مولانا کے مکان کے قریب ہے، ادا کی گئی۔

جبل پور کی جامع مسجد کا قبلہ درست کیا

جونہی حضور نے فرش مسجد پر قدم رکھا۔ فرمایا: اس مسجد کی سمت قبلہ صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا صفوف وسترا قائم ہوئیں۔ پانچوں وقت کی نماز با جماعت حضور اسی مسجد میں پڑھا کرتے اور دن میں تحریری کام، جو ان کی غذائے روحی تھا، کرتے رہتے۔ البتہ مابین عصر و مغرب نہ تحریر فرمایا کرتے، نہ کتب بینی کرتے۔ یہ نہ صرف یہاں، بلکہ ہمیشہ کا معمول تھا اور بسا اوقات فرماتے کہ اس وقت پڑھنے کا کام نہیں کرنا چاہیے۔

چونکہ یہ وقت خالی تھا۔ لہٰذا طے پایا کہ بعد نماز عصر حضور کو شہر سے باہر بغرض تفریح دماغ لے جایا کریں گے۔ چنانچہ روزانہ بعد نماز عصر باہر دروازۂ مسجد پر موٹر، ٹمٹمیں، تانگے تیار رہتے تھے۔ نماز مغرب بیرون شہر میدان میں اکثر ہوا کرتی۔ ایک مرتبہ جماعت قائم ہو رہی تھی کہ ہمراہیوں میں سے کسی نے کسی راہگیر کو سامنے سے گزرنے کو منع کیا۔ آپ نے فرمایا: کیوں روکتے ہو، جانے دو۔ کوئی حرج نہیں۔ جنگل یا مسجد کبیر میں سامنے سے گزر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا: مسجد کبیر کے تحت کوئی مسجد نہیں، بجز خوارزم کی کہ، جس کا چوتھا حصہ چالیس ہزار ستون پر ہے۔ ان مساجد میں دیوار قبلہ تک سامنے سے نہیں گزر سکتے۔

قدرتی مناظر کی سیر

ایک روز قرار پایا کہ کچھ قدرتی مناظر دکھانا چاہیے۔ چنانچہ بھیڑا گھاٹ جسے 'دھواں دھار' بھی کہتے ہیں اور جو دس بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ علی الصباح چلنا تجویز کیا۔ لہٰذا ناشتہ کرنے کے بعد ہی موٹر وغیرہ آ گئے۔ ہم سب لوگ حضور کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ابھی وہ مقام تقریباً پانچ میل تھا

کہ ایسی آواز سنائی دی، جیسے بڑے زور سے ریل گاڑی آرہی ہے۔مگر مقامی حضرات سے معلوم ہوا کہ یہ ریل کی آواز نہیں ہے، بلکہ 'دھواں دھار' کی آواز ہے، جو دم بدم مہیب ہوتی جاتی تھی۔

الحاصل قرب دوپہر کے ایک ڈاک بنگلے میں حضور کو مع ہمراہیاں ٹھہرایا گیا اور چونکہ رات ہی میں جملہ سامان رسد وغیرہ مع باورچی یہاں پہنچ گیا تھا۔ لہٰذا تھوڑی دیر میں دستر خوان بچھایا گیا اور پر تکلف طعام چنے گئے۔ بعد فراغت حضور اور سب نے قدرے آرام کیا۔ باہر ڈاک بنگلہ کے ایک صاحب خوشنما کچھ پتھریلی چیزیں فروخت کررہے تھے۔جن میں کچھ پتھر کے ٹکڑے بھی تھے۔جن میں رنگ برنگ کے قدرتی نقش ونگار قابل دید تھے۔ہم لوگوں کو اس کی قدرتی صنعت پر تعجب ہورہا تھا اور خداوند عالم کی شان خالقیت کے جلوے نظر آرہے تھے۔ اتنے میں دھواں دھار چلنے کی رائے قرار پائی۔

حضور کی سہولت اور آرام کی خاطر ایک ڈولی بنا کر اس میں حضور کو بٹھادیا گیا اور دھواں دھار کی طرف لے چلے۔ کچھ دور پہنچنے کے بعد دریائے نربدا بہتا ہوا نظر آیا۔جس کا نصف پاٹ تو ایسا تھا کہ پہاڑ کے پتھر جس پر بہاؤ تھا۔قریب قریب ابھرے ہوئے تھے۔جن پر ہم لوگ پاؤں رکھتے ہوئے حضور کی ڈولی کے ساتھ ساتھ بے تکلف چلے گئے۔اب آگے پتھر نمایاں نہ تھے۔ بلکہ پانی ہی پانی نظر آرہا تھا۔کئی سو فیٹ کے نیچے ایک پہاڑی کے مہیب درہ میں گر رہا تھا۔گرتے وقت مثل دودھ کے پانی سفید ہوجاتا تھا۔درہ میں تپہ کھا کر دھوئیں کی شکل میں اٹھ رہا تھا۔ ناظرین کرام خیال فرما سکتے ہیں کہ ایک پورا دریا ایک دم بلندی سے نیچے گرے،تو کس قدر خوفناک آواز پیدا ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ میلوں دور اس کی آواز پہنچ رہی تھی۔ یہاں سے واپس آکر حضور نے ڈاک بنگلہ میں آرام فرمایا۔ بعدہٗ نماز ظہر ہوئی۔

پہلوان عبدالکریم قادری کے کرتب

اس کے بعد پہلوان عبدالکریم قادری رضوی نے حضور سے عرض کیا: میں کچھ ورزش دکھانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ باہر میدان میں سب حضرات جمع ہوگئے۔حضور بھی ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ پہلوان صاحب موصوف نے وہیں پہاڑ کی گھاٹی سے ایک پتھر تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبا اور تین چار انچ موٹا اٹھا کر اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی سے دوسری ضرب میں بل ڈال دیا اور تیسری

ضرب میں دوٹکڑے کر دیا۔ پھر ایک بہت بڑا پتھر جو چھ سات من سے کم نہ ہوگا، اشارہ کر کے کہا کہ اس پتھر کو میرے پاس لے آؤ۔

لہٰذا کچھ مضبوط آدمی بڑی مشکل سے ڈھکیلتے ہوئے قریب لائے۔ پہلوان چت لیٹ گئے۔ لوگوں نے بکوشش کچھ پتھر اوپر پہنچایا اور کچھ پہلوان صاحب نے کوشش کر کے سینے پر لاد لیا اور حیرت کی بات یہ ہوئی کہ باوجودیکہ وزنی پتھر سینہ پر تھا۔ مگر کلام کرتے جاتے تھے۔

چنانچہ پتھر کو اوپر رکھ لیا۔ تو کہنے لگے۔ اب اس پتھر پر جو آدمی آسکے، کھڑے ہو کر خوب کو دے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا: بھائی عبدالکریم! اس پتھر ہی کا وزن کیا کم ہے، جو اور آدمی کو سوار کرنا چاہتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا: حضور ملاحظہ تو فرمائیں، کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا ایک صاحب پتھر پر کھڑے ہو کر کودنے لگے۔ اس کے بعد پہلو کی طرف سے لوگوں کو ہٹا کر ایک اشارہ میں پتھر کو سینے سے جدا کر دیا۔ سامنے لمبی بیل گاڑی کھڑی تھی۔ جس پر شہر سے سامان آیا تھا۔ بایمائے پہلوان صاحب لوگ اسے کھینچ لائے۔ پہلوان صاحب نے فرمایا: اس میں جتنے حضرات آسکیں، بھر جائیں۔ بقیہ لوگ کھینچیں اور میرے اوپر سے گزار دیں۔ غرض آدمیوں کی بھری ہوئی گاڑی کا ایک پہیہ اپنی رانوں پر سے اور دوسرا شانوں پر سے چت لیٹ کر گزروالیا۔ بعدہٗ حضور نے بطور انعام کچھ رقم عطا فرمائی۔

اورنگ زیب عالمگیر کی ضرب سے شکستہ بت

اس کے بعد زمین قریب میں ایک پہاڑی پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جس پر پہنچنے کے لیے پانچ سو سیڑھی پتھر کی تھی۔ اس مقام کا نام 'چوسنٹھ جگنی' تھا۔ یعنی وہاں وہ بت محفوظ تھا، جنہیں شاہ دین پرور حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے توڑا تھا۔ پہلی سیڑھی کے پاس دو ستون پھاٹک کے قائم تھے۔ ان میں سے ایک پر ایک سائن بورڈ گورنمنٹ کی جانب سے لگا ہوا تھا۔ جس میں بخط اردو، انگریزی یہ ہدایت لکھی تھی کہ:

'کوئی ان بتوں کی مرمت نہ کرے'۔

حضور نے اس نوٹس کو پڑھا اور مسکرا کر فرمایا:

جن کی حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے مرمت کی ہو، ان کی کون مرمت کرسکتا ہے۔

اوپر گھاٹی کے جا کر دیکھا کہ بیچ میں ایک مندر ہے اور چاروں طرف احاطے میں بڑے بڑے بت رکھے ہیں، جو تعداد میں ۸۴ ہیں۔ مگر کوئی سالم نہیں۔ کسی کی پستان کٹی ہوئی۔ کسی کا ناک۔ کسی کا بازو۔ حضور نے اور تمام ہمراہیوں نے بآواز بلند پڑھا:

'اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الٰھا واحدا لا نعبد الا ایاہ'۔

اسی کے نواح میں ایک گھاٹی پر راستہ میں ایک پتھر یا چوٹی سی بشکل بت پڑی تھی، مگر سالم وہ بھی نہ تھی۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ جس وقت حضرت سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بت شکنی فرمائی ہے، تو اس وقت فرشتوں کا ہاتھ تھا۔ ورنہ کوئی بت تو سالم دکھائی دیتا۔ بعد نماز عصر کشتی میں سب لوگ سوار ہوئے اور اس بحری درہ میں، جس کے دو جانب سنگ مرمر کی سر بفلک چٹانیں کھڑی ہیں اور قدرتی عجائب قابل دید تھے۔ کسی جگہ چاند کی شکل بن گئی، ایک جگہ پہاڑ کے بجنسہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سیاہ فام شخص برہنہ سر سفید کرتہ پہنے کنارے پر بیٹھا ہے۔

حضور نے ان پہاڑوں کو دیکھ کر فرمایا کہ ایک صاحب مسجد میں آتے وقت طاق میں جو ڈھیلے رکھے تھے، انہیں شاہد بنالیا کرتے تھے۔ یعنی کلمۂ شہادت پڑھ لیا کرتے تھے۔ بعد انتقال کسی نے ان سے خواب میں پوچھا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟۔ کہنے لگے۔ مجھے حکم دوزخ کا ہوا۔ فرشتے دوزخ کی طرف لے چلے۔ مگر جس دروازے پر پہنچتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک پہاڑ حائل ہے۔ فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: اے ہمارے رب! یہ پہاڑ کیسے ہیں؟۔

ارشاد باری ہوتا ہے: اے میرے فرشتو! یہ پہاڑ ان ڈھیلوں کے ہیں، جنہیں یہ میرا بندہ شاہد بنالیا کرتا تھا۔ اب اسے لے جاؤ میری رحمت سے جنت میں۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ جب ڈھیلے پہاڑ ہوگئے، تو یہ تو پہاڑ ہیں۔ کیوں نہ شاہد بنالیا جائے۔ لہٰذا حضور کے ساتھ سب نے بآواز بلند بار بار کلمہ شہادت: '**اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ**' پڑھنا شروع کردیا۔ جس سے وہ پہاڑ گونج گئے۔

بعدہٗ حضور نے فرمایا: اب سے پہلے تقریباً ۱۲ ر سال ہوئے کہ میں نے اس دورے میں

ایک فقیر صاحب کو ایک جھونپڑی میں دیکھا تھا۔غرض کشتی آگے بڑھی۔ دور سے دیکھا کہ جھونپڑی کے آثار پائے جاتے ہیں۔مگر فقیر صاحب کا پتا نہ تھا اور وہیں دیکھا کہ پانی پر دور تک سیاہ کائی جمی ہوئی تھی۔ ملاحوں نے فوراً کشتی روکی اور گھبرا کر کہا کہ کوئی بیڑی پینے کے لیے دیا سلائی نہ جلائیں کہ شہد کی مکھی پانی پی رہی ہے۔خیریت گزری کہ ابھی کشتی کی رفتار سے پانی کی لہر وہاں تک پہنچنے نہیں پائی ہے اور تیزی کے ساتھ کشتی کا رخ پھیر کر گھاٹ پر آ کر دم لیا اور کہنے لگے کہ یہ حضور کے قدموں کی برکت تھی کہ سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے، ورنہ ایک بھی نہ بچتا اگر وہ خبر دار ہو کر پلٹ جاتی۔سب نے مغرب کی نماز پڑھی اور خدا کا شکر ادا کیا اور شہر کو واپس آ گئے۔

اعلیٰ حضرت نے جبل پور میں ۲۸ر دن قیام فرمایا

جبل پور ۲۸ر یوم حضور کا قیام رہا اور اس عرصے میں قریب قریب روزانہ کبھی ایک وقت کبھی دونوں وقت شہر میں دعوتوں کا سلسلہ جاری رہا اور دعوتوں میں صرف ہم لوگ ہی مدعو نہیں ہوتے، بلکہ مقامی حضرات بھی شریک ہوتے تھے اور اس طرح بڑی جماعت کے کھانے کا اہتمام ہو جاتا تھا۔ یہاں پر دعوت کا یہ دستور تھا کہ بعد فراغ طعام حاضرین کو معطر کر کے ایک ایک گجرا پھولوں کا ضرور ڈالا جاتا تھا۔ چونکہ حضور حضرت مولانا عبد السلام صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے مہمان تھے۔اس لیے ہر میزبان کی دعوت بمنظوری حضرت ممدوح مقرر ہوتی تھی۔ بعض دعوتوں میں ہمراہیان حضور کو بھی حضور کے ساتھ بیش بہا عمامے نذر کیے گئے۔

سیٹھ عبدالکریم رضوی کی شاندار دعوت

مکرمی سیٹھ عبدالکریم صاحب قادری رضوی عرف مکی سیٹھ صاحب نے، جنھوں نے حضور کی تشریف آوری جبل پور میں بہت بڑا حصہ لیا تھا، بڑے پیمانے پر دعوت کا اہتمام کیا۔دعوت کی جگہ خاص طور پر ایک لمبے کمرے کی صورت تھی، جس کے طول میں ہر دو جانب برابر دروازے تھے۔اس دعوت میں اگر چہ معمول سے کہیں زائد اجتماع تھا۔

مگر کمرہ اتنا وسیع تھا کہ بیک وقت سب حضرات کے روبرو دستر خوان بچھ گیا اور ایک ساتھ ہی سب کے ہاتھ یوں دھل گئے کہ ہر در میں آفتابے ہر ایک کے سامنے آ گئے اور یوں ہی بیک وقت کھانا روبرو اتار دیا گیا۔ میں نے جملہ اقسام کا شمار کیا، تو ۲۸ر قسمیں تھیں۔ جب سب

حضرات کھا چکے، آن واحد میں جملہ ظروف اور دستر خوان اٹھ گئے۔ میں نے سیٹھ صاحب سے آہستہ سے کان میں کہا کہ سیٹھ صاحب آپ نے دعوت کی یا بائیسکوپ کا تماشا دکھایا۔ وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

اس کے بعد سیٹھ دادا بھائی سلامی نے زبردست دعوت کی، یعنی پلاؤ روغن بادام پکوایا تھا۔ سید عبدالکریم صاحب قادری رضوی نے دعوت کی اور سب کوٹسری قیمتی عمامے تقسیم کیے۔ خود حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہم الاقدس کے یہاں تو مستقل مہمان ہی تھے۔ پھر بھی مخصوص طور پر ایک دعوت فرمائی اور نہایت خوبصورت سچے پلوؤں کے عمامے تقسیم کیے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا ممدوح نے حق میزبانی پورا پورا ادا فرمایا۔ جس جگہ بالا خانے پر حضور کا قیام تھا، ایک صاحب مولانا کے مریدین خاص سے ہر وقت اس کام پر متعین تھے کہ پان بناتے رہے۔

چنانچہ ہم لوگوں کی ڈبیاں پانوں سے خالی نہیں رہتی تھیں۔ اگر پان دیر کے بنے ہوئے، تو انہیں تبدیل کرتے رہتے تھے۔ نیز حاضر ہونے والے حضرات کی خدمت میں بلا تاخیر پانوں کی تھالی پیش کرتے۔ دوسرے صاحب کی تحویل متفرقات تھی، یعنی سوڈے کی بوتلیں، برف، بیڑی، سگریٹ، دیا سلائی کارڈ، لفافہ، ٹکٹ ڈاک، سادہ لفافہ، کاغذ، پنسل، وغیرہ، ان کا فرض منصبی تھا کہ مہمان سے دن میں تین چار مرتبہ دریافت کرلیا کرتے۔ حجام روزانہ صبح کے وقت خط بنانے کے لیے ہر ایک سے دریافت کر جاتا۔ یوہی کثیف کپڑے دھلنے کے واسطے لے لیے جاتے تھے۔

ماسٹر حیدر قادری کی دعوت چائے

ٹیلر ماسٹر حیدر صاحب قادری رضوی، جن کی مشہور ومعروف دکان صدر بازار کی ایک شاندار کوٹھی میں تھی۔ اس کے متمنی تھے کہ حضور کی دعوت میں بھی کرتا۔ جب جس تاریخ کی دعوت کی درخواست کرتے، وہ تاریخ خالی نہ پاتے۔ مجبوراً مضمحل ہو کر واپس چلے جاتے۔ ایک بار پھر ایسا اتفاق ہوا کہ انہوں نے درخواست کی۔ مگر میر عبدالکریم صاحب کے یہاں کی دعوت کے باعث جو صدر ہی میں تھی، مسترد کردی گئی۔ تو انہوں نے دست بستہ عرض کیا کہ اچھا میرے یہاں اسی روز چائے کی دعوت منظور فرمائی جائے۔ اس پر خود حضور پرنور اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ماسٹر حیدر صاحب آپ کی قلبی تکلیف کو عرصے سے محسوس کر رہا ہوں۔ اچھا کل میں آپ کی چائے کی

دعوت منظور کرتا ہوں۔

یہ الفاظ کریمہ سنتے ہی ماسٹر صاحب نے دست بوسی کی اور خوش خوش اپنے مکان میں چلے گئے اور دوسرے روز منجملہ دیگر سواریوں کے حضور کے واسطے چار گھوڑوں کی بہترین فٹن بعد مغرب لے کر حاضر ہوئے۔ سب لوگ حضور کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جس وقت ماسٹر صاحب کی کوٹھی قریب آئی۔ گیس کی روشنی میں ایک سبزی کا پھاٹک تقریباً دو فرلانگ کے فصل سے لگایا تھا۔ اس کے محاذ پر پہنچتے ہی ایک گولہ بلند آواز کا چھوڑا گیا۔

مگر حضور کو پہلے کہیں اور جانا تھا۔ اس لیے گاڑی سیدھی نکلی ہوئی چلی گئی۔ بقیہ جتنے حضرات تھے، وہ سب پھاٹک پر اتر پڑے۔ ہم لوگوں نے دیکھا کہ گولہ چھوٹتے ہی ایک یورپین افسر اور چند گورے بارکوں میں سے نکل آئے اور مولانا عبد الباقی برہان الحق صاحب سے دریافت کرنے لگے۔ انہوں نے اس سے فرمایا: آل ورلڈ پادری ہیں۔ اس نے نام پوچھا: انہوں نے حضور کا اسم مبارک بتایا: کہنے لگا۔ ہاں! ہم نے یہ نام سنا ہے اور اس قت تک اشتیاق میں کھڑا رہا۔

جب تک حضور تشریف نہ لائے۔ ماسٹر حیدر صاحب نے پھاٹک سے کوٹھی تک سڑک پر ٹول کی روشنی بنائی تھی اور دورویہ ترپال وغیرہ لگا کر کوٹھی کے سامنے شامیانہ وغیرہ سے آراستہ کیا تھا۔ جا بجا بجلی کے قمقمے مختلف رنگ کے آویزاں کیے تھے۔ غرض کوٹھی کے وسطی وسیع کمرے میں نہایت پر تکلف مسند پر حضور جلوہ فرما ہوئے اور بقیہ حضرات قیمتی قالینوں پر جو موزونیت کے ساتھ بچھائے گئے تھے، تشریف فرما ہوئے۔ کوٹھی میں قلعی سبز رنگ کی تھی اور سبز ہی تیز روشنی بجلی کی تھی۔ مختصر یہ کہ سب مہمانوں کے سامنے مختلف اقسام کے بسکٹ کیک وغیرہ چائے کے ساتھ پیش کیے اور آخر میں سگریٹ، پان کی تواضع کی اور ایک ایک بند لفافہ، جس میں ایک ایک نوٹ علی قدر مراتب بطور نذر ہر ایک کا نام لکھ کر پیش کیا۔

جبل پور والوں کی ہر روز عید تھی

غرض ۲۸؍ دن رات جبل پور کے لیے 'ہر روز روزِ عید اور ہر شب شب برأت' کی مثال تھی اور اعلیٰ حضرت کے دم قدم سے دینی و دنیوی برکات کا نزول ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا تھا،

آخرتا بکے۔ اگرچہ جبل پور والوں کے ذوق وشوق کی حالت و دلی تمنا یہ تھی کہ اسی طرح عمر بسر ہو جائے کہ اعلیٰ حضرت کی میز بانی کا شرف ہم لوگوں کو عمر بھر نصیب ہو۔

مگر اعلیٰ حضرت کے ضروری مشاغل دینیہ میں بہت فرق آ گیا تھا۔ تصنیفات وتالیفات کا سلسلہ اگرچہ یہاں بھی جاری تھا۔ مگر جس یکسوئی کے ساتھ بریلی شریف میں یہ خدمت ہوتی تھی۔ یہاں زائرین کے ہجوم، بیعت ہونے والوں کے ذوق وشوق، ملاقات کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے ناممکن تھا۔ اس لیے اعلیٰ حضرت نے بریلی شریف واپسی کا ارادہ ظاہر فرما دیا۔

آج وہ رات ہے، جس کی صبح کو حضور بریلی شریف مراجعت فرمانے والے ہیں۔ برہان میاں بازار سے کچھ کھلونے چینی کے اور کچھ گڑیاں پارچہ گٹہ کی تحفہ بچوں کے لیے لائے۔ کسی نے عرض کیا: حضور! ان کا شمار بتوں میں ہے یا نہیں؟۔ فرمایا کہ انہیں معبود نہیں سمجھتے، بلکہ تھوڑی سی دیر میں توڑ پھوڑ کر فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور فرمایا: گڑیوں میں حرج نہیں، خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک طاق میں گڑیاں رکھی تھیں اور کچھ گھوڑے پردار بنا کر بیچ میں لٹکائے تھے اور بایں خیال کہ کہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ دیکھ لیں، طاق پر پردہ پڑا رہتا۔

ایک روز جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اتفاق یہ ہوا کہ جھونکے سے پردہ اٹھ گیا۔ حضور نے دیکھ کر دریافت فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟۔ ام المؤمنین نے عرض کیا: حضور! یہ گڑیاں ہیں حضور نے گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اور یہ کیا ہیں؟۔ ام المؤمنین نے عرض کیا: حضور یہ گھوڑے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! گھوڑوں کے پر کب ہوتے ہیں؟۔ ام المؤمنین نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں پردار گھوڑے ہوتے تھے۔ حضور مسکرا کر خاموش ہو گئے اور کچھ نہ فرمایا۔

جبل پور سے واپسی

اب صبح نماز فجر کے بعد سے جو کچھ سامان باقی رہ گیا تھا، درست کیا گیا۔ اہالیانِ جبل پور پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ جسے دیکھیے، مغموم و مضمحل آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے دل ایسے بھرے ہوئے کہ بات کرنا دشوار۔ خلاصہ یہ کہ ان مہجوروں کی حالت دیکھ دیکھ کر لوگوں کے دل

بھر آئے۔ مجمع دم بدم بڑھ رہا تھا۔ اسی وقت حضرت عید الاسلام، جناب مولانا شاہ عبد السلام صاحب مدظلہم الاقدس نے مبلغ ایک ہزار روپے سکہ رائج الوقت ایک سفید چینی کے قاب میں نذر کیے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے مولانا: یہی کیا کم تھا، جو آپ نے اس وقت تک صرف کیا۔قبول فرمایا۔

یہاں یہ امر بھی ذہن نشین کرنا چاہیے کہ پہلے حضور پرنور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کی نذر نہیں قبول فرماتے تھے۔ مگر جب ایک حدیث شریف نظر سے گزری کہ اگر کوئی شخص اپنے خوشی سے دے،تو لے لینا چاہیے، ورنہ وہ خود مانگے گا اور نہ ملے گا۔اس روز سے نذر قبول فرمانے لگے۔ یوں ہی حضور کی خدمت میں کوئی شخص اگر بیعت کی درخواست کرتا،تو خود بیعت نہ فرماتے، بلکہ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی یا حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب تاجدار مارہرہ مطہرہ کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔

ایک رات اپنے پیرومرشد سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ العزیز کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ حضور نے فرمایا: کیوں دائرہ کو تنگ کرتے ہو۔ کیوں مرید نہیں کرتے؟ اس وقت سے حضور نے بیعت کرنا شروع فرما دیا۔اس کے بعد حضور نے اپنے وظیفہ کی صندوچی میں سے، جن میں سوائے وظیفہ کی کتاب کے اور کچھ نہیں رہتا تھا، نہ کسی چیز کے رکھنے کی گنجائش تھی۔مگر اسی میں سے خادم وخادمہ ملازمین حضرت مولانا کے لیے نقود اور بہو وغیرہ عزیزیوں کے لیے طلائی زیورات اسی طرح معززین مریدین سیٹھ صاحبوں کی بچیوں، بہوؤں کے لیے سونے کے زیورات بطور تحفہ وتبرک دینا، جود وسخا کے بیان میں گزرا۔

عین روانگی کے وقت ایک ضعیف العمر عبد القدیر نامی برہان پور، ضلع جبل پور کے رہنے والے مسافرانہ گلے میں حمائل شریف ڈالے، بستر بغل میں دبائے حاضر ہوئے اور داخلہ سلسلہ عالیہ ہوکر حلقہ بگوش ہوئے اور ایسے وابستہ ہوئے کہ پھر گھر واپس نہ گئے۔ بلکہ حضور کے ساتھ ساتھ بریلی تشریف لائے۔ ممدوح کے باقی حالات اختتام حالات سفر جبل پور کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ عرض کروں گا۔

الحاصل مولانا کے اعلان سے اسٹیشن کی طرف سب لوگ روانہ ہوئے۔ پلیٹ فارم پر عوام کا

مجمع تھا۔ جس طرح استقبال کے وقت تھا، اسی طرح مشایعت کے لیے بھی موجود تھا۔ ٹرین کے آتے ہی ہم سب لوگ سوار ہو گئے اور ہمارے ساتھ ایک کثیر جماعت بہ معیت حضرت عید الاسلام مولانا شاہ عبدالسلام صاحب قبلہ مدظلہ العالی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ جب ریلوے اسٹیشن کٹنی آیا، تو مولانا ممدوح سے رخصت ہوئے۔ ان کے ساتھ اکثر لوگ اتر پڑے اور کچھ مخلصین اور مولانا عبدالباقی برہان الحق صاحب الٰہ آباد تک ساتھ آئے۔ پھر چھوڑنے کو طبیعت نہیں چاہتی تھی۔ یہاں اسٹیشن پرویٹنگ روم میں تقریباً ایک دن ایک رات قیام رہا۔

مولانا نذیر احمد کی چائے کی دعوت میں افتخار الحق مکی کی آمد

چونکہ مولانا نذیر احمد صاحب دائرۂ شاہ اجمل سے وعدہ فرما لیا تھا۔ اس لیے بذریعہ موٹر وغیرہ وہاں سب لوگوں کا جانا ہوا۔ مولانا ممدوح نے اپنی بیرونی نشست گاہ میں شامیانہ اور باقاعدہ فرش کا انتظام کیا تھا۔ حضور نے ان کی چائے کی دعوت منظور فرمائی تھی۔ تمام صحن اور دالان عوام سے بھرا ہوا تھا۔ حضور مسند پر تشریف فرما تھے۔

اتنے میں ایک شخص کرتہ پہنے، جس کی آستین کسی قدر چڑھی ہوئی، سر پر دو پلوٹوپی، ہاتھ میں ڈنڈا، تیز رفتاری سے آتا ہوا دکھائی دیا اور اس کے پیچھے چار پانچ آدمی اور تھے۔ ان کے بھی ہاتھوں میں لکڑیاں تھیں۔ یہ جماعت فرش کے کنارے آکر کھڑی ہوتی ہے اور اس کا سرغنہ تقدیم سلام کے بعد حضور سے بایں الفاظ مخاطبہ کرتا ہے 'آپ نے مجھے پہچانا۔ میں کون ہوں'۔ حضور نے لاعلمی ظاہر کی۔ کہنے لگا: 'میرا نام ہے افتخار الحق ((قاضی قاسم میاں قادری رضوی ساکن گونڈل جو حضور کے تشریف آوری جبل پور کی خبر سن کر آگئے تھے اور اس جلسہ میں تشریف فرما تھے) اور یہ قاضی قاسم، جو سامنے بیٹھا ہے، یہ پہلے میرا مرید تھا، (دانت پیستے ہوئے) اس نے آپ سے میرے نام کفر کا فتویٰ لے کر اسے چھپوایا اور مجھے تمام کاٹھیاوار بھر میں بدنام کیا ہے'۔

حضور نے فرمایا: میرے یہاں کسی کے نام پر فتویٰ نہیں دیا جاتا، بلکہ قائل کے قول پر حکم شرعی بتایا جاتا ہے۔ کہنے لگا: خیر میں یہی دریافت کرنے آیا ہوں کہ آپ نے میری کیسے تکفیر کر دی۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں۔

یہ سنتے ہی مولانا شفیع احمد صاحب قادری رضوی جبل پوری نے جو 'امین الفتویٰ' تھے اور اس

سفر میں بھی افتا کے کام کے لیے حضور کے ساتھ تھے۔ ایک جست لگائی اور بیچ میں آکر بیٹھ گئے اور افتخار الحق کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اگر چہ میں اس واقعہ سے خالی الذہن ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ سوال کیا تھا اور تکفیر کس قول پر ہوئی ہے۔ مگر میں تمہاری تشفی کے لیے تیار ہوں۔ اگر مجھ سے تشفی نہ ہو، پھر اعلیٰ حضرت سے مخاطبہ کرنا۔ کس قول پر کفر کا فتویٰ ہوا ہے۔ اس پر افتخار الحق نے کہا: (نقل کفر کفر نباشد) میرا دعویٰ یہ تھا کہ میری شان ہے: **لم یلد و لم یولد**۔ اور میں اب بھی کہتا ہوں کہ میری شان ہے: **لم یلد و لم یولد**۔

مولانا شفیع احمد خان صاحب نے فرمایا: تمہارے اس قول کو مجلس میں بیٹھے کچھ لوگوں نے سنا اور کچھ لوگوں نے نہیں سنا۔ ذرا آواز سے کہیے۔ اس پر افتخار الحق نے کھسانے لہجے میں پھر اعادہ کیا۔ مولانا نے فرمایا: ادھر دالان میں بھی اندر تک کچھ آدمی ہیں۔ ذرا بلند آواز سے ایک بار اور بھی اپنا دعویٰ بیان کر دو۔ تا کہ سب لوگ اچھی طرح سن لیں۔ چنانچہ تیسری مرتبہ غصے میں بھر کر خوب زور سے اپنے قول کو ظاہر کیا۔ اس کے بعد مولانا حاضرین جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس قول کو سن لیا۔ مجمع سے متفق طور پر آواز آئی۔ ہاں سن لیا۔ اس کے بعد افتخار الحق سے پوچھا 'آپ مجہول النسب' ہیں، یعنی آپ کا کوئی باپ نہیں۔ افتخار الحق رہتکی نے کہا: ہاں میرا کوئی باپ نہیں۔ اتفاق سے افتخار الحق کے باپ بھی دالان میں سب کے پیچھے کھڑے تھے۔

چنانچہ مقامی حضرات میں سے ایک صاحب ان کا بازو پکڑے ہوئے اندر سے لائے اور افتخار الحق سے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ یہ کون ہیں؟۔ اس پر جواب دیا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں؟۔ یہ سن کر ان کے والد نے اپنی رانیں پیٹتے ہوئے کہا: مولانا کس کے منہ لگے ہو۔ یہ تو پاگل ہو گیا ہے۔ پاگل! غرض تمام حاضرین افتخار الحق کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ اس کے بعد رہتکی نے کہا: افتخار الحق نام ہے روح کا، نہ جسم کا۔ جسم سے اسے کوئی علاقہ نہیں۔ مولانا نے فرمایا: یہ آپ نے عجیب بات کہی۔ اس کا ابھی مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ لائیے میں آپ کے جسم میں چاقو سے ایک چرکا لگائے دیتا ہوں۔ چوں کہ آپ کو جسم سے کوئی علاقہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ یہ سنتے ہی اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور قدرے سکوت کے بعد اپنے آپ کو

سنبھالتے ہوئے جیب سے چاقو نکال کر کھولا اور اپنی کلائی بڑھاتے ہوئے مولانا سے کہا: ہاں! لیجیے، چرکا لگائیے۔

یہ مہیب منظر دیکھ کر مولوی نذیر احمد نے کڑکتی ہوئی آواز سے فرمایا: ٹھہریئے! صاحب ٹھہریئے! اور افتخار الحق سے فرمایا: پہلے آپ اس کا جواب دیں کہ بغیر میری اجازت حاصل کیے ہوئے میرے مکان میں آپ کو آنے کا کیا حق تھا۔ آپ کو مجھ سے اجازت لینا چاہیے تھی۔ میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر تمہیں اعلیٰ حضرت سے کچھ گفتگو کرنا ہے، تو حضور ریلوے اسٹیشن پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہاں جا کر بات چیت کر لینا۔ میرے یہاں سے اسی وقت نکل جاؤ۔ افتخار الحق کو، چونکہ یونہی اپنی جان چھڑانی مشکل ہو رہی تھی۔ لہٰذا یہ کہتے ہوئے کہ بہت اچھا میں جاتا ہوں۔ اسٹیشن ہی پہنچوں گا اور مع ہمراہیاں نکلا اور چلا گیا۔ ہم لوگوں نے شام تک انتظار کیا۔ مگر کون آتا ہے۔ حالانکہ رات کو بھی اسٹیشن پر ہی قیام رہا۔

اعلیٰ حضرت کو حسرت بھری آنکھوں سے الوداع کیا

صبح کو سات آٹھ بجے گاڑی روانہ ہوئی تھی۔ بیعت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ گاڑی چلتے میں بھی دوڑ دوڑ کر لوگ مرید ہو رہے تھے اور اکثر لوگ زار زار روتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ گاڑی کی رفتار تیز ہوگئی اور سب لوگ منتہائے نظر تک پلیٹ فارم پر حسرت بھری نگاہوں سے ٹرین کو دیکھتے رہے۔ مختصر یہ کہ ہم سب بخیر و عافیت ابتدائی شب میں بریلی شریف واپس آگئے اور ہمارے ساتھ عبد القدیر برہانپوری بھی آئے اور آستانہ عالیہ پر مقیم ہوئے۔ برادرم قناعت علی انہیں پھاٹک میں ٹھہرا کر اپنے مکان پر چلے گئے اور صبح کو حسب دستور قدیم حاضر آستانہ ہو کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

عبد القدیر صاحب بریلی میں

تھوڑی دیر میں عبد القدیر صاحب کے لیے اندر سے ناشتہ آیا۔ پھر دوپہر کو کھانا آیا۔ کھانے سے فراغت پا کر مجھ سے موصوف نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی دریا بھی ہے؟۔ میں نے پوچھا: کیا کیجیے گا؟۔ فرمایا: میرے کپڑے کچھ کثیف ہو گئے ہیں۔ میں نہاؤں گا۔ میں نے عرض کیا: مسجد کے غسل خانے میں نہا لیجیے۔ فرمایا: میں دریا پر نہانے کا عادی ہوں۔ وہیں کھل کر آزادی کے ساتھ غسل بھی کر لوں گا اور کپڑے بھی صاف کر لوں گا۔ آپ مجھے راستہ بتا دیجیے۔

لہٰذا گلے میں حمائل شریف ڈالی اور اپنی ڈوری اور لوٹا لے کر چلے گئے۔ بعد نماز ظہر حضور نے دریافت فرمایا: میں نے واقعہ عرض کر دیا۔ پھر عصر، مغرب، عشا کی نمازیں ہوئیں اور ہر نماز پر حضور نے دریافت فرمایا: میں نے یہی عرض کیا کہ ابھی تشریف نہیں لائے ہیں۔ غرض پوری شب گزر گئی۔ دوسرے روز صبح کو نو دس بجے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: ارے صاحب! آپ کہاں چلے گئے تھے؟۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کئی بار دریافت فرما چکے ہیں۔ فرمایا: مجھے دریا پر نہانے دھونے میں شام ہوگئی تھی۔ اسی وجہ سے نہ آسکا۔ میں نے پوچھا: شب کہاں رہے؟۔ فرمایا: وہیں ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ اسی میں ٹھہر گیا تھا۔ وہیں سے اب آ رہا ہوں۔

[حیات اعلیٰ حضرت طبع لاہور ۲۰۰۳ء، ص: ۳۳۰ تا ۳۵۰]

☆......☆......☆



عروس البلاد: بمبئی

☆......بمبئی کبھی ایک جزیرہ نما ٹاپو تھا۔ جہاں جہاں جگہ تھی، ماہی گیروں اور مچھیروں کے جھوپڑے تھے۔ اصل آبادی چیمبور، تھانہ، کلیان، نالاسو پارہ تھی۔ بعد میں یہی جزائر نما بمبئی دنیا کے مشہور ترین شہروں میں شمار ہونے لگا۔ ہندوستان کی معاشی راجدھانی اور صوبہ مہاراشٹرا کا دار الخلافہ بنا۔ بمبئی بارونق، پرکشش، تجارتی، صنعتی، روزگاری اور غریب پرور شہر ہے۔ یہاں روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی، نیکیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ یہ تو واردین وصادرین پر موقوف ہے کہ کون سی راہ اختیار کرتے ہیں۔ پہلے شہر سورت، بابِ کعبہ کہلاتا تھا کہ وہاں بندر گاہ ہونے کی وجہ سے ہندوستانی حجاجِ کرام وہیں سے اس مبارک سفر کی شروعات کرتے تھے۔ بعد میں بمبئی کے ساحل پر یہ سہولت مہیا کی گئی۔ تب سے بمبئی بابِ کعبہ بنا اور حجاجِ کرام یہاں سے روانہ ہونے لگے۔

☆......اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پہلا حج ۱۲۹۶ھ میں ادا کیا تھا۔ والدِ ماجد خاتم المحققین حضرت شاہ نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی معیتِ مبارکہ میسر تھی۔ گمانِ غالب ہے، یہ سفر براہِ بمبئی ہوا ہوگا۔ جس کی تفصیل تک میری رسائی نہ ہو سکی۔ کچھ ضمنی واقعات ملتے بھی ہیں، تو انہیں سفرِ حج کے ضمن میں درج کیا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت کی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی۔ پندرہ برس کے ہوتے ہوتے آپ کی علمی شہرت اطرافِ ہند میں پھیل چکی تھی۔ بمبئی سے بھی ان کے پاس استفتے اور سوالات آنے لگے تھے اور علما وعوامِ بمبئی سے رابطے استوار ہو چکے تھے۔ دن گذرتے گئے۔ یہ رابطے مضبوط و مستحکم ہوتے گئے۔ فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں کے مطالعے سے ان رابطوں کا سراغ ملتا ہے۔ علما کے علاوہ، خواص، تاجرین وعمائدین اور دیندار رئیسانِ شہر سائلین و مستفتیین میں نظر آتے ہیں۔

☆......۱۳۱۰ھ میں مدرسہ فیض عام کان پور کے سالانہ اجلاس میں علما کی ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں معاشرہ میں پھیلی برائیوں، خصوصاً اصلاحِ نصابِ تعلیم پر گفتگو ہوئی۔ علمائے کرام کی متفقہ رائے سے پہلے پہل اس تنظیم کا نام 'ندیۃ العلماء' رکھا گیا۔ جو بعد میں 'ندوۃ العلماء' سے مشہور ہوا۔ کان پور والی میٹنگ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز بھی شریک تھے اور اصلاحِ نصاب پر اپنا گراں قدر مقالہ بھی پیش کیا تھا۔ ۱۳۱۲ھ میں یہ اجلاس لکھنؤ، ۱۳۱۳ھ میں بریلی اور ۱۳۱۴ھ میں ندوہ کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ کان پور کی میٹنگ میں ہی کچھ ایسی باتیں سامنے آئیں، جن کی اصلاح وخلاصہ محتاط ومتدین علما ومشائخ چاہتے تھے۔ لکھنؤ کے اجلاس میں وہ قابلِ اصلاح باتیں اور زیادہ روشن ہو کر اجاگر ہوئیں۔ تو اصلاحی کوششیں بھی تیز ہو گئیں۔ اس اصلاحی فکر کے سرگروہ یوں تو تمام محتاط علما تھے، مگر نمائندگی وپیشوائی تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی بدایونی، حافظِ بخاری حضرت سید شاہ محمد عبد الصمد مودودی چشتی سہسوانی ثم پھپھوندوی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی تھے۔ بریلی کے اجلاسِ ندوہ میں وہ قابلِ اصلاح باتیں اور شوخ رنگ میں سامنے آئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اقطارِ ہند کے علماء، مشائخ، عمائدین اور دانشورانِ قوم وملت جلسۂ ندوہ سے کھنچے کھنچے رہنے لگے اور اصلاح ومفاہمت کی رفتار بڑھ گئی۔ اب جو بمبئی کی باری آئی، یہ ۱۳۱۴ھ کا سال تھا۔ اس کی روداد سنیے۔

☆......مدرسۂ محمدیہ بمبئی کے صدر مدرس حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی لکھتے ہیں:

'ندوہ والوں نے بمبئی میں بھی اس بدمذہبی کا جال پھیلانا چاہا۔ مگر بحمد اللہ ناکام رہے۔ چنانچہ اس کا قدرے نمونہ ایک اخبار روانہ کرتا ہوں، جس کے ص:۷ر میں ذکر ہے'۔ [مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا' طبع بریلی، ۱۳۱۴ھ ص:۸۲]

☆......یہی حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی آگے تحریر کرتے ہیں:

'شبلی نعمانی کو ندویوں نے جلسہ تائیدی ندوہ کے لئے بلایا تھا۔ اخبار 'سفیر' میں اطلاع کی تھی کہ شبلی اور مہدی صاحبان ندوہ کے مقاصد پر لکچر دیں گے۔ مگر قبل اس کے دونوں لکھنؤ [سے] بمبئی تشریف لاتے اور جمعہ کی نماز کے بعد وعظ میں خوب ندوہ کے پڑخچے اڑائے اور شبلی وعبد الحق صاحبان ارکینِ ندوہ کی بھی خوب خبر لی، شبلی صاحب بمبئی سے چلے گئے اور ارکین کے

حوصلے پست ہو گئے‘۔[مکتوباتِ علما و کلامِ اہلِ صفا‘ طبع بریلی، ۱۳۱۴ھ ص: ۸۳]

☆...... ۱۳۱۴ھ میں ہی ’فتاوی السنة لالجام الفتنة‘ کے نام سے ایک کتاب چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب کے مصنف حضرت علامہ شاہ محمد عبد الرزاق مکی حیدر آبادی تھے۔ اس کتاب میں ندوہ کے متعلق چھ سوالات اور ان کے جوابات ہیں۔ کتابِ مذکور کا منشا ہے کہ اہلِ ندوہ سے بچا جائے۔ حیدر آباد کے علاوہ بمبئی اور دیگر بلادِ ہند علما، فقہا، مشائخ اور ماہرینِ دین و دانش کی تائید و حمایت اس کتاب کو حاصل ہے۔

آج سے ایک سو اکیس سال پہلے جن علما، مشائخ، خطبا اور ائمہ نے اس کتاب کی تائید و حمایت اور دستخط و مہر ثبت کر کے ندوہ سے اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار و اعلان کیا ہے، یہاں ان کے چند اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں۔ اصل کتاب میں تفصیل دیکھئے یا میری کتاب ’مطالۂ ندویت‘ کا مطالعہ کیجئے۔ وہ اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

☆......حضرت علامہ محمد عبید اللہ، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد بمبئی۔

☆......حضرت علامہ قاضی محمد اسماعیل مہری استاذ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد بمبئی۔

☆......حضرت علامہ قاضی محمد صالح بن قاضی شریف عبد اللطیف جامع مسجد بمبئی۔

☆......خلیفۂ بغداد حضرت علامہ عبد اللہ بن محمد الحموی از سرکارِ بغداد وارد حال بمبئی۔

☆......حضرت علامہ قاضی شیخ محمد مرگھی، قاضیٔ شہر دوم، بمبئی۔

☆......حضرت علامہ قاضی محمد اسماعیل چلائی شافعی خادمِ شرع، بمبئی۔

☆......حضرت علامہ شاہ محمد امین اللہ عرف شاہ جہان حسینی رفاعی، بمبئی۔

☆......حضرت علامہ مولانا محمد اسحاق صاحب واعظِ شہر بمبئی۔

☆......حضرت علامہ سید شاہ غلام حسین جونا گڑھی، وارد حال بمبئی۔

☆......حضرت علامہ محمد عبد الغفور صاحب واعظ و مدرسِ شہر بمبئی۔

☆......حضرت علامہ حسن بن نور محمد صاحب۔

☆......حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین ہزاروی واعظ و مدرس شہر بمبئی۔

☆......حضرت علامہ محمد طاہر صاحب۔

☆......دو تین کو چھوڑ کر یہ سارے مقامی علماوخطباوائمہ تھے۔ جو ندوہ کی شناعتوں، سفاہتوں اور دینی قباحتوں کا کھلے عام اعلان کر رہے تھے اور اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ عمائدین، تاجرین اور دانشورانِ شہر بھی اس تحریکِ اصلاح کے پر جوش کارکن اور سرگرم حصہ تھے۔ کچھ نام یہ ہیں:

☆ حضرت علامہ محمد اسماعیل نقشبندی شاذلی ☆ گورے بابو ☆ حاجی محمد قاسم ☆ حاجی عیسیٰ خان محمد ☆ حاجی نور محمد عثمان ☆ حاجی محمد قاسم ☆ حاجی محمد اسحاق آدم ☆ حاجی ابو ☆ حاجی حبیب ☆ حاجی محمد ابراہیم وغیرہم۔

☆......شہر بمبئی کے استفتا کرنے والوں اور سوال کرنے والوں میں علما و مشائخ، تجار و دانشور اور عوام الناس بھی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں ایسے اسما کثرت سے موجود ہیں۔ ہم چند اہم علما و مشائخ کے اسمائے گرامی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت علامہ سید شاہ حامد حسین صاحب خطیب و امام قصائی محلہ مسجد بمبئی، حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی صاحب خطیب و واعظ و مفتی و مدرس مدرسہ محمودیہ بمبئی، حضرت علامہ عبد الواحد خان صاحب خطیب و واعظ شہر بمبئی، حضرت مولانا محمد جہانگیر صاحب خطیب و امام جامع مسجد باندرہ بمبئی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

☆...... ۱۳۱۳ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رسالہ 'منیر العین' تصنیف فرمایا۔ اس کے خاتمہ میں رقم فرماتے ہیں:

'یہ چند جملے لوحِ دل پر نقش کر لینے کے ہیں کہ بعونہ تعالیٰ اس تحریرِ نفیس کے ساتھ شاید اور جگہ نہ ملیں۔ **وباللہ التوفیق و لہ الحمد، الحمد للہ القادر القوی علم ما علم و صلی اللہ تعالیٰ علی ناصر الضعیف و آلہ و سلم۔**

قبولِ ضعیف فی فضائلِ الاعمال کا مسئلۂ جلیلہ ابتداً مسودۂ فقیر میں صرف دو افادہ مختصر ہیں۔ بارگاہِ مفیضِ علوم و نعم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بحمد اللہ تعالیٰ نفائسِ جلیلہ کا اضافہ ہوا۔ افادہ شازدہم [۱۶] سے یہاں تک آٹھ افاداتِ نافعہ اسی مسئلہ کی تحقیق میں القا ہوئے۔ قلم روکتے روکتے اتنے اوراق املا ہوئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس مسئلہ کی ایسی تسجیلِ جلیل و تفصیلِ جزیل

اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملے۔ مناسب ہے کہ یہ افادے اس مسئلۂ خاص میں جدا رسالہ قرار دیئے جائیں اور بلحاظِ تاریخ 'الہادی الکاف فی حکم الضعاف' لقب پائیں'۔

[فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی، ۲/ ۴۸۱]

☆......۱۳۱۶ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رسالہ 'الوفاق المتین' تصنیف فرمایا۔ اس رسالہ کے خاتمہ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

'اس فقیر حقیر اور مولانا مولوی عمر الدین صاحب کو کہ اس نفیسۂ جلیلہ کے محرکِ تالیف اور الدال کفاعله کے مصداق منیف ہوئے اور عالی ہمتانِ زمن محبانِ دین وسنن حاجی اسحاق آدم صاحب صباغ پلندری وحاجی ابو، حاجی حبیب صاحب میمن ایمن حفظہما اللہ تعالیٰ عن الفتن والمحن کو، جن کی ہمتِ بلند سے اصل کتاب اور جامعِ فضائل قامعِ رزائل مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب قادری نقشبندی شاذلی سلمہ العلی والولی کو، جن کی سعی جمیل سے یہ اجزاء تذئیلِ جلیل منطبع اور اہلِ سنت ان جواہرِ دینیہ سے منتفع ہوئے۔ دعائے عفو وعافیت وخیر وبرکاتِ دنیا وآخرت سے یاد فرمائیں'۔ [فتاویٰ رضویہ، طبع بمبئی ۴/ ۳۷۶]

☆......اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

'۱۳۱۷ھ میں 'فتاویٰ الحرمین لرجف ندوۃ المین' بمبئی ہی سے شائع ہو کر عام ہوئی تھی۔ یہ کتاب ندوہ کی اعتقادی بے راہ روی پر ہے۔ جس میں علما و مشائخِ حرمین کی تقریظیں ہیں'۔ [الملفوظ، طبع بریلی، ۲/ ۹]

☆...... ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ دوسرے حج وزیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ تو یہ سفر مبارک بمبئی ہی سے ہوا۔ جب بریلی سے بمبئی پہنچے، تو کیا کیا ہوا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ہی کی زبان سے سنیئے۔ واضح رہے کہ یہ سفر مبارک اعلیٰ حضرت کا بالکل اچانک حکمتِ الٰہیہ کے مطابق ہوا تھا۔ لیجئے، اعلیٰ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

'پہلی بار کی حاضری حضراتِ والدین ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے ہمراہِ رکاب تھی۔ اس وقت مجھے تئیسواں [۲۳] سال تھا۔ واپسی تین دن طوفانِ شدید رہا تھا۔ اس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرتِ والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین

کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ:

’آپ اطمیناں رکھیں۔خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا‘۔

یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے۔میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی۔لہٰذا حدیث کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا۔پھر بھی قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی:مَنۡ یَتَالّ عَلیَ اللّٰہِ یُکَذِّبُہ،حضرت عزت کی طرف رجوع کی اور سرکارِ رسالت سے مدد مانگی۔

الحمدللہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدت چل رہی تھی،دو گھڑی میں بالکل موقوف ہو گئی اور جہاز نے نجات پائی۔ماں کی محبت،وہ تین شبانہ روز کی سخت تکلیف یاد تھی،مکان میں قدم رکھتے ہی پہلا لفظ مجھ سے یہ فرمایا کہ:حج فرض اللہ تعالیٰ نے ادا فرمادیا۔اب میری زندگی بھر دوبارہ ارادہ نہ کرنا۔ان کا یہ فرمانا مجھے یاد تھا اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حجِ نفل جائز نہیں۔یوں خود ادا کرنے سے مجبور تھا۔

یہاں سے ننھے میاں [برادرِ خورد] اور حامد رضا خان [خلفِ اکبر] مع متعلقین بارادۂ حج روانہ ہوئے۔لکھنؤ تک ان لوگوں کو پہنچا کر واپس آ گیا۔لیکن طبیعت میں ایک قسم کا انتشار رہا۔ایک ہفتہ یہاں رہا۔طبیعت سخت پریشان رہی۔ایک روز عصر کے وقت زیادہ اضطراب ہوا اور دل وہاں کی حاضری کیلئے زیادہ بے چین ہوا۔بعد مغرب مولوی نذیر احمد صاحب کو اسٹیشن بھیجا کہ جا کر بمبئی تک سکنڈ کلاس رزرو کروالیں کہ نمازوں کا آرام رہے۔

انہوں نے اسٹیشن ماسٹر سے گاڑی مانگی۔اس نے پوچھا۔کس ٹرین سے ارادہ ہے۔انہوں نے کہا۔اسی شب کے دس بجے والی سے۔وہ بولا،یہ گاڑی نہیں مل سکتی۔اگر آپ کو اس سے جانا تھا،تو چوبیس گھنٹے پیشتر اطلاع دیتے۔بے چارے مایوس ہو کر لوٹنا چاہتے تھے کہ ایک [ٹکٹ کلکٹر] جو قریب رہتا تھا،مل گیا۔اس نے کہا۔تم گھبراؤ مت۔میں چلتا ہوں اور اسٹیشن ماسٹر سے جا کر کہا کہ یہ تو مجھ سے کل کہہ گئے تھے،میں آپ سے کہنا بھول گیا۔اس نے ایک سو تریسٹھ روپے پانچ آنے لے کر سکنڈ کلاس کا کمرہ رزرو کر دیا۔

عشا کی نماز سے اولِ وقت فارغ ہولیا۔شکرم بھی آ گئی۔صرف والدہ ماجدہ سے اجازت لینا

باقی رہ گئی۔ جونہایت اہم مسئلہ تھا اور گویا اس کا یقین تھا کہ وہ اجازت نہ دیں گی۔ کس طرح عرض کروں اور بغیر اجازتِ والدہ حج نفل کو جانا حرام۔ آخر کا اندر مکان میں گیا۔ دیکھا کہ والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور فرمایا: کیا ہے؟۔ میں نے عرض کیا: حضور! مجھے حج کی اجازت دے دیجئے۔ پہلا لفظ، جو فرمایا: یہ تھا کہ 'خدا حافظ'۔ یہ انہیں دعاؤں کا اثر تھا۔ میں الٹے پیروں باہر آیا اور فوراً سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا۔ بعد واپسی کے معلوم ہوا کہ میں اسٹیشن تک بھی نہ پہنچا ہوں گا۔ انہوں نے فرمایا: میں اجازت نہیں دیتی۔ اسے بلا لو۔ مگر میں جا چکا تھا۔ کون بلاتا۔ چلتے وقت جس لگن میں مَیں نے وضو کیا تھا، اس کا پانی میری واپسی تک نہ پھینکنے دیا کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔

بریلی کے اسٹیشن سے میں نے ایک تار اپنی روانگی کا بمبئی روانہ کیا۔ وہاں سب نے یہ خیال کیا کہ شاید حسن میاں [اعلیٰ حضرت مدظلہ کے منجھلے بھائی] تشریف لا رہے ہیں۔ اس واسطے کہ ان کا سالِ آئندہ میں ارادہ تھا۔ میرا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ غرض دن کے دن تک سب کو تذبذب رہا۔ اِدھر مجھے راستے میں ایک دن کی دیر ہو گئی کہ آگرہ پر میل نکل گیا اور ہماری گاڑی نے پسنجر کا انتظار کیا۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے اسٹیشن ماسٹر سے پوچھا کہ ہماری گاڑی کاٹ کر کیوں جدا کر لی۔ کہا، میل رزرو نہ تھا۔ آپ کو پسنجر میں جانا ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ دن آ گیا۔ جس روز حجاج بمبئی کے قرنطینہ میں داخل ہونے والے تھے اور میں اس وقت تک نہ پہنچ سکا۔ اب سخت مشکل کا سامنا تھا کہ ہمارے لوگ قرنطینہ میں داخل ہو جائیں گے اور میں رہ گیا۔ اب جانا کیوں کر ہوگا۔ یہ دن پنج شنبہ کا ہے۔ تار آ چکا تھا کہ پنج شنبہ کو بھپارا ہو کر لوگ قرنطینہ میں داخل ہو جائیں۔

گاڑی کٹ جانے نے یہ تاخیر کی کہ میں جمعہ کے دن صبح آٹھ بجے پہنچا۔ اسٹیشن پر دیکھا۔ بمبئی کے احباب کا ہجوم ہے۔ حاجی قاسم وغیرہ گاڑیاں لئے موجود ہیں۔ سلام و مصافحہ کے بعد پہلا لفظ، جو انہوں نے کہا، یہ تھا کہ شہر کو نہ چلئے۔ سیدھے قرنطینہ چلئے۔ ابھی آپ کے لوگ داخل نہیں ہوئے ہیں۔ میں شکرِ الٰہی بجا لایا اور اپنے لوگوں کے ساتھ داخلِ قرنطینہ ہوا۔ یہ حدیث کی انہیں دعاؤں کی برکت تھی کہ گئی ہوئی مراد عطا فرمائی۔ میں نے واقعہ پوچھا۔ وہاں کے لوگوں نے کہا۔ عجب ہے اور سخت عجب، ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ پنج شنبہ کو روزِ موعود پر ڈاکٹر آیا اور آدھے

لوگوں کو بھپارا دیا کہ دفعتہً اسے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی اور کہا کہ باقی کا بھپارا کل ہوگا۔ یوں تمہارے لوگ باقی رہ گئے۔

اب ایک اور دقت پیش آئی کہ اس جہاز کا ٹکٹ بالکل تقسیم ہو چکا تھا۔ جس میں ہمارے لوگ جانے والے تھے۔ بمجبوری دوسرے جہاز کا ٹکٹ خریدا اور وہ بھی تیسرے درجے کا ملا۔ جس کی حکمت آگے ظاہر ہوگی اور حدیث کی دعائیں پڑھیں کہ سرکار مجھے اپنوں کا ساتھ عطا فرمائیں۔ ان سے چھوٹ کر میں تنہا کیوں کر حاضر ہوؤں گا۔ تلاش کی گئی کہ اس جہاز میں کوئی صاحب ایسے ہیں، جو اکیلے جانے والے ہوں۔ جنہیں یہ اور وہ دونوں جہاز برابر ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ کی رحمت کہ ایک بڑے میاں ہمارے ہی ضلع بریلی مقام بہیڑی کے ساکن مل گئے۔ جنھوں نے بخوشی ٹکٹ بدل لیا۔ وہ اس جہاز میں گئے اور میں بفضلہٖ تعالیٰ اپنے ساتھیوں کے جہاز میں رہا۔

سرکار نے پہلا ٹکٹ تیسرے درجے کا اسی لئے دلوایا تھا کہ وہ بڑے میاں ملنے والے تھے۔ جن کا ٹکٹ تیسرے ہی درجے کا تھا۔ ان سے تبدیل میں مالی نقصان نہ ہو۔ بعد قرنطینہ اس جہاز پر سوار ہو کر سوا سو روپے داخل کر کے اول درجے کا ٹکٹ تبدیل کرا لیا۔ جب عدن کے قرب جہاز پہنچا، میں نمازِ عصر پڑھا رہا تھا۔ نماز میں ایک عربی صاحب کی آواز میرے کان میں پہنچی کہ سمتِ قبلہ یہ نہیں ہے۔ میں نے کچھ خیال نہ کیا۔ اس لئے کہ میں مؤامرہ ہندسیہ سے عدن اور کامران کی سمتِ قبلہ نکال چکا تھا۔ وہ اتنی دیر کہ میں نے نماز پڑھی، وظیفہ پڑھا۔ بیٹھے رہے۔ جب میں فارغ ہوا، تو ان سے پوچھا۔ اس وقت بتایئے، سمتِ قبلہ کس طرف ہے اور پانچ منٹ پہلے کس طرف تھی اور حساب لگا کر سمجھایا کہ اس وقت سمتِ قبلہ ہی پر نماز ہوئی۔ جس کو انہوں نے بھی تسلیم کرلیا'۔ [الملفوظ، طبع بریلی، ص: ۲/ ۲ تا ۵]

☆ ......اعلیٰ حضرت قدس سرہ سفر حرمین طیبین سے جدہ، کراچی ہوتے ہوئے بمبئی واپس تشریف لائے۔ تو اب فرماتے ہیں:

☆ ......' بمبئی کے احباب وہاں لے جانے پر مصر ہوئے۔ وہاں جانا پڑا۔ مولوی حکیم عبدالرحیم وغیرہ احبابِ احمد آباد خبر ہوئی، آدمی بھیجے۔ باصرار احمد آباد لے گئے۔ زنانہ سواریوں کو بمبئی سے محمد رضا خان اور حامد رضا خان کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ میں کراچی میں اترنے کے ایک مہینہ

بعد مکان پر پہنچا۔ وہاں [مکۂ مکرمہ] وہابیوں خذلھم اللہ تعالیٰ کو بفضلہٖ تعالیٰ جب شدید ذلتیں اور ناکامیاں ہوئیں، المرجوفون فی المدینہ کی وراثت سے یہاں یہ اڑا رکھی کہ معاذ اللہ فلاں قید ہو گیا ہے۔ بمبئی آکر یہ خبر سنی۔

'احباب نے ایک مجلس منعقد کی اور چاہا کہ ان لوگوں کی نسبت کچھ کہہ دیا جائے۔ واحدِ قہار نے ان کا کذب [جھوٹ] خود ہی سب روشن کر دیا تھا۔ مجھے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں! اتنا ہوا کہ آیۂ کریمہ:

'انا فتحنا لک فتحا مبینا'

کا بیان کیا اور اس میں فتحِ مکہ معظّمہ اور اس سے پہلے صلح حدیبیہ کی حدیث ذکر کی۔ اس میں کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرما کر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکۂ معظّمہ بھیجا تھا۔ یہاں انہیں دیر لگی۔ کافروں نے اڑا دیا کہ وہ مکہ میں قید کر لئے گئے ہیں۔

میرے آنے سے پہلے ہی لوگوں نے مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [مہاجر مکی] کو استفسارِ واقعات کے خطوط لکھے۔ جن کے جواب انہوں نے وہ دیئے کہ سنیوں کا دل باغ باغ ہو گیا اور وہابیوں کا کلیجہ داغ داغ۔ والحمد للہ رب العالمین۔ ان میں سے بعض جوابات میرے دیکھنے میں بھی آئے۔ جن میں فرمایا کہ یہ خبیث کذابوں کا کذب خبیث ہے۔ اس [اعلیٰ حضرت] کو تو مکہ معظّمہ میں وہ اعزاز ملا، جو کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ وہابیہ کی تو کیا شکایت کہ وہ پورے اعداء ہیں اور کیوں نہ میرے دشمن ہوں کہ میرے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ہیں'۔

[الف: الملفوظ طبع بریلی، ۲/ ۴۲، ب: حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور، ۲۰۰۳ء ص: ۴۰۳، ۴۰۴]

☆......اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حضرت علامہ شاہ محمد عبد الحق مہاجرِ مکی صاحبِ تفسیر 'اکلیل' کے نام، جن خطوط و جوابات کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں کا ایک نہایت تاریخی اہم خط راقم غلام جابر شمس یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ یہ خط حضرت مہاجر مکی نے مکۂ مکرمہ سے لکھا ہے، جو پیلی بھیت کے حضرت علامہ سید شاہ محمد عمر سہروردی کے نام آیا تھا اور افادۂ عام کی

خاطر'دبدبۂ سکندری' رام پور میں شائع ہوا تھا۔ پہلے مدیر دبدبہ سکندری کا نوٹ پڑھئے۔

☆......ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری' کے مدیر لکھتے ہیں:

'مکرمی سید محمد عمر سہروردی پیلی بھیت سے لکھتے ہیں کہ:

'مجھ سے اور ایک دیوبندی صاحب سے دینی بحث ہو رہی تھی۔ جب میں اعلیٰ حضرت مجددِ مأۃِ حاضرہ مولانا مولوی مفتی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی مدظلہم الاقدس کے رسائل اور کتب دینیہ کی جانب رجوع لاتا، تو وہ صاحب نہ مانتے۔ آخر میں مولانا مولوی محمد عبدالحق صاحب مہاجر پر فیصلہ رکھا گیا۔ مولانا [عبدالحق] صاحب نے جواب میں ایک عنایت نامہ ارسال فرمایا ہے، جو نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ جب وہ اعزاز نامہ آیا ہے، وہ دیوبندی صاحب پشیماں و نادم تو ہو گئے، مگر اپنی ہٹ دھرمی، جس کے لئے ان کے ہم مذہب اکابر بہت زیادہ شہرت رکھتے ہیں، بدستور ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی الصراط المستقیم'۔

☆......حضرتِ شاہ محمد عبدالحق مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سرفراز نامہ، رقم فرماتے ہیں:

'۷۸۶ حامداً و مصلیاً از محمد عبدالحق عفی عنہ

بخدمت شریف سید صاحب مجمع الحسنات منبع البرکات جناب سید محمد عمر سلمہ اللہ الاکبر

بعد وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عرض آں کہ کارڈ مرسلہ صادر ہوا۔ مضامینِ مندرجہ سے مطلع ہوا۔ یہ جو لکھا کہ وہابیہ دیوبندیہ کو علمائے عرب کیسا سمجھتے ہیں؟۔ جن علمائے عرب و ہند پر حال ان کا ظاہر و باہر ہو گیا ہے، وہ ویسا ہی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ جوابِ فتویٰ مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب میں علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً و تشریفاً نے ثبت فرمایا ہے۔

اور یہ جو لکھا کہ دیوبندیہ کے کسی رسالہ پر تصدیق کیا یا نہیں؟ حال اس کا یہ ہے کہ ایک رسالہ چھپا کہ متعدد یہاں علما کو جواب کے واسطے دیا اور اپنی جماعت کی بڑی تعریف اس میں لکھی کہ ہم لوگ ایسے ہیں کہ عقیدۂ اہلِ سنت و جماعت رکھتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ میں ہم لوگوں سے خطا ظاہر ہو، تو اس سے فوراً رجوع کر لیتے ہیں۔ حالاں کہ امر بالعکس اس جماعت سے ظاہر ہوا ہے۔

ان کی کتابوں میں ان کی باتوں کی تصریح موجود ہے۔ پھر اس کو چھپاتے ہیں اور رجوع اس سے نہیں کرتے اور اس میں مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب کی شان میں بہت ہی جا بہ جا

کلماتِ ناشائشتہ لکھے کہ وہ بدعقیدہ ہے۔ وہ وہابی ہے۔ دجال جھوٹی جھوٹی باتیں علما کی طرف نسبت کرتا ہے۔ مہریں جعلی بنا کے ان کی طرف نسبت کرتا ہے۔ علما نے اس دھوکے سے اس پر تصدیق کر دی تھی۔ جب حال اس کا ظاہر ہوا، تو اس جواب کو ان سے واپس کر لیا۔ وہ نہایت ہی بہت جلدی یہاں سے وہ طرفِ مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام روانہ ہوا۔ معتبروں سے سنا ہے کہ وہاں بھی تلبیس سے چاہا کہ مطلب یاب ہو۔ خائب واپس ہوا۔ اس رسالہ کو بعض علمائے عرب نے خود ہی رد فرمایا ہے اور نہایت ہی تلبیس اس کی ظاہر کر دی ہے۔

اور یہ جو لکھا کہ: مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کی نسبت علمائے عرب کے کیسے خیالات ہیں؟ واضح ہو کہ بہتان وافتراءِ وہابیہ کا مولانا موصوف پر، علمائے حریمین شریفین وشام وغیرہ کو ظاہر ہو گیا، تب سب نے ان [اعلیٰ حضرت] کے رسائل پر تقریظ لکھی اور اپنی اپنی مہروں سے ان کو مزین فرمایا ہے۔ چنانچہ بہت سی تقاریظ کی نقلیں، جو کہ علمائے کبار نے لکھی ہیں، ان کے پاس موجود ہیں اور یہ جو لکھا کہ علامہ شیبی مولانا احمد رضا خان صاحب کو کیسا سمجھتے ہیں؟ حقیقتِ امر یہ ہے کہ بعض علمائے ہند کہ جو مخالفِ مولانا ہیں، انہوں نے شیبی سے برعکس حال بیان کر دیا ہے۔ یہ باعث ان کی مخالفت کا ہوا۔

مگر بحمدہ تعالیٰ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً وتشریفاً بسببِ حقانیت ان کے ممدومعین تھے اور راتب پاشا جو کہ اس وقت میں تھا، ان [اعلیٰ حضرت] معین ہوا۔ مخالفوں کی مخالفت ان کے ساتھ کچھ کام نہ آئی۔ اس وقت بسببِ عدمِ فرصت کے اسی قدرے قلیل پر اکتفا کیا۔

والسلام مع التعظیم والاکرام، محرر بستم رمضان روز چہار شنبہ ۱۳۳۲ھ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆......آخر میں سید شاہ محمد عمر سہروردی پیلی بھیتی لکھتے ہیں:

'جس رسالہ کا اس خط میں ذکر ہے، اس رسالہ کا نام 'المہند' ہے۔ میرٹھ سے چھپ کر شائع ہوا ہے۔ اس میں ۲۶ ر سوال اور ان کے جوابات ہیں۔ فقط والسلام، سید محمد عمر سہروردی کان اللہ لہٗ۔ [ہفت روزہ 'دبدبہ سکندری' رام پور ۳۰ ر نومبر ۱۹۱۴ء ص: ۱۰]

☆......اب کی بار بمبئی میں اعلیٰ حضرت دس دن رہے۔ گورے بابو کے یہاں قیام رہا۔ قصائی محلہ کی مسجد میں تقریر فرمائی۔ جگہ جگہ تہنیتی جلسے ہوئے۔ قطبِ کوکن حضرت مخدومِ ماہمی قدس سرہ

العزیز کی مسجد میں نمازِ مغرب پڑھی۔ درگاہِ مبارک پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھا۔ باندرہ میں مولانا بابا علیہ الرحمہ سے ملاقات کی۔ ان دس دنوں کی کچھ یادداشت برہانِ ملت حضرت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی جبل پوری نے قلم بند کی ہے۔ حضرت برہانِ ملت جبل پوری موصوف لکھتے ہیں:

’ربیع الاول ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء کو اعلیٰ حضرت کی سفرِ مبارک سے مراجعت کی اطلاع ملی۔ والد ماجد [شاہ محمد عبد السلام جبل پوری] نے استقبال کے لئے بمبئی کا قصد کیا۔ میں نے خواہش کی۔ تو مجھے بھی لے لیا۔ چنانچہ والد ماجد، چچا بشیر الدین اور میں بعونہ تعالیٰ بمبئی پہنچے۔ اسٹیشن پر سیٹھ حاجی نور محمد عثمان، حاجی عیسیٰ خان صاحب اور احباب نے استقبال کیا۔ ان احباب سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت صبح تشریف لے آئے۔ قصائی محلہ میں گورے بابو کے ہاں قیام ہے۔ ہمارا قیام سیٹھ حاجی نور محمد عثمان کے ہاں زکریا مسجد کی ایک گلی میں ہوا۔

ہم اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ سلام کی آواز پر جواب کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی نظر والد ماجد پر پڑتے ہی اعلیٰ حضرت کھڑے ہو گئے اور دو قدم بڑھ کر والد ماجد، پھر چچا سے معانقہ فرماتے ہوئے دعا پڑھی۔ خیریت پرسی فرمائی۔ میں قدموں پر بوسہ لے رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے اٹھایا۔ والد ماجد نے مجھے پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے سینے سے لگایا۔ میری پیشانی پر لبِ مبارک رکھ کر دعاؤں سے مجھے سرفراز فرمایا۔ مدتوں سے جو تمنا اور آرزو دل میں تڑپ رہی تھی، آج اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔ اعلیٰ حضرت کی زیارت اور قدم بوسی کا پہلی بار یہ شرف مجھے بمبئی میں حاصل ہوا۔

الحمد للہ الذی شرفنی بلقائہ و رویتہ و تقبیل قدمی امام اھل السنۃ و مجدد المأۃ الحاضرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ہاں اعلیٰ حضرت کے کھڑے ہوتے ہی پورا مجمع کھڑا ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے والد ماجد کو اپنے متصل نشست پر بٹھایا۔ ہم لوگ بھی قریب ہی بیٹھ گئے۔ میری تعلیم کے سلسلہ میں والد ماجد سے دریافت فرمایا اور دعا دی۔ اعلیٰ حضرت کے ارشادات جاری رہے۔ بمبئی میں تقریباً دس دن قیام رہا‘۔ [اکرامِ امام احمد رضا طبع بمبئی، ۱۹۹۵ء ص:۴۶]

☆...... برہانِ ملت حضرت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی آگے تحریر کرتے ہیں:

’’۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں اعلیٰ حضرت بمبئی کے راستے حرمین طیبین حاضر ہوئے اور ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں ماہِ ربیع الاول میں بمبئی ہی کے راستے واپس تشریف لائے۔ والد ماجد کے ساتھ خادم بھی بمبئی حاضر ہوکر اعلیٰ حضرت کے دیدار سے مشرف ہوا۔ بمبئی کے قیام کے دوران چند قابلِ حالات سامنے آئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱......قصائی محلے کی مسجد میں اعلیٰ حضرت کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔

۲......سنیچر کو قصائی محلے کی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا وعظ ہوا۔ منبر کے قریب والد ماجد اور چچا کے پیچھے میں دیوار سے ٹک کر بیٹھا تھا۔ مسجد میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ایمان افروز نورانی تقریر سے مجمع پر محویت طاری تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد مجھ پر غنودگی کا غلبہ ہوا۔ خواب میں دیکھا۔ ایک عجیب دلکش نور سے پوری فضا منور ہے۔ درود وسلام کی سرور افزا آواز سے بیدار ہوا۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت منبر سے نیچے کھڑے دست بستہ ’الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھ رہے ہیں۔ چشمِ مبارک سے قطرات ٹپک رہے ہیں اور پوری مسجد صلوٰۃ وسلام کی آواز سے گونج رہی ہے۔ میں بھی صلوٰۃ وسلام میں شامل ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت کے آنسو جاری تھے اور جس والہانہ انداز سے محوِ صلوٰۃ وسلام تھے، وہ عجیب کیف افزا تھا۔ جس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔ صلوٰۃ و سلام سے فارغ ہوکر اعلیٰ حضرت منبر پر تشریف لائے۔ آدھ گھنٹے بعد دعا پر تقریر ختم ہوئی۔ مصافحہ، قدم بوسی میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ ہم اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر قیام گاہ واپس ہوئے۔ راستہ میں چچا سے میں نے مسجد میں دورانِ وعظ خواب کا ذکر کیا۔ خواب کا واقعہ سن کر والد اور چچا میں گفتگو ہوئی۔

اعلیٰ حضرت مدینۂ طیبہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وعظمت وتوقیر وتعظیم پر بیان فرمارہے تھے۔ یکا یک کافی بلند آواز سے ’الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر منبر سے اتر کر ہاتھ باندھ کر عجیب رقت آمیز آواز میں صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے قبلہ رخ کھڑے ہوگئے۔ ولادتِ مبارک کا ذکر نہ تھا۔ نہ وعظ ختم کرنے کا کوئی انداز تھا۔ اعلیٰ حضرت کی باطنی روحانی نظرِ مبارک نے دیکھ لیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اس لئے فوراً منبر سے اتر آئے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے لگے۔ بہت بابرکت وسعادت محفل تھی اور

اعلیٰ حضرت کی بالکل ظاہری کرامت ہے۔

قیام گاہ پہنچے، تو اور بھی لوگ ہمارے ساتھے، بیٹھ گئے اور والد ماجد نے مجھ سے میرے خواب میں نظارہ کی کیفیت دریافت فرمائی اور سن کر میری دونوں آنکھوں پر محبت سے بوسہ دیا اور فرمایا: ان شاء اللہ ! تو بڑی قسمت والا ہے۔ صبح حسبِ معمول ہم اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عقیدت مندوں کا مجمع تھا۔ حضرت کھڑے ہو گئے۔ ہمارے مصافحہ وقدم بوسی کے بعد حضرت نے والد کو پہلو میں جگہ دی۔ سب بیٹھ گئے۔ ایک صاحب، سفید گھنی ڈاڑھی، ترکی ٹوپی لگائے اعلیٰ حضرت کے سامنے قریب بیٹھے ہوئے آنسو جاری، کچھ ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے ذکر شروع کیا۔

رات وعظ میں وہ مسجد کے درمیان دروازے سے لگے ہوئے بیٹھے تھے اور آنکھیں بند تھیں۔ محویت کے عالم میں دیکھا کہ ایک نور محیط ہو گیا ہے اور

'الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'

کی آواز پر آنکھ کھولی، تو سامنے سارا مجمع کھڑا صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا ہے۔ یہ سن کر والد ماجد نے عرض کیا۔ حضور! یہی منظر برہان نے بھی دیکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے صرف یہ فرمایا: یہ سرکارِ اعظم کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم تھا کہ تجلی فرمائی، الحمد للہ۔

۳......ایک روز اعلیٰ حضرت نے والد ماجد سے فرمایا:

'آج عصر کے بعد ایک مجذوب بزرگ کی زیارت کے لئے باندرہ چلنا ہے۔ واپسی میں مغرب مہائم شریف میں ادا کر کے دعوت ہے۔ آپ عصر کے پہلے آ جائیں'۔

ہم لوگ حسبِ ارشاد عصر کے وقت حاضر ہو گئے اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ باندرہ پہنچے۔ مسجد کے مشرق کی جانب ایک ٹین کے ہال کے باہر بڑا مجمع تھا۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھ کر مجمع نے راستہ دیا۔ حضرت کے پیچھے ہم لوگ ہال میں داخل ہوئے۔ تخت پر ایک بزرگ عمامہ باندھے پیر تخت سے لٹکائے بیٹھے ہیں۔ 'دلائل الخیرات شریف' دونوں ہاتھ سے آنکھوں کے بالکل متصل پڑھنے میں مصروف ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کتاب بند کر دی۔ اعلیٰ حضرت سے مصافحہ کرتے ہوئے کچھ فرمایا، جو میں سمجھ نہ سکا۔ ہم سب قدم بوسی کر چکے تھے۔ تو ہم سب کو

ایک بڑے ہال میں بیٹھایا گیا۔ پورا ہال بھرا ہوا تھا۔

چند منٹ بعد وہاں کے منتظمِ خاص حاجی قاسم آئے۔ اعلیٰ حضرت سے عرض کیا۔ جو لوگ مجذوب صاحب کی زیارت کو آتے ہیں، ان کے لئے چائے، قہوہ تیار رہتا ہے۔ حضرت جو فرماتے ہیں۔ پلایا جاتا ہے۔ آپ حضرات کے لئے دریافت کیا گیا، تو فرمایا: چائے، کافی، قہوہ میں سے، جو حضور فرمائیں، وہ اس وقت پلایا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: بزرگ نے چائے، کافی، قہوہ تینوں کا نام لیا ہے۔ اس لئے تینوں کو ملا کر پلایا جائے۔ چنانچہ ایک بڑے سماوار میں تینوں کو ملا کر پلایا گیا۔ ان دنوں بڑے پیالے چلتے تھے۔ بھر بھر دیئے گئے۔ رنگ دیکھ، تو کراہت ہوئی، مگر لب لگایا، تو اتنا لذیذ پایا کہ پورا پیالہ صاف کر دیا۔

والد ماجد نے مجھے آہستہ سے ہدایت فرمائی کہ واپسی کے وقت حضرت کے پیچھے رہنا اور بزرگ کی قدم بوسی کر کے اپنے لئے دعا کی درخواست کرنا۔ واپسی کے وقت میں اعلیٰ حضرت کے پیچھے رہا۔ جب حضرت مصافحہ کر کے آگے بڑھے ہیں، میں نے ان کے قدم پکڑ کر عرض کیا: میرے لئے دعائے خیر فرمائیے۔ بزرگ نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، سندھی الفاظ تھے اور اعلیٰ حضرت کی طرف اشارہ کیا: اس کے پیچھے چلتا جا۔ تیرے پیچھے سب چلیں گے۔

ہم جب واپسی کے لئے گاڑی پر سوار ہوئے، میں، اعلیٰ حضرت اور والد ماجد کے درمیان بیٹھا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے مجھ سے فرمایا: برہان میاں! آپ نے مجذوب سے کیا کہا تھا؟ میں نے جو کہا تھا، وہ اور اس کا جواب بتایا۔ اعلیٰ حضرت نے میری پیٹھ پر دستِ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں برہان الحق، برہان الدین، برہان السنہ بنائے، آمین۔ والد اور چچا نے آمین کہا۔

اعلیٰ حضرت نے بمبئی سے بریلی کا قصد کیا۔ والد نے جبل پور تشریف لے جانے کے لئے عرض کیا۔ فرمایا: ابھی تو اجمیر شریف حاضری دیتا ہوا بریلی جاؤں گا۔ ان شاء اللہ پھر کبھی جبل پور آؤں گا۔ [اکرامِ امام احمد رضا طبع بمبئی، ۱۹۹۵ء ص: ۶۴ تا ۶۸]

☆...... ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر قرابت دار سفرِ حج و زیارت پر روانہ ہوئے۔ ان کی واپسی پر صفر المظفر ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء

میں براہِ بمبئی ہوئی۔ اعلیٰ حضرت اپنے بھائی اور دیگر صاحبان کو لینے کے لئے بمبئی تشریف لائے۔ مولانا شاہ محمد عبد السلام قادری رضوی جبل پوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

’برادر بہ جان برابر مولوی حسن رضا خان سلمہ الرحمٰن کا خط ۲۶/ ذی الحجہ کا لکھا ہوا مکہ معظّمہ سے یک شنبہ گذشتہ کو آتا تھا۔ جس میں صرف اس قدر تھا کہ ہم قریب بعونہ تعالیٰ مدینہ طیبہ حاضر ہونے والے ہیں۔ مگر تعینِ تاریخ نہ تھا۔ اس یک شنبہ کو کوئی خط آئے، مگر نہ آیا، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ اگر خط آجاتا، تو حساب ہوسکتا کہ واپسی بالخیر کب تک ہوگی۔ اب ایک نہایت مجمل حالت ہے۔ دعائے خیر فرمائیں۔

حضرتِ بابرکت سید حبیب اللہ صاحب زعبی دمشقی جیلانی، اولاد امجاد حضور پرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں اور اس افقر و احقر کے حال پر کمالِ کرم فرما ہیں۔ پہلے سے تشریف لاتے ہیں۔ یہ بھی میرے حجاج سلمھم اللہ تعالیٰ کے استقبال کو میری طرح بمبئی تشریف لے جانے والے ہیں۔ میں دو ایک روز اور خط کا انتظار کر کے چلوں گا۔ اگر نہ آیا، یا آیا اور حساب سے وقفہ پایا، تو بعونہ تعالیٰ حاضرِ جبل پور ہو کر دو ایک روز جناب کی زیارت سے شرف اندوز ہوتا ہوا بمبئی جاؤں گا اور اگر خط آیا، جس سے ظاہر ہوا کہ بالخیر فوراً بمبئی پہنچنا چاہئے، تو جناب کو بذریعہ تار اطلاع دے دوں گا کہ براہِ راست بمبئی جاتا ہوں‘۔

[کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ۲ / ۱۵]

☆......اعلیٰ حضرت ۳/ صفر المظفر ۱۳۲۶ھ کو بریلی سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے۔ ۴/ صفر کی شب جبل پور پہنچے۔ چار روز قیام فرمایا۔ پھر جبل پور سے بمبئی، بمبئی میں قیام اور اس کی تفصیلات تک فقیر راقم الحروف کی رسائی نہیں۔ کاش! حضرت مفتی محمد برہان الحق قادری رضوی علیہ رحمۃ اللہ الباری ساتھ ہوتے، یا کوئی اور دوسرا اس سفر کے بھی حالات لکھتے، تو کیا ہی بہتر ہوتا۔

☆......علما و مشائخِ بمبئی کا علمی و روحانی رابطہ اعلیٰ حضرت سے برابر مستحکم رہا۔ مثالیں بہت ہیں۔ یہاں ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت علامہ محمد جہانگیر صاحب، جو ۱۳۳۶ھ میں نو پارہ، باندرہ کی مسجد میں امام و خطیب تھے، ۱۱/ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ کو ’دعا بین الخطبتین‘ [دونوں خطبوں کے درمیان والی دعا] سے

متعلق اعلیٰ حضرت کو ایک سوالیہ مکتوب لکھا۔ جس کا جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جواز کی صورت میں دیا ہے اور سائل نے لکھا کہ: جیسا آپ تحریر فرمائیں، آمنّا کیا جائے‘۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: خود بمبئی میں بھی میں نے جمعہ پڑھایا اور حاضرین نے بین الخطبتین دعائیں مانگیں اور میں نے نہ اس وقت منع کیا، نہ بعد کو‘۔ مکمل سوال وجواب کے لئے دیکھئے:

[الف: فتاویٰ رضویہ مع تخریج وترجمہ، طبع لاہور، ۱۹۹۵ء، ۸/ ۴۳۸،

ب: خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، طبع بمبئی ۲۰۰۷ء، ۱/ ۲۸۳]

☆......☆......☆



خیر البلاد: احمد آباد

☆...... گجرات صدرِ اول اول ہی سے اسلام آشنا ہو چکا تھا۔ یہ اجلۂ علما اور با فیض صوفیا و اولیا کی سرزمین ہے۔ احمد شاہ اول [متوفیٰ ۸۷۳ھ] نے اس شہر کو بسایا اور سجایا۔ [یادِ ایام، سید عبد الحیٔ مطبع انسٹی ٹیوٹ علیگڈھ کالج، ۱۹۱۹ء ص: ۱۵] جو ہندوستان کے اہم شہروں میں شمار ہونے لگا۔ صوفیا و اولیائے کرام اور علما و مشائخ نے یہاں طرحِ اقامت ڈالی۔ صنعت و حرفت کو ترقی دی گئی۔ علم وفن، سیاسیات، معاشیات، ہر شعبۂ زندگی میں خوش گوار انقلابات نمودار ہوئے۔ تفصیل کے لئے تاریخِ ہند کے اوراق۔

☆......حضرت مفتی حکیم محمد عبد الرحیم احمد آبادی جید فاضل عالمِ دین تھے۔ جمال پور، احمد آباد گجرات مکان تھا۔ ان کے اور ان کے والد گرامی بزرگ صفت عالمِ کتاب وحکمت حضرت علامہ شاہ محمد عبد الکریم علیہما الرحمہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے درمیان گہرے تعلقات وروابط تھے۔ مفتی حکیم محمد عبد الرحیم احمد آبادی کے نام اعلیٰ حضرت کے سترہ خطوط دست یاب ہیں۔ جو 'کلیاتِ مکاتیبِ رضا' جلد دوم ص: ۵۶ تا ۹۱ میں مطبوع ومندرج ہیں۔ ان میں چودہ خط قلمی ہیں اور تین خط فتاویٰ رضویہ سے ماخوذ ہیں اور بھی بہت سارے خطوط اور فتاوے اس خاندان میں تھے۔ مگر تقسیمِ ہند کے ہنگامے میں ان کا خاندان ڈھاکہ منتقل ہو گیا۔

وہاں سے کراچی، پھر کراچی سے لائل پور [فیصل آباد] میں آکر مقیم ہو گیا۔ حضرت علامہ محمد رضاء المصطفیٰ نوری انہی حضرت مفتی محمد عبد الرحیم احمد آبادی کے نبیرہ ہیں۔ یہ چودہ قلمی خطوط مجھے انہی کے خاندانی قدیم کاغذات میں ملے تھے۔ جب میں وہاں حاضر ہوا تھا۔ جامعہ قادریہ اور اس کے ماتحت جاری ہائی اسکول اور کالج کے ناظمِ اعلیٰ یہی حضرت علامہ نوری صاحب قبلہ ہیں۔ پہلا خط ۳/ رجب المرجب ۱۳۱۷ھ کا ہے اور آخری خط ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ کا ہے۔ اس سے ان کے گہرے رابطوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۳۱۷ھ میں ایران کے شہر مشہد سے ایک شیعہ عالم، جس کا نام شرف الدین تھا، احمد آباد آیا تھا۔ جو معوذتین [قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس] کو قرآنِ کریم کا حصہ نہیں مانتا

تھا۔اس سے وہاں احمد آباد میں ایک قضیہ وفتنہ کھڑا ہوا۔اس فتنہ کو سرد کرنے میں اعلیٰ حضرت نے سرگرمی سے حصہ لیا اور حضرت مفتی محمد عبد الرحیم علیہ الرحمہ کی بھر پور تائید وحمایت فرمائی۔اس تصفیہ کی گونج مرزا حیرت دہلوی کے 'دہلی گزٹ' میں بھی سنائی دیتی ہے۔حضرت مفتی محمد عبد الرحیم احمد آبادی کے ان سترہ خطوط میں سے دو خط کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے دو ضخیم رسالے تصنیف فرمائے۔ایک کا نام ہے:'جزاء اللہ عدوہ باباء ختم النبوہ' ۱۳۱۷ھ اور دوسری کتاب کا نام اعلیٰ نے رکھا ہے:'جمل النور فی نهی النساء عن زیارۃ القبور'۔

☆......قرآنی قضیہ سے متعلق مفتی محمد عبد الرحیم احمد آبادی کو لکھتے ہیں:

'اعوذ باللہ من الکفر و الکفرۃ، میرا ایمان ہے کہ معوذتین قرآن ہیں اور میرا اعتقاد ہے کہ ان کی قرآنیت کا منکر کافر ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ جو مردود یہ کہے کہ ان کی عدمِ قرآنیت مرجح مانی جائے، وہ بھی کافر، مرتد، مستحقِ نارِ ابد ہے۔معاذ اللہ کہ اس کے خلاف فقیر نے کوئی فتویٰ لکھا ہو۔لیکن مفتری کذابوں کا کیا علاج؟۔

فقیر جب سے سفر سے واپس آیا،علیل ہے۔آپ کے متعدد محبت نامے تشریف لائے۔جواب وقتِ صحت وفرصت پر ملتوی تھا۔اس افترا کی خبر سن کر یہ کارڈ ابھی لکھا۔فتویٰ تکفیر منکرِ قرآنیت معوذتین ان شاء اللہ العزیز عن قریب حاضر کرے گا'۔[قلمی مکتوب، مشمولہ 'کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع کلیر شریف ۲۰۰۵ء ص: ۲/ ۵۷]

☆......انہی حضرت مفتی محمد عبد الرحیم احمد آبادی اور دیگر احباب کے اصرار ودعوت پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ احمد آباد تشریف لے گئے۔یہ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے۔جب اعلیٰ حضرت دوسری مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین سے واپس ہوئے،تو اتفاقیہ کراچی اترے۔بمبئی میں ورود فرمایا اور قریب دس دن قیام پذیر رہے۔پھر احمد آباد والے احباب بمبئی پہنچ کر بصد شوقِ فراواں اور بصد اندازِ زیبائی ودلربائی احمد آباد لے گئے۔بارگاہِ سلطان الہند حضور غریب نواز قدس سرہ العزیز کے آستانۂ عالیہ اجمیر معلیٰ میں حاضری دی۔پھر اس کے کوئی ایک مہینہ بعد آپ بریلی شریف تشریف لائے۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

'مولوی حکیم عبد الرحیم صاحب وغیرہ احبابِ احمد آباد کو اطلاع ہوئی۔آدمی بھیجے۔باصرار

لے گئے۔سواریوں کو بمبئی سے محمد رضا خان اور حامد رضا خان کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ میں ہندوستان اترنے سے ایک مہینے بعد مکان پر پہنچا'۔ [الف: الملفوظ، طبع بریلی، ۲/ ۴۲، ب: حیاتِ اعلیٰ حضرت، طبع لاہور ۲۰۰۳ء ص: ۴۰۳]

☆...... یہاں ایک ذاتی تحریر کی جاتی ہے، جس سے کئی پہلو روشن ہوتے ہیں۔ایک تو تعلقات کی استواری، دوسرے احمد آباد کا سفر، تیسرے اصلاح و دفعِ فتنہ، چوتھے اس عہد کچھ حساس احوال اور امام احمد رضا کی تفہیم وفہمائش اور اپنے شرعی فیصلے کی قطعیت ویقین۔ جناب مہر باز خان احمد آباد کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

'فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر جب جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ میں بعد سفر مدینۂ طیبہ کراچی آیا اور وہاں سے احباب احمد آباد لانے پر مصر ہوئے۔ یہاں میرے معظم دوست حامئ سنت ماحئ بدعت مولانا مولوی نذیر احمد خان صاحب مرحوم مغفور کے دو معزز شاگردوں مولوی عبد الرحیم صاحب و مولوی علاء الدین صاحب سلمہما اللہ تعالیٰ نزاع میں تھی، دو فریق ہو رہے تھے اور اس سے پہلے مولوی علاء الدین غریب خانہ پر تشریف لائے تھے اور ایک رسالہ پیش کیا۔جس میں مولوی عبد الرحیم صاحب پر سخت الزام قائم کرنا چاہے۔حتیٰ نوبت بہ تکفیر پہنچائی تھی۔فقیر نے انہیں سمجھایا اور اس رسالہ کی اشاعت سے باز رکھا اور ان الزامات کی غلطی پر دوستانہ متنبہ کیا۔

الحمد اللہ! مولوی علاء الدین صاحب نے گذارشِ فقیر کو قبول کیا۔مگر باہم فریق بندی اس وقت تک تھی کہ فقیر حج سے واپس آیا۔اس وقت مولوی عبد الرحیم صاحب نے یہ سوال پیش کیا۔ جس کا میں نے وہ جواب لکھا۔وہ جواب میرا ہی ہے۔مگر اس وقت کی حالت کے متعلق تھا۔میں نے اس جواب ہی میں بتا دیا تھا کہ مولوی علاء الدین صاحب نے مولوی عبد الرحیم کی تکفیر عناداً نہ کی تھی۔ بلکہ مسئلہ ان کی سمجھ میں یوں ہی آیا تھا۔جس سے انہوں نے بعد تفہیم رجوع کیا۔تو ان پر کوئی حکم سخت نہیں۔

ہاں! اگر وہ بعد اس کے کہ حق سمجھ لئے۔ پھر بلا وجہِ شرعی تکفیر کی طرف رجوع کریں، تو اس وقت حکم سخت ہونا لازم ہے۔اس کے بعد وہیں ایامِ اقامتِ فقیر میں فریقین فیصلۂ فقیر پر راضی ہوئے اور بحمد اللہ تعالیٰ باہم صلح کرا دی گئی۔ میں نے اس وقت تک کوئی امر صلح شکن نہ پایا۔ بلکہ

قریب زمانہ میں، جب کہ بعض فساد پسندوں نے تکفیر مولوی عبدالرحیم صاحب کا باطل و بے معنیٰ غلغلہ پھر اٹھایا اور پرانا مہمل اشتہار مولوی قندھاری نے دوبارہ کسی شخص وزیرالدین کے نام سے چھاپا اور مولوی عبدالرحیم صاحب کو دفعِ فتنہ کے لئے یہاں کے فتوی کی ضرورت ہوئی اور پھر ان سے واقعات پوچھے گئے، جس کا مفصل جواب انہوں نے ہفتم ذی الحجہ ۲۹ ھ کو بھیجا۔ اس خط میں بھی یہ لفظ موجود ہے:

'احمد آباد میں آپ کے قدم مبارک کراچی سے رونق افروز ہوئے تھے اور آپ نے صلح بندی کی اور مولوی علاء الدین صاحب کی کرائی تھی۔ جب سے اب تک بحمد اللہ تعالیٰ صلح ہے۔ وہ میرے موافق ہیں'۔ انتہیٰ۔

اس کے بعد میرا یہی فتوی جواب شبیر محمد صاحب نے چھاپا، مولوی عبدالرحیم صاحب نے اس کی نقل مجھے بھیجی تھی اور اس میں سے ان تمام سطروں پر، کہ مولوی علاء الدین صاحب کے متعلق تھیں، سرخی سے قلم پھیر دیا کہ ان کی ضرورت نہیں۔ مولوی علاء الدین صاحب کا جو خط فقیر کے نام آیا، اس میں وہ تصریح کرتے ہیں کہ ہم اس وقت بدستور صلح پر قائم ہیں۔ یوں ہی اس سے تازہ تر عنایت نامہ جناب شاہ صاحب وجیہی علوی میں ہے۔ پھر فقیر نہیں کہہ سکتا کہ اس فتوی کے چھاپنے کی کیا ضروت ہوئی اور اس سے کیا نفع ہوسکتا ہے۔ اس میں تو مولوی علاء الدین صاحب پر سخت حکم ہونا اس شرط سے مشروط تھا کہ وہ بعد کشفِ شبہہ تکفیرِ مسلم کی طرف معاذ اللہ عود کریں۔ جب یہ شرط نہیں، تو ہرگز اس فتوی سے مولوی علاء الدین صاحب کو ضرر، نہ چھاپنے والے کو نفع اور خدا نہ خواستہ شرط متحقق ہوئی، تو اس کا حال اللہ جانتا ہے۔ بالجملہ یہ امرِ دین ہے اور دین میں کسی کی رعایت نہیں۔ دونوں صاحب میرے دوست ہیں اور دونوں صاحب ذی علم اور ایک استاذ کے شاگرد ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ بدستور صلح پر قائم ہوں گے۔ جیسا کہ دونوں صاحبوں کی تحریر سے مجھے معلوم ہوا۔ ورنہ جس طرف سے نقضِ عہد واقع ہو، وہ ضرور اپنے حکمِ شرعی کا مستحق ہوگا۔ کائناً من کان۔ فریقین اس آیتِ کریمہ کو پیشِ نظر رکھیں:

'و قل لعبادی یقولوا التی ھی احسب ان الشیطان ینزع بینھم ان الشیطان کان للانسان عدواً مبیناً۔ [الف: فتاویٰ رضویہ طبع بمبئی، ص: ۱۲/ ۱۲۷، ۱۲۶، ب: کلیاتِ

مکاتیبِ رضا، طبع لاہور، ص: ۲ / ۱۵۷ تا ۱۵۹]

☆......کسی نے پوچھا۔ مجذوب کی پہنچان کیا ہے؟ سچے مجذوب کی پہنچان بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

'حضرتِ سیدی موسیٰ سہاگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشہور مجاذیب سے ہیں۔ احمد آباد میں مزار شریف ہے۔ میں زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ [الملفوظ]

☆......سچے مجذوب کی پہنچان کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

'سچے مجذوب کی پہنچان یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ کا کبھی مقابلہ نہ کرے گا۔ حضرتِ سیدی موسیٰ سہاگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشہور مجاذیب سے تھے۔ احمد آباد میں مزار شریف ہے۔ میں زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ زنانہ وضع رکھتے تھے۔ ایک بار قحط شدید پڑا۔ بادشاہ وقاضی وا کابر جمع ہو کر حضرت کے پاس دعا کے لئے گئے۔ انکار فرماتے رہے کہ میں کیا دعا کے قابل ہوں۔ جب لوگوں کی التجاوزاری حد سے گذری، ایک پتھر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ کی چوڑیوں کی طرف لائے اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر فرمایا: مینہ بھیجئے یا اپنا سہاگ لیجئے۔ یہ کہنا تھا کہ گھٹائیں پہاڑ کی طرح امنڈیں اور جل تھل بھر دیئے۔

ایک دن جمعہ کے وقت بازار میں جا رہے تھے۔ ادھر سے قاضئ شہر کہ جامع مسجد کو جاتے تھے، آئے۔ انہیں دیکھ کر امر بالمعروف کیا کہ یہ وضع مردوں کو حرام ہے۔ مردانہ لباس پہنیے اور نماز کو چلئے۔ اس پر انکار و مقابلہ نہ کیا۔ چوڑیاں اور زیور اور زنانہ لباس اتارا اور مسجد کو ساتھ ہو لئے۔ خطبہ سنا۔ جب جماعت قائم ہوئی اور امام نے تکبیرِ تحریمہ کہی، اللہ اکبر۔ سنتے ہی ان کی حالت بدلی۔ فرمایا: اللہ اکبر! میرا خاوند حی لا یموت ہے کہ کبھی نہ مرے گا اور یہ مجھے بیوہ کئے دیتے ہیں۔ اتنا کہنا تھا کہ سر سے پاؤں تک وہی سرخ لباس تھا اور چوڑیاں۔

اندھی تقلید کے طور پر ان کے مزار کے بعض مجاوروں کو دیکھا کہ اب تک بالیاں، کڑے، جوشن پہنتے ہیں۔ یہ گمراہی ہے۔ صوفی صاحبِ تحقیق اور مقلد زندیق'۔

[الملفوظ طبع بریلی، ۲/ ۸۹، ۹۰]

☆......☆......☆

☆

نوساری، گجرات

اس سفر سے متعلق کوئی مضبوط شہادت میری معلومات میں موجود نہیں۔ تاہم اگر یہ درست ہے، تو یہ سفر دوسرے حج سے واپسی کے وقت کا ہوگا۔ جب اعلیٰ حضرت بمبئی سے احمد آباد تشریف لے گئے۔ بزرگ قلم کار ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی مرحوم نے بھی اس سفر کا ذکر کیا ہے۔ جو کہیں نظر سے گذرا ہے۔ مولانا محمد ابراہیم آسی صاحب نے بھی اس موضوع کو چھوا ہے۔ امیرِ ملت حضرت مولانا سید شاہ امیر الدین قادری جیلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۹ھ نوساری، گجرات کی ایک معروف بزرگ صوفی شخصیت کے مالک تھے۔ انہیں کی خواہش و دعوت پر اعلیٰ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔

واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بزرگ موصوف اپنے مکان کی بالائی منزل پر قیام فرماتے تھے۔ سیڑھی کے دونوں جانب دو پتھر نصب تھے۔ جو اوپر جانے والوں کے لئے مددگار ثابت ہوتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی ان دو پتھروں پر دستِ مبارک رکھا۔ بس اسی نسبت سے ان بزرگ سید موصوف نے ان دو پتھروں کو بطور تبرک تب سے ہی محفوظ کرلیا۔ جو اب تک موجود ہیں۔ زائرین زیارت کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے:

[ہفت روزہ 'مسلم ٹائمز' بمبئی ۹ر تا ۱۵ر اگست ۲۰۱۰ء، ص: ۴ زیر اہتمام رضا اکیڈمی]

☆......☆......☆

☆

رہتک، امرتسر، پنجاب

☆......نبیرۂ محدثِ سورتی شاہ مانا میاں پیلی بھتی [متوفیٰ ۱۳۹۷ھ] نے لکھا ہے کہ:

'جن شہروں میں اعلیٰ حضرت تشریف لے گئے ہیں، ان میں لاہور اور امرتسر کو بڑی خصوصیت حاصل ہے'۔[سوانحِ اعلیٰ حضرت، شاہ مانا میاں، طبع کراچی ۱۳۹۰ھ ص:۱۵۶]

لاہور سفر کے کچھ خارجی شواہد تو ملتے ہیں۔ لیکن امرتسر تشریف لے جانے کی کوئی داخلی یا خارج شہادت میری معلومات میں فی الوقت نہیں۔ البتہ رہتک، حصار، پنجاب پہنچنے کا سراغ ملتا ہے۔ وہاں اشرف علی تھانوی سے مناظرہ طے ہوا تھا۔ پھر حسبِ عادت تھانوی نے راہِ فرار اختیار کر لی۔ تب اعلیٰ حضرت قدس سرہ رہتک، حصار تشریف لے گئے یا نہیں۔ حتماً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہاں پہنچنے کی رپورٹ البتہ 'دبدبۂ سکندری' رام پور میں چھپی ہے، جو آگے درج کر دی جاتی ہے۔

☆......۶رتا ۱۰ررجب المرجب ۱۳۲۰ھ میں امرتسر میں ایک تاریخی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ یہ اجلاس، اجلاسِ اہلِ سنت پٹنہ ۱۳۱۸ھ کی ایک توسیعی کڑی تھا۔ جس میں غیر منقسم آفاقِ ہند سے درجنوں علما اور مشائخ شریک ہوئے تھے۔ جن میں سے اکثر اجلاسِ اہلِ سنت پٹنہ میں بھی شریک تھے۔ اس اجلاسِ امرتسر کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں شیرِ پنجاب مناظرِ اسلام علامہ غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بنفسِ نفیس شریک و موجود تھے۔ اپنی عالمانہ تقریر

کے بعد انہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے ملنے کی تمنا ظاہر کی تھی۔ معلوم نہیں، اعلیٰ حضرت وہاں موجود تھے یا علامہ بھیروی بریلی شریف تشریف لانا چاہتے تھے۔

[روداد جلسۂ اہلِ سنت امرتسر، پنجاب، مطبوعہ 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ، ص: ۱۵]

☆......اشرف علی تھانوی کے مناظروں سے فرار کے سلسلہ میں خاص رہتک کے تعلق سے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

'کلکتہ میں وہابیہ کا جلسہ تھا۔ وہاں بھی جا کر مناظرہ کا غل کیا۔ پندرہ پندرہ ہزار روپئے جمع کر دینے ٹھہرے۔ تاروں اور خطوں پر ۱۲؍دن کا مکالمہ رہا۔ مگر نہ تھانوی نے اقرارِ مناظرہ کیا، نہ دیا بنہ جم سکے۔ حسبِ عادت قرار بر فرار افتاد۔ حامیٔ سنت حاجی لعل خان صاحب سلمہ ان وقائع کی تفصیل کا رسالہ چھپوانے کو ہیں ان شاء اللہ۔ اسی طرح اسی ماہِ صفر میں رہتک، صوبہ پنجاب سے تھانوی صاحب نے پہلے ہی خط پر فرار کیا۔ اس کا ان شاء اللہ رسالہ چھپے گا'۔ [مکتوباتِ امام احمد رضا، از محمود احمد رفاقتی مولانا، طبع بمبئی ۱۹۹۰ء، ص: ۵۴]

☆......اب وہ رہتک، پنجاب والی رپورٹ پڑھیے۔ جس کا عنوان ہے: وہابیہ کا مناظرہ سے فرار' اور 'خاص تھانوی صاحب کی چودھویں گریز'۔ رپورٹ یہ ہے:

'اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد ماۂ حاضرہ مؤیدِ ملتِ طاہرہ مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قبلہ حنفی سنی قادری برکاتی بریلوی مدظلہم الاقدس فرقۂ وہابیہ نجدیہ کی ان گستاخیوں اور بے عنوانیوں کی، جو اس ناپاک فرقہ سے شانِ رسالت میں واقع ہوتی رہیں، جس عالمانہ و فاضلانہ طریقے سے تردید فرماتے رہے ہیں، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ منکروں نے بھی ان کا لوہا مانا ہے۔ انتہا یہ کہ خود وہابی صاحبوں نے اپنے اقوال کے کفر ہونے کا اقرار چھاپ دیا، بلکہ تھانوی صاحب نے یہاں تک لکھ دیا کہ جس کے خیال میں بھی یہ خبیث مضمون آئے، وہ بھی کافر ہے۔

الحمد للہ! اسی قدر مقصود تھا۔ ایسی نمایاں فتح شاید کسی کو نصیب ہو۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج کہ کفر مانتے جائیں اور پھر جمے رہیں۔ ہزار بار شکست کھائی۔ ہزار بار بھاگے۔ پھر بھی غیرت مندا تنے کہ منہ آتے ہیں۔ حال کا واقعہ ہے کہ آٹھ صفر المظفر مطابق ۶؍جنوری کو اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی مدظلہم الاقدس کی خدمت میں چند علمائے رہتک و مراد آباد سے آئے کہ

سرخیلِ یارانِ وہابیہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی رہتک ضلع حصار [پنجاب] میں مناظرہ کریں گے اور یہ بھی لکھا گیا کہ ۲۰؍جنوری تک جو مناظرہ پر آمادگی ظاہر نہ کرے، وہ ہار گیا۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی مدظلہم الاقدس نے فوراً انہی اطلاع لانے والے مولوی صاحبوں کے ہاتھ ایک پانچ ورق کا خط دعوتِ مناظرہ کا اپنے دستخط ومہر سے مزین فرما کر تھانوی صاحب کو بھیج دیا۔ جسے مولوی رئیس الدین صاحب وغیرہ تھانہ بھون کو معززین احبابِ تھانوی صاحب کی نشست گاہ میں لے کر گئے۔ اس سے تھانوی صاحب پر، جو کچھ گذری، جیسے کچھ حواس باختہ ہوئے۔ اس کا حال مولوی رئیس کے خط میں دیکھئے۔ غرض ۲۰؍جنوری گذر گئی اور صدائے بر نخواست۔ نہ جواب آیا، نہ مناظرہ ہوا۔ تھانوی صاحب کی چودھویں گریز کھل گئی۔ اس سے پہلے ان کی بارہ گریزیں رشحۂ اخیرہ میں شائع ہو چکی ہیں۔ تیرھویں گریز رشحۂ اخیرہ سے تھی۔ اب ان کی چودھویں بفضلہٖ تعالیٰ یہ ہوئی۔ جس میں ہمیشہ کے لئے مناظرہ سے استعفادے دیا، وللہ الحمد۔

یہ ہے حقیقت اس جماعت ضالہ کی۔ درحقیقت حق پر باطل کسی طرح کا چھاپ نہیں ہوسکتا۔ حق، حق ہے اور باطل، باطل۔ کتنی بار تجویزیں ہوئیں، کون تھا، جو سامنے آتا۔ مراد آباد کا واقعہ کسے یاد نہیں۔ ادھر تو مناظرہ طلب کیا اور وہ فرعونی دعوے کہ اعلیٰ حضرت ہرگز تشریف نہ لائیں گے۔ اگر وہ تشریف لے آئیں، تو پانچ سو روپیہ جرمانہ دیں۔ کبھی یہ کہ ہزار دیں۔

جب اعلیٰ حضرت تشریف لے گئے اور دیکھا کہ خصم سر پر آ گیا۔ اب لینے کے دینے پڑ گئے۔ فوراً حکامِ مقامی سے استغاثہ کیا کہ ہے ہے بچائیو! مناظرہ کریں گے، تو بلوا ہو جائے گا۔ یا صاحب کلکٹر! المدد! یا پولیس! الغیاث! مناظرہ روک دیا جائے۔ ان حیلوں سے مناظرے روکے گئے اور جان بچی۔ یہ ہے جرأت اور یہ ہے دلیری اور اس پر دعوی مناظرہ اور حقانیت سے مقابلہ، لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور یہ تو ابھی ابھی کا تازہ واقعہ، ناظرینِ اخبار نے ملاحظہ فرمایا ہی ہوگا کہ وضو اور نماز کے حیلے سے اسٹیشن پہنچے اور وہاں سے دُھر کا ٹکٹ لیا اور ندارد:

ع بے حیائی کا بھلا جس کے سہارے جیئیں

☆......اب مولوی رئیس الدین صاحب کا خط کہ انہوں نے واقعہ تھانہ بھون کی اطلاع میں جناب مولوی حکیم حافظ محمد نعیم الدین صاحب ناظم انجمنِ اہلِ سنت مراد آباد کو لکھا، ملاحظہ ہو: [نقل

خط مولوی رئیس الدین صاحب]

'مکرم بندہ مولوی محمد نعیم الدین صاحب سلمہ بعد سلام مسنون

واضح ہو کہ ہم آپ سے رخصت ہو کر ۱۳؍ کو رہتک پہنچے۔ ۱۴؍ کو میں اور مولوی عبد الغفور صاحب و حاجی الہ الدین و حاجی ابراہیم و منشی کریم بخش پنچایت تھانہ گئے۔ مولوی اشرف علی تھانوی سے ملاقات ہوئی۔ جناب مولوی صاحب کی تحریر اور نوشتہ سید حسن چاند پوری ہر چند ان کو دیا، مگر انہوں نے ہاتھ نہ لگایا۔ لاچار زبانی ماجرا سنا کر ان سے پھر اصراراً کہا کہ آپ ایک نظر دیکھ لیجئے۔ مگر انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور کہا کہ مجھے معلوم ہے۔ مگر میرا ذمہ دار سید حسن چاند پوری کیوں کر ہو سکتا ہے۔ میں مباحثہ نہیں کیا کرتا اور نہ آئندہ کروں اور میں کسی کی تحریر بھی نہیں دیکھا کرتا۔

ہم نے کہا کہ سید حسن تمہارا معتمد علیہ ہے۔ کیوں کہ جابہ جا آپ کی جانب سے مناظرہ میں بھیجا جاتا ہے۔ جب آپ کا قائم مقام کر کے بھیجا گیا، تو ذمہ دار بھی ضرور ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی تحریر کے موافق آپ کو مناظرہ کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے منظور فرمایا۔

ہم نے سب طرح ان پر بوجھ ڈالا۔ مگر انہوں نے مناظرہ اور جواب و سوالات کسی طرح منظور نہ کیا۔ لاچار ہم دیوبند آئے۔ یہاں بھی سید حسن کی کاروائی کی سب کو اطلاع تھی۔ کہنے لگے کہ سید حسن ایک لونڈا ہے۔ لسّان اور جھوٹا۔ ہم نے اس کو اپنے یہاں سے موقوف کر دیا ہے۔ ہم نہیں جانتے، کہاں ہے۔ یہاں بھی سب کانوں پر ہاتھ رکھے گئے اور مباحثہ بالمشافہ مولوی اشرف علی و مولوی احمد رضا خان صاحب سے منکر ہوئے اور تسلیم نہیں کیا۔ پس موافقِ شرائط ہار ہوگئی۔ ہم لوگ اسی روز رہتک آگئے۔ اب تو اس پر نالش خرچہ کی تدبیر ہو رہی ہے۔ سب صاحبوں کی خدمت میں سلام مسنون پہنچے'۔

☆ ......'نالش خرچہ' پر نوٹ بھی ہے، جو یہ ہے:

'[سید حسن] چاند پوری نے تھانوی صاحب کی طرف سے شرائطِ مناظرہ میں یہ بھی قرار دیا تھا کہ بیس تک اگر اپنے کو آمادہ نہ کر سکوں یا تاریخ مقررہ پر تاریخِ مناظرہ کی اطلاع نہ دوں، تو ہماری سب کی ہار مانی جائے گی اور یہ بھی کہ مولوی احمد رضا خان صاحب اور مولوی اشرف علی تھانوی صاحب سے ایک نے آمادگی مناظرہ پر ظاہر کی، تو دوسرے کو آمادہ ہونا پڑے گا وکیل

سے کام نہیں چلے گا۔ایک کی آمادگی کی صورت میں دوسرآمادہ نہ ہوا،تو اس کی ہار شمار کی جائے گی اور یہ ہار تمام مسائلِ متنازعہ فیہا میں مانی جاوے گی اور یہ بھی کہ جو ہارے،خرچہ فریقین اس پر پڑے۔اب جناب تھانوی صاحب ہارے،لہذا انہی کی طرف کی شرط سے خرچہ ان پر پڑنا چاہیے۔غنیمت ہے کہ سامنے نہ آئے۔تصغیری صیغہ کا خرچہ ان پر پڑا،ورنہ جماؤ کے بعد بھاگتے، تو پورا پڑتا‘۔[ہفت روزہ’دبدبۂ سکندری‘رام پور ۲؍فروری ۱۹۱۴ء ص:۷؍۸؍]

☆......☆......☆



قصرِ عارفاں: لاہور

☆......دینی وعصری علم ودانش کے ماہر پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری[کراچی] لکھتے ہیں:

’لاہور ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے۔تاریخ میں اس کو’لہاور‘’لوھر‘’لہور‘اور’لوہار‘ بھی لکھا گیا ہے۔تیمور یہ دور میں اسلام کو یہاں استحکام حاصل ہوا......برِ صغیر کے مشہور ترین بزرگ شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش[متوفی ۴۶۵ھ] نے اس شہر میں قدم رنجہ فرمایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔آپ نے اپنی تالیف’کشف المحجوب‘ میں اس شہر کا نام’لہا لور‘ لکھا ہے‘۔[امام احمد رضا اور علمائے لاہور،طبع لاہور ۱۹۹۹ء ص:۲۸،۲۹]

☆......وہ چند لاہوری علما و دانشور، جو امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے معاصرین میں تھے اور ان میں مراسم و روابط تھے، یہ ہیں۔مناظرِ اسلام حضرت علامہ شاہ غلام دستگیر ہاشمی قصوری، مرشدِ طریقت حضرت علامہ سید شاہ دیدار علی قادری چشتی الوری،حضرت مفتی حکیم سلیم اللہ خان،

حضرت علامہ مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، حضرت علامہ مفتی قاضی غلام گیلانی شمس آبادی، حضرت علامہ مولانا محمد اکرام الدین مسجد وزیر خان، حضرت مولانا صوفی احمد الدین صاحب، حضرت علامہ مولانا محمد انوار الحق چونیاں، حضرت علامہ مولانا محمد عبد الحمید رضوی، حضرت علامہ مولانا محمد عبد العزیز مزنگ، حضرت مولانا محرم علی چشتی ایڈوکیٹ، حضرت مولانا خلیفہ تاج الدین، حضرت مولانا محمد بخش صاحب، حضرت علامہ مفتی غلام جان قادری رضوی ہزاروی، پروفیسر حاکم علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور ڈاکٹر محمد اقبال وغیرہ۔

☆......اور اب مابعد کے چند لاہوری ترجمان وسفیرانِ رضویات کے اسمائے مبارکہ:

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری، حضرت شیخ محمد عارف ضیائی مہاجر مدنی، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی محمد عبد القیوم قادری رضوی ہزاروی، حضرت علامہ مفتی سید محمود احمد الوری، محسنِ اہلِ سنت حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، صاحبِ تصانیف وتراجمِ کثیرہ حضرت علامہ محمد عبد الحکیم مجددی نقشبندی شاہجہاں پوری، پیرزادہ حضرت علامہ اقبال احمد فاروقی، حضرت مفتی محمد خان قادری، حضرت علامہ محمد صدیق ہزاروی، حضرت علامہ محمد عبد الستار سعیدی، حضرت مولانا محمد عبد النبی کوکب، حضرت علامہ نذیر احمد سعیدی، حضرت مولانا مختار احمد سعیدی، حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری حضرت الحاج مقبول احمد ضیائی وغیرہم۔

☆......اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے نامِ نامی سے منسوب لاہوری تعلیمی ونشریاتی ادارے اور تنظیمیں: دار العلوم نعمانیہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، جامعہ نعیمیہ رضویہ، جامعہ محمدیہ رضویہ، مرکزی مجلسِ فکرِ رضا، مکتبہ نبویہ، بزمِ رضویہ، مکتبہ رضویہ، مکتبہ حامدیہ، مکتبہ قادریہ، رضا اکیڈمی، رضا دار الاشاعت، ادارہ غوثیہ رضویہ، ادارہ معارفِ نعمانیہ، رضا فاؤنڈیشن، کنز الایمان سوسائٹی، مرکزی مجلسِ امامِ اعظم، فرید بک اسٹال، شبیر برادرز، پروگریسو بک سروس، نذیر سنز وغیرہ۔

☆......واضح رہے کہ انجمنِ نعمانیہ لاہور کی بنیاد ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں رکھی گئی۔ اسی کے ماتحت دار العلوم نعمانیہ جاری کیا گیا تھا اور آج بھی جاری ہے۔ اس ادارے کے تمام ارکان، اساتذہ، ہمدردان ومعاونین امام احمد رضا قدس سرہ کے ہم مذہب، ہم عقیدہ اور ہم زبان تھے۔ دستورِ اساسی کی ترتیب سے لے کر تمام عام سرگرمیوں سے متعلق بھی امام احمد رضا قدس سرہ سے

رائے لی جاتی تھی۔غیر منقسم ہندوستان میں اس کا سالانہ اجلاس انتہائی شان وشوکت کے ساتھ تاریخ ساز ہوا کرتے تھے۔جس میں تمام اطرافِ ہند کے علمائے کرام اور مشائخِ عظام شرکت فرمایا کرتے تھے۔

☆......پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی رقمطراز ہیں:

’لاہور کے علمائے اہلِ سنت آفتاب و ماہتاب بن کر اہلِ اسلام میں روشنیاں پھیلا رہے تھے۔مگر خود ان کی اعتقادی اور نظریاتی تشنگی دور کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا چشمۂ علم وفن رواں دواں تھا۔لاہور کے اکثر علمائے کرام اپنے دینی مسائل کے حل کے لئے فاضلِ بریلوی کی طرف ہی رجوع کرتے تھے اور اعتقادی مشکلات کو دور کرنے کے لئے آپ سے رابطہ قائم کرتے تھے۔ہم آج سے سو سال پہلے کے لاہور کی بات کر رہے ہیں۔جب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد ِمأۃِ حاضرہ امام اہلِ سنت و جماعت مولانا الشاہ احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [۱۸۵۶ء/۱۹۲۱ء] بریلی میں مسندِ ارشاد پر بیٹھے سارے ہندوستان، بلکہ دنیائے عرب وعجم کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔لاہور ان دنوں مقتدر علمائے کرام کا مسکن تھا‘۔

[امام احمد رضا اور علمائے لاہور،طبع لاہور ۱۹۹۹ء ص:۱۲]

☆......ڈاکٹر مجید اللہ قادری تحریر کرتے ہیں:

’لاہور کی سرزمین کو یہ اعجاز بھی حاصل ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے مجددِ اعظم یعنی امام احمد رضا مجد دِملتِ طاہرہ نے یہاں قدم رنجہ فرمائے، بلکہ کئی بار لاہور تشریف لائے اور اپنے ظاہری و باطنی فیوض وبرکات سے اہلِ لاہور کو فیض یاب کیا‘۔

[امام احمد رضا اور علمائے لاہور،طبع لاہور ۱۹۹۹ء ص:۲۱،۲۲]

☆......یہی پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ذرا آگے لکھتے ہیں:

’انجمن نعمانیہ،نصف صدی سے زیادہ لاہور کی دینی فضاؤں پر چھائی رہی۔جب بھی کوئی دینی تحریک اٹھی۔انجمن کے متوسلین اس میں پیش پیش رہے اور جب کوئی دینی مسئلہ آجاتا،تو انتظامیہ امام احمد رضا خان سے رجوع کرتی۔......انجمنِ نعمانیہ ہر سال ایک سالانہ جلسہ منعقد

کرتی، جس میں نہ صرف لاہور اور پنجاب کے علما و مشائخ تشریف لاتے تھے، بلکہ دور دراز کے علاقوں سے بھی علما کو مدعو کیا جاتا اور انجمن کی دستارِ فضیلت کے اس جلسہ میں پاک و ہند کے جید علمائے کرام کو صدارت اور تقریر کرنے کی دعوت دی جاتی۔ چنانچہ ایک جلسہ میں امام احمد رضا خان بھی مدعو تھے اور ڈاکٹر اقبال بھی اسی جلسہ میں موجود تھے۔

[امام احمد رضا اور علمائے لاہور، طبع لاہور ۱۹۹۹ء ص: ۳۱]

☆......پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی اپنے ایک خط میں ڈاکٹر مجید اللہ قادری کو لکھتے ہیں:

'یہ بات اپنے نانا سے سنتے آئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت یہاں اس جلسہ میں تشریف لائے ہیں۔ جس میں ڈاکٹر اقبال بھی مدعو تھے۔ اس جلسہ میں جب ڈاکٹر اقبال نے اپنی ایک نعت سنائی، تو اعلیٰ حضرت نے اس میں ترمیم فرمائی'۔

[امام احمد رضا اور علمائے لاہور، طبع لاہور ۱۹۹۹ء ص: ۳۳]

☆......پنجاب کے نامور محقق سید نور محمد قادری اور حضرت مفتی تقدس علی خان بریلوی بھی اس بات پر متفق ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ انجمنِ نعمانیہ کے سالانہ اجلاس میں ڈاکٹر اقبال کی ملاقات اعلیٰ حضرت سے ہوئی تھی'۔ [امام احمد رضا اور علمائے لاہور، طبع لاہور ۱۹۹۹ء ص: ۲۴، ۲۵]

☆......اور اب ایک قریب العہد شہادت، شاہ مانا میاں پیلی بھیتی اپنی کتاب 'سوانحِ اعلیٰ حضرت' میں لکھتے ہیں:

'جن شہروں میں اعلیٰ حضرت تشریف لے گئے، ان میں لاہور اور امرتسر کو بڑی خصوصیت حاصل ہے۔ لاہور میں آپ انجمنِ نعمانیۂ ہند کے سالانہ اجتماعات میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ پورا لاہور آپ کے آنے کی خوشی محسوس کرتا تھا اور بڑے شاندار طریقے پر آپ کا استقبال کیا جاتا تھا۔ لاہور والوں کے لئے اعلیٰ حضرت اس لئے بھی مرکزِ محبت تھے کہ اعلیٰ حضرت کے مورثِ اعلیٰ سب سے پہلے لاہور میں آئے تھے اور 'شیش محل' ان کی یادگار کے طور پر موجود تھا۔ انجمنِ نعمانیۂ ہند لاہور، پورے پاک و ہند میں وہ پہلی مذہبی انجمن تھی، جس کے علمی اور تبلیغی کارنامے تاریخی حیثیت رکھتے تھے۔ انجمن کے ہی ایک اجتماع میں اعلیٰ حضرت سے علامہ اقبال

نے نیاز حاصل کیا تھا اور اپنی ایک نعت اعلیٰ حضرت کو سنائی تھی۔ جسے آپ نے پسند فرمایا تھا‘۔

[سوانحِ اعلیٰ حضرت، شاہ مانا میاں، طبع کراچی ۱۳۹۰ھ ص:۵۶،۵۷]

☆......اعلیٰ حضرت کے سفرِ لاہور کی تفصیل نہیں ملتی۔ نہ کوئی ذاتی و داخلی شہادت نظر سے گذری۔ کچھ معاصر اور خارجی شواہد کی بنیاد پر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے اس سفر کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ۱۵۶؍صفحات پر مشتمل یہ کتاب ’امام احمد رضا اور علمائے لاہور‘ ڈاکٹر مجید اللہ قادری کی ایک علمی کوشش اور تحقیقی کاوش ہے۔ جس میں اعلیٰ حضرت اور علما و مشائخِ لاہور کے مراسم و تعلقات پر ایک قابلِ مطالعہ کتاب ہے۔ پروگریسو بک سروس لاہور نے اسے ۱۹۹۹ء میں شائع کی ہے۔

☆......☆......☆



روشنیوں کا شہر: کراچی

☆......کراچی کا سفر قصد و ارادہ سے نہیں تھا، بلکہ اضطراراً اور دفعۃً تھا۔ جب آپ زیارتِ حرمین شریفین سے مراجعت فرما رہے تھے۔ قطب الارشاد امام احمد رضا قادری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

’جدہ پہنچ کر جہاز تیار ملا۔ بمبئی کے ٹکٹ بک رہے تھے۔ خریدے اور روانہ ہوئے۔ جب عدن

پہنچے، معلوم ہوا کہ جہاز والے نے، کہ رافضی تھا، دھوکہ دیا۔ عدن پہنچ کر اعلان کیا کہ جہاز کراچی جائے گا۔ ہم لوگوں نے قصد کیا کہ اتر لیں اور بمبئی جانے والے جہاز میں سوار ہوں۔ اتنے میں انگریز ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ بمبئی جانے والوں کو قرنطینہ میں رہنا ہوگا۔ ہم نے کہا، اس مصیبت کو کون جھیلے۔ اس سے کراچی ہی بھلی۔ راستے میں طوفان آیا اور ایسا سخت کہ جہاز کا لنگر ٹوٹ گیا۔ سخت ہولناک آواز پیدا ہوئی اور دعاؤں کی برکت مولیٰ تعالیٰ نے ہر طرح امان رکھی۔

جب کراچی پہنچے ہیں۔ ہمارے پاس صرف دو روپے باقی تھے اور اس زمانہ تک وہاں کسی سے تعارف نہ تھا۔ جہاز کنارے کے قریب ہی لگا اور عین ساحل پر چونگی کی چوکی۔ جس پر انگریز یا کوئی گورا نوکر، اسباب کثیر، محصول تک دینے کو نہیں، ہر چیز کی تعلیم وارشاد فرمانے والے پر بے شمار درود وسلام۔ ان کی ارشاد فرمائی ہوئی دعا پڑھی۔ وہ گورا آیا اور اسباب دیکھ کر بارہ آنے محصول کہا۔ ہم نے شکرِ الٰہی کیا اور بارہ آنے دے دیئے۔ چند منٹ بعد وہ پھر واپس آیا اور کہا، نہیں، نہیں۔ اسباب دِکھاؤ۔ سب صندوق وغیرہ دیکھے اور پھر بارہ ہی آنے کہے اور رسید دے کر چلا گیا۔ اب سوا روپیہ باقی رہا۔ اس میں سے منجھلے بھائی مرحوم مولوی حسن رضا خان صاحب کو تار دیا کہ دو سو روپے بھیجو۔ وہ تار مشتبہ ٹھہرا کہ بمبئی سے آتا، کراچی سے کیسا آیا۔ بارے روپے پہنچ گئے'۔ [الملفوظ طبع، بریلی، ۲/ ۴۱، ۴۲]

☆ ......اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: اس وقت تک وہاں کسی سے تعارف نہ تھا'۔ اس 'تعارف نہ تھا' کی وضاحت پروفیسر مجید اللہ قادری یوں کرتے ہیں:

'بظاہر یہ تعارض محسوس ہوتا ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنے 'ملفوظات' میں فرما رہے ہیں کہ: جب کراچی پہنچے، اس وقت تک وہاں کسی سے تعارف نہ تھا، جب کہ مولانا اکبر درس اور مولانا اصغر درس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے مدرسہ درسیہ میں ۵/ ۶/ دن قیام فرمایا۔ ممکن ہے کہ اس چھوٹے سے شہر کراچی میں خبر پہنچی کہ حاجیوں کا ایک جہاز بمبئی جانے کے بجائے کچھ عرصے کے لئے کراچی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوگا اور ان حجاج میں بریلی شریف کے اعلیٰ حضرت بھی قیام پذیر ہیں۔ تو بہت ممکن ہو کہ ملاقات کے اشتیاق میں مولانا درس جہاز میں ملنے گئے ہوں اور ان کو پھر اپنے ساتھ گھر لے آئے ہوں اور اعلیٰ حضرت نے اس واقعہ

کو اپنے 'ملفوظات' میں بیان نہ کیا ہو۔ [سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی ۱۹۹۴ء، ص:۱۵۵]

☆......اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنے ایک خط میں جناب مہر باز خان احمد آباد کو لکھتے ہیں:

'فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر جب جمادی الاولی ۱۳۲۴ھ میں بعد سفرِ مدینۂ طیبہ کراچی آیا اور وہاں سے احباب لانے پر مصر ہوئے'۔ [کلیاتِ مکاتیبِ رضا، طبع لاہور ۲۰۰۵ء ۲/۲۵۷]

☆...... پروفیسر سید محمد عارف صاحب لکھتے ہیں:

'مولانا احمد رضا خان ۱۹۰۵ء میں دوسری بارحج سے واپس ہوئے، تو کراچی میں سندھ کے مشہور عالمِ دین مولانا عبدالکریم درسؔ کے یہاں قیام فرمایا اور یہیں سے واپس بمبئی گئے۔ مولانا درسؔ کا مولانا بریلوی سے قلبی و قلمی رابطہ پہلے ہی سے تھا۔ چنانچہ ان کے خاندانی کتب خانہ میں اب بھی مولانا [بریلوی] کے خطوط موجود ہیں'۔

[سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی ۱۹۹۴ء ص:۱۵۶]

☆...... پروفیسر مجید اللہ قادری پھر لکھتے ہیں:

'شہر کراچی کے ایک ممتاز عالمِ دین اور سلسلۂ درسیہ کے جلیل القدر شیخِ طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالکریم درسؔ علیہ الرحمہ کے اعلیٰ حضرت سے بہت گہرے قلمی، ذاتی اور گھریلو تعلقات تھے۔ مولانا عبدالکریم کو، جن کا قیام کراچی کے علاقہ صدر میں تھا، اس بات کا اعجاز حاصل ہے کہ امامِ اہلِ سنت نے، جب کراچی شہر میں ۱۹۰۵ء میں دوسرے حج سے واپسی پر قدم رنجہ فرمایا، تو مدرسۂ درسیہ میں ۵/۶ دن قیام رہا'۔

[سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی، ۱۹۹۴ء ص:۱۵۵]

☆......شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالکریم درسؔ کے پوتے حضرت مولانا اصغر درسؔ بیان کرتے ہیں:

'مولانا عبدالکریم نے علمِ غیب کے موضوع پر سندھی زبان میں ایک رسالہ بعنوان 'ایضاح الحق' قلم بند کیا تھا۔ جو اس زمانہ میں ہی شائع ہوا تھا۔ اس رسالہ میں مولانا اپنے عقائد اور اعلیٰ حضرت سے محبت کا اظہار ان کلمات کے ساتھ کیا:

'میرے عقائد اس سلسلہ میں وہی ہیں، جو آج کے دور کے امام الامام مجددِ مائۃِ حاضرہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ہیں۔ جو ان [اعلیٰ حضرت] کی کتاب 'الدولۃ المکیہ، خالص

الاعتقاد، انباء المصطفیٰ وغیرہ میں درج ہیں‘۔

[سال نامہ ’معارفِ رضا‘ کراچی، ۱۹۹۴ء ص:۱۵۷]

☆......☆......شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالکریم درسؔ کے یہی پوتے حضرت مولانا اصغر درسؔ آگے بیان کرتے ہیں:

’مولانا عبدالکریم درسؔ نے کراچی شہر میں علمِ غیب کے مسئلہ پر بد مذہبوں کے ساتھ کئی مناظرے بھی کئے اور اپنی کمک کے لئے مولانا درسؔ نے ۱۱، ۱۹۱۰ء میں اعلیٰ حضرت کو خط لکھا۔ جس میں اس بات کی استدعا کی کہ کراچی شہر میں اس وقت مسئلہ علمِ غیب پر زبردست مناظرے جاری ہیں۔ آپ یہاں کچھ علما کو بھیجیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے مولانا درسؔ کی مدد کے لئے مولانا مفتی ہدایت رسول قادری [متوفی ۱۹۱۵ء] کو مناظرہ کرنے کے لئے کراچی بھیجا۔ چنانچہ آپ کراچی تشریف لائے اور بد مذہبوں کو مناظرے میں شکست دی اور اپنے عالمانہ وعظوں کے ذریعہ لوگوں کا ایمان سلامت رکھا اور بد مذہبوں سے توبہ کروائی‘۔

[سال نامہ ’معارفِ رضا‘ کراچی، ۱۹۹۴ء، ص:۱۵۸]

☆......شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالکریم درسؔ کراچی میں ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد شیخ التفسیر حضرت علامہ عبداللہ درسؔ علیہ الرحمہ کے علاوہ ایران ومصر میں مصری، عراقی، یمنی علما سے علمی استفادہ کیا۔ سندِ حدیث شیخ حسین بن محسن الخزرجی سے حاصل کی۔ نقیب الاشراف آغا السید عبدالسلام کیلانی سے بیعت و خلافت تھی۔ ۱۸۷۲ء میں مدرسۂ درسیہ کی بنیاد ڈالی۔ ۱۳۴۴ھ میں وصال فرمایا۔ مولانا محمد عبدالکریم درسؔ کا لڑکا تولد ہوا، تو اعلیٰ حضرت سے تاریخی نام رکھوایا۔ اعلیٰ حضرت نے ’ظہور الحسنین، ۱۳۲۰ھ تجویز فرمایا۔ مولانا محمد عبدالکریم درسؔ بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:

شعروں میں میرے اکثر انداز رضا کا ہے
سچ کہتے ہیں یہ جھوٹے یہ درسؔ رضائی ہے

اعلیٰ حضرت کے وصال پر مولانا درسؔ نے نثر ونظم میں تاریخی مادے کہے۔ اعلیٰ حضرت کے تیسرے عرس کے موقع پر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان کی دعوت پر مولانا درسؔ بریلی تشریف

لائے۔ بریلی سے واپسی پر مولانا درسؔ کا انتقال ۱۳۴۴ھ میں ہوا۔ مولانا درسؔ کے وصال پر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان نے فارسی زبان میں ایک نظم لکھی اور مادۂ تاریخ نکالا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

☆......سال نامہ 'معارفِ رضا' کراچی، ۱۹۹۴ء متعدد صفحات

☆......امام احمد رضا اور علما و مشائخِ کراچی و سندھ، از ڈاکٹر مجید اللہ قادری

☆......☆......☆



ضمیمہ نمبر ۱: ماخوذ از:

فاضلِ بریلوی

علمائے حجاز کی نظر میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ناشر:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۸ء

[ص: ۹۳ تا ۱۶۶]



تعارفِ مصنف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا

قدس سرہ

حرمین شریفین میں امام احمد رضا کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جب آپ پہلی بار ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں حج بیت اللہ تشریف لے گئے، تو اس قدر و منزلت کا آغاز ہو چکا تھا۔ جس کی تفصیل مولانا رحمان علی نے 'تذکرہ علمائے ہند[۱]' میں اور مولانا ادریس نگرامی نے 'تذکرۂ علمائے حال'[۲] میں بیان کی ہے۔ مولانا رحمان علی تحریر فرماتے ہیں:

'۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے۔ وہاں کے اکابر علما یعنی سید احمد دحلان [مفتیٔ شافعیہ] اور عبد الرحمٰن سراج [مفتیٔ حنفیہ] سے حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ ایک دن نمازِ مغرب مقامِ ابراہیم علیہ السلام میں ادا کی، نماز کے بعد امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے۔ دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا:

'انی لاجد نور اللہ من ھٰذا الجبین،

بے شک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور پاتا ہوں۔ اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے'۔

سند مذکور میں امام بخاری علیہ الرحمہ تک گیارہ واسطے ہیں۔ مکہ معظّمہ میں جمل اللیل موصوف کے ایما سے رسالہ 'الجوھرۃ المضیۃ' کی شرح، جو مناسکِ حج میں شافعی مذہب کے مطابق ہے، دو دن میں کی۔ یہ رسالہ شیخ حسین بن صالح کی تصنیف ہے۔ مولوی احمد رضا خان اس کا نام '

النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ' رکھ کر شیخ کی خدمت میں لے گئے۔ شیخ نے ان کے حق میں تحسین و آفرین فرمائی۔[۳]

ماہ نامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی کے ایک خصوصی شمارے میں امام احمد رضا کے سفرِ حجاز کے حالات و واقعات کو ذرا مفصل بیان کیا گیا ہے۔ رسالہ مذکور میں مولوی شاہ محمود جان قادری نے 'ذکر رضا' منظوم کے حاشیہ میں 'جوہرۂ مضیہ' کا اس طرح تعارف کرایا ہے:

'امام احمد رضا نے پہلے ابیات کا ترجمہ فرمایا۔ پھر شرح میں پہلے مطلب، پھر اختلافِ مذہبِ شافعیہ و حنفیہ اور بیانِ مذہبِ حنفیہ میں اختیارِ راجح و ترکِ مرجوح وغیرہ کے ساتھ متصف فرمایا اور بروز دوشنبہ ۷ رذی الحجہ سالِ مذکور ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء کو ختم فرما کر 'النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ' سے ملقب فرمایا۔ پھر اس پر بعض تعلیقات و حواشی تحریر فرمائے۔ جن میں فوائدِ لطیفہ و توضیح مسائل و تخریجِ احادیث وغیرہ کی گئی ہے۔ یہ تعلیق بھی ایک رسالہ ہوگئی، جس کا نام 'الطرۃ الوضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ' رکھا گیا۔ یہ کتاب قابلِ دید اور مسائلِ حج میں بے نظیر ہے۔ مطبع انوارِ احمدی لکھنؤ میں ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں طبع ہوئی'۔[۴]

ان بیانات سے ایک طرف تو امام احمد رضا کی علمی اور روحانی برتری اور تفوق کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف عربی زبان پر مہارتِ تامہ کا پتا چلتا ہے۔ ایسی مہارت، جس پر خود اہلِ عرب رشک کریں۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں، حقیقت ہے۔ امام احمد رضا کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شیخ ضیاء الدین مدنی مدظلہ العالی نے علامہ حافظ محمد احسان الحق [گوجرانوالہ] سے بیان فرمایا:

'ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علمائے کرام کے اجتماع میں میں نے اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کا مندرجہ ذیل قصیدۂ عربیہ پڑھا۔ تو انہوں نے بیک زبان کہا کہ: یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی النسل عالمِ دین کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے'۔ میں نے بتایا کہ: اس قصیدہ کے لکھنے والے مولانا احمد رضا بریلوی ہیں۔ جو عربی نہیں، بلکہ عجمی ہیں۔ علمائے مصر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی میں اتنے ماہر ہیں۔ قصیدہ یہ ہے:

الحمد للمتوحد بجلاله المتفرد
و صلاته دوماً علی خیر الانام محمد

والآل واصحابهم ماوائی عند شدائد
فالی العظیم توسلی بکتابه و باحمد
و بمن اتی بکلامه و بمن هدی وبمن هدی
وبطیبة و بمن حوت وبمنبر وبمسجد
و بکل من وجد الرضا من عند ربی واحد[۵]

پہلی بارزیارتِ حرمین شریف کے موقع پر امام احمد رضا کی، جوعزت افزائی ہوئی۔اس کا مختصر حال اور بیان کیا جاچکا ہے۔ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں جب دوسری بار تشریف لے گئے۔تو وہ اعزاز و اکرام ہوا کہ اہلِ پاک و ہند کو جس کا گمان بھی نہ ہوگا۔ان شاء اللہ اس کی تفصیل آ گے آئے گی۔پہلی بار سفرِ حج کے بعد علمائے حرمین کے سامنے امام احمد رضا کے بعض فتوے پیش کئے گئے۔جس سے ان کے دلوں پر آپ کی فضلیتِ علمی اور تحقیق و استدلال کا سکہ بیٹھ گیا۔تعارف تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔منجملہ ان فتاوی کے فتاوی موسومہ 'الجام السنة لاھلِ الفتنۃ تھا۔جس کا موضوع ندوہ کے علما کی تردید تھا۔[۶]

۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں یہ رسالہ علمائے حرمین کے سامنے پیش کیا گیا اوراس پر ان کی تصدیقات حاصل کر کے ۱۳۱۷ھ میں یہ تصدیقات 'فتاوی الحرمین لرجف ندوۃ المین' کے نام سے شائع ہوئی۔ یہ ساری تفصیل حکیم عبدالحئ لکھنوی نے 'نزہۃ الخواطر' جلد ہشتم میں دی ہے۔وہ تحریر کرتے ہیں:

'انعقدت حفلة مدرسة فیض عام سنة احد عشرة و ثلاثة مأة و الف فی کان فورو حضرها اکثر العلماء النابهین و هی الحفلة اللتی تأسست فیها 'ندوة العلماء' و من اکبر اغراضها توحید کلمة المسلمین و اصلاح ذات البین بین علماء الطوائف و اصلاح التعلیم الدین و حضرها المفتی احمد رضا المترجم و خرج منها و قد قدر محاربة هٰذه الجمعیة فاصدر صحیفة اسماها ' التحفة الحنفیة' لمعارضة ندوة العلماء و الف نحو مأة رسالة و کتاب فی الرد علیها و اخذ فتاوی العلماء فی انهاء الهند و توقیعتهم فی تکفیر علماء الندوة و جمعها فی کتاب سماه ' الجام السنة

لاھلِ الفتنۃ‘ و اخذ علیٰ ذلک توثیق علماء الحرمین و نشر فی مجموعۃ سماھا ’فتاوی الحرمین لرجف ندوۃ المین، فی سنۃ سبع عشرۃ و ثلاثۃ مأۃ الف‘۔[۷]

ترجمہ: ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء میں کان پور مدرسہ فیض عام میں ایک اجتماع منعقد ہوا۔ اس میں بہت سے علمائے کرام تشریف لائے۔ یہ وہی اجتماع ہے، جس میں ندوۃ العلما کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ مسلمانوں کو متحد کیا جائے۔ ان کی اصلاح کی جائے۔ علما کے مختلف طبقوں کو قریب لایا جائے۔ دینی تعلیم کی اصلاح کی جائے۔ اس ادارہ میں مفتی احمد رضا خان بھی آئے۔ لیکن پھر علاحدہ ہو گئے اور اس جمعیت سے آمادۂ پیکار ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے ندوۃ العلما کی مخالفت میں ایک رسالہ ’تحفۂ حنفیہ‘ جاری کیا۔ اس کے علاوہ علمائے ندوہ کے خلاف سو رسالے لکھے اور ہندوستان کے علما سے ان کی تکفیر کے فتوے لئے۔ اس پر تقریظیں حاصل کیں اور ان سب کو یکجا کر کے کتابی شکل دی اور اس کا نام **’الجام السنۃ لاھل الفتنۃ‘** رکھا اور اس پر پھر علمائے حرمین کی توثیقات حاصل کیں اور ان سب کو ایک مجموعے کی شکل میں ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں شائع کیا۔ اس مجموعے کا نام تھا: **فتاوی الحرمین لرجف ندوۃ المین‘۔**

امام احمد رضا کے پہلے سفرِ حج کے دوران علمائے حرمین کافی متاثر ہو چکے تھے۔ پھر جب علما کے سامنے آپ کے فتوے پیش کئے گئے، تو ان کو آپ کے تبحر علمی اور قوتِ استدلال کا اندازہ ہوا اور آپ کی عظمت کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ چنانچہ جب دوسری بار سفرِ حج پر تشریف لے گئے، تو غیر معمولی اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ غالباً مخالفین کو اس کا پہلے سے اندازہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنا کام شروع کیا۔ اسی زمانہ میں مولوی خلیل احمد انبیٹھی بھی وہاں گئے۔ امام احمد رضا کے زمانۂ قیام میں موصوف کا وہاں جانا معنی خیز معلوم ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے ان کی موجودگی کا اس طرح ذکر کیا ہے:

’اور یہ تمہیں یاد رہے کہ یہ کتاب ’براہینِ قاطعہ‘ جو خلیل احمد انبیٹھی کی طرف منسوب ہے، جو اس سال حجِ کعبہ کو آیا اور ابھی یہاں موجود ہے اور اس پر اس کے استاذ رشید احمد گنگوہی نے تقریظ لکھی اور اس کے ایک ایک حرف کو صحیح بتایا۔ ہمارے سردار علمائے حرمین شریفین اس کا رد فرما چکے ہیں‘۔[۸]

غالباً مولوی خلیل احمد کے ایما پر ’براہینِ قاطعہ‘ کا سہارا لے کر، جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے علم کو ابلیس لعین کے علم سے کم تر بتایا ہے۔ مسئلہ علمِ غیب کے بارے میں ایک بحث چھڑ گئی اور حکومتِ وقت کو بھی اس میں ملوث کیا گیا۔ مگر امام احمد رضا نے اس کا مسکت جواب دیا اور اس فاضلانہ، عارفانہ اور محققانہ جواب کو 'الدولة المكية بالمادة الغيبية ۱۳۲۳ھ کے تاریخی نام سے معنون کیا اور پھر اس پر علمائے حجاز کی تصدیقات حاصل کر کے ان تصدیقات کو' الفيوضات المكية لمحب الدولة المكية' ۱۳۲۶ھ کے نام سے شائع کیا گیا۔

ان تصدیقات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے عرب امام احمد رضا کی شخصیت و علمیت سے بے حد متاثر تھے۔ 'الدولة المكية' کے تفصیلی تعارف کے بعد ہم ان تصدیقات کے اقتباسات پیش کریں گے۔ تاکہ قارئین کرام خود پڑھ کر امام احمد رضا کی ہمہ گیر مقبولیت اور محبوبیت کا اچھی طرح اندازہ کر سکیں۔



حوالے و حواشی:

۱......مولانا رحمان علی [۱۲۴۴ھ، ۱۸۲۸ء/ تا ۱۳۲۵ھ، ۱۹۰۷ء] نے 'تذکرۂ علمائے ہند' نامی کتاب ۱۳۰۵ھ، ۱۸۸۷ء، ۱۸۸۸ء میں لکھنی شروع کی۔ غالباً ۱۳۰۷ھ، ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء، ۱۸۹۱ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچی اور اس کا پہلا اڈیشن ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔

۲......محمد ادریس نگرامی 'تطیب الاخوان بذکر علماء الزمان' ملقب بہ 'تذکرۂ علمائے حال' مؤلفہ ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء مطبوعہ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء، ص: ۱۰، ۱۱۔

۳......رحمان علی، تذکرۂ علمائے ہند، ص: ۹۸/ ۹۹۔

۴......شاہ محمود جان، ذکرِ رضا، مطبوعہ ماہ نامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۲ء مجددِ اعظم نمبر ص: ۸/ یہ کتاب عن قریب مکتبہ رضویہ لاہور کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے۔

نوٹ: اس رسالہ کے ص: ۲۶/ پر مولانا مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی نے تعارف کے عنوان سے علمائے حرمین شریفین کے اعزازی کلمات کو مختصراً پیش کیا ہے۔ مسعودؔ

۵......احمد رضا خان، حدائقِ بخشش، حصہ سوم، مطبوعہ بدایوں، ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، ص: ۲۔

نوٹ: قصیدہ عربیہ طویل ہے۔ یہاں بخوفِ طوالت چند اشعار پیش کئے گئے ہیں۔ مسعودؔ

۶......علمائے ندوہ صلح کل کے داعی تھے اور ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے تھے۔ خواہ اس کے عقائد کچھ ہی کیوں

نہ ہوں۔ فاضلِ بریلوی اس غیر واضح فکری اور نظری تحریک کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے اور اس کے سخت مخالف تھے۔ علمائے دیو بند بھی اس تحریک اور اس کے بانی کو مشکوک نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے فتوے [مطبوعہ تحفۂ ہندیہ پریس دہلی ۱۳۳۲ھ] میں دار الندوہ کے روحِ رواں مولوی شبلی نعمانی پر سخت تنقید کی اور ان کو معتزلہ اور ملاحدہ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح مولانا انور شاہ کشمیری نے بھی 'مقدمۂ مشکلات القرآن' ص:۳۲؍ میں مولوی شبلی کے لئے بہت سخت جملے استعمال کئے ہیں۔ [بحوالہ: سوانح اعلیٰ حضرت ص:۵۵؍۵۶؍]

۷......عبد الحیٔ لکھنوی، نذہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر' الجزو الثامن، مطبع مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ص:۴۰؍

۸......مولانا احمد رضا خان، الدولۃ المکیہ، ص:۲۹۷؍

☆......☆......☆



تعارف وسببِ تصنیف
الدولة المکیة بالمادة الغیبیة

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں، جو نسبتاً ضخیم ہے، مسئلہ علمِ غیب [۱] پر فاضلانہ اور محققانہ بحث فرمائی ہے۔ بعض مباحث، جن کا تعلق علم ریاضی و علم منطق وفلسفہ سے ہے۔ عامۃ الناس، بلکہ اب تو خواص کے فہم سے بھی بالاتر ہوں گے۔ دوسرے حصے میں دوسرے چار سوالات کے جوابات پیش کئے گئے ہیں۔ جن کا تعلق مولانا شاہ سلامت اللہ کی کتاب 'اعلام الاذکیا' [مطبوعہ ہند] کے آخر میں واقع ایک عبارت سے ہے اور ایک سوال کا تعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خطبہ 'مدارج النبوۃ' سے ہے۔ یہ کتاب ۲۶/اور ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو دو نشستوں میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں تصنیف فرمائی۔ جیسا کہ اس کتاب کے آخر میں خود صراحت فرمائی ہے۔

'الدولة المکیة' کے دیباچہ میں فاضلِ بریلوی نے وہ تفصیلات دی ہیں، جو اس کتاب کی تدوین وترتیب کے محرکات میں شامل ہیں اور جو اہمیت سے خالی نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

'میرے پاس علمِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض ہندیوں کی طرف سے پیر کے دن عصر کے وقت ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو ایک سوال آیا اور میرے گمان میں ان بعض وہابیہ کا اٹھایا ہوا ہے۔ جنہوں نے دل کھول کر اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اور ہندوستان میں اس کی کتابیں شائع کیں۔ یہ اس لئے کہ یہاں اگر کسی سنی کو کسی مسئلہ کی حاجت ہو، علما سے دریافت کرنے کی، تو یہ اللہ کا امان والا شہر ہے۔ بحمد اللہ علم وعلما سے بھرا ہوا ہے'۔ [۲]

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

'اور انہوں نے جانا کہ میں مکہ معظّمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت میں مشغول اور اپنے مولیٰ ومحبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی جانب جانے کی جلدی ہے۔

تو انھوں نے یہ سوال اٹھایا۔ اس طمع پر کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا اور کتابیں پاس نہ ہونا، مجھے اظہارِ جواب سے روک دے گا۔ تو اس میں ان کو عید و خوشی ہو جائے گی............اور نہ جانا کہ یہ دینِ متین امان میں ہے اور جو کوئی اس کی مدد کرے، منصور و محفوظ ہے۔[۳] مولانا اسماعیل بن خلیل [مکہ مکرمہ] نے بھی اپنی تقریظ میں ان واقعات کا مفصل ذکر کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

'شیخنا العلامة المجدد شیخ الاساتذة علی الاطلاق المولوی الشیخ احمد رضاخان، جب ۱۳۲۳ھ میں حجِ بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لائے۔ بعض فاسقوں کی مدد سے چند بدنصیبوں نے اس وقت کے شریفِ مکہ کے یہاں ضرر پہنچانے میں کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں۔ تو مولانا نے، اللہ ان کی تائید کرے، اس سوال پر وہ جواب لکھا، جس سے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کی اور ہر کافر و فاسق و گمراہ کو ذلیل و خوار کیا۔ ترجمہ،[۴]

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

'ہمارے شیخ مذکور حضرت احمد رضا خان، جب تحریرِ جواب سے فارغ ہوئے، شریفِ مکہ نے شیخ صالح کمال [سابق مفتیٔ مکہ] کو حکم دیا کہ رسالہ ان کے دربار میں برملا پڑھیں۔ چنانچہ رسالہ پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے۔ سن سن کے حیرت زدہ رہ گئے اور ذلیل و خوار ہوئے۔ اس وقت شریفِ مکہ پر ظاہر ہو گیا کہ مولانا احمد رضا حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ثقہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ شریفِ مکہ کے ایک ملازم نے درخواست کی کہ شیخ میں ایک گونہ اہانت جاری کرنے کی اجازت دیں۔ تو شریفِ مکہ نے انکار کر دیا اور فرمایا:

'کیف یکون اجری مثل ھٰذا الامر و العلماء کلھم قاطبة قائمون و قائلون بقولہ و انا کلنا مرجعنا الیھم و الاستفادة منھم'۔[۵]

[ترجمہ] ایسے امر کا اجرا کیوں کر ہو سکتا ہے، حالاں کہ تمام علما اس کی مدد پر قائم ہیں اور وہی کہہ رہے ہیں، جو وہ کہتا ہے اور ہم سب کا رجوع علما ہی کی طرف ہے اور انہیں سے فائدہ حاصل

کرتے ہیں‘۔[ترجمہ از مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ]

اس کے بعد فاضل، بریلوی کو جو مقبولیت حاصل ہوئی، اس کو شیخ ممدوح بڑے مؤثر انداز میں بیان فرماتے ہیں:

’فاعز اللہ مولانا الشیخ احمد المذکور علی رغم انوفھم و اکتنفہ العلماء و الطلبۃ فمن سائل مستفید و من مقدم سوالاً للاستفسار علی القول السدید و من طالب اجازۃ و من منتظر اشارۃ ھٰذا حالہ و ھو بمکۃ‘۔[۶]

[ترجمہ] علما اور طلبۂ علم نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا۔[۷] تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی مسئلہ پیش کرتا ہے اور کوئی اجازت مانگتا ہے اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا ہے۔ یہ حال تھا، جب مکہ میں تھے۔

یہ ایک جلیل القدر مکی عالم کا بیان ہے۔جس کو تعصب کی نگاہ سے دیکھنا مناسب نہیں۔

ع: چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا۔

فاضلِ بریلوی کے صاحب زادے حضرت مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ بھی رفیقِ سفر تھے۔موصوف نے فاضلِ بریلوی کے رسالہ ’کفل الفقیہہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم‘ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء، کے دیباچہ میں کچھ روشنی ڈالی ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

’سالِ گذشتہ سے پہلے سال دوسری بار زیارتِ حرمین شریفین اور حج کے لئے متوجہ ہو گئے[۸]

مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں خوب خوب عزت و توقیر کی گئی۔ وہاں علما و فضلا اور مشاہیر بڑے اعزاز و اکرام سے ملے۔ دست بوسی کی۔ حدیثِ مسلسل بالاولیہ سنی۔ حدیث کی کتابوں، صحاح و سنن و مسانید و معاجم اور چاروں مصافحوں کی اجازت لی۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں منسلک ہوئے اور یہ تمام باتیں چھوٹی اور بڑی سب ان عمائد، علما اور اکابر کے اصرار سے ہوئیں۔ دراصل رسالہ ’الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ‘ ۱۳۲۳ھ نے حرمین شریفین میں آپ کا غلغلہ پیدا کر دیا۔ یہ کتاب مجموعی طور پر ساڑھے آٹھ گھنٹوں میں تالیف فرمائی۔اس رسالہ سے وہاں کے علما کو محسوس ہوا کہ مصنف مشاہیر علوم معقول

ومنقول میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔[۹]

مولانا حکیم عبدالحئ لکھنوی نے بھی سرزمینِ حجاز میں آپ کی تالیفات اور سرعتِ تحریر کا ذکر کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

’و سافر الی الحرمین الشریفین عدة مرات و ذاکر علماء الحجاز فی بعض المسائل الفقهية و الكلامية و الف بعض الرسائل اثناء اقامته بالحرمين الشريفين و اجاب عن بعض المسائل اللتی عرضت علی العلماء الحرمين و اعجبوا بغزارة علمه و سعة اطلاعه علی المتون الفقهية و المسائل الخلافية و سرعة تحريره و ذكائه‘۔[۱۰]

[ترجمہ]: کئی بار حرمین شریفین کا سفر کیا اور علمائے حجاز سے بعض مسائل فقہیہ اور کلامیہ میں مذاکرہ بھی کیا۔ حرمین شریفین کے قیام کے زمانہ میں بعض رسائل بھی لکھے اور علمائے حرمین نے بعض سوالات کئے۔ تو ان کے جوابات بھی تحریر کئے۔ متونِ فقہیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعتِ تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔[۱۱]

فاضلِ بریلوی کے متعلق عوام وخواص کو یہ باور کرایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو علمِ کلی تصور فرماتے ہیں اور اس طرح شرک کے مرتکب ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحئ لکھنوی جیسا فاضل انسان اپنی تصنیف ’نزہۃ الخواطر‘ میں تحریر کرتا ہے:

’و کان یعتقد بان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و اٰلہ و سلم کان یعلم الغیب علماً کلیاً‘۔[۱۲]

شیخ سید اسماعیل بن خلیل مکی نے اس تہمت کی سختی سے تردید فرمائی۔ چنانچہ ’الدولۃ المکیۃ‘ پر تقریظ لکھتے ہوئے وہ تحریر فرماتے ہیں:

’بلکہ ایک اور نے اپنی تحریر میں یہ جھوٹ باندھا اور بہتان لگایا کہ حضرت احمد رضا نے اپنے رسالہ میں، جو اس سوال کے جواب میں لکھا۔ یہ حکم لگایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیر متناہی بالفعل سے متعلق ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، مثلِ علمِ الٰہی کے ہے۔ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ حاشا اللہ! ہمارے شیخ مذکور نے ان میں سے کوئی بات کہی ہو اور کیسے یقین کیا جا

سکتا ہے۔ جب کہ رسالہ خود ہمارے ہاتھ میں ہے‘۔[۱۳]

ہمارا موضوع تو صرف یہ دِکھانا ہے کہ حرمین شریفین میں فاضلِ بریلوی کو کیسے اعزاز و اکرام سے نوازا گیا تھا۔لیکن چوں کہ ان تمام محامد ومحاسن کا تعلق ان تقاریظ سے ہے، جو مسئلۂ علمِ غیب یا علمائے دیوبند کی بعض دوسری تحریرات کے رد میں فاضلِ بریلوی کے رسائل پر علمائے حرمین شریفین نے تحریر فرمائیں۔ اس لئے مناسب سمجھا کہ ان رسائل کے مندرجات کا مختصر تعارف کرادیا جائے۔ تاکہ مخالف یہ کہہ کر فارغ نہ ہوجائے کہ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا موضوع تو ہمارے اسلاف کی تحقیر وتذلیل ہے یا یہ تاثر دینے کی کوشش کرے کہ علمائے عرب نے فاضلِ بریلوی کی تعریف وتوصیف میں جو کچھ لکھا، محض غلط فہمی کی بنیاد پر لکھا۔[۱۴]

بلکہ وہ ٹھنڈے دل سے تعصب سے بالاتر رہ کر مسئلہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہو اور پھر علمائے حرمین کی تصدیقات کو غور وفکر کے ساتھ پڑھے اور یہ سوچے کہ دیارِ بعید میں، جو علم وحکمت کا گہوارہ ہے، یہ عجمی عالم کی اتنی قدر ومنزلت کیوں کی گئی اور علما کی ایک کثیر جماعت اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور پھر اگر خدا توفیق دے، تو اس مردِ کامل کی طرف سے اپنی بد گمانیوں کو دور کرکے صراطِ مستقیم اختیار کرے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا۔ ’الدولۃ المکیۃ‘ کے حصہ اول کا موضوع مسئلۂ علمِ غیب ہے۔ فاضل بریلوی پر یہ تہمت تھی کہ وہ علمِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ الٰہی کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ مگر کتاب مذکور کے مندرجات سے اس خیالِ خام کی پرزور تردید ہوتی ہے۔ ہم قارئین کرام کی تطہیر وتزئینِ قلب ونظر کے لئے بعض ضروری اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

[۱]

جو غیر خدا سے علمِ غیب کی مطلقاً ایسی نفی کرے کہ کسی طرح ثابت ہی نہ مانے، وہ ان آیتوں سے کفر کرتا ہے، جو ثابت فرماتی ہیں اور جو مطلقاً اس طرح ثابت کرے کہ کسی وجہ سے نفی مانے ہی نہیں۔ وہ ان آیتوں سے کفر کرتا ہے، جو نفی فرماتی ہیں اور مسلمان سب پر ایمان لاتا ہے اور مختلف راہوں میں نہیں پڑتا۔[۱۵]

پہلی تقسیم تو یہ ہے کہ علم یا تو ذاتی ہے۔ جب کہ نفسِ ذات عالم سے صادر ہو۔ اس کے غیر کو

اس میں کچھ دخل نہ ہو۔ یوں کہ غیر کی عطا سے ہو، نہ یوں کہ غیر اس میں کسی طرح سبب پڑے اور یا عطائی ہے۔ جب کہ غیر کی عطا سے ہو۔

پہلی قسم: مولیٰ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے غیر کے لئے محال ہے اور جو اس میں سے کوئی حصہ جہاں بھر میں کسی کے لئے ثابت کرے، اگر چہ ایک ذرہ سے کم سے کم تر، وہ یقیناً مشرک ہے۔

اور دوسری قسم: مولیٰ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ کے لئے ممکن نہیں اور جو اس کا کوئی علم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرے، وہ کافر ہے اور ایسی چیز لایا، جو شرکِ اکبر سے بھی زیادہ خبیث و شنیع ہے۔ اس لئے مشرک تو وہ ہے، جو اللہ کے برابر دوسرے کو جانے اور اس میں غیر خدا کو خدا سے برتر سمجھا کہ اس نے اپنے علم و خیر کا فیض خدا کو پہنچا دیا۔ [۱۶]

[۲]

جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو پوری تفصیل کے ساتھ کسی مخلوق کا محیط ہو جانا، عقلاً و شرعاً دونوں طرح محال ہے۔ بلکہ اگر تمام اولین و آخرین سب کے علوم جمع کر دیے جائیں، تو ان کے مجموعے کو علومِ الٰہیہ سے اصلاً کوئی نسبت نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی، جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ کو دس لاکھ سمندروں سے، اس واسطے کہ بوند کا یہ حصہ بھی محدود ہے اور دریائے ذخار بھی متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے ضرور کوئی نسبت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہم بوند کے اس حصے کے برابر یکے بعد دیگرے ان سمندروں میں سے پانی لیتے جائیں، تو ضرور ان سمندروں پر ایک دن وہ آئے گا کہ ختم و فنا ہو جائیں گے کہ آخر متناہی ہیں۔ لیکن غیر متناہی میں سے کتنے ہی بڑے متناہی حصے کی امثال لیتے چلے جاؤ۔ تو حاصل ہمیشہ متناہی ہی ہوگا اور اس میں ہمیشہ غیر متناہی باقی رہے گا۔ تو کبھی کوئی نسبت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے ہمارا ایمان اللہ عز و جل پر۔ [۱۷]

[۳]

اللہ سبحانہ نے غیب پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے، تو جو غیب کو جانتا نہیں۔ اس کی تصدیق کیوں کر کرے گا اور جو تصدیق نہ کرے گا۔ اس پر ایمان

کیوں کر لائے گا۔تو ثابت ہوا کہ علم، جو اللہ عز وجل کے ساتھ خاص ہونے کے لائق ہے، وہ نہیں، مگر علمِ ذاتی۔تو جن آیتوں میں غیر خدا سے نفی فرمائی۔ اس میں ضرور ہے کہ یہی دونوں معانی[علمِ ذاتی اور علمِ مطلق تفصیلی، جو تمام معلوماتِ الٰہیہ کو حقیقی طور پر محیط ہو] مراد ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ علم، جسے بندوں کے لئے ثابت کر سکتے ہیں، وہ علمِ عطائی ہیں۔ بے شک اللہ سبحانہ نے علم سے اپنے بندوں کی مدح فرمائی ہے کہ فرماتا ہے:

'ملائکہ نے ابراہیم کو ایک علم والے لڑکے کی خوش خبری دی'۔

اور فرمایا:

'ہم نے خضر کو علمِ لدنی عطا کیا'۔

اور فرمایا:

'اے نبی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھا دیا، جو کچھ تم نہ جانتے تھے'۔[۱۸]

[۴]

وہ جو علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبوں کے مطلق علم کی نفی کرتا ہے۔[۱۹] اگر چہ خدا کی عطا سے ہو، تو ایسا شخص اس چیز کی نفی کر رہا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ثابت فرمائی ہے اور اس کا یہ قول اس کے ایمان کی نفی کرتا ہے اور اس کا زیاں کار ہونے کے لئے کافی ہے۔[۲۰]

تمام وکمال جملہ مخلوقات کے مجموعۂ علوم کی ہمارے رب العالمین کے علوم سے برابری کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ بھی گذرے۔ کیا اندھوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور خلق کا علم عطائی اور اللہ کا علم اس کی ذات کے لئے واجب ہے اور خلق کا علم اس کے لئے ممکن۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم ازلی سرمدی قدیم حقیقی ہے اور مخلوق کا علم حادث، اس لئے کہ تمام مخلوقات حادث ہیں اور صفت موصوف سے پہلے نہیں ہو سکتی اور اللہ سبحانہ کا علم مخلوق نہیں اور خلق کا علم مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم کسی کے زیر قدرت نہیں اور خلق کا علم اللہ کی قدرت میں اور اس کے زیر دست ہے۔ علمِ الٰہی کا ہمیشہ رہنا واجب اور علمِ مخلوق کی فنا ممکن۔ علم الٰہی کسی طرح بدل نہیں سکتا اور علمِ خلق میں تغیر روا۔[۲۱]

[۵]

ایک بادشاہِ جبار تمام وکمال دنیا کا مالک ہوا اور ہر چھوٹا بڑا خزانہ سب اسی کی ملک میں تھا اور اس کے کچھ نواب سردار تھے۔ جنہیں ایک ایک ضلع کے خزانہ پر اس نے مسلط کیا۔ تا کہ محتاجوں کی اعانت کریں اور مسکینوں کو خیرات دیں اور سب پر ایک نائب اعظم کو سردار کیا۔ جس کے اوپر سب سے زیادہ عزت والے بادشاہ کے سوا کوئی نہیں۔ تو بادشاہ نے اپنے تمام خزانے اس کے دستِ اختیار میں دے دیے اور خاص اپنی ذات کے سوا سب کے معاملات اس کے سپرد کر دیے۔ تو وہ نائبِ اعظم سب نوابوں اور سرداروں پر تقسیم کرتا ہے اور وہ درجہ بدرجہ اپنے ماتحتوں پر بانٹتے ہیں۔

یہاں تک کہ وہ تقسیم فقیر تک پہنچتی ہے۔ تو ہر ایک کو اس کا نصیب ملتا ہے اور ان محتاجوں میں ایک بد بخت مطرود گندہ مردود ہے، جو بادشاہ اور اس کے نوابوں سے جھگڑتا ہے، تو نہ ان کی عقیدت رکھے اور نہ ان کی تعظیم کرے، نہ انہیں اپنے سے کچھ بڑھ کر سمجھے اور وہ نانِ شبینہ کا محتاج ہے۔ فقیر، آفت زدہ، مسکین، مفلس اسے امیروں کی تقسیم سے صرف ایک پیسہ پہنچا کھوٹا اور وہ کہتا ہے کہ میں اور نائبِ اعظم دونوں مال وملک میں برابر ہیں۔ اس لئے کہ اگر تمام اموال کی ملک مراد لی جائے، تو وہ خلیفہ کو بھی حاصل نہیں اور اگر بعض کی ملک مراد ہے، تو اس میں خلیفہ کی خصوصیت کیا ہے کہ بعض کا میں بھی مالک ہوں۔ کیا یہ کالا کھوٹا پیسہ میری ملک میں نہیں؟ تو اس بد بخت بڑے ناشکرے محتاج مغرور بد کنے والے نے نہ تو عطائے خلیفہ کا حق مانا اور نہ منصبِ خلافت کی تعظیم کی اور ایک کھوٹے پیسے اور معمور خزانوں میں، جو شرق سے غرب تک زمین کو بھرے ہوئے ہیں، کچھ فرق نہ کیا۔ بلکہ اس بادشاہ جبار ہی کی قدر جیسی چاہیے، نہ پہچانی۔ [۲۲]

[۶]

اور ہم گروہِ اہلِ حق بحمد اللہ جانتے ہیں کہ روز اول سے جو کچھ ہو گذرا اور روزِ آخر تک جو کچھ آئے گا۔ اس سب کی تفصیل جو ہم نے ذکر کی۔ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے حضور نہیں۔ مگر ایک تھوڑی چیز اور اس پر دلیل رب العزت کا یہ ارشاد ہے:

'اس نے بتا دیا تمہیں جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے'۔ [۲۳]

[۷]

اگر تو تمنا پوری ہوئے بغیر نہ مانے، تو تجھے کافی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا:

'ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے، تو حضور نے ابتدائے آفرینش سے یہاں تک کہ جنت والے جنت میں، دوزخ والے دوزخ میں جائیں گے۔ سب احوال کی ہمیں خبر دے دی'۔ [۲۴]

اور صحیح مسلم کی حدیث: عمرو بن اخطب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، جس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صبح سے غروب تک خطبہ فرمانا مذکور ہے، اس میں یہ لفظ ہے:

'تو جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے۔ اس سب کی ہمیں خبر دی۔ ہم میں زیادہ علم اسے ہے، جسے زیادہ یاد رہا'۔ [۲۵]

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث، حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے فرمایا کہ ایک بار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے، تو حضور نے وقتِ قیام سے روزِ قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا۔ کچھ نہ چھوڑا۔ سب بیان کر دیا'۔ [۲۶]

اور ترمذی کی حدیث: معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، جس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

'میں نے رب عزوجل کو دیکھا۔ اس نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے بیچ میں رکھا۔ جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی۔ تو مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہنچان لیا'۔ [۲۷]

نیز ترمذی کی حدیث: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

'میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، سب جان لیا'۔ [۲۸]

اور دوسری روایت میں ہے:

'جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے، سب مجھے معلوم ہو گیا'۔ [۲۹]

صحیحین میں سورج گرہن کی حدیث میں ہے:

'جو کوئی چیز میرے دیکھنے میں نہ آئی تھی، وہ سب میں نے اپنے مقام میں دیکھ لی'۔[۳۰]

[۸]

یہ ہے ہمارے رب کا کلام، فیصلے کی بات اور عدالت والا حاکم فرماتا ہے اور اس کا فرمان حق ہے:

'ہم نے تم پر قرآن اتارا ہر چیز کا روشن بیان'۔

اور فرماتا ہے:

'قرآن بناوٹ کی بات نہیں، بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق اور ہر شئے کی تفصیل ہے'۔

اور فرماتا ہے:

'ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی'۔

قرآنِ عظیم گواہ ہے اور اس کی گواہی کس قدر اعظم ہے کہ وہ ہر چیز کا تبیان ہے اور تبیان اس روشن اور واضح بیان کو کہتے ہیں، جو اصلاً پوشیدگی باقی نہ رکھے کہ زیادتِ لفظ، زیادتِ معنی پر دلالت ہوتی ہے اور بیان کے لئے ایک بیان کرنے والا چاہیے۔ وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے اور دوسرا وہ، جس کے لئے بیان کیا جائے، اور وہ، وہ ہیں، جن پر قرآن اترا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور اہلِ سنت کے نزدیک 'شئے' ہر موجود کو کہتے ہیں۔ تو اس میں جملہ موجودات داخل ہو گئے اور انہیں موجودات میں سے لوحِ محفوظ کی تحریر ہے۔ تو ضرور ہے کہ قرآنِ عظیم میں ان تمام چیزوں کا بیان روشن اور تفصیلِ کامل ہو اور یہ بھی اس حکمت والے قرآن سے پوچھیں کہ لوح میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے'۔[۳۱]

[۹]

جب کہ تمہیں معلوم ہولیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم قرآن عظیم سے مستفاد ہے اور ہر چیز کا روشن بیان اور ہر شئے کی تفصیل ہونا، یہ اس کتابِ کریم کی صفت ہے، نہ کہ اس کی ہر ہر آیت یا ہر ہر سوت کی اور قرآنِ عظیم دفعۃً نہ اترا۔ بلکہ تقریباً ۲۳/ برس میں تھوڑا تھوڑا۔ جب کوئی سورت یا آیت اترتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علموں پر اور علوم بڑھاتی۔ یہاں تک کہ

قرآن عظیم کا نزول پورا ہوا۔ ہر چیز کا روشن بیان پورا ہو گیا اور اللہ عز وجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ جیسا کہ قرآنِ عظیم میں اس کا وعدہ فرمایا تھا‘۔ [۳۲]

تعجب و حیرت ہے کہ علمِ غیب کے متعلق ان واضح ارشادات کے باوجود عوام تو عوام، علما کے ایک طبقے میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ فاضلِ بریلوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو علمِ کلی تصور فرماتے تھے۔ جیسا کہ حکیم عبدالحیٔ لکھنوی نے تحریر فرمایا ہے:

’و کان یعتقد بان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کان یعلم الغیب علماً کلیاً‘۔ [۳۳]

رسالہ ’الدولة المکیة‘ جو کہ مکہ مکرمہ میں قلم برداشتہ تحریر فرمایا اور جو فاضلِ بریلوی کی علمیت، ذہانت، فطانت اور فقاہت پر شاہد عدل ہے۔ جب علمائے حرمین شریفین کے سامنے پیش کیا گیا، تو انہوں نے اپنی تصدیقات اور تقاریظ سے اس کو مزین فرمایا۔ ایک دو عالم نہیں، ایک کثیر جماعتِ علما نے تصدیق فرمائی اور ان فضائل و مناقب سے نوازا۔ شاید کسی عجمی عالم کو اس طرح نہ نوازا ہوگا۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان مفصل و مبسوط تصدیقات و تقاریظ سے بالترتیب چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ جن سے علمائے عرب کی نظر میں فاضلِ بریلوی کی جلالتِ شان کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ [۳۴]

جن علمائے عرب نے رسالہ مذکور کی تصدیق فرمائی اور اپنی تقاریظ سے نوازا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ان علما کے اسمائے گرامی اس فہرست میں شامل نہیں، جن کی تقاریظ ابھی تک شائع نہیں ہو سکیں۔

اسمائے گرامی علمائے حرمین شریفین و بلادِ اسلامیہ

علمائے مکہ مکرمہ

۱......سید اسماعیل بن خلیل
۲......شیخ محمد سعید بن محمد بابصیل مفتیٔ شافعیہ
۳......شیخ عبداللہ بن عبدالرحمان سراج، مفتیٔ حنفیہ
۴......شیخ محمد عابد، مفتیٔ مالکیہ
۵......شیخ عبداللہ بن حمید، مفتیٔ حنابلہ
۶......شیخ محمد صالح بن شیخ صدیق کمال
۷......شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میر داد، سابق مفتیٔ حنفیہ ورئیس الخطبا والائمہ بالمسجد الحرام
۸......شیخ محمد علی بن شیخ صدیق کمال حنفی، مدرس مسجد حرام
۹......شیخ عبداللہ بن محمد صدقہ، مدرس مسجد حرام
۱۰......شیخ عمر بن ابی بکر جنید، مدرس مسجد حرام
۱۱......شیخ محمد صالح بن محمد فضل، امام شافعیہ مسجد حرام
۱۲......شیخ ابو حسین محمد مرزوقی، مدرس مسجد حرام
۱۳......شیخ محمد علی بن حسین امام مالکیہ مسجد حرام
۱۴......شیخ محمد جمال بن محمد امیر بن حسین، مفتیٔ مالکیہ
۱۵......شیخ اسعد بن دہان مدرس مسجد حرام
۱۶......شیخ عبدالرحمان بن احمد دہان
۱۷......شیخ محمد بن یوسف خیاط
۱۸......شیخ عطیہ محمود، مدرس حرم شریف
۱۹......شیخ محمد مختار بن عطارد الجاوی، مسجد حرام
۲۰......شیخ محمد بن واسع حسینی ادریسی، مدرس حرم شریف

علمائے مدینہ منورہ

۲۱......شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی، مفتیٔ مدینہ منورہ

۲۲......شیخ احمد الجزائری بن سید احمد مدنی، مفتیٔ مالکیہ، مدینہ منورہ

۲۳......شیخ محمد تاج الدین بن محمد مصطفی الیاس حنفی، مفتی مدینہ منورہ

۲۴......شیخ حسین بن عبدالقادر طرابلسی، مدرس مسجد نبوی

۲۵......سید احمد علوی بن سید احمد فقیہہ حسین علوی، مفتی شافعیہ

۲۶......شیخ عبداللہ نابلسی حنبلی مسجد نبوی

۲۷......شیخ محمد عبدالباری بن سید امین محمد رضوان، مسجد نبوی

۲۸......شیخ عباس بن سید محمد رضوان، مسجد نبوی

۲۹......شیخ احمد بن سید احمد حسینی شیخ مالکیہ، مسجد نبوی

۳۰......شیخ محمد سعید بن محمد الحسنی الادریسی القادری، مسجد نبوی

۳۱......سید احمد علی الہندی رام پوری مہاجر مدنی

۳۲......شیخ علی بن احمد، مسجد نبوی

۳۳......شیخ احمد اسعد گیلانی حسنی و حسینی، حما شریف

۳۴......شیخ غلام محمد برہان الدین بن شیخ نور الحسن

۳۵......شیخ عبدالقادر بن سودا القرشی، مسجد نبوی

۳۶......شیخ محمد عبدالوہاب بن محمد یوسف نقش بندی خالدی ضیائی، مسجد نبوی

۳۷......شیخ مصطفی بن تارزی بن غروز مالکی، مسجد نبوی

۳۸......شیخ احمد بن محمد خیر السناری عباسی

۳۹......شیخ محمد کریم اللہ مہاجر مدنی

۴۰......شیخ موسیٰ علی شامی ازہری دردیری مدنی

۴۱......شیخ محمد یعقوب بن شیخ رجب، مدرس مسجد نبوی

۴۲......شیخ یسین الخیاری، مسجد نبوی

۴۳......شیخ محمد یسین بن سعید، مسجد نبوی
۴۴......شیخ عبدالرحمان ودیدارالمصر ی، مدرس مسجد نبوی
۴۵......شیخ حسین بن محمد
۴۶......شیخ محمد سعید بن محمد الحسنی والحسینی الاویسی القادری
۴۷......شیخ محمد توفیق الایوبی الانصاری مجاور مدینہ منورہ
۴۸......شیخ علی الرحمانی، مدینہ منورہ
۴۹......شیخ عبدالوہاب، مدینہ منورہ

دیگر بلادِ اسلامیہ

۵۰......شیخ ابراہیم عبدالمعلی السقا، مدرس جامع ازہر مصر
۵۱......شیخ عبدالرحمان احمد حنفی، مدرس جامع ازہر مصر
۵۲......شیخ محمد الجامع الحضری الدمشقی قسطنطینی
۵۳......شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی بیروت
۵۴......شیخ محمود بن صبغۃ اللہ مدراسی مہاجر مدنی
۵۵......شیخ محمد سعید بن عبدالقادر نقش بندی بغدادی
۵۶......شیخ عبدالحمید بن محمد ادیب عطار شافعی دمشقی
۵۷......شیخ محمد یحیٰ المکتبی الحسینی دمشقی
۵۸......شیخ یوسف عطا، مدرس درگاہِ قادریہ، بغداد شریف
۵۹......شیخ عثمان قادری حیدرآبادی
۶۰......شیخ محمد امین دمشقی
۶۱......شیخ حمدان دینسی قسطنطینی الجزائری

اب ہم مندرجہ بالا علمائے کرام کی تقاریظ سے جستہ جستہ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

[۱]

شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ، بیروت

[صاحب جواہر البحار، حجۃ اللہ علی العالمین، شواہد الحق، سعادۃ الدارین]

’میں نے اس کو [الدولۃ المکیۃ] شروع سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں بہت زیادہ نفع بخش اور مفید پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں۔ جو ایک امام کبیر علامۂ اجل کی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اللہ راضی رہے اس رسالہ کے مصنف سے اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے‘۔ [۳۵]

[۲]

شیخ العلما مفتی شافعیہ محمد سعید بن محمد بابصیل علیہ الرحمہ، مکہ معظّمہ

’فاضل کامل سیدی احمد رضا خان کے رسالہ مسمیٰ بہ ’الدولة المكية بالمادة الغيبية‘ کا مطالعہ کیا۔ میرے نزدیک اس کا مصنف اور یہ رسالہ تین وجہ سے عظیم تعریف کا مستحق ہے۔

وجہِ اول: یہ کہ جس سمت میں ہے، وہاں کے علما کا سردار ہے اور شریعت کے اصول و فروع سے علوم و مطالب میں محقق و مدقق ہے۔

وجہِ دوم: یہ کہ وہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حسن تعظیم و آداب کے ساتھ رہنے کی مکمل کوشش کرتا ہے۔ خصوصاً ان علوم غیب میں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو کرامت کئے۔

وجہِ سوم: یہ کہ یہ رسالہ مذکورہ اپنی شان میں عظمت والا ہے۔ حالاں کہ اسے زمانۂ حج ۱۳۲۳ھ میں قلیل مدت میں لکھا ہے‘۔

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

’حتیٰ انها وقعت عند علماء الحرمين موقعاً جليلاً وقرظوا له عليها و اجادوا فيما اقاموا به له وهو قليل من قدره‘۔ [۳٦]

یہاں تک کہ وہ رسالہ علمائے حرمین شریفین کی نگاہ میں عظیم وقعت پر واقع ہوا اور ان

علمائے کرام نے مصنف کے لئے رسالہ پر تقریظیں لکھیں اور انہوں نے مصنف کی تائید میں بہت خوب قیام کیا اور یہ بھی مصنف کی قدر سے کم نہیں'۔

[۳]

مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمان سراج علیہ الرحمہ، مکہ معظّمہ

'اس رسالہ'الدولة المكية' کا مصنف وہ کہ جس میں میں نے اپنی نظر دوڑایا۔تو دیکھا کہ اسرارِ معانی اس میں جھلک رہے ہیں اور بے شک اس کا مصنف کھری بات لایا اور ہدایت ورشد کا راستہ واضح کردیا۔ ہر جمع کرنے والا مؤلف نہیں ہوتا اور ادھر ادھر سے بہت سی نقلیں لے آنے والا مصنف نہیں ہوتا۔ یہ تو عطائیں ہیں کہ مولیٰ جسے چاہے، دیتا ہے اور اسے اولیٰ بناتا ہے'۔[۳۷]

[۴]

مفتئ حنابلہ شیخ عبداللہ بن حمید علیہ الرحمہ، مکہ مکرمہ

'میں نے رسالہ دیکھا، جسے ہر سردار نے قبول کے ساتھ لیا۔تو میں نے اس کے دلائلِ یقینیہ کے آفتابوں کو پایا کہ انہوں نے ہر تاریکی دور کردی اور اس کی ہدایت کے نور اس امت پر چمکے۔تو اس رسالہ پر یہ قول صادق آیا:

ولا عيب فيهم غير عن سيو فهم

بهن فلول من قراع الكتائب

تو ان کے دندانِ تبسم ریز کا بوسہ دیتے وقت میں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ایک ہزار دس حمدیں کیں اور اگر اس وقت مجھے وضو ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کے لئے سجدۂ شکر میں گرتا کہ اس نے ہم پر اس علم محقق مدقق سے احسان کیا۔زمانے کی بقا تک اس کے علم کا درخت بڑھتا رہے'۔[۳۸]

[۵]

سابق مفتئ حنفیہ شیخ محمد صالح بن علامہ شیخ صدیق کمال رحمہم اللہ تعالیٰ

خطیب وامام مسجد حرام، مکہ شریف

'رسالہ'الدولة المكية بالمادة الغيبية' ان باتوں سے خالی ہے، جو اس کے مؤلف پر

جھوٹے مفتریوں نے ادعا کیں کہ مؤلف نے علمِ الٰہی سے علمِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعوی کیا۔ کیا اس پر باز نہیں آئے، جو رسوائی اور مصیبت انہیں مکہ معظّمہ میں اس رسالے کے زمانۂ تصنیف میں پہنچی'۔[۳۹]

[۶]

رئیس الخطبا والائمہ والمدرس بالمسجد الحرام شیخ احمد ابوالخیر

بن عبد اللہ میر داد علیہ الرحمہا، مکہ مکرمہ

'میں نے یہ رسالہ تدقیق اور غورِ کامل کی نگاہ سے دیکھا۔ تو میں نے اسے نہایت حسن تحقیق و استحکام میں پایا۔ بے شک اس کے بیان سے دل کشادہ ہوئے اور آسان تحقیق میں اس کی یقینی دلیلیں بلند ہوئیں اور کیوں نہ ہو کہ اس کی تصنیف ہے، جو علامہ عقیل، ذکی، بلند ہمت ہے اور اپنے زمانے کے تمام مؤلفوں کا سردار ہے اور خود اپنے معاصرین کی شہادت سے سب مصنفوں کا امام ہے۔ تو جو اس رسالہ کو غور سے دیکھے گا۔ وہ کہنے والے کی اس بات کو جھوٹا جانے گا اور اس قول کی تکذیب کرے گا کہ شیخ نے اپنے رسالے میں نبی صلی علیہ وسلم کا علمِ غیب بالذات خالقِ زمین و آسمان کے علم کے برابر کر دیا ہے'۔[۴۰]

[۷]

شیخ عبد اللہ بن صدقہ بن زینی دحلان جیلانی علیہ الرحمہ مدرس مسجدِ حرام مکہ معظّمہ

'پاکی ہے اسے، جس نے اس کے مؤلف کو کمالات وفضائل سے خاص کیا اور اسے اس زمانے کے لئے چھپا رکھا'۔[۴۱]

'بعض علمائے مدینہ نے اس رسالہ کا ایک نسخہ مانگا تھا۔ اس امید پر کہ انہیں حقیقت معلوم ہو، ان افتراؤں کی، جو بعض گمراہوں نے اس رسالہ کی طرف نسبت کر کے ان سے کہے'۔ [۴۲]

یہاں تک کہ بعض علما رسالے کے رد کی طرف متوجہ ہوئے۔ لہذا اکرم ومکرم جناب سید حسین طرابلسی مدنی [بن سید علامہ عبد القادر طرابلسی مدنی] نے اس رسالہ کو اپنے قلم سے نقل کیا اور یہ اس وقت، جب کہ میں استاذ مشار الیہ کے مکان میں فروکش ہوا۔ آخر جمادی الآخر میں

اور میں نے اس نقل کا مقابلہ اصل سے کیا۔ جس پر مدینہ منورہ کے دو مفتیانِ مرحوم کی تقریظیں لکھی تھیں۔ ایک علامہ عثمان داغستانی، دوسرے شیخ محمد تاج الدین الیاس'۔ ۱۰؍رجب المرجب ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء[۴۳]

[۸]

شیخ محمد صالح بن شیخ محمد بافضل علیہ الرحمہ امام شافعیہ فی المسجد الحرام مکہ معظّمہ

'فبالله هي من جنة علم قطوفها دانية لا تسمع فيها لاغية'۔[۴۴]

خدا کی قسم! رسالہ کیا ہے۔ علم کی بہشت ہے۔ جس کے خوشے نزدیک ہیں۔ تو اس میں کوئی لغویات نہ سنے گا۔

'فالعمری ان هذا لهو التاليف الذی يفتخر به العالمون'۔[۴۵]

مجھے اپنے جان کی قسم! بے شک یہی وہ تصنیف ہے، جس پر علما فخر کریں۔

[۹]

شیخ اسعد بن احمد دہان علیہ الرحمہ، مسجد حرام مکہ معظّمہ

'میں نے اس رسالے 'الدولة المكية' میں اپنی نظر کو جولان دیا۔ جو امام معظم اور ایسے بلند ہمت کی تصنیف ہے، جسے کمال میں تفضیل ہے۔ گراں بہا حمائل کے بیچ کا جوہر و فاضل کہ دانش بندی کی روایت داہنے سے لیتا ہے۔ میرے سردار اور میرے استاذ اور میرے پیشوا حضرت احمد رضا خان'۔

نوٹ: چوں کہ بلیغ عربی عبارت کا ترجمہ بلیغ اردو میں بہت مشکل ہے۔ اس لئے یہ ترجمہ ذرا گنجلک معلوم ہوتا ہے۔ عربی کی اصل عبارت یہ ہے:

'فقد سرحت نظری فی الرسالة المسماة 'بالدولة المكية' لمؤلفها الامام المبجل و الهمام الذی هو باكمال مفضل و اسطة العقد الثمين الفاضل الذی يتلقى رواية الدراية باليمين سيدی و شيخی و قدوتی الشيخ احمد رضا خان'۔[۴۶]

[۱۰]

شیخ سید محمد بن واسع حسینی ادریسی علیہ الرحمہ مدینہ طیبہ

’میں نے مطالعہ کیا۔ کتاب مستطاب ’الدولۃ المکیۃ‘ کا، جس کے مصنف فخر ہندوستان حضرت عالم علامہ شیخ احمد رضا خان صاحب ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوں۔ [۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء] تو یہ رسالہ مجھے بے انتہا پسند آیا۔ پس پاک ہے وہ ذات، جو عطا فرماتا ہے حکمت، جس کو چاہے اور ارادہ کرے اور کچھ جائے تعجب نہیں کہ اللہ کے بعض بندے زمین میں اصلاح کرنے والے اور فساد کو زائل کرنے والے ہیں‘۔ [۴۷]

[۱۱]

شیخ محمد مختار بن عطارد الجاوی علیہ الرحمہ مکہ معظّمہ

’بے شک مصنف علام اس زمانے کے علمائے محققین کا بادشاہ ہے اور اس کا کلام، کلامِ مبارک حقِ صریح ہے اور گویا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے، جو اس امام کے ہاتھ پر اللہ نے ظاہر فرمایا اور حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب ہمارے سردار اور ہمارے مولیٰ خاتم المحققین اور سنی علما کے پیشوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بقا سے مسلمانوں کو متمتع رکھے اور ان کی حمایت فرمائے اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔

[۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء][۴۸]

[۱۲]

مفتیٔ مالکیہ شیخ احمد الجزئری بن السید احمد المدنی علیہ الرحمہ مدینہ منورہ

’علامۃ الزمان فرید الاوان و منبع العرفان و ملحظ انظار سید عدنان جناب حضرت مولانا الشیخ احمد رضا خان اطال اللہ عمرہ ینتفع بہ کل موفق فیھم و یرتدع بہ کل افاک اثیم‘۔ [۴۹]

علامۂ زماں یکتائے روزگار سرچشمۂ معرفت عدنان کے سردار کی نظروں کے مرکز حضرت مولانا شیخ احمد رضا خان اللہ ان کی عمر دراز کرے۔ ہر صاحب توفیق سمجھ دار اس سے نفع حاصل کرے گا اور لرزاں براندام ہوگا اس سے ہر گنہگار و بدکار۔

[۱۳]

سید حسین بن علامہ سید عبد القادر طرابلسی علیہ الرحمہ، مدرس مسجد نبوی مدینہ منورہ

'اما بعد لما ان من اللہ علی عبیدہ بالتشرف باعتاب العلامۃ النحریر و الفھامۃ الشھیر حامی الملۃ المحمدیۃ الطاھرۃ و المجدد المأۃ الحاضرۃ استاذی و قدوتی مولانا الشیخ احمد رضا خان'۔[۵۰]

[ترجمہ] بعد حمد و نعت کے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اس چھوٹے سے بندے پر یہ احسان فرمایا کہ میں ان کے آستانے سے شرف یاب ہوا، جو علامہ ماہر کامل اور فہامہ مشہور ہیں، حامیٔ ملت محمدیہ طاہرہ، مجدد مأۃ حاضرہ، میرے استاذ اور میرے پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خان۔

[۱۴]

مفتیٔ شافعیہ شیخ سید احمد علوی بن سید احمد فقیہہ حسینی علیہ الرحمہ مدینہ منورہ

'افضل الفضلا انبل النبلا فخر السلف قدوۃ الخلف الشیخ احمد رضا خان البریلوی عاملہ اللہ بلطفہ الخفی'۔[۵۱]

فاضلوں سے افضل، سب عاقلوں سے زیادہ دانش مند، اگلوں کا فخر، پچھلوں کا پیشوا حضرت احمد رضا خان بریلوی۔ اللہ اپنے پوشیدہ لطف سے اس کے ساتھ معاملہ کرے۔

رسالہ 'الدولۃ المکیۃ' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'و انھا لجدیرۃ بان تکتب بالتبر بدل المداد و الحبر۔ اور بے شک اس لائق ہے کہ سیاہی اور روشنائی کے بدلے سونے سے لکھی جائے۔

[۱۵]

شیخ حمدان ونیسی قسطنطینی الجزائری علیہ الرحمہ

'فانی لما اطلعت علی الرسالۃ المسماۃ بالدولۃ المکیۃ لاوحد جھازبۃ الھند

العلامة النحریر الامام الشھیر المفسر المحدث الاصولی الفقیہ اللغوی الجدلی المناظر الشیخ احمد رضا خان الھندی دام مجدہ و علاہ'۔ [۵۲]

درحقیقت میں نے رسالہ 'الدولة المکیۃ کے مصنفِ یگانہ، اساتذۂ زمانہ، ہندی علامۂ کامل، ماہر امام، نادر، مفسر، محدث، اصولی، فقیہہ، عالم لغت وجدل، مہذب مناظر، استاذ احمد رضا خان ہندی، اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی اور برتری دائم رکھے۔

[۱۶]

شیخ عبداللہ نابلسی علیہ الرحمہ، مسجد نبوی مدینہ منورہ

'وھو نادرۃ ھٰذا الزمان و غرۃ ھٰذا الدھر و الاوان العالم العامل و الھمام الفاضل محرر المسائل و عویصات الاحکام و محکم بروج الادلة بمزید اتقان و زیادة احکام سید الشیوخ و الفضلاء الکرام یتیمة الدھر بلا توان قاضی القضاة الشیخ احمد رضا خان متعنی اللہ بحیاتہ و افاض علی و علی المسلمین من برکاتہ'۔ [۵۳]

ترجمہ: وہ نادرِ روزگار، اس وقت اور زمانہ کا نور، عالمِ باعمل، بلند ہمت فاضل، مسائل اور مشکل احکام کی تنقیح کرنے والا اور دلائل و براہین سے ان کو مستحکم سے مستحکم تر کرنے والا، مغزِ مشائخ اور فضلا کا سردار، بلا تامل وہ زمانہ کا گوہرِ یکتا، [کون؟] قاضی القضاۃ شیخ احمد رضا خان۔ خدا ان کی زندگی سے ہم کو متمتع فرمائے اور ہم پر اور سارے مسلمانوں پر ان کا فیض جاری وساری رکھے، آمین۔

[۱۷]

شیخ عباس بن سید محمد رضوان علیہما الرحمہ، مسجد نبوی مدینہ منورہ

'الشھم الکامل العالم العامل بھجة المحافل من نال المنة بنصر السنة و قمع البدعة و حج من لھا اتبع بلسانہ العضب و بیانہ العذب ذی الفضل و العرفان المولوی احمد رضا خان'۔ [۵۴]

کامل بزرگ، عالم و عامل، مجلس کی رونق، زینت اور مسرت، وہ، جس نے سنت کی مدد کر کے نعمت پائی اور بدعتوں کو اکھاڑ پھینکا۔ جو اپنی زبان کی تیغِ براں اور بیانِ شیریں سے بدمذہبوں

پر غالب آیا، صاحبِ فضیلت و معرفت مولوی احمد رضا خان۔

[۱۸]

شیخ احمد اسعد گیلانی حسنی حسینی علیہ الرحمہ ساکن حما شریف وارد مدینہ منورہ

'اور اللہ کے شہر مدینہ طیبہ میں دو صالح، سچے عادل شخصوں سے ملا اور انہیں مشار الیہ [مولانا احمد رضا خان] سے ملاقات و معرفت ہے۔ تو انہوں نے مجھ سے اچھا خلق اور کمال تر وصف بیان کیا اور جب ان دونوں نے ان کے حال کی شرح کی اور محبتِ صادقہ حضور سید الانبیا اور مؤدتِ خالصہ ان کے صاحب زادے سلطان الاولیا کی بیان کی، تو مجھے گنجائش نہ رہی۔ مگر لوجہ اللہ ان کی محبت کی، کیوں کہ میرے نزدیک جو محبوب کو محبوب رکھے، وہ محبوب ہے اور یہ محبتِ خالصہ ہے، ذاتِ کریم الٰہی کے لئے جو حاصل ہوئی مجھ کو سن کر قبل حصولِ ملاقات ......اور بلا شک ان دونوں سچے مخبروں یعنی سید احمد علی اور شیخ کریم اللہ، مولیٰ تعالیٰ ان دونوں کو صلاحِ دین و دنیا کی توفیق دے'۔[۵۵]

[۱۹]

شیخ غلام محمد برہان الدین بن سید نور الحسن علیہ الرحمہ، مدینہ منورہ

'مصنف کے مناقب اس کتاب سے آشکارا ہو گئے۔ کیوں کہ ان میں ملکی قوت قدسیہ اور غیبی تائیدوں اور الہاماتِ الٰہیہ سے بڑی عظیم دولت حاصل ہوئی۔ کیوں کہ مصنف نے باوجود فقدانِ سامانِ ضروری اس کتاب کو تصنیف کیا۔ کیوں نہ ہو کہ انہیں عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کے خزانوں سے دولتِ ابدی حاصل ہوئی اور مصنف نے اس دولت کو لوگوں میں تقسیم فرمایا۔ اپنی کثیر تصانیف کی اشاعت فرما کر اور اللہ تعالیٰ اور رسول کی مرضی تلاش کی ....پس اے بھائیو! اس دولت کی طرف جلدی کرو اور اس فاضل مصنف کی تصانیف کے مطالعہ میں کوشش کرو اور حضور سید عالم حبیب رب العالمین کی محبت میں اس علامہ کا اتباع اور ان کے نقشِ قدم پر چلو کہ یہ سیدھے راستے اور صراطِ مستقیم پر ہیں'۔[۵۶]

[۲۰]

شیخ عبد القادر بن شیخ سودۃ القرشی علیہ الرحمہ، مسجد نبوی، مدینہ منورہ

’اصولی الزمان و علامۃ الاوان المتکلم النظار المفسر الذی علیہ المدار یتیممۃ الدھر بلاتوان قاضی القضاۃ الشیخ احمد رضا خان‘۔[۵۷]

اصولئ زمان، علامۂ دوراں، متکلم، مناظر، وہ مفسر، جس پر مدارِ کار، نادرِ زمانہ قاضی القضاۃ شیخ احمد رضا خان۔

[۲۱]

شیخ عطیہ محمود علیہ الرحمہ، مدرس بالحرم الشریف، مکۂ مکرمہ

’ للہ در مؤلف اھدی لنا — دراً لقد شرح الصدور صدورہ
اھدتہ للارواح راحۃ احمد — فسما وطاب لدی الانام سرورہ
قد صاغ جوھرہ بمکۃ فازھٰی — وازداد فضلاً حیث ثم ظھورہ
فھو اللباب المستطاب و حقہ — بالتبر کتبا ان تصاغ سطورہ
لا شک ان ارض الالہ و احمدا — ھٰذا الصنیع المشرقات بدورہ
یا من تروم العلم بادر واغتنم — روض العلوم الفائحات زھورہ ‘

[۵۸]

ا......کیا ہی خوب ہیں یہ مؤلف، جنہوں نے ہمیں درِ بے بہا عطا فرمایا، بلا شبہ اس کی آمد نے ہمارے سینے کشادہ کر دیئے۔

۲......احمد رضا کی عنایت نے اعلیٰ درجہ کا ہدیہ عنایت فرمایا، جس کے سرور و کیف سے ارواح مست و سرشار ہو گئیں۔

۳......اس ہدیہ کے جوہر کو، انہوں نے مکہ میں ڈھالا۔ وہ خوب سے خوب تر ہوا اور جب کہ اس کا ظہور تام ہوا۔

۴......وہ پاکیزہ اور برگزیدہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے سطور آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔

۵......اور بلا شبہ اللہ و مصطفی [جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم] کی اس زمین پر احمد رضا کی

تحریروں کے چمکتے دمکتے ماہ تاب ہیں۔

۶......اے علم کے طلب گار! جلدی کر و اور انہیں غنیمت جان، یہ بوستانِ علوم ہیں۔ اس گلستان کی کلیوں کی مہک دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔

[۲۲]

شیخ مصطفی بن تارزی بن عزوز علیہ الرحمہ، مسجد نبوی مدینہ منورہ

’و اللہ در ھٰذا المؤلف الاستاذ الکامل الجامع الغیث الوابل النافع لقد افاد و اجاد و ارشد العباد و نور البلاد و ذلک دلیل علی شرفه و جمیل سیرته و طول باعه و اخلاص طویته و طیب سریرته و غزارة علمه و تحریر اطلاعه‘۔ [۵۹]

اللہ ہی کے لئے مصنف استاذ کامل بارندۂ ابر نافع کی خوبی ہے۔ جنھوں نے فائدہ پہنچایا اور بہت خوب اللہ کے بندوں کی رہنمائی کی اور آبادیوں کو منور کیا۔ یہ ان کی عظمت کی دلیل اور سیرتِ جمیل کی نشانی ہے۔ مہارت، اخلاصِ نیت، حسن کمالِ علم اور پاکیزہ واقفیت کی نشانی ہے۔

[۲۳]

شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی درویری علیہ الرحمہ

’امام الائمۃ المجدد لھٰذہ الامۃ امر دینھا المؤید لنور قلوبھا و یقینھا الشیخ احمد رضا خان بلغه اللہ فی الدارین القبول و الرضوان‘ یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ۔ [۶۰]

اماموں کے امام، اس امت کے دین کے مجدد اور جو یقین کے نور اور قلوب کے انوار کی تائید سے آراستہ ہیں، یعنی شیخ احمد رضا خان اور ان کو دونوں جہان میں قبول و رضوان عطا فرمائے۔

[۲۴]

شیخ یسین احمد الخیاری علیہ الرحمہ، مسجد نبوی مدینہ منورہ

’فالفیته قاموساً لتحقیق مسائل شریفة و ناموساً لتدقیق لطائف منیفة... کیف لا ھو امام المحدثین و حسام فی رقاب الملحدین و حید الزمان و فرید الاوان مولانا

الکامل السید احمد رضا خان لا زال رافلاً فی حلل العرفان'۔[٦١]

یہ کتاب مسائلِ شریفہ کی تحقیق کے لئے ایک قاموس ہے۔بزرگ اور بلند معارف کی تفتیش کے لئے ایک حصار ہے۔کیوں نہ ہو کہ وہ محدثین کے امام ہیں۔[٦٢] ملحدین کی گردنوں کے لئے تلوار ہیں۔یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ ہیں،یعنی مولانا شیخ کامل بزرگ سردار احمد رضا خان ہمیشہ لباسِ معرفت میں جلوہ گر رہیں۔

[۲۵]

شیخ حسین بن محمد علیہ الرحمہ، مدینہ منورہ

'اللہ سے دعا ہے کہ مصنف کتاب شیخ احمد رضا خان جیسی ہستیاں زیادہ ہوں'۔صفر الخیر ۱۳۴۲ھ [٦٣]

[۲٦]

شیخ محمد توفیق الایوبی الانصاری علیہ الرحمہ، المجاورۃ بالمدینۃ المنورۃ

'فاضل مصنف سے میری درخواست ہے کہ اپنی اچھی دعاؤں میں مجھے شامل رکھیں۔اس لئے کہ ان کی دعائیں قبولیت کی سزاوار ہیں۔کیوں کہ وہ [اللہ انہیں زندہ رکھے] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے ہیں'۔[٦٤]

[۲۷]

شیخ علی بن محمد علی الرحمانی علیہ الرحمہ، حرم شریف مدینہ منورہ

شیخ موصوف نے اپنی تقریظ کے آخر میں رسالہ 'الدولۃ المکیۃ' کی تاریخ کہی ہے۔جس کے بعض اشعار سے کمالِ محبت وعقیدت مترشح ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

[۱] اسرت به قلو ب فقلبنا الیوم الاسیر

[۲] فوجدته الا یثنی فهو مفقود النظیر

[۳] سبق الاولیٰ سبقوا او جا ء بما شقی اللب الکبیر '

حرم شریف ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء [٦۵]

۱......لوگوں کے دل ان کے گرفتار ہیں اور آج ہمارا دل بھی اس کا اسیر ہے۔

۲......اس تالیف کی نظیر نہیں۔ ماسوائے اس کے مثنی یعنی دوسری نقل مطابق اصل کے
۳......اگلوں سے بھی آگے نکل گئے۔ مصنف نے اس میں شکستہ عقلوں کے لئے سامانِ شفا مہیا کردیا ہے۔

[۲۸]

شیخ عثمان قادری علیہ الرحمہ، مدینہ منورہ

’وما رأیت مثله فی مسئلة علم الغیب لنبینا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم محکماً من نصوص القرآنیة و الاحادیث الصحیحة و اقوال العلماء المجتهدین المتقدمین کیف لا و مصنفه فرید الدهر و وحید العصر الفاضل الکامل العالم العامل قامع البدعة ناصر السنة المحقق المدقق امام الهمام لهٰذا الزمان المولانا الحاج سیدی محمد احمد رضا خان القادری البریلوی‘۔[٦٦]

مسئلہ علم غیب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق میں نے کبھی ایسی کتاب نہیں دیکھی، جو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ اور مجتہدین و متقدمین کے اقوال سے ایسی محکم ہو۔ کیوں نہ ہو؟۔ اس کا مصنف یکتائے زمانہ، یگانۂ روزگار، فاضل وکامل، عالم وعامل، قامع بدعت، ناصرِ سنت، محقق ومدقق، سردارِ وقت، پیشوائے زمانہ مولانا الحاج سیدی محمد احمد رضا خان قادری بریلوی ہیں۔

[۲۹]

شیخ محمد امین سوید دمشقی علیہ الرحمہ، وارد مدینہ منورہ

’فقد سرحت نظری فی هٰذه الرسالة الموسومة ’الدولة المکیة بالمادة الغیبیة‘ لمؤلفها العلامة الکبیر و الفهامة الشهیر الالمعی المحقق اللوذعی المدقق الشیخ احمد رضا خان فوجدتها دوحة جمعت خلاصة مذهب اهل الاسلام‘۔[٦٧]

میں نے اس رسالہ موسومہ ’الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ‘ پر نظر ڈالی۔ جو علامہ کبیر فہامہ شہیر محقق و مدقق شیخ احمد رضا خان کی تالیف ہے۔ میں نے اسے ایسا عظیم الشان درخت پایا۔ جو مذہبِ اہلِ اسلام کے نچوڑ پر مشتمل ہے۔

[۳۰]

شیخ عبدالرحمان حنفی علیہ الرحمہ، مدرس جامع ازہر مصر

’ولعمری لقد جمع فیھا من الادلة ما بہ الکفایة و الا ینفع الحسود تطویل العبارة‘۔[۶۸]

مجھے اپنی عمر کی قسم! مؤلف نے رسالہ میں کافی دلائل ذکر فرمائے ہیں اور حاسد کے لئے تو طویل عبارتیں بھی کافی نہیں۔

☆......☆......☆

حوالے وحواشی:

۱......نوٹ: فاضلِ بریلوی نے مسئلہ علم غیب پر کئی رسائل تصنیف فرمائے۔ منجملہ ان کے سات رسائل یہ ہیں:

۱: ازاحة الغیب، ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء

۲: الجلاء الکامل، ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء

۳: ابراء المجنون، ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء

۴: حبل الوراة،

۵: مالی الجیب بعلوم الغیب، ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء

۶: اللولؤ المکنون فی علم البشیر ما کان و مایکون، ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء

۷: انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفا، ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء

۲......امام احمد رضا خان، الدولة المکیة، مطبوعہ، کراچی، ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء ص:۱۵۹، ۱۶۸۔

نوٹ: فاضلِ بریلوی نے مخالفین کی تردید میں بکثرت تصانیف تحریر فرمائیں۔ جس کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں: میں نے دوسو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، [یعنی مخالفین کے رد میں] اور ان کے بڑوں

کو دو چار دفعہ نہیں، بلکہ بکثرت دعوتِ مناظرہ دی، تو ان میں سے کسی نے لوٹ کر جواب نہ دیا۔ [الدولۃ المکیۃ ص:۱۶۹] مسعودؔ

۳......مولانا احمد رضا خان، الدولۃ المکیۃ، ص:۱۷۱۔

۴......الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ، [تالیف ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء] مطبوعہ کراچی ص:۶۔

۵......ایضاً ص: ۱۴۔

۶......ایضاً ص: ۱۴۔

۷......نوٹ: حرمین شریفین میں فاضلِ بریلوی کی یہ مقبولیت حیرت انگیز ہے۔ حرمین تو بجائے خود مسلمانانِ عالم کے لئے مرکزِ نگاہ ہیں۔ وہاں کسی کی طرف نگاہوں کا پھر جانا اس بات کی علامت ہے کہ نگاہِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مقبول ہے۔ اسی مقبولیت نے اس کو مقامِ محبوبیت تک پہنچایا ہے۔ آیۂ کریمہ: 'یحببکم اللہ' میں اسی طرف تو اشارہ ہے۔ مسعودؔ

۸......فاضلِ بریلوی کے سوانح نگار مولانا بدر الدین قادری رضوی نے اپنی تالیف 'سوانح اعلیٰ حضرت' کے صفحات ۲۶۱ تا ۲۹۴ میں شرح و بسط کے ساتھ فاضلِ بریلوی کے سفرِ حجاز اور متعلقہ حالات وواقعات کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل مطلوب ہو، تو قارئینِ کرام اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

۹......مولانا احمد رضا خان 'کفل الفقیہہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم' ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء مقدمہ از مولانا حامد رضا خاں بریلوی ص: ۴ و ۶۔

۱۰......نوٹ: حرمین شریفین کے زمانۂ قیام میں فاضلِ بریلوی نے یہ رسائل تصنیف فرمائے:

۱: النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ، ۱۲۹۵ھ

۲: الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، ۱۳۲۳ھ

۳: کفل الفقیھہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم، ۱۳۲۳ھ

۴: الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البھئیۃ، ۱۳۲۴ھ

۱۱......عبد الحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، الجزء الثامن ص: ۳۹

نوٹ: فاضلِ بریلوی کی اس سرعتِ تحریر وتصنیف وتالیف اور وسعتِ علم کو دیکھ کر خطیبِ مسجدِ حرام مکہ مکرمہ شیخ صالح علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا: ورأس المؤلفین فی زمانہ۔ الفیوضات الملکیۃ، ص: ۳۵۔

'و امام المصنیفین بحکم اقرانه، اپنے زمانے میں تمام مؤلفوں کا سردار ہے اور خود اپنے معاصرین کی شہادت سے سب مصنفوں کا امام ہے۔

۱۲......عبدالحئی لکھنوی، نزہتہ الخواطر، الجزوالثامن، ص:۴۰۔

۱۳......الدولۃ المکیۃ، ۱۳۲۳ھ ص:۸۔

۱۴......چنانچہ مولوی خلیل احمد انبیٹھی نے 'حسام الحرمین' اور 'المعتقد المنتقد' کے جواب میں 'المھند علی المفند' تحریر فرمائی۔ جو ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ علمائے اہل سنت کی طرف سے اس کا رد 'راد المھند' کے نام سے شائع ہوا۔ اسی طرح مولانا حسین احمد مدنی نے رسالہ 'الشھاب الثاقب علی المفتری الکاذب' تحریر کیا۔ جو دیوبند سے ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا۔ دونوں رسائل میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ فاضلِ بریلوی نے جو کہا، غلط ہے اور اس پر علمائے عرب نے جو تصدیقات تحریر فرمائیں، محض غلط فہمی کی بنا پر ہیں۔ راقم نے اس قسم کے رسائل کا اس کتاب کے آخر میں استدراک کے تحت جائزہ لیا ہے۔ تفصیلات وہاں ملاحظہ کریں۔ مسعودؔ

۱۵......مولانا احمد رضا خاں، الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، ۱۳۲۳ھ، مطبوعہ، کراچی، ص:۱۷۵۔

۱۶......ایضاً، ص:۱۷۷،۱۸۱۔

۱۷......ایضاً، ص:۱۹۷۔

۱۸......ایضاً، ص:۲۰۷۔

۱۹......۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں دہلی سے فاضلِ بریلوی کے پاس ایک استفتا آیا تھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ اپنے خاتمہ کا حال جانتے تھے اور نہ امت کے خاتمہ کا۔ جیسا کہ بعض علمائے وہابیہ نے تحریر کیا ہے۔ اس کے جواب میں رسالہ 'انباء المصطفی بحال سر و اخفا' لکھا گیا۔

۲۰......ایضاً، ص:۳۰۹۔

۲۱......ایضاً، ص:۲۱۳۔

۲۲......ایضاً، ص:۲۳۹،۲۴۱۔

نوٹ: مندرجہ بالا عبارات میں فاضلِ بریلوی نے علمائے دیوبند کی بعض قابلِ اعتراض عبارات کا تمثیلی انداز میں رد فرمایا ہے۔ مثلاً مولوی اشرفعلی تھانوی نے اپنے رسالے 'حفظ الایمان' میں تحریر کیا:

'پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا، اگر بقول زید صحیح ہو۔تو دریافت یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں، تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو، بلکہ ہو صبی و مجنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے۔ جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے'۔ [حفظ الایمان، مؤلفہ، ۸/محرم ۱۳۱۹ھ، مطبوعہ مکتبہ تھانوی، کراچی، ص:۷]

اس ناشائستہ عبارت پر علمی حلقوں میں بڑی ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔ چنانچہ مولوی اشرف علی نے اپنی تحریر کی صفائی میں ایک بیان دیا۔ جو مقصود رڑکی نے 'بسط البنان لکف اللسان عن کاتب حفظ الایمان' کے نام سے ۱۹۱۲ء میں شائع کیا۔مگر علمائے کرام اس صفائی سے مطمئن نہیں ہوئے۔ چنانچہ ۱۷/صفر ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۲ء کو حیدر آباد دکن کے عالم نے خط لکھا اور مولانا کو ترمیم کا مشورہ دیا۔مولانا نے اس طرح ترمیم کی:

'اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں، تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے۔ مطلق بعض امور غیبیہ تو غیر انبیا علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں۔تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔ [تغییر العنوان فی بعض عبارات حفظ الایمان' مطبوعہ، کراچی، ص:۱۳]

۲۳......الدولۃ المکیۃ، ص:۲۵۶۔

۲۴......ایضاً، ص:۲۵۹۔

۲۵......ایضاً، ص:۲۵۹۔

۲۶......ایضاً، ص:۲۵۹۔

۲۷......ایضاً، ص:۲۶۱۔

۲۸......ایضاً، ص:۲۶۱۔

۲۹......ایضاً، ص:۲۶۱۔

۳۰......ایضاً، ص:۲۶۱۔

۳۱......ایضاً، ص:۲۷۵۔

۳۲......ایضاً، ص:۲۹۱۔

۳۳......عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، الجزء الثامن، ص:۴۰۔

۳۴......بہت سی تقاریظ ابھی تک شائع نہ ہو سکیں اور مہتمم مکتبہ رضویہ کراچی کے پاس محفوظ ہیں۔ افسوس ہم ان غیر مطبوعہ تقاریظ سے استفادہ نہ کر سکے۔ مسعود

۳۵......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۷۷۴۔

۳۶......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۱۶، ۱۸۔

۳۷......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۲۱۔

۳۸......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۲۵۔

۳۹......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۲۷، ۲۹۔

۴۰......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۳۱۔

۴۱......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۳۶۔

۴۲......فاضل تقریظ نگار کا اشارہ مولوی حسین احمد مدنی وغیرہم کی طرف ہے۔ جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے۔

۴۳......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۳۹۔

۴۴......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۴۴۔

۴۵......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۴۶۔

۴۶......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۵۶۔

۴۷......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۶۵، و۶۷۔

۴۸......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۷۳۔

۴۹......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۷۵، و۷۶۔

۵۰......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۸۲۔

۵۱......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۹۲۔

۵۲......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۸۸۔

۵۳......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۹۵، و۹۶۔

۵۴......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۱۰۲۔

۵۵......الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ کراچی، ص:۱۱۵۔

۵۶......ایضاً، ص:۱۲۵۔

۵۷......ایضاً، ص:۱۲۸۔

۵۸......ایضاً، ص:۱۴۰۔

۵۹......ایضاً، ص:۱۴۶، ۱۴۸۔

۶۰......ایضاً، ص:۴۶۲۔

نوٹ: مولوی عبد الحیٔ لکھنوی نے تحریر کیا ہے: **یغلو کثیر من الناس فی شانہ فیعتقدون انہ کان مجدد المأۃ الرابعۃ عشرۃ۔** ترجمہ: اکثر لوگ ان کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ چودھویں صدی کے مجدد تھے۔ [نزہۃ الخواطر، جلد ۸ ص:۴۱]

لیکن شیخ موسیٰ علی شامی، شیخ حسن بن عبد القادر اور سید اسماعیل بن خلیل وغیرہ علمائے حجاز نے آپ کو مجدد لکھا ہے۔ اس لئے عامۃ الناس کی طرف اس خیال کو منسوب کرنا علمی خیانت ہے۔ مولوی عبد الحیٔ کی نظر میں فاضلِ بریلوی کے لئے لفظ مجدد کا استعمال مبالغہ ہے۔ حالاں کہ ان کے معتقدین نے پہل نہیں کی۔ بلکہ علمائے حجاز نے اس لقب سے نوازا۔ دوسرے علما کے لئے، جو ان کے متبعین یا معتقدین نے یہ لقب اختیار کیا ہے، وہ کیوں مبالغہ نہیں؟ مثلاً شارح ابو داود شریف اپنی شرح عین المعبود میں تیرھویں صدی ہجری کے مجددین میں ان لوگوں کے نام تحریر کیا ہے: [۱] مولوی محمد قاسم نانوتوی [۲] سید نذیر حسین دہلوی، [۳] قاضی حسین بن محسن القاری۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: **ھذا ھو ظنی فی ھٰؤلاء الاکابر الثلاثۃ انھم من المجددین علی رأس المأۃ الثلاثۃ عشرۃ۔** جلد چہارم ص:۱۸۲۔

مجدد کا اندازہ اس کی بے داغ سیرت، اصلاحی کارناموں اور ہمہ گیر مقبولیت اور شہرت سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس سے قطع نظر کرلیا جائے، تو پھر ہر عالم مجدد نظر آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی مقام پر کئی مجدد نظر آتے ہیں۔ اس حدیث پاک کی رو سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی میں

ایک مجدد ہونا چاہیے۔ **ان اللہ یبعث لھذہ الامة علی رأس کل مأة سنة من یجدد لھا امر دینھا۔** سنن ابو داود شریف۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا، جو اس کے لئے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔

لیکن بعض علما اس حدیث میں عمومیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ضروری نہیں کہ ہر صدی کے شروع میں صرف ایک ہی مجدد ہو۔ ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے 'عون الودود' میں اس کی صراحت کی ہے۔ [محمد صابر، مجدد اسلام، ص: ۱۷۰]

مگر عمومیت کے باوجود نہایت حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔ ہر کس و ناکس کو مجدد کہنا حدیث پاک کی تحقیر ہے۔ مسعودؔ

۶۱ ......ایضاً، ص: ۴۷۰۔

۶۲ ......لیکن نہ معلوم مولوی عبد الحیٔ لکھنوی نے یہ کیوں لکھ دیا: قلیل البضاعة فی الحدیث والتفسیر، [نزھة الخواطر، جلد ۸ ص: ۴۱]

۶۳ ......ایضاً، ص: ۴۸۰۔

۶۴ ......ایضاً، ص: ۴۹۴۔

۶۵ ......ایضاً، ص: ۴۹۹۔

۶۶ ......ایضاً، ص: ۵۲۲۔

۶۷ ......ایضاً، ص: ۵۳۲۔

۶۸ ......ایضاً، ص: ۵۴۱۔

☆......☆......☆



تعارف وسبب تصنیف
حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین

قارئینِ کرام رسالہ 'الدولة المکیة' کی تقاریظ کے اقتباسات پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہوں گے۔ واقعی یہ تقاریظ تھکا دینے والی ہیں۔ ابھی تو تقاریظ لکھنے والے معدودے چند علما وفضلا کا ذکر کیا ہے۔ بہت سے رہے جاتے ہیں۔ تفصیلات کے لئے 'الفیوضات الملکیة' کا مطالعہ ضروری ہے۔

اب ہم ایک دوسری تصنیف 'حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین'[۱] (۱۳۲۴ھ) کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فاضلِ بریلوی نے حضرت شاہ فضلِ رسول بدایونی علیہ الرحمہ [۲] کی تصنیف 'المعتقد المنتقد' (۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء) پر تعلیقات و حواشی کا اضافہ فرمایا اور اس کا نام 'المعتمد المستند' (۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) رکھا۔ اسی زمانہ میں ان تعلیقات کا خلاصہ علمائے حجاز کی خدمت میں تصدیقات کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ حرمین شریفین کے علما وفضلا نے اس کو اپنی تقاریظ اور تصدیقات سے مزین فرمایا۔ خود فاضلِ بریلوی نے ان تقاریظ وتصدیقات مرتب فرما کر 'حسام الحرمین' نام رکھا۔ مفید اضافے کئے اور شائع کیا۔

فاضلِ بریلوی نے جن اشخاص اور فرقوں کے اقوال و اعمال پر سخت تنقید کی ہے۔ ان کو مندرجہ ذیل پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے:

۱　انجاس قادیانی:

انبیا علیہم السلام کی تکذیب اور اپنی نبوت اور رسالت کا دعوی کرنے والے۔

۲　ارجاس شیطانی:

شیطان کی وسعتِ علم کو نص سے ثابت ماننے والے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے وسعتِ علم کا انکار کرنے والے۔

۳　تکذیبِ رحمانی:

خداوند تعالیٰ کو جھوٹ بولنے پر قادر ماننے والے۔

۴　نبوت ستانی:

یہ عقیدہ رکھنے والے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد انبیا کا مبعوث ہونا مستبعد نہیں۔

۵　جنون سگانی: [۳]

آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں سے مماثل قرار دینے والے۔

مندرجہ بالا طبقات پنجگانہ پر بحث کرتے ہوئے فاضلِ بریلوی نے ان کی بعض کتابوں سے مفصل حوالے دیئے ہیں۔ چند کتابیں یہ ہیں:

۱......اعجازِ احمدی　[مرزا غلام احمد قادیانی]

۲......ازالۃ الاوہام　[مرزا غلام احمد قادیانی]

۳......تحذیر الناس　[مولوی محمد قاسم نانوتوی]

۴......براہینِ قاطعہ [مولوی خلیل احمد انبیٹھوی]

۵......حفظ الایمان　[مولوی اشرف علی تھانوی]

مندرجہ بالا تفصیلات کو 'حسام الحرمین' کا مختصر تعارف سمجھنا چاہیے۔ ان افکار و خیالات کی روشنی میں فاضلِ بریلوی نے اپنا فتوی خلاصہ کی صورت میں، ۲۱/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو علمائے حرمین کے سامنے پیش کیا تھا۔ جس پر 'الدولۃ المکیۃ' کی طرح علما نے دل کھول کر تقاریظ لکھیں اور

اپنی تصدیقات سے نوازا۔ ان تصدیقات اور تقاریظ کے مطالعے سے **معلوم** ہوتا ہے کہ علمائے حرمین فاضلِ بریلوی کو کس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جن علمائے کرام نے یہ تقاریظ تحریر فرمائی ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی تحریر کئے جاتے ہیں:

اسمائے گرامی علمائے حرمین شریفین: علمائے مکہ معظّمہ

۱......شیخ محمد سعید بابصیل، مفتی شافعیہ
۲......شیخ ابوالخیر بن عبداللہ میرداد، خطیب مسجد حرام
۳......شیخ صالح کمال، مفتیٔ حنفیہ
۴......شیخ علی بن صدیق کمال حنفی، سابق مفتیٔ مکہ معظّمہ
۵......شیخ عبدالحق مہاجر مکی
۶......سید اسماعیل بن خلیل، حافظ کتب الحرام
۷......سید مرزوقی ابوحسین
۸......شیخ عمر بن ابی بکر جنید
۹......شیخ عابد بن حسین، مفتیٔ مالکیہ
۱۰......شیخ علی بن حسین مالکی، مدرس مسجد حرام
۱۱......شیخ محمد علی بن حسین مکی
۱۲......شیخ جمال بن محمد بن حسین
۱۳......شیخ اسعد بن احمد دہان، مدرس حرم شریف
۱۴......شیخ عبدالرحمان دہان
۱۵......مولانا محمد یوسف افغانی، مہاجر مکی، مدرس مدرسہ صولتیہ، حرم شریف
۱۶......مولانا شیخ احمد مکی [خلیفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی] مدرس مدرسہ صولتیہ، حرم شریف
۱۷......شیخ محمد یوسف خیاط
۱۸......شیخ محمد صالح بن محمد فضل
۱۹......شیخ عبدالکریم ناجی داغستانی

۲۰......شیخ محمد سعید بن محمد یمانی، مدرس مسجد حرام

۲۱......شیخ احمد محمد جداوی

علمائے مدینہ منورہ

۲۲......شیخ تاج الدین الیاس بن شیخ مصطفی الیاس، مفتیٔ مدینہ

۲۳......شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی، سابق مفتیٔ مدینہ

۲۴......سید احمد الجزائری، شیخ مالکیہ

۲۵......شیخ خلیل بن ابراہیم خربوطی

۲۶......شیخ محمد سعید بن سید محمد الغزتی شیخ الدلائل

۲۷......شیخ محمد بن احمد عمری

۲۸......سید عباس بن سید جلیل محمد رضوان، شیخ الدلائل

۲۹......شیخ عمر بن حمدان المحرسی مالکی اشعری

۳۰......سید محمد بن محمد حبیب مدنی دیداری

۳۱......شیخ محمد بن موسیٰ خیاری، مدرس حرم طیبہ

۳۲......سید شریف احمد برزنجی، مفتیٔ شافعیہ

۳۳......شیخ محمد عزیز وزیر مالکی مغربی اندلسی

۳۴......شیخ عبدالقادر توفیق شبلی طرابلسی حنفی، مدرس حرم طیبہ

اب ہم بعض علمائے کرام کی تقاریظ کے اقتباسات پیش کرتے ہیں:

[۱]

شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد رحمۃ اللہ علیہما، خطیب مسجد الحرام، مکۂ معظّمہ

'فھو کنز الدقائق المنتخب من خزائن الذخیرۃ، والشمس المعارف المشرقۃ فی الظھیرۃ، کشاف المشکلات العلوم فی الباطن والظاھر یحق لکل من وقف علی فضلہ ان یقول کم ترک الاول للآخر [۴]

وانی و ان کنت الاخیر زمانۃ　　　لآت بمالم تستطعہ الاوائل

و لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد[۵]

تو وہ باریکیوں کا خزانہ ہے۔ محفوظ گنجینوں سے چنا ہوا اور معرفت کا آفتاب ہے، جو ٹھیک دو پہر کو چمکتا ہے، علوم کی مشکلات ظاہر و باطن کا نہایت کھولنے والا ہے۔ جو اس کے فضل پر آگاہ ہوا، اسے سزاوار ہے کہ کہے کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔

میں اگر چہ آخر زمانے میں آیا ہوں، مگر وہ چیز لایا ہوں، جو اگلوں سے ممکن نہ تھی۔

خداوند تعالیٰ سے یہ بات غیر ممکن نہیں کہ وہ ایک شخص میں ایک جہاں سمودے۔

[۲]

علامہ شیخ صالح کمال علیہ الرحمہ، مفتیٔ حنفیہ مکۂ معظّمہ

’لا سیما العالم العلامۃ بحر الفضائل و قرۃ عیون العلماء الاماثل مولانا الشیخ المحقق، برکۃ الزمان احمد رضا خان البریلوی حفظہ اللہ و ابقائہ۔[۶]

بالخصوص اس عالمِ دین پر [رحمتیں نازل فرما] کہ جو فضائل کا دریا ہے اور علما، عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک، حضرت مولانائے محقق، زمانے کی برکت احمد رضا خان بریلوی، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور سلامت رکھے۔

[۳]

شیخ سید اسماعیل بن خلیل علیہ الرحمہ، حافظ کتب الحرام مکۂ معظّمہ

’و الحمد للہ تعالیٰ ان قیض ھٰذا العالم العامل و الفاضل الکامل صاحب المناقب و المفاخر مظہر، کم ترک الاول للآخر فرید الدھر، وحید العصر، مولانا الشیخ احمد رضا خان سلمہ اللہ الرب المنان لابطال حججھم الداحضۃ بالاٰیات و الاحادیث القاطعۃ، کیف لا و قد شھد لہ عالمو مکۃ بذالک و لو لم یکون بالمحل الارفع لما وقع منھم ذالک بل اقول لو قیل فی حقہ مجدد ھٰذا القرن لکان حقاً و صدقاً‘۔[۷]

اور میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا، جو فاضل کامل ہے۔ مناقب، مفاخر والا، اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے

زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ، مولانا احمد رضا خان احسان والا پروردگار اسے سلامت رکھے۔ تا کہ وہ [مخالفین کی بے ثبات حجتوں کا آیاتِ قرآنیہ اور قطعی احادیث سے رد فرماتے رہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہو کہ علمائے مکہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا، تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ اس صدی کا مجدد ہے، تو بے شک حق و صحیح ہے۔

[۴]

علامہ ابو حسین محمد مرزوقی علیہ الرحمہ، مکۂ معظّمہ

'بے شک مجھ پر اللہ کا احسان ہوا اور اسی کے لئے حمد و شکر ہے کہ میں حضرت عالم علامہ سے ملا۔ جو زبردست عالم، دریائے عظیم الفہم ہیں۔ جن کی فضیلتیں وافر اور بڑائیاں ظاہر اور بے شک میں نے ان کا اچھا ذکر اور بڑا مرتبہ پہلے ہی سنا تھا اور ان کی بعض تصانیف کے مطالعے سے مشرف ہوا۔ جن کے نورِ قندیل سے حق روشن ہوا۔ تو ان کی محبت میرے دل میں جم گئی اور میرے دل و دماغ میں متمکن ہو گئی۔ کبھی کبھی کان، آنکھ سے پہلے گرفتارِ محبت ہو جایا کرتے ہیں .... تو جب اللہ تعالیٰ نے اس ملاقات سے احسان فرمایا۔ تو میں نے وہ کمال ان میں دیکھے، جن کا بیان طاقت سے باہر ہے۔ جس کے نور کا ستون اونچا ہے اور معرفتوں کا ایسا دریا، جس سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں۔

بہت سی تعریف و توصیف کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

'و رأیت نفسی ذاعی و حصر، عن البلوغ فی وصفہ الی البغیۃ و الوطر'۔[۸]

اور میں نے اس کی تعریف و توصیف میں خود کو عاجز پایا، دل بھر کر تعریف نہ کر سکا۔ [دل کی آرزو دل ہی میں رہ گئی]

[۵]

مفتیٔ مالکیہ شیخ عابد حسین علیہ الرحمہ، مکۂ معظّمہ

'سید العلما الاعلام و فخر الفضلا الکرام و سعد الملۃ و الدین احمد السیر و العدل الرضا فی کل وطر، العالم العامل ذو الاحسان حضرۃ المولیٰ احمد رضا خان فقام فی ذالک بفرض لا کفایۃ'۔[۹]

علمائے مشاہیر کا سردار معزز فاضلوں کا مایۂ افتخار، دینِ اسلام کی سعادت، نہایت محمود سیرت، ہر کام میں پسندیدہ، صاحب عدل، عالم با عمل، صاحبِ احسان حضرت مولانا احمد رضا خان، تو اس نے اس بات میں، [یعنی گستاخانِ رسول علیہ السلام کا رد فرما کر] فرض کفایہ ادا کر دیا۔ [یعنی جو فرض فرداً فرداً سب پر عائد ہوتا تھا، آپ نے وہ فرض ادا کر کے سب کو سبکدوش فرما دیا۔

[۶]

شیخ علی بن حسین مالکی علیہ الرحمہ، مدرس مسجد حرام، مکہ معظّمہ

’لما من اللہ علی باستجلاء نور شمس العرفان من سماء صفاء ملتزم الاتقان من صار محمود فعلہ، کشاف آیات فضلہ و کیف لا وھو مرکز دائرۃ المعارف الیوم، ومطلع کواکب سماء العلوم فی دار القوم، عضد الموحدین و عصام المہتدین القاطع بصار البراھین لسان المضلین الملحدین و الرافع منار الایمان حضرۃ المولیٰ احمد رضا خان‘۔[۱۰]

جب اللہ تعالیٰ مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ آفتابِ معرفت کا نور اس آسمان صفا سے، جسے استوارکاری لازم ہے، مجھے اعلانیہ نظر آیا وہ [ذاتِ گرامی] جس کے افعال حمیدہ، اس کے آثارِ فضیلت کے آئینہ دار ہیں اور کیوں نہ ہو، تو وہ تو آج دائرۂ علوم کا مرکز ہے اور ملتِ اسلامیہ کے آسمانِ علوم کے ستاروں کا مطلع ہے۔ مسلمانوں کا یہ و مددگار مددگار اور راہ یابوں کا نگہبان و محافظ دلائل و براہین کی تیغ براں سے گمراہوں اور بے دینوں کی زبانیں کاٹنے والا، مینارۂ نورِ ایمان کا بلند کرنے والا حضرت مولانا احمد رضا خاں۔

[۷]

شیخ اسعد بن احمد دہان علیہ الرحمہ، مدرس حرم شریف، مکہ معظّمہ

’فقد اطلعت علی ھٰذہ الرسالۃ الجلیلۃ اللتی الفھا نادرۃ الزمان و نتیجۃ الاوان العلامۃ الذی افتخرت بہ الاواخر علی الاوائل و الفھامۃ الذی ترک تبیانہ سحبان باقل سیدی و سندی احمد رضا خان البریلوی۔‘۔

یہ عظمت والا رسالہ، میرے علم میں آیا، جس کا مصنف نادر روزگار اور خلاصۂ لیل و نہار ہے۔ وہ

علامہ، جس کی وجہ سے پچھلے اگلوں پر فخر کرتے ہیں۔ جلیل الفہم والا، جس نے اپنے بیانِ روشن سے سحبان فصیح البیان کو بے زبان کر دیا۔ میرا سردار، میری سند حضرت احمد رضا خان بریلوی۔

[۸]

شیخ عبدالرحمان دہان مکی علیہ الرحمہ مکۂ معظّمہ

'الذی شهد له علماء البلد الحرام، بان السيد الفرد الامام سيدی و ملاذی الشيخ احمد رضا خان البريلوی متعنا الله بحياته و المسلمين و منحنی هديه فان هديه هدی سيد المرسلين'۔ [۱۲]

وہ، جس کے لئے علمائے مکۂ معظّمہ گواہی دے رہے ہیں کہ سردار ہے، بے نظیر ہے، امام ہے، میرے سردار، میری جائے پناہ حضرت احمد رضا خان بریلوی، اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو ان کی زندگی سے بہرہ مند فرمائے اور مجھے ان کی روش نصیب کرے کہ ان کی روش سید العالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روش ہے۔

[۹]

مولانا شیخ محمد یوسف علیہ الرحمہ، مدرس مدرسہ صولتیہ مکۂ مکرمہ

'فانی قد اطلعت علی هٰذه الرسالة اللتی الفها الفاضل العلامة و الحبر الفهامة المتمسک بحبل الله المتين الحافظ منار الشريعة و الدين من قصرت لسان البلاغة عن بلوغ شكره و عجز عن القيام بحقه و بره الذی افتخر بوجوده الزمان مولانا الشيخ احمد رضا خان لا زال سالكاَ سبيل الرشاد و ناشر الوية الفضل علی رؤس العباد'۔ [۱۳]

یہ رسالہ میرے علم میں آیا۔ جسے علامہ فاضل اور دریائے علم و دانش نے تصنیف فرمایا۔ جو اللہ کی مضبوط رسی تھامے ہوئے ہے، دین و شریعت کے مینارۂ نور کا محافظ، وہ کہ زبانِ بلاغت، جس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے حقوق و احسانات کی خدمت سے عاجز ہے۔ وہ کہ جس کے وجود پر زمانے کو ناز ہے، مولانا شیخ احمد رضا خاں، وہ ہمیشہ اس ہدایت پر گامزن رہے اور بندوں کے سروں پر فضل و احسان کے پھریرے اڑاتا رہے۔

[۱۰]

شیخ محمد سعید بن محمد یمانی علیہ الرحمہ، مدرس مسجد الحرام مکۂ معظّمہ

'فان من جلائل النعم اللتی لا نثبت فی ساحة شکرھا ان قیض الشیخ الامام والبحر الھمام، برکت الانام و بقیة السلف الکرام احد الا ئمة الزھاد و الکاملین العباد احمدرضاخان'۔[۱۴]

بے شک اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں سے، جن کا شکرادانہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہے کہ اس نے حضرت امام، دریائے بلند ہمت، برکت انام بزرگوں کی یادگار، ائمۂ زہاد اور بندگانِ کاملین میں سے ایک یعنی حضرت احمد رضا خاں کو مقرر فرمایا۔

[۱۱]

شیخ حامد احمد محمد جداوی علیہ الرحمہ، مکۂ معظّمہ

قد طلعت ھذہ النبذة اللتی ھی انموذج 'المعتمد المستند' فودتھا شذرة من عسجدو جوھرة من عقود در و یاقوت و زبرجد، قد نظھا بید الاجادة، فی سلک اصابة الصواب فی الافاة العمدة قدوة العالم العامل الحبر البحر الرحب العذب المحیط الکامل، المحبوب المقبول المرتضی محمود الاقوال و الافعال مولانا الشیخ احمد رضا متعنا اللہ و المسلمین بحیاته'۔[۱۵]

میں نے یہ مختصر رسالہ [جو 'المعتمد المستند' کا خلاصہ ہے] مطالعہ کیا۔ رسالہ کیا ہے، یہ تو خالص سونے کی ڈلی ہے یا یاقوت وزبرجد اور موتیوں کی لڑیوں کا دانہ ہے، جس کو پیشوائے معتمد عالم باعمل، فاضل متبحر، دریائے بے کراں، محیطِ کامل، محبوب ومقبول، مرغوب، ستودہ اقوال و افعال مولانا شیخ احمد رضا خاں کے قابل قدر ہاتھوں نے صراطِ مستقیم کی لڑی میں پرودیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو ان کی زندگی سے نفع عطا فرمائے، آمین۔

[۱۲]

شیخ محمد سعید بن السید محمد الغزی شیخ الدلائل علیہ الرحمہ، مدینہ منورہ

’جب شک وشبہ کی اندھیری رات چھاجاتی ہے، تو وہ اپنے آسمانِ علم سے ایک چودھویں کا چاند چمکاتا ہے۔ اس طرح نسلاً بعد نسلٍ علمائے کاملین وناقدین کے ہاتھوں شریعتِ مطہرہ تغیر وتبدل سے محفوظ رہی اور اجلۂ علما میں سے کثیر العلم اور دریائے عظیم الفہم حضرت مولانا احمد رضا خاں ہیں‘۔[۱۶]

[۱۳]

شیخ سید عباس بن محمد رضوان شیخ الدلائل علیہ الرحمہ، مدینہ منورہ

’کیف لا و ھو العلامۃ الامام، الذی الھمام، النبیھہ النبیل، الوجیھہ الجلیل، وحید العصر و الزمان حضرۃ المولوی احمد رضا خان البریلوی‘۔[۱۷]

کیوں نہ ہو کہ وہ [المعتمد المستند] اس کی تصنیف ہے، جو علامۂ امام، ذکی الفہم، بلند ہمت، باخبر، صاحبِ عقل، صاحبِ وجاہت وجلالت، یکتائے زمین وزمان حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔

[۱۴]

شیخ عمر بن حمدان محرسی مالکی اشعری علیہ الرحمہ، مدینہ منورہ

’فانی قد اطلعت علی ما حررہ العالم العلامۃ، الدراکۃ الفھامۃ، ذو التحقیق الباھر، جناب الشیخ احمد رضا خان فی الخلاصۃ الماخوذۃ من کتابہ المسمیٰ ’المعتمد المستند‘ فوجتہ فی غایۃ التحریر فللہ در مؤلفہ‘۔[۱۸]

جناب شیخ احمد رضا خان نے، جو اپنے خلاصے میں تحریر فرمایا ہے، میں نے اس کو مطالعہ کیا۔ یہ خلاصہ ان کی کتاب موسومہ ’المعتمد المستند‘ سے ماخوذ ہے۔ [مطالعہ کے بعد] میں نے محسوس کیا کہ مصنف تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ مصنف کی تعریف وتوصیف اللہ کے لئے ہے۔ وہ مصنف، جو خوب ہی جاننے والا، خوب ہی سوچنے والا اور ایسی روش تحقیق کرنے والا، جس سے تمام پہلو منور ہو جائیں۔

[۱۵]

سید محمد بن محمد حبیب مدنی دیداوی علیہ الرحمہ، مدینہ منورہ

’قد اطلعت علی ما سطرہ العلامۃ النحریر، و الدرکۃ الشھیر، الشیخ احمد رضا خان، فوجدتہ سحراً لاولی الالباب و تریاقاً لکل مسموم حائد عن الصواب‘۔ [۱۹]

استاذِ کامل، صاحبِ ذہنِ رسا، نام آور وشہیر حضرت مولانا احمد رضا خاں نے جو کچھ تحریر فرمایا، میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ [تحریر کیا ہے] اہلِ عقل کے لئے جادو ہے۔ صراطِ مستقیم سے بھٹکنے والے اور زہر کھانے والوں کے لئے تریاق ہے۔

[۱۶]

شیخ محمد بن محمد سوسی خیاری علیہ الرحمہ، مدرس حرم طیبہ، مدینہ منورہ

'اللتی الفها العالم الفاضل، الانسا الکامل، العلامة المحقق و الفهامة المدقق حضرة الشیخ احمد رضا خان'۔[۲۰]

وہ رسالہ ہے، عالم فاضل، انسانِ کامل، علامۂ محقق، فہامہ مدقق حضرت شیخ احمد رضا خاں نے تالیف فرمایا۔

[۱۷]

السید احمد بن السید اسماعیل الحسینی البرزنجی، مفتیٔ شافعیہ مدینہ منورہ

'انی قد وقفت ایها العلامة النحریر، و العالم الشهیر، ذو التحقیق و التحریر، و التدقیق و التحریر، عالم اهل السنة و الجماعة جناب الشیخ احمد رضا خان البریلوی ادام الله توفیقه و ارتفاعه علی خلاصة من کتابک المسمیٰ 'بالمعتمد المستند' فوجدتها علی اکمل الدرجات من حیث الاتقان و النقد'۔[۲۱]

اے علامۂ کامل، شہیر ومشہور، صاحبِ تحقیق وتنقیح، صاحبِ تدقیق وتزئین، عالمِ اہل سنت وجماعت شیخ احمد رضا خاں بریلوی [اللہ تعالیٰ اس کی نیک تمناؤں کو پورا کرے اور اس کی بلندیوں کو باقی اور دائم رکھے] میں نے آپ کی کتاب موسومہ 'المعتمد المستند' کے خلاصے کا مطالعہ کیا، تو میں نے اس کو قوت ونقد کی انتہائی بلندیوں پر پایا۔

☆ ☆ ☆

حوالے وحواشی:

۱......'حسام الحرمین' کا سلیس اردو ترجمہ 'مبینِ احکام وتصدیقاتِ اعلام' کے نام سے ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں شائع کیا گیا۔

۲......مولانا شاہ فضلِ رسول بدایونی علیہ الرحمہ ماہِ صفر ۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ مروجہ دینی کتابوں کی تکمیل وتحصیل مولوی نور الحق فرنگی محلی سے کی۔ جو بحر العلوم ملا عبد العلی کے شاگرد مولوی انوار الحق کے صاحب زادے تھے۔ علمِ طب حکیم ببر علی موہانی سے سیکھا اور علمِ حدیث وتفسیر شیخ المکہ عبد اللہ سراج اور شیخ المدینہ عابد مدنی سے اور علمِ تصوف اپنے والد ماجد شاہ عین الحق عبد المجید علیہ الرحمہ سے حاصل کیا۔ قادریہ اور چشتیہ سلسلوں میں اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے اور انہیں سے خلافت حاصل کی۔ کئی بار زیارتِ حرمین اور حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ ایک عرصہ درس وتدریس میں مصروف رہے۔ مولانا فضلِ رسول علیہ الرحمہ نے ۳؍ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء کو ۸۷؍ سال کی عمر میں وفات پائی۔ تصانیف میں: بوارق محمدیہ، تصحیح المسائل، المعتقد المنتقد، سیف الجبار، تلخیص الحق، احقاق الحق، شرح فصوص الحکم، حاشیہ میر زاہد، حاشیہ ملا جلال، طب الغریب اور متفرق رسائل یادر ہیں۔ [تذکرۂ علمائے ہند، اردو ص: ۳۸۰، ۳۸۱۔ المعتقد المنتقد، مطبوعہ لاہور، ضمیمہ ترجمہ از مفتی محمد اعجاز ولی خان، ص: ۲۶۵]

۳......احمد رضا خان، حسام الحرمین، ص: ۱۷، ۲۷۔

۴......مولانا احمد رضا خان، حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین [مرتبہ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء] مع اردو ترجمہ 'مبینِ احکام وتصدیقاتِ اعلام' [۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء] مطبوعہ لاہور ص: ۱۲۷، ۱۲۸۔

۵......ایضاً، ص: ۱۳۰۔

۶......ایضاً، ص: ۱۴۱، ۱۴۲۔

نوٹ: مولوی حسین احمد مدنی نے فاضلِ بریلوی کے عقائد کو غلام احمد قادیانی سے تطبیق دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: البتہ مرزا قادیانی کے عقائد میں بریلوی شریک ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی دعوی کرتا ہے کہ میں اس صدی کا مجدد ہوں'۔ [الشہاب الثاقب علی المسر ق الکاذب، مطبوعہ دیوبند، ص: ۳۹] شیخ

اسماعیل علیہ الرحمہ کی تقریظ [محولہ متن] کی روشنی میں یہ تحریر سراسر بہتان معلوم ہوتی ہے۔ مسعودؔ

۷......ایضاً،ص:۱۴۶۔

۸......ایضاً،ص:۱۵۴۔

۹......ایضاً،ص:۱۵۸۔

۱۰......ایضاً،ص:۱۷۰۔

۱۱......ایضاً،ص:۱۷۶۔

۱۲......ایضاً،ص:۱۷۸۔

۱۳......ایضاً،ص:۱۹۲۔

۱۴......ایضاً،ص:۱۹۶۔

۱۵......ایضاً،ص:۲۱۳،۲۱۵۔

۱۶......ایضاً،ص:۲۱۸۔

۱۷......ایضاً،ص:۲۲۰۔

۱۸......ایضاً،ص:۲۲۴۔

۱۹......ایضاً،ص:۲۲۶۔

۲۰......ایضاً،ص:۲۳۰۔

☆......☆......☆



تعارف وسببِ تصنیف

کفل الفقیہہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم

قارئینِ کرام! 'المعتمد المستند' پر علمائے حرمین شریف کی تقاریظ کے اقتباسات پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہوں گے۔ اس لئے اب ہم ایک تیسری تالیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو قیامِ مکۂ معظّمہ کی یادگار ہے۔ جس کے مطالعے سے فاضلِ بریلوی کی تحقیق وتدقیق اور علمائے عرب کی نظر میں آپ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوسکے گا۔ یعنی: کفل الفقیہہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم' [۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۴ء]

رسالہ مذکورہ کے دیباچے میں فاضل مصنف کے صاحب زادے مولانا حامد رضا خان، جو اس سفرِ مبارک میں اپنے والد ماجد کے ہم رکاب تھے، تحریر فرماتے ہیں:

'[ترجمہ عربی] سالِ گذشتہ سے پہلے سال دوسری بار زیارتِ حرمین شریفین اور حج کے لئے متوجہ ہوئے۔ مدینہ منورہ اور مکۂ معظّمہ میں خوب خوب عزت وتوقیر کی گئی۔ وہاں علما وفضلا اور مشاہیر بڑے اعزاز واکرام سے ملے۔ دست بوسی کی۔ حدیثِ مسلسل بالاولیۃ سنی۔ حدیث کی کتابوں، صحاح وسنن، مسانید ومعاجم اور چاروں مصافحوں کی اجازت لی۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں منسلک ہوئے اور تمام باتیں چھوٹی اور بڑی، سب ان عمائد، علما، اکابر کے اصرار سے ہوئیں۔ دراصل رسالہ...... 'الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ' نے حرمین شریفین میں آپ کا غلغلہ بپا کر دیا۔ یہ کتاب مجموعی طور پر ساڑھے آٹھ گھنٹوں میں تالیف فرمائی۔

اس رسالہ سے وہاں کے علما کو محسوس ہوا کہ مصنف مشاہیر علوم، معقول ومنقول میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس قبیل سے نوٹ کے متعلق بارہ

سوال تھے۔ جن کا جواب مصنف نے بروز شنبہ شروع فرمایا اور اتوار کو پھر بخار آ گیا۔ تو روز دوشنبہ پھر دن چڑھے اسے تمام فرما دیا۔ ۲۳/ محرام الحرام ۱۳۲۴ھ کو مکۂ معظّمہ میں مکمل فرمایا‘۔[۱]

خود فاضل مصنف نے رسالے کے آخر میں سنہ تصنیف وغیرہ کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے:

’میں نے اس کا نام ’کفل الفقیہہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم‘ [۱۳۲۴ھ] رکھا۔ تاکہ نام سالِ تصنیف کی علامت ہو اور بندہ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا۔ پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا۔ تو پیر کے دن پہر چڑھے میں نے اسے تمام کیا۔ محرم شریف کی ۲۳/ تاریخ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے شہر [مکۂ معظّمہ] میں ہوئی‘۔[۲]

فاضل مصنف نے رسالۂ مذکورہ کے آخر میں رسالے کے متعلق مزید تفصیلات تحریر فرمائی ہیں۔ کن حضرات کی تحریک پر یہ جواب لکھا گیا۔ علمائے حرمین نے کس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور مفتیٔ حنفیہ مولانا عبد اللہ بن صدیق کے ساتھ کتب خانہ حرم میں کیا واقعہ پیش آیا۔ ہندوستان آ کر اس رسالے میں کیا کیا اضافے کئے گئے، وغیرہ وغیرہ۔

کفل الفقیہہ کے استفسار کے بارے میں فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

’محرم ۱۳۲۴ھ میں مکۂ معظّمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبد اللہ احمد میر داد امام مسجد الحرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد جداوی نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائلِ فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا۔ جس کے جواب میں بفضلِ وہاب عز جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ ’کفل الفقیہہ‘ وہیں لکھ دیا‘۔ (ترجمہ عربی)[۳]

جب یہ رسالہ علمائے حرمین کے سامنے پیش کیا گیا، تو انہوں نے جس قدر و منزلت کی نگاہ سے اس کو دیکھا، اس کا حال خود فاضل مجیب کی زبانی سنیے:

’مکۂ معظّمہ کے اجل علمائے کرام و فقیہانِ عظام ’کفل الفقیہہ‘ کو ملاحظہ فرمایا۔ پڑھ کر سنایا۔ اس کی نقلیں لیں اور بحمد اللہ تعالیٰ سب نے یک زبان مدحیں کیں۔ جیسے حضرت شیخ الائمہ والخطبا کبیر العلما مولانا احمد ابو الخیر میر داد حنفی، حضرت اعلم العلما مفتیٔ سابق و قاضی حال علامہ مولانا شیخ صالح کمال حنفی، حضرت مولانا حافظ کتب الحرام فاضل سید اسماعیل خلیل حنفی، حضرت مولانا مفتیٔ

حنفیہ عبداللہ صدیق حفظہم اللہ تعالیٰ‘۔(ترجمۂ عربی)[۴]

مکۂ معظّمہ میں تقریباً سبھی علمائے کرام فاضلِ بریلوی سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ لیکن ایک عالم اپنے سرکاری وقار اور حشمت وشوکت کی وجہ سے تشریف نہیں لائے، یعنی مفتیٔ حنفیہ حضرت مولانا عبداللہ بن صدیق۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ملاقات کی ایک صورت پیدا کردی۔

ع: رحمتِ حق بہانہ می جوید۔

واقعہ کی تفصیلات خود فاضلِ بریلوی کی زبانی سنیے:

’ان فاضلِ جلیل نے کہ اس وقت بھی جانبِ سلطانی سے افتائے مذہبِ حنفی کے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے۔ کتب خانہ حرم محترم میں ’کفل الفقیہ‘ رکھا، دیکھ کر بطور خود مطالعہ فرمانا شروع کیا۔ فقیر بھی حاضر تھا۔ مگر ان سے کوئی تعارف نہ تھا۔ نہ اس سے پہلے میں نے ان کو، نہ انہوں نے مجھ کو دیکھا۔ حضرت مولانا سید اسماعیل آفندی اور ان کے بھائی سید مصطفی آفندی وغیرہ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت مفتی حنفیہ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

’این کان شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر من ھٰذا البیان‘۔[۵](اولفظاً ھٰذا معناہ)

حضرت مفتیٔ اعظم مکہ حضرت ممدوح قدس سرہ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا، جو اس رسالہ کا معظّمہ مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ سندِ حدیث وفقہہ میں اس فقیر کے استاذ الاساتذہ ہیں اور اپنے زمانۂ مبارک میں وہی مفتیٔ حنفیہ تھے۔ اس جنابِ رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفتا ہوا تھا۔ حضرت ممدوح قدس سرہ نے علمائے ربانی کی جوشان ہے، اس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرمادیا کہ:

’العلم امانۃ فی اعناق العلماء، واللہ تعالیٰ اعلم‘۔

علم، علما کی گردنوں میں امانت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، یعنی کچھ جواب عطا نہ کیا۔ حنفیہ کے مفتیٔ حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ مصنف لکھ رہا ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل آفندی نے تقریر فرمائی۔[تعارف کرایا] کہ مصنف، رسالہ یہ موجود ہے۔ حضرت مفتیٔ حنفیہ نہایت کرم واکرام سے ملے اور بہت دیر تک بفضلہٖ علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی‘۔[۶]

مندرجہ بالا بیان سے علمائے حرمین کی نظر میں فاضلِ بریلوی کے مقامِ رفیع کا اندازہ ہوتا ہے۔تمام علما آپ کی تبحر علمی، روحانیت اور محبت کے معترف تھے۔رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فاضلِ بریلوی نے ہندوستان واپسی کے بعد اصل رسالے میں اضافے فرمائے اور بطورِ ضمیمہ ان کو شامل کیا۔ اس ضمیمہ کا نام 'کاسر السفیہه الواهم فی ابدال قرطاس الدراهم' [۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء] تجویز فرمایا۔ساتھ ہی اس کا اردو ترجمہ بعنوان: 'الذیل المنوط لرسالتہ النوط' [۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء] شامل فرمایا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا۔ یہ رسالہ 'کفل الفقیہ' کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔'کفل الفقیہہ' لکھتے وقت مولانا عبدالحی لکھنوی کے بعض مباحث کی تردید کی تھی۔لیکن لکھ چکنے کے بعد غالباً ہندوستان آکر معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی اس کے خلاف لکھا ہے۔ چنانچہ بطورِ ضمیمہ بعض نئے مباحث کا اضافہ کیا گیا۔خود فاضل مصنف اس طرح صراحت فرماتے ہیں:

'الحمدللہ! رسالۂ مبارکہ 'کفل الفقیہه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم' [۱۳۲۴ھ] میں نوٹ کے متعلق جملۂ مسائل ایسے بیانِ نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلے میں حالتِ منتظر باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکۂ معظّمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفتا پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا۔اس وقت تک رقم سے کم، زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا۔

یہ معلوم نہ تھا کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم و بیش در کنار، برابر کو بھی اس کی خرید و فروخت ناجائز کر چکے ہیں۔مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کا ذکر کروں اور ان کے فقرے فقرے کا، جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے، اس کو بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل یہ مباحثِ تازہ خیال میں آئے ہیں، اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام 'کاسر السفیہه الواهم فی ابدال قرطاس الدراهم' [۱۳۲۹ھ] رکھوں'۔[۷]

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ جزئیاتِ فقہ میں فاضلِ بریلوی کی نظر کتنی گہری تھی۔ایک طرف ان کی نگاہ نے اس گوشے کو تلاش کرلیا، جو ان کے استاذ الاساتذہ شیخ جمال علیہ

الرحمہ کی نگاہوں سے اوجھل رہا اور دوسری طرف وہ پات پالی، جو ہندوستان کے مشہور فقیہہ مولوی عبدالحی فرنگی محلی اور رشید احمد گنگوہی نہ پا سکے۔ مؤخر الذکر کے مقام فقاہت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے ان کے بارے میں کہا کہ: فقیہہ النفس' تھے۔ ایسا فقیہہ النفس عالم بھی فاضلِ بریلوی کے پروازِ فکر کے سامنے عاجز نظر آتا ہے۔ صاحب نزہۃ الخواطر کا یہ قول اب کسی تصریح کا محتاج نہیں:

'یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقھه الحنفی و جزئیاته یشھد بذالک مجموع فتاواہ و کتابه 'کفل الفقیه الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم' الذی الفه فی مکة سنة ثلاث و عشرین و ثلاث مأة و الف'۔[۸]

ترجمہ: فقہہ حنفی اور اس کے جزئیات پر مولانا احمد رضا خاں کو جو عبور حاصل ہے، اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اور اس دعوی پر ان کا مجموعہ فتاوی شاہد ہے۔ نیز ان کی تصنیف 'کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم' جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ مکہ معظمہ میں لکھی تھی۔

کفل الفقیه، کی طباعتِ ثانی کے وقت فاضلِ بریلوی نے مزید اضافے فرمائے۔ جس کی صراحت طباعت دوم کے آخر میں اس طرح فرمائی ہے:

'اب کہ 'کفل الفقیہ' دوبارہ مع ترجمہ چھپا۔ مولوی گنگوہی صاحب کا فتوی نظر پڑا۔ اس کی طرف توجہ کی اور ساتھ ہی چاہا کہ فتوی مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر پڑ جائے۔ خیال تھا کہ مباحث تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں۔ غایت درجہ چھ ورق بس ہوں گے۔ مگر فیضِ قدیر سے افاضۂ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جزو کا رسالہ ہو گیا'۔[۹]

آخر میں ہم علامہ بدرالدین احمد رضوی کی تالیف 'سوانح اعلیٰ حضرت' سے بعض اقتباسات کی تلخیص پیش کرتے ہیں۔ جن سے آپ کی روحانی و علمی مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہالیانِ حرمین شریفین کے بھی مختلف علوم وفنون میں آپ سے استفادہ کیا۔

ا...... 'قیامِ مکۂ معظمہ کے زمانے میں جو آپ کی عزت وتکریم ہوئی، اس کو سن سن کر اہل مدینہ کا اشتیاقِ ملاقات اور شوقِ دیدار بڑھتا گیا۔ چنانچہ جب آپ وہاں پہنچے، تو آپ کے دولت کدے پر علما وصلحا اور عوام الناس کا ملاقات کے لئے تانتا لگا رہتا تھا۔ مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی علیہ

الرحمہ فرماتے تھے کہ میں سالہا سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ مگر اہلِ مدینہ کی جو عقیدت و محبت اور اعزاز و اکرام فاضلِ بریلوی کے ساتھ دیکھا، اس سے قبل کسی کے ساتھ نہ دیکھا۔ مدینہ منورہ میں یوں تو تمام علما کو محبت تھی۔ مگر یہ علمائے کرام خاص طور پر محبت فرماتے تھے۔ مولانا سید عباس رضوان، مولانا مامون بری، مولانا سید احمد جزائری، شیخ ابراہیم خربوتی، مولانا عثمان عبد السلام [سابق مفتیٔ حنفیہ مدینہ منورہ]، مولانا تاج الدین الیاس [مفتیٔ حنفیہ مدینہ منورہ][۱۰] وغیرہ وغیرہ

۲......مکۂ معظّمہ کی طرح مدینہ منورہ میں بھی فاضلِ بریلوی سے علمائے کرام نے سندیں اور اجازتیں لیں اور یہ سلسلہ مدینہ منورہ سے روانگی تک جاری رہا۔ ان اجازات اور سندات کا حال حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ نے 'الاجازات المتینۃ' میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔[۱۱]

۳......' دولت مکیہ' اور خلاصہ، المعتمد المستند' پر تقاریظ کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہا۔ بلکہ مفتیٔ شافعیہ مولانا سید احمد برزنجی نے تو خلاصہ مذکور کی تائید میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا۔ اس سلسلے میں مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی علیہ الرحمہ نے سعی بلیغ فرمائی۔ علمائے حرمین نے رسائل مذکورہ کی نقول حاصل کیں۔ ایک نقل مولوی کریم اللہ ممدوح نے بھی محفوظ کر لی۔ اس دیارِ مقدس کی زیارت کے لئے آنے والے علمائے مصر و شام اور بغداد وغیرہ کی تقاریظ حاصل کر کے فاضلِ بریلوی کو بذریعہ ڈاک بریلی بھیجتے رہے۔[۱۲]

۴......فاضلِ بریلوی علمِ جفر میں کمال رکھتے تھے۔ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں اس فن کے کچھ اسباق شاہ ابوالحسین نوری مارہروی سے لئے تھے۔ پھر ذاتی مطالعہ سے کمال پیدا کیا اور ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی: سفر السفر عن جفر بالجفر۔

قیامِ مکۂ معظّمہ کے زمانہ میں آپ نے چاہا کہ کسی ماہرِ فن سے کچھ سیکھیں۔ مگر کوئی اس فن کا ماہر نہ ملا۔ بلکہ علمائے مکہ نے خود آپ سے استفادہ کیا۔ حتیٰ کہ مولانا عبد القادر مدنی کے صاحب زادے مولوی سید حسین مدنی اس فن کی تحصیل کے لئے بریلی آئے اور چودہ ماہ قیام فرمایا اور علمِ اوفاق اور علمِ تکسیر کی تحصیل کی۔ موصوف ہی کے لئے فاضلِ بریلوی نے اس فن میں یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ 'اطائب الاکسیر فی علم التکسیر'۔[۱۳]

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا، یہ تو فاضلِ بریلوی کے عہد کی باتیں ہیں۔ عہدِ جدید میں بھی اس قدر و منزلت میں کمی نہیں، جو عہدِ قدیم میں حاصل ہو چکی تھی۔ اس سلسلے میں علامہ بدرالدین رضوی کی تالیف سے تلخیصات پیش کی جاتی ہیں:

۵......۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء میں مولانا غلام مصطفی صاحب مدرس مدرسہ عربیہ اشرف العلوم گھوڑا مارا، راج شاہی مشرقی پاکستان، زیارتِ حرمین شریفین کے لئے حاضر ہوئے۔ موصوف نے اس سفر مبارک کے حالات وواقعات کو ایک سفر نامے کی صورت ۱۹۶۰ء میں شائع کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ مفتی سعد اللہ مکی فرماتے تھے کہ بلادِ عرب میں عموماً اور حرمین طیبین میں خصوصاً علمائے کرام جس قدر فاضلِ بریلوی سے واقف ہیں، خود ہندوستان کے لوگ نہیں۔ چنانچہ بطورِ آزمائش مولانا غلام مصطفی مذکور کو ان کے رفقا کے ساتھ مولانا سید محمد علوی مالکی کی خدمت میں بھیجا۔ جو اس وقت مکۂ معظّمہ میں قاضی القضاۃ تھے۔ موصوف کے والد فاضلِ بریلوی کے ہم عصر تھے۔ یہ حضرات ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو مولوی غلام مصطفی نے اپنا اور رفقا کا تعارف کرایا:

’نحن تلامیذ تلامیذ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان الفاضل البریلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ [۱۴]

اتنا سننا تھا کہ مولانا سید محمد علوی سروقد کھڑے ہو گئے اور ایک ایک سے معانقہ فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا: ’نحن نعرفہ بتصنیفاتہ و تالیفاتہ حبہ علامۃ السنہ و بغضہ علامۃ البدعۃ‘۔ [۱۵]

ہم ان کو ان کی تصنیفات و تالیفات سے پہنچانتے ہیں۔ ان سے محبت سنت کی نشانی ہے اور ان سے عداوت بدعتی کی پہنچان ہے۔

۶......مولانا غلام مصطفی ممدوح نے ایک اور بزرگ علامہ شیخ محمد مغربی الجزائری کا ذکر کیا ہے۔ جو فاضلِ بریلوی کے معاصرین میں تھے۔ بڑی شان وشوکت سے رہتے تھے۔ لیکن بایں ہمہ شکوہ، جب یہ حضرات ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، تو کھڑے ہو کر سب سے معانقہ فرمایا۔ حرم شریف میں دوبارہ ملاقات ہوئی، تو وہاں بھی اسی طرح نوازا اور علمائے ممالکِ اسلامیہ سے تعارف کرایا۔ [۱۶]

۷......مولانا غلام مصطفی موصوف نے ایک اور بزرگ مولانا عبد الرحمان درویش کا ذکر کیا ہے۔

جن کا سن شریف تقریباً اسی [۸۰] سال کا ہوگا۔ فاضلِ بریلوی کے قیامِ حجاز کے زمانے میں موصوف جوان العمر ہوں گے۔ ان کی عقیدت کا حال اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ فاضلِ بریلوی کے تبرکات کو دل و جان سے لگا کر رکھ چھوڑا ہے۔ موصوف فرماتے تھے:

'مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ علمائے حرم شریف جب اعلیٰ حضرت سے ملتے، تو دست بوسی کرتے اور اتنا احترام فرماتے کہ میں نے اتنا احترام کسی ہندوستانی عالم کا نہیں دیکھا'۔ [۱۷]

☆......☆......☆

حوالے وحواشی:

۱......احمد رضا خان، امام، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مطبوعہ، لاہور، ص: ۴، ۸۔

۲......احمد رضا خان، امام، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مطبوعہ، لاہور، ص: ۱۱۹۔

۳......احمد رضا خان، امام، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مطبوعہ، لاہور، ص: ۱۶۶۔

۴......احمد رضا خان، امام، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مطبوعہ، لاہور، ص: ۶۶۔

۵......مولانا بدرالدین قادری نے 'سوانح اعلیٰ حضرت' میں یہ الفاظ اس طرح تحریر فرمائے ہیں:

'این جمال بن عبداللہ من ہذا النص الصریح، ترجمہ: جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے۔ جس عبارت پر مفتی حنفیہ پھڑک اٹھے تھے، وہ فتح القدیر کی یہ عبارت ہے:

'لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ، ترجمہ: کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑ ہزار روپے میں بیچتا ہے، تو بلا کراہت جائز ہے۔ [بدرالدین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۸۲]

۶......احمد رضا خان، امام، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مطبوعہ، لاہور، ص: ۱۶۷۔

۷......احمد رضا خان، امام، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مطبوعہ، لاہور، ص: ۱۲۲، ۱۲۳۔

۸......عبدالحئی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، جلد ۸، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۹۷۰ء، ص: ۴۱۔

۹......احمد رضا خان، امام، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، مطبوعہ، لاہور، ص: ۱۶۷۔

۱۰... بدرالدین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۹۱، ۲۹۲۔

۱۱... بدرالدین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۹۳۔

۱۲... بدرالدین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۹۴۔

۱۳ . . . بدرالدین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ لاہور، ص:۲۸۶۔
نیز ملاحظہ فرمائیں: الملفوظ، حصہ دوم، ص:۳۸۔
اور مولانا عبدالغفار بخاری غالباً روس سے تشریف لائے تھے۔ الملفوظ، ۲/۳۹۔
۱۴......مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: معمولات الابرار بمعانی الآثار، لکھنؤ، ۱۳۸۴ھ، ص:۲۰۰۔ مؤلفہ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔
۱۵......ایضاً، ص:۲۹۸۔
۱۶......ایضاً، ص:۳۰۰۔
۱۷......ایضاً، ص:۳۰۲۔

★...★...★



ضمیمہ نمبر: ۲

'تاریخ الدولة المکية'



تاریخی پس منظر

مصنف اور تصنیف کا تعارف



محقق عبد الحق انصاری

ناشر

بہاء الدین زکریا لائبریری
چھونبی، تحصیل حاٴ سیدن شاہ، ضلع چکوال، پاکستان، طبع ۲۰۰۶ء
[ص: ۳۸ تا ۱۰۳]

مولانا احمد رضا بن نقی علی خان المعروف بہ اعلیٰ حضرت بریلوی و فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء کو بریلی شہر میں پیدا ہوئے اور ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں وہیں پر وفات پائی۔ فقیہ حنفی، محدث، اصولی، نعت گو شاعر، عقلی و نقلی علوم کے ماہر، صوفیہ کے سلسلۂ قادریہ کے مرشد، عربی، فارسی اور اردو میں بکثرت تصانیف ہیں۔ دو مرتبہ حج و زیارت حجاز مقدس حاضر ہوئے۔ پہلی بار ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں گئے اور وہاں پر مکۂ مکرمہ کے تین اکابر علمائے کرام کی شاگردی اختیار کی اور دوسری بار ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں اس غرض سے سفر کیا۔ اس موقع پر پچیس سے زائد عرب علمائے کرام نے خود آپ سے اخذ کیا۔

آپ کی چند عربی کتب پاک و ہند، ترکی و مصر سے شائع ہوئیں۔ ان میں ’ **فتاویٰ الحرمین بر جف ندوۃ المین** ‘ کے مندرجات پر مکۂ مکرمہ و مدینہ منورہ کے اکابر علمائے کرام نے تائیدی فتاویٰ اور تصدیقات لکھیں۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ جنوبی یمن کے علاقہ حضر موت کے گاؤں ’حریضہ‘ میں سید احمد عطاس کے متروکہ ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہیں۔ [۱] جب کہ یہ بمبئی، بریلی، لاہور و استنبول سے بارہا شائع ہوئی۔ نیز اردو ترجمہ بھی مطبوع ہے۔

آپ کی ایک اور اہم عربی کتاب ’ **کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم** ‘ ہے۔ جو آپ نے دوسرے سفرِ حجاز کے موقع پر مکۂ مکرمہ میں وہاں کے بعض علمائے کرام کی خواہش پر تصنیف کی۔ جس کا مخطوطہ مکتبہ مکۂ مکرمہ میں آج بھی محفوظ ہے۔ [۲] جب کہ یہ بریلی، لاہور، بائسی، پورنیہ، بہار سے بارہا شائع ہوئی۔ نیز اردو و انگریزی تراجم بھی طبع ہوئے۔ [۳]

ایک اور کتاب ’ **حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین** ‘ اہم ہے۔ جس پر حرمین شریفین کے تینتیس اکابر علمائے کرام کی تقاریظ درج ہیں اور یہ بریلی و لاہور اور کراچی سے شائع ہوئی۔ نیز ان دنوں کمپیوٹر انٹرنیٹ پر واقع برکاتی فاؤنڈیشن کراچی کی ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔ [۴] نیز اردو ترجمہ بھی شائع ہوا۔

اور پہلے سفرِ حجاز کے موقع پر اپنے استاذ مفتیٔ شافعیہ مکۂ مکرمہ علامہ سید حسین بن صالح جمل

الجلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۹۱ء] کے حکم پر ان کی تصنیف 'الجوھرۃ المضئیۃ' کی شرح 'النیرۃ الوضیۃ' لکھی۔ جو اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۰۸ھ کو لکھنؤ سے طبع ہوئی۔[۵]

مصر کے ایک ادیب و محقق، ازہر یونی ورسٹی قاہرہ میں استاذ سید حازم بن محمد احمد عبد الرحیم محفوظ [ولادت: ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء] نے فاضلِ بریلوی کے عربی اشعار جمع کر کے ان پر تحقیق و حواشی لکھے۔[٦] پھر یہ مجموعہ 'بساتین الغفران' کے نام سے ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء میں ۳۵۲ر صفحات پر پاکستان سے شائع ہوا۔

پروفیسر حازم محفوظ نے ہی آپ کے حالات پر عربی میں مستقل کتاب 'الدراسات الرضویۃ فی مصر العربیۃ' لکھی۔ جو ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔[٦٠] پھر خود ہی اس میں اضافہ کیا اور یہ ' الاما الاکبر المجدد محمد احمد رضا خان و العالم العربی' کے نام سے اسی برس رضا فاؤنڈیشن لاہور نے ۲۴۰ر صفحات پر شائع کی۔

آپ کے مشہورِ زمانہ نعتیہ قصیدہ 'مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' کا پروفیسر حازم محفوظ نے عربی نثر میں ترجمہ کیا اور مصر کے اہم ادیب و شاعر، متعدد زبانوں کے ماہر، ساٹھ سے زائد کتب کے مصنف و مترجم، مصر و ترکی و پاکستان کی حکومتوں کی طرف سے ایوارڈ یافتہ پروفیسر ڈاکٹر حسین مجیب مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء] نے اسے عربی نظم میں ڈھالا۔ نیز اس کی شرح لکھی۔ [۷] پھر یہ کتابی صورت میں 'المنظومۃ السلامیۃ فی مدح خیر البریۃ' کے نام سے ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء میں ۱۵۸ر صفحات پر قاہرہ سے شائع ہوا۔

'الدولۃ المکیۃ' انہی مولانا احمد رضا خان بریلوی کی اس نوع کی اہم کتب میں سے ہے۔ جسے عربوں کے ہاں بھرپور پذیرائی ملی۔

پس منظر: دولتِ مکیۃ، کی تصنیف سے ایک صدی قبل شاہ اسماعیل دہلوی [وفات: ۱۲۴٦ھ/ ۱۸۳۱ء] نے فارسی، اردو میں دو کتب 'صراطِ مستقیم' اور 'تقویت الایمان' تصنیف کیں۔ جو خطۂ ہند میں وہابی فکر کے تعارف پر اولین کتب تھیں۔[۸]

جس کے نتیجہ میں وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ علمائے ہند کے درمیان متعدد مسائل و

موضوعات پر اختلافات نے جنم لیا۔ تب یہاں کے علمائے اہلِ سنت وسوادِ اعظم نے اور دوسری جانب وہابی فکر کے مؤید وداعی معدودے چند علما نے اپنے اپنے موقف اور فکر وعقیدہ کے اظہار و تائید پر بکثرت کتب لکھیں۔ ان میں چار اختلافی مسائل بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ جن پر ہونے والی بحث وتمحیص نے برصغیر کی حدود تجاوز کر کے عرب دنیا کے اہلِ علم کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا۔ مسائل یہ ہیں:

☆......امکانِ کذبِ باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے یا نہیں؟

☆......رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی یاد میں محافل منعقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

☆......آپ کی تعظیم کے طور پر ان محافلِ میلاد میں باادب کھڑا ہونا کیا حکم رکھتا ہے؟

☆......آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا علومِ غیب پر مطلع فرمانا۔

عرب علمائے کرام نے ان مسائل پر پاک و ہند کے علمائے اہلِ سنت کی عربی کتب پر نہ صرف تائیدی فتاویٰ وتصدیقات اور تقریظات لکھیں، بلکہ بعد ازاں خود بھی ان موضوعات پر مستقل کتب ومضامین لکھے۔ جو عرب دنیا واستنبول سے شائع ہوئے۔ جیسا کہ مدینہ منورہ کے شیخ احمد برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب 'اکمال التثقیف و التقویم لعوج الافھام عما یجب الکلام اللّٰہ القدیم' اور مدینۂ منورہ کے ہی شیخ یٰسین احمد خیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا میلاد وقیام پر مقالہ، نیز دمشق کے شیخ محمود عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی 'استحباب القیام عند ذکر ولادتہ علیہ الصلوٰۃ و السلام' اور دمشق کے ہی شیخ محمد قاسمی حلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقالہ 'دحض الفضول فی الرد علی من حظر القیام عند ولادۃ الرسول' اسی پس منظر میں لکھے گئے۔ جن کا مزید تذکرہ آگے آرہا ہے۔

ان ایام میں پاک وہند کے علمائے اہلِ سنت نے عربی واردو میں مذکورہ مسائل پر متعدد کتب لکھیں۔ جن میں مولانا عبد السمیع بیدلؔ رام پوری میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء] کی 'انوارِ ساطعہ' اور مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء] کی 'تقدیس الوکیل عن توھین الرشید و الخلیل'، مولانا عبد اللہ ٹونکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء] کی 'عجالۃ الراکب فی امتناع کذب

الواجب'، مولانا احمد حسن پنجابی کان پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء] کی 'تنزیہ الرحمٰن عن شائبۃ الکذب و النقصان'، مولانا رضا علی بنارسی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۱۲ھ/ ۱۹۰۷ء] کی 'مظاہرِ حق' اور مولانا محمد عین القضاۃ لکھنوی حیدر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء] کی 'ازاحۃ العیب عن مبحث الغیب' نیز 'التحقیق المجتبیٰ فی غیب المصطفیٰ' وغیرہ عربی و اردو کتب ہیں۔ جو ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۱۹ھ کے عرصہ میں لکھی گئیں۔

فاضلِ بریلوی بھی ان مسائل میں مسلکِ اہلِ سنت کے بیان اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں متعدد کتب لکھ چکے تھے۔ جیسا کہ متذکرہ بالا پہلے مسئلہ پر ۱۳۰۷ھ میں 'سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح' دوسرے پر ۱۳۲۰ھ میں 'الجزاء المھیا لغلمۃ کنھیا' اور ۱۲۹۹ھ میں مذکورہ تیسرے مسئلہ پر 'اقامۃ القیامۃ علی طاعن عن القیام لنبی التھامۃ' نیز چوتھے پر ۱۳۱۸ھ میں 'انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفیٰ' وغیرہ۔ ہندوستان میں یہ فضا تھی کہ فاضلِ بریلوی دوسری بار حج و زیارت کے لئے بریلی سے حجاز مقدس روانہ ہوئے۔

مولوی رشید احمد گنگوہی:

مولوی رشید احمد بن ہدیت احمد بن پیر بخش بن غلام حسن بن غلام علی، گنگوہ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ اپنے دور میں دیوبندی مکتب فکر، نیز دار العلوم دیوبند کے سرخیل تھے۔ اختلافی مسائل وغیرہ موضوعات پر چند تصانیف ہیں۔ جن میں 'براہینِ قاطعہ' اہم نام ہے۔ عجیب اتفاق یہ کہ انھوں نے فاضلِ بریلوی کے اس سفرِ حجاز سے محض چار ماہ قبل وفات پائی۔ لیکن 'دولتِ مکیہ' جو ان کے انتقال کے بعد تصنیف کی گئی، آپ بالواسطہ طور پر اس کا اہم سببِ تصنیف ہے۔[۹]

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی:

مولوی خلیل احمد بن مجید علی بن احمد علی بن قطب علی بن غلام محمد، سہارن پور کے قریب گاؤں 'نانوتہ' میں پیدا ہوئے اور ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ عربی و اردو میں چند تصانیف ہیں۔ کچھ عرصہ بریلی اور پھر بہاول پور و دار العلوم دیوبند، نیز سہارن پور کے

مدارس سے وابستہ رہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے شاگرد خاص وخلیفۂ اعظم ہوئے اور ان کی تصنیف 'براہین قاطعہ' انہی کے نام سے شائع ہوئی۔[۱۰]

جس کے جواب میں مولانا عبد السمیع رام پوری، مولانا غلام دستگیر قصوری، فاضلِ بریلوی وغیرہ علمائے اہلِ سنت کی مذکورہ بالا کتب میں سے اکثر شائع ہو چکی تھیں اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ادھر فاضلِ بریلوی حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ دوسری جانب مولوی انبیٹھوی، جو ان دنوں سہارن پور میں مقیم تھے اور بعض وزرائے ریاست و دیگر اہلِ ثروت بھی حج کے ارادے سے پہلے ہی حجاز مقدس پہنچ چکے تھے۔[۱۱]

مکتوبِ بریلی:

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی قبل ازیں بریلی میں ایک مدرسہ سے وابستہ رہ چکے تھے۔ گویا وہاں ان کا حلقۂ اثر موجود تھا۔ فاضلِ بریلوی اس سفرِ حج و زیارت پر غیر ارادی وفوری طور پر روانہ ہوئے تھے۔[۱۲]

لیکن جیسے ہی بریلی کے اس حلقہ کو خبر ہوئی، انہوں نے منصوبہ بندی کی اور فاضلِ بریلوی پر الزامات پر مشتمل ایک عربی خط ترتیب دے کر اسے حجاج کے ہاتھوں گورنرِ مکۂ مکرمہ کی طرف روانہ کیا۔[۱۳]

حجازِ مقدس:

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء کا حجازِ مقدس، جو مکۂ مکرمہ، مدینۂ منورہ، طائف وجدہ وغیرہ شہروں پر مشتمل خطہ کا نام ہے، وہاں پر گذشتہ چار صدیوں سے ترکی کے عثمانی خاندان کی حکمرانی تھی۔ جو اہلِ سنت و جماعت تھے۔ ترکی کا شہر 'استنبول' ان کا دار الخلافہ تھا اور حجازِ مقدس کو اس وسیع وعریض اسلامی سلطنت کے ایک اہم صوبہ کی حیثیت حاصل تھی۔

سلطان عبد الحمید عثمانی دوم [وفات: ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء] ان دنوں حکمراں تھے۔ جو اس خاندان کے چونتیسویں خلیفہ تھے۔[۱۴] اور ترکی نژاد احمد راتب پاشا پورے صوبہ حجاز کے گورنر۔[۱۵] جب کہ سامی پاشا فاروقی مدینۂ منورہ کے[۱۶] اور سید علی پاشا بن عبد اللہ ابوعون [وفات: ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء] مکۂ مکرمہ کے گورنر تھے۔[۱۷]

یاد رہے کہ یہ عثمانی خلافت کے زوال کے آخری ایام تھے۔ کیوں کہ اس کے محض گیارہ برس بعد ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۶ء میں حجازِ مقدس وغیرہ علاقوں سے عثمانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ لہٰذا مرکز کمزور اور اغیار کی سازشوں و مفادات کے نتیجہ میں عرب معاشرہ چار طبقات میں تقسیم ہو رہا تھا۔

ایک طبقہ، جو امتِ مسلمہ کی بھلائی و خیر خواہی کا جذبہ رکھتا تھا، وہ مذہبی و نسلی اختلافات و امتیاز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مرکز کی بقا اور اتحاد و یگانگت کی خواہش رکھتا تھا۔

دوسرا طبقہ عرب قومیت کے جذبات کو ابھار کر ترکوں سے کسی بھی قیمت پر نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

تیسرا طبقہ، عثمانی حکومت سے عقائد میں اختلاف کی بنا پر اپنی برتری و نفوذ کے لئے سرگرمِ عمل ہوا۔

اور چوتھا [طبقہ] ان تمام حالات و واقعات سے لاتعلق و غافل ہوا۔ عرب معاشرہ میں یہ ٹوٹ پھوٹ ہر سطح ہو رہی تھی کہ ہندوستان سے یہ افراد حجازِ مقدس پہنچے۔

فاضلِ بریلوی اور علمائے حجاز: فاضلِ بریلوی نے تئیس برس کی عمر میں والدین ماجدین کے ہمراہ پہلا حج کیا۔ [۱۸] جس دوران مکۂ مکرمہ میں وہاں کے تین اکابر علمائے کرام سے اخذ کیا لیکن علمائے حجاز میں آپ کا وسیع تعارف اس وقت ہوا، جب ۱۳۱۶ھ میں آپ نے کتاب 'فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین' لکھ کر حجاج کے ذریعہ علمائے حرمین شریفین کے سامنے پیش کی۔ جس انھوں نے اسے اپنی گراں بہا تقریظات سے مزین فرمایا اور آپ کو بے شمار اعلیٰ درجے کے کلماتِ دعا و ثنا سے یاد کیا۔ [۱۹] لیکن یہ آپ کا غائبانہ تعارف تھا۔

فاضلِ بریلوی مکۂ مکرمہ میں: اب آپ دوسری بار حج کے بالکل آخری ایام میں ارضِ حجاز پہنچے اور بخیر و عافیت مناسکِ حج سے فارغ ہوئے [۲۰] اس بار آپ کے ہمراہ گھر کی خواتین و دیگر متعلقین کے علاوہ چھوٹے بھائی مولانا محمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بڑے بیٹے مولانا محمد حامد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، نیز مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء] ساتھ تھے۔ [۲۱]

ان دنوں مولانا سلامت اللہ رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک تحریر علمائے مکۂ مکرمہ کے

ہاں زیرِ غور تھی۔

مولانا سلامت اللہ رام پوری:

مولانا ابو الذکاء شاہ محمد سلامت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعظم گڑھ کے مشہور اہلِ سنت عالم، جب کہ رام پور میں مقیم رہے۔ وہیں پر ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں وفات پائی اور قبر بنی۔ نقشبندی مجددی سلسلہ کے مرشد، مدرس، حافظِ قرآن، چند تصانیف اردو میں ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: تفسیر قرآنِ مجید' جس کا قلمی نسخہ الہ آباد شہر میں واقع جامعہ حبیبیہ کے پرنسپل مولانا عاشق الرحمان کے ذخیرہ میں ہے۔ 'اوضح البراھین علی عدم جواز الصلوٰۃ خلف غیر المقلدین' مطبوعہ لاہور ۱۳۲۷ھ، 'بلاغ المرام'، 'اعلام الاذکیاء' اور وہاں پر زیرِ غور تحریر کا تعلق آخر الذکر کتاب سے ہے۔[۲۲]

اعلام الاذکیاء:

یہ کتاب ۱۳۲۳ھ سے کچھ ہی عرصہ قبل شائع ہوئی تھی اور مصنف نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علومِ غیب پر مطلع ہونے کی تائید میں لکھا تھا۔ جب کہ فاضلِ بریلوی نے اس پر تقریظ لکھی تھی۔ اب جو آپ مکۂ مکرمہ پہنچے، تو وہابیۂ ہند نے 'اعلام الاذکیاء' کے متن کی ایک عبارت پہلے سے ہی محاکمہ کے لئے وہاں کے اکابر علما کو پیش کر رکھی تھی۔ اس بارے میں فاضلِ بریلوی خود فرماتے ہیں کہ:

'اس بار سرکارِ حرم محترم میں میری حاضری بے اپنے ارادے کے جس غیر متوقع اور غیر معمولی طریقوں پر ہوئی، وہ حکمتِ الٰہیہ یہاں مکۂ مکرمہ میں آکر کھلی۔ سننے میں آیا کہ وہابیہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں اور مسئلہ علمِ غیب چھیڑا ہے اور اس کے متعلق کچھ سوال اعلمِ علمائے مکہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضیٔ مکہ و مفتیٔ حنفیہ کی خدمت میں پیش ہوا ہے'۔[۲۳]

یاد رہے! شیخ صالح کمال پندرہ برس قبل مولانا غلام دستگیر قصوری کی 'تقدیس الوکیل' جو 'براہینِ قاطعہ' کی تردید میں لکھی گئی تھی، اس پر تقریظ لکھ کر مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور ان کے استاذ گنگوہی صاحب کو 'زندیق' لکھ چکے تھے۔[۲۴]

چنانچہ یہ معلوم ہونے پر کہ یہاں پر اختلافی مسئلہ چھیڑا گیا ہے۔ فاضلِ بریلوی نے بلا تامل

از خود شیخ صالح کمال سے رابطہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت موصوف کی خدمت میں گیا۔ حضرت مولانا وصی احمد محدثِ سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [۲۵] کے صاحبزادے عزیزی مولوی عبد الاحد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ میں نے بعد سلام ومصافحہ مسئلہ علمِ غیب پر تقریر شروع کی اور دو گھنٹہ تک اسے آیات واحادیث واقوالِ ائمہ سے ثابت کیا اور مخالفین جو شبہات کیا کرتے ہیں، ان کا رد کیا۔ اس دو گھنٹے تک حضرت موصوف محض سکوت کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر میرا منہ دیکھتے رہے۔

جب میں نے تقریر ختم کی، چپکے سے اٹھتے ہوئے قریب الماری رکھی تھی، وہاں تشریف لے گئے اور ایک کاغذ نکال لائے۔ جس پر مولوی سلامت اللہ صاحب رام پوری کے رسالہ '**اعلام الاذکیاء**' کے اس قول کے متعلق کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو '**ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم**' لکھا، چند سوال تھے اور جواب کی چار سطریں ناتمام اٹھا لائے۔ مجھے دِکھایا اور فرمایا: تیرا آنا اللہ کی رحمت تھا، ورنہ مولوی سلامت اللہ کے کفر کا فتوی یہاں سے جا چلتا۔ میں حمدِ الٰہی بجالایا اور فرودگاہ پر واپس آیا۔ [۲۶] فاضلِ بریلوی کے اس عمل سے مکۂ مکرمہ میں 'اعلام الاذکیاء' کے تناظر میں قائم کیا گیا محاذ سرد پڑ گیا۔

مولانا شاہ محمد معصوم مجددی: بریلی کے وہابیہ نے فاضلِ بریلوی کے بارے میں، جو مکتوب گورنرِ مکۂ مکرمہ کے نام ارسال کیا تھا، اسے شاہ محمد معصوم مجددی کے توسط سے منزلِ مقصود تک پہنچانے کی تدبیر اختیار کی گئی۔

شاہ محمد معصوم بن عبد الرشید بن احمد سعید مجددی، جو حضرت مجدد الف ثانی کی نسل میں سے تھے۔ ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء کو دہلی پیدا ہوئے اور ۱۸۵۷ء میں اپنے دادا کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت کی اور ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۱ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد وہاں سے رام پور آ گئے۔ جہاں والئ ریاست نے آپ کا وظیفہ مقرر کیا۔ لیکن کئی برس قیام کے بعد پھر مدینۂ منورہ چلے گئے اور ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء کو مکۂ مکرمہ میں وفات پائی۔ محدث، مفسر، مرشد السالکین، متعدد تصنیفات ہیں۔ [۲۷]

آپ کے ایک فرزند شاہ حافظ محمد ابو سعید مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء] کی قبر رام پور میں واقع ہے۔ جہاں آپ نے اپنی زندگی میں اپنے مزار کا انتظام فرمالیا

تھا۔انھوں نے عرب دنیا کی محافلِ میلاد میں پڑھا جانے والا مشہورِ زمانہ 'مولودِ برزنجی' حفظ کر رکھا تھا۔جس کی آپ کی آواز میں کیسٹ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد نقشبندی کے پاس محفوظ ہے۔[۲۸]

وہابیہ نے فاضلِ بریلوی پر اس الزام کی بھرپور تشہیر کر رکھی تھی کہ آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کافر کہتے لکھتے ہیں۔[۲۹] اس سفرِ حجاز سے واپس آنے کے بعد ایک روز بریلی میں برسرِ مجلس فاضلِ بریلوی نے خود بتایا کہ وہابیہ نے بعض سنیوں کو بھی میرے مخالف کر دیا تھا۔ یہ بہتان لگا کر کہ معاذ اللہ حضرت شیخ مجدد کو کافر کہتا ہے۔[۳۰]

شاہ محمد معصوم مجددی بھی انہی میں سے ایک تھے۔ چنانچہ وہابیہ نے اپنے منصوبے کو آگے بڑھاتے ہوئے مکۂ مکرمہ میں یہ خط ان کے سپرد کیا۔ جنہوں نے وہ شیبی صاحب کو دے دیا۔[۳۱] تاکہ وہ اسے گورنرِ مکۂ مکرمہ تک پہنچا دیں۔

لیکن آئندہ دنوں میں انہی شاہ محمد معصوم مجددی نے حجازِ مقدس میں مسئلہ علمِ غیب پر چھڑنے والی بحث اور پھر اس کے نتیجہ میں پیش آنے والے واقعات میں بالآخر اہلِ سنت کا ساتھ دیا اور وہاں فعال دیوبندی وغیر مقلد افراد کو اخلاقی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔لیکن یہ مرحلہ اس کے سات برس بعد آیا۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

شیبی صاحب: فتحِ مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کی چابی خاندانِ قریش کے فرد حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ [وفات: ۴۲ھ/ ۶۶۴ء] کو اس فرمان کے ساتھ عطا فرمائی کہ یہ قیامت تک تمہارے خاندان کے پاس رہے گی۔ حضرت عثمان کی وفات کے بعد یہ ان کے چچازاد حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما [وفات: ۵۹ھ/ ۶۷۹ء] کے سپرد ہوئی[۳۲] اور آج تک انہی کی نسل کے پاس چلی آرہی ہے۔ جو ان کے نام کی مناسبت سے شیبی کہلاتی ہے۔[۳۳]

شیبی خاندان میں تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد علمائے کرام ہوئے۔[۳۴] نیز اس کا مقامی طور پر سیاسی وسماجی مقام بھی فروتر ہوتا ہے خانۂ کعبہ کی چابی اس کے معمر ترین فرد کے پاس ہوتی ہے۔ جو سادن یا کلیدار کہلاتے ہیں۔ حکام کے ہاں اس خاندان کی بالعموم اور کلیدار کی

بالخصوص بڑی عزت وتوقیر ہتی ہے۔[۳۵]

مجددی خاندان اور شیبی خاندان کے درمیان قریبی تعلقات استوار تھے۔جن کی بنیاد یہ تھی کہ بعض شیبی افراد مثلاً کلیدارِ کعبہ شیخ عبداللہ بن محمد بن زین العابدین شیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم [وفات: ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء] سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ ہوئے۔[۳۶] نیز بعض نے اس خانوادہ کے علماو مشائخ کی شاگردی اختیار کی۔جیسا کہ شیخ عبدالقادر بن محمد صالح بن محمد شیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم [وفات: ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء] جو شاہ محمد معصوم مجددی کے دادا کے بھائی شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی کے شاگرد تھے[۳۷]اور ان ایام میں مکۂ مکرمہ میں موجود تھے۔

شیخ عبدالقادر شیبی ،جلیل القدر شافعی عالم و بااثر شخصیت تھے۔آپ دو ہی برس قبل ۱۹۰۳ء میں دارالخلافہ استنبول تشریف لے گئے،تو خلیفہ عثمانی نے آپ کو بھرپور پذیرائی دی۔آپ کی استنبول آمد کی خبر اس دور میں جہلم شہر سے شائع ہونے والے مشہور اردو ہفت روزہ ’سراج الاخبار‘ نے نمایاں انداز میں شائع کی۔جس میں بتایا کہ عبدالقادر شیبانی قسطنطنیہ میں وارد ہوئے تھے، حضرت سلطان المعظم نے نہایت اعزاز واکرام سے دعوت کی اور نشان طاش کے خاص مہمان خانہ سلطانی میں انہیں ٹھہرایا۔رخصت کے وقت ایک قیمتی لباس بطورِ خلعتِ شاہانہ اور ایک سو پونڈ انعام دیا۔[۳۸]

جن دنوں کے واقعات کا یہاں بیان ہو رہا ہے، تب شیخ محمد صالح بن احمد بن محمد شیبی رحمۃ اللہ علیہم [وفات: ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء] خانۂ کعبہ کے کلیدار تھے۔جو ۱۳۱۱ھ سے اپنی وفات تک اس خدمت پر مامور رہے۔آپ نے مسجدِ حرم کے حلقاتِ دروس میں اکابر علما سے تعلیم پائی اور قرآنی علوم، نیز لغت میں اعلیٰ مہارت تھی۔ ہاشمی عہد میں سینٹ کے چیئر مین رہے۔آپ نے خانۂ کعبہ کی تاریخ پر کتاب ’اعلام الانام بتاریخ بیت اللہ الحرام‘ تصنیف کی۔جس کا مخطوطہ مکتبہ حرمِ مکی میں ہے۔جب کہ یہ ۱۹۸۴ء میں مکۂ مکرمہ سے شائع ہوئی۔[۳۹]

انہی ایام کے مکۂ مکرمہ میں شیخ عبدالقادر بن علی شیبی نام کے ہی ایک اور فرد تھے، جو بعد ازاں ۱۹۱۷ء کو خانۂ کعبہ کے کلیدار ہوئے اور اپنی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔وہ عالمِ دین نہیں تھے۔نیز انہوں نے بھی ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء میں وفات پائی۔[۴۰]

شاہ محمد معصوم مجددی نے مکتوبِ بریلی، قرینہ ہے کہ شیخ عبدالقادر بن علی شیبی تک پہنچایا۔ تا کہ وہ اسے گورنرِ مکۂ مکرمہ کے سپرد کر دیں۔[۴۱]

گورنرِ مکۂ مکرمہ تک رسائی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد مسلسل ایک ہزار برس تک گورنر مکۂ مکرمہ تعینات رہی۔ سید جعفر بن محمد [وفات: ۳۸۴ھ/ ۹۹۴ء تقریباً] اس خاندانِ سادات کے پہلے فرد تھے، جو ۳۵۸ھ میں گورنر بنائے گئے۔ [۴۲] اور سید خالد بن منصور لوئی [وفات: ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۳ء] اس منصب پر تعینات آخری حسنی فرد تھے۔[۴۳]

ان کے بعد یہ منصب خطۂ نجد کے سعودی خاندان کے لئے مخصوص ہے اور ان دنوں سعودی عرب کے موجود بادشاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود [ولادت: ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء] کے بھائی شہزادہ عبدالمجید بن عبدالعزیز [ولادت: ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء] گورنر مکۂ مکرمہ ہیں۔ یہ منصب مختلف ادوار میں عامل، والی، شریف اور امیر کہلایا۔

گورنر سید علی پاشا، جن کا 'دولۃ مکیہ' کی تصنیف و تاریخ سے تعلق ہے، ۱۳۲۳ھ سے ۱۳۲۶ھ تک اس منصب پر رہے۔ بعد ازاں قاہرہ میں وفات پائی اور معلوم رہے کہ اردن کے موجودہ بادشاہ سید عبداللہ دوم ان کے چچا کی نسل میں سے ہیں۔[۴۴]

الغرض شیخ شیبی نے مکتوبِ بریلی، گورنر سید علی پاشا کو پیش کر دیا۔[۴۵]

گورنر کا اقدام: حکومتِ حجاز کا یہ طریقۂ کار تھا کہ وہاں پر عالمِ اسلام سے وارد ہونے والے کسی بھی چھوٹے بڑے فرد کے بارے میں اگر کہیں سے یہ شکایت موصول ہو کہ یہ کسی نئے عقیدہ و فکر کا داعی بن کر یہاں پہنچا ہے، تو یہ شکایت چاہے، محض الزام ہی ہو، لیکن حکومت مقامی علما کے توسط سے پوری تحقیق کے بعد ہی اسے بری الذمہ قرار دیتی یا الزام درست ثابت ہونے پر ضابطہ کی کارروائی عمل میں لائی جاتی۔

اس نوع کا ایک واقعہ تئیس برس قبل ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں بھی پیش آیا تھا۔ جب ہندوستان میں غیر مقلدین کے امام مولوی نذیر حسین سورج گڑھی دہلوی [وفات: ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء][۴۶] مع جماعتِ وہابیہ حج کے واسطے مکۂ معظّمہ گئے اور اس وقت کے گورنرِ حجاز عثمان

نوری پاشا[۴۷] کو ان کی لا مذہبیت کی اطلاع ہوئی، تو ان کو گرفتار کرا کے قید کر دیا اور محکمۂ عالیہ میں طلب کیا۔ چنانچہ وہ توبہ نامہ حسب الحکم گورنرِ حجاز، مطبع میریہ مکۂ مکرمہ میں چھبیس ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ میں طبع ہو کر اطرافِ عالم میں پہنچا۔ مولوی نذیر حسین جب واپس بندرگاہ بمبئی پہنچے، تو صاف انکار کر دیا کہ نہ وہابیت سے توبہ کی اور نہ حنفی مذہب اختیار کیا۔

اس پر مولانا حکیم وکیل احمد سکندر پوری نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء] نے انکارِ توبہ کی تصدیق کے لئے انہیں دوبارہ حج کو جانے کے لئے کہا۔[۴۸] اور زادِ راہ کی کفالت اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ مولانا سکندر پوری نے اپنے 'دیوان حنفی' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی میں آمد و رفت کا خرچ دینے کا وعدہ کیا۔ مولوی نذیر حسین دہلوی اور ان کے اہم ساتھی مولوی سلیمان بن اسحاق جونا گڑھی کا یہ توبہ نامہ اردو ترجمہ کے ساتھ ہند و پاک سے بارہا شائع ہوا۔ جیسا کہ امرتسر سے شائع ہونے والے مؤقر ہفت روزہ 'الفقیہ' کی زیر نظر اشاعت میں یہ تعارفی کلمات کے ساتھ درج ہے۔[۴۹]

اب جو فاضلِ بریلوی کے بارے میں عقیدہ و فکر سے متعلق شکایت گورنر تک پہنچی، تو انہوں نے اس قضیہ کی تحقیق کا کام شیخ محمد صالح کمال کے سپرد کیا۔

شیخ صالح کمال کی کارروائی: شیخ صالح کمال اکبر علمائے مکہ میں سے تھے اور قبل قاضی و مفتئ احناف کے مناصبِ جلیلہ پر تعینات رہ چکے تھے۔ نیز حکام کے مقربین و معتمدین میں سے تھے اور حسنِ اتفاق کہ یہ مرحلہ آنے سے قبل فاضلِ بریلوی سے ان کی ملاقات و گفتگو 'اعلام الاذکیاء' کے تناظر میں مسئلہ علمِ غیب پر ہو چکی تھی اور اب پھر سے یہی موضوع سامنے آ رہا تھا۔ علاوہ ازیں آپ کئی برس قبل فاضلِ بریلوی کی 'فتاوی الحرمین' کی تائید میں فتوی جاری کر چکے تھے، جو شائع ہو چکا تھا۔

۲۵/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے۔ نمازِ عصر کے بعد مکتبہ حرمِ مکی کے دروازے شائقینِ علم کے لئے وا تھے۔ کتب خانہ کے مدیر سید اسماعیل حنفی، ان کے نوجوان بھائی سید مصطفی حنفی اور والد ماجد سید خلیل، نیز بعض حضرات وہاں تشریف فرما ہیں۔ فاضلِ بریلوی بھی نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد سیدھے وہاں پہنچے۔ اتنے میں حضرت مولانا شیخ صالح کمال بھی تشریف لے آئے اور

سلام ومصافحہ کے بعد جیب سے ایک پرچہ نکالا۔جس میں علمِ غیب سے متعلق پانچ سوال تھے۔ فرمایا: یہ سوال وہابیہ نے گورنر کے ذریعہ پیش کئے ہیں اور آپ سے جواب مقصود ہے۔[۵۰]

الدولۃ المکیۃ:

فاضلِ بریلوی نے وہیں پر بیٹھے بیٹھائے، مولانا سید مصطفی سے قلم دوات طلب کیا اور جواب لکھنے کا قصد کیا۔لیکن شیخ صالح کمال اور سب اکابر جو تشریف فرما تھے، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم ایسا فوری جواب نہیں چاہتے۔ چنانچہ شیخ صالح کمال نے آپ کو دو دن کی مہلت دی۔ تاکہ تیسرے روز جواب گورنر کے سامنے پیش کیا جائے۔

آپ نے وعدہ کرلیا اور لکھنا شروع کیا کہ دوسرے دن تیز بخار نے آلیا۔لیکن آپ نے اسی حالت میں تصنیف کا عمل جاری رکھا۔ ادھر مکۂ معظّمہ میں اس کا شہرہ ہوا کہ وہابیہ نے فلاں کی طرف سوال متوجہ کیا ہے اور وہ جواب لکھ رہا ہے۔ فاضلِ بریلوی اسے مکمل کرنے میں مصروف تھے کہ شیخ احمد ابوالخیر میر داد حنفی، جو مسجدِ حرم میں امامت وخطابت سے وابستہ علما کے نگرانِ منصب 'شیخ الخطباء والائمۃ' پر تعینات تھے اور ان کی عمر ستر برس سے متجاوز تھی، ان کا پیغام آیا کہ میں پاؤں سے معذور ہوں اور تیرا جواب سننا چاہتا ہوں۔

فاضلِ بریلوی، جس قدر جواب لکھ چکے تھے، اسے لے آپ کے ہاں حاضر ہوئے اور حضرت شیخ الخطبا کو اول تا آخر سنایا۔آپ نے اس میں غیوبِ خمس[۵۱] کی بحث نہ چھیڑی تھی کہ سوال میں نہ تھی۔اب شیخ الخطبا کی خواہش پر آپ نے اس میں علم خمس کی بحث بڑھانا قبول کیا اور وہاں سے رخصت ہوئے۔ پھر یہ جواب واضافہ مقررہ مدت سے قبل ۲۷/ذی الحجہ بروز بدھ بوقتِ عصر محض آٹھ گھنٹے کے عمل میں مکمل کر کے اسے 'الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ' کا تاریخی نام دیا۔[۵۲]

گورنرِ مکہ مکرمہ کا دربار: الدولۃ المکیۃ مکمل ہونے کے ساتھ ہی اس کا مبیضہ تیار کر کے یہ حضرت شیخ صالح کمال کی خدمت میں پہنچا دی گئی۔ جنہوں نے جمعرات کے دن اسے کامل طور پر مطالعہ فرمایا اور شام کو گورنر کے یہاں تشریف لے گئے۔ عشا کی نماز کے بعد سے نصف شب تک گورنر کا دربار ہوتا تھا۔ فاضلِ بریلوی بھی وہاں پہنچے۔ حضرت مولانا صالح کمال نے دربار

میں کتاب پیش کی اور علی الاعلان فرمایا:

'اس شخص نے وہ علم ظاہر کیا، جس کے انوار چمک اٹھے اور جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا'۔

فاضلِ بریلوی فرماتے ہیں کہ گورنر نے کتاب پڑھنے کا حکم دیا۔ دربار میں دو وہابی بھی بیٹھے تھے۔ ایک احمد فقیہ اور دوسرے عبد الرحمان اسکوبی [۵۳] انہوں نے مقدمہ کتاب کی آمد ہی سن کر سمجھ لیا کہ یہ رنگ بدل دے گی۔ گورنر ذی علم ہیں۔ مسئلہ ان پر منکشف ہو جائے گا۔ لہٰذا چاہا کہ سننے نہ دیں۔ بحث میں الجھا کر وقت گذاریں۔ کتاب پر کچھ اعتراض کیا۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جواب دیا۔ آگے بڑھے۔ انہوں نے پھر مہمل اعتراض کیا۔

حضرت مولانا نے جواب دیا اور فرمایا: کتاب سن لیجئے۔ پوری کتاب سننے سے پہلے اعتراض بے قاعدہ ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے شکوک کا جواب کتاب ہی میں آئے اور نہ ہو، تو میں جواب کا ذمہ دار ہوں اور مجھ سے نہ ہو سکا، تو مصنف موجود ہے'۔ یہ فرما کر آگے پڑھنا شروع کیا۔ کچھ دور پہنچے، انہیں الجھانا مقصود تھا۔ پھر معترض ہوئے۔

اب حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے گورنر سے کہا: آپ کا حکم ہے۔ میں پڑھ کر سناؤں اور یہ بے جا الجھتے ہیں۔ حکم ہو، تو ان کے اعتراضوں کا جواب دوں یا حکم ہو، تو کتاب پڑھ کر سناؤں؟ گورنر صاحب نے فرمایا: آپ پڑھئے۔ اب مولانا کتاب سناتے رہے۔ اس کے دلائلِ قاہرہ سن کر گورنر نے بآواز بلند فرمایا:

'اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب عطا فرماتا ہے اور یہ [وہابیہ] منع کرتے ہیں'۔

یہاں تک کہ نصف شب تک نصف کتاب سنائی۔ اب دربار برخاست ہونے کا وقت آ گیا۔ گورنر نے حضرت مولانا صالح کمال سے فرمایا کہ: یہاں نشانی رکھ دیں۔ پھر وہ کتاب بغل میں لے کر بالاخانہ پر آرام کے لئے تشریف لے گئے۔ دولۃ مکیہ، کا یہ نسخہ گورنر کے پاس ہی رہا۔ [۵۴]

مخالفین کی حالت:

اب تمام مکۂ معظّمہ میں کتاب کا شہرہ ہوا۔ وہابیہ پر اوس پڑ گئی۔ بفضلہٖ تعالیٰ سب لوہے ٹھنڈے ہو گئے۔ گلی کوچہ میں مکۂ معظّمہ کے لڑکے ان کا تمسخر [مذاق] کرتے کہ اب کچھ

نہیں کہتے۔ اب وہ جوش کیا ہوئے؟ اب وہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علومِ غیب ماننے والوں کو کافر کہنا کدھر گیا۔[۵۵]

مولوی انبیٹھوی کی سعی:

مولانا شیخ صالح کمال نے دربار میں 'دولتِ مکیہ' سنانے کے ضمن میں گورنر سے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے عقائد اور ان کی کتاب 'براہینِ قاطعہ' کے مندرجات کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ انبیٹھی صاحب کو خبر ہوئی، تو وہ بعض علمائے ہند، جو مکۂ مکرمہ میں مجاور تھے[۵۶] ان کی ہمراہی میں مولانا صالح کمال کے پاس گئے اور انہیں 'براہینِ قاطعہ' کے بارے میں مطمئن کرنے کی سعی کی۔ لیکن یہ ملاقات ان کے لئے مفید ثابت نہ ہوئی اور انہیں مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ چنانچہ وہ اسی روز ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کے آخری ایام میں مکۂ مکرمہ سے جدہ بھاگ گئے۔[۵۷]

دولۃِ مکیۃ کی نقول:

فاضلِ بریلوی جب دولۃ مکیہ لکھ رہے تھے، تو آپ کے فرزند حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان ساتھ ہی ساتھ اس کا مبیضہ تیار کرتے رہے۔[۵۸] جو ہندوستان آنے کے بعد بھی اس کتاب اور موضوع سے منسلک رہے۔[۵۹] نیز اصل کتاب سے متعدد نقلیں مکۂ معظّمہ کے علمائے کرام نے لیں۔[۶۰]

تقریظات کا آغاز:

گورنر کے دربار میں 'دولتِ مکیہ' پڑھے جانے اور اس کے مندرجات پر گورنر اظہارِ اطمینان کے بعد، مکتوب بریلی، کے آثار اور مکۂ مکرمہ میں موجود وہابیہ کی سرگرمیاں ماند و بے اثر ہو گئیں اور ان کے عزائم و خواہش کے برعکس فاضلِ بریلوی کی وہاں پذیرائی میں مزید اضافہ ہوا اور آپ کے چند ہفتوں کے مزید قیام کے دوران مکۂ مکرمہ کے اٹھارہ سے زائد اکابر علمائے کرام نے آپ کی دو کتب 'دولتِ مکیہ' 'حسام الحرمین' پر قابلِ قدر تقاریظ لکھیں۔

نیز ان میں سے متعدد نے فاضلِ بریلوی سے مختلف اسلامی علوم میں اجازت و خلافت پائی۔ پھر بعض علمائے کرام کی خواہش پر آپ نے فقہی مسائل پر ایک اور کتاب 'کفل الفقیہ الفاهم' تصنیف کی۔ شیخ صالح کمال، جو گورنر کی جانب سے تحقیق پر مامور ہوئے تھے، مذکورہ

دونوں کتب پر انہوں نے سب سے اول تقاریظ لکھیں۔[۶۱] اسی پر اکتفا نہیں، بلکہ آئندہ ایام میں بہ اصرار آپ سے خلافت و اجازت پائی۔[۶۲]

تقریظات تلف کرنے کی کوشش:

دولتِ مکیہ، پر تقاریظ لکھنے کا سلسلہ جاری تھا کہ وہابیہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح تقریظات تلف کر دی جائیں۔ چنانچہ ایک جگہ جمع ہوئے اور حضرت مولانا شیخ احمد ابوالخیر میرداد سے عرض کی کہ ہم بھی کتاب پر تقریظیں لکھنا چاہتے ہیں۔ کتاب ہمیں منگوا دیجئے۔ فاضلِ بریلوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے صاحب زادے مولانا شیخ عبد اللہ میرداد[۶۳] کو میرے پاس بھیجا کہ جو مسجدِ حرم کے امام ہیں اور اسی زمانہ میں فقیر کے ہاتھ پر بیعت فرما چکے ہیں۔

میں اس وقت کتب خانہ حرم شریف میں تھا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں۔ حضرت مولانا اسماعیل نے فرمایا: کتاب ہرگز نہ دی جائے گی۔ جو تقریظیں لکھنی ہوں، لکھ کر بھیج دو۔ جو لوگ وہاں جمع ہیں، ان کو میں جانتا ہوں۔ مولانا احمد ابوالخیر کو انہوں نے دھوکا دیا ہے۔ یوں اس عالمِ نبیل سیدِ جلیل کی برکت نے کتاب بحمد اللہ محفوظ رکھی، وللہ الحمد۔[۶۴]

نائبِ حرم سے رابطہ: اب مخالفین نے ایک اور راستہ سے حملہ کیا اور نائبِ حرم سے ملے۔ جو ایک ناخواندہ جاہل شخص تھے۔ انہیں اپنے موافق کیا۔[۶۵]

مکۂ مکرمہ میں آباد ایک قدیم خاندان موروثی طور پر مسجدِ حرم میں جملہ امور کی عمومی نگرانی پر مامور چلا آرہا تھا۔ اس منصب کو 'نائب الحرم' کہا جاتا تھا۔ لہٰذا اسی مناسبت سے یہ خاندان 'بیت نائب الحرم' مشہور ہوا۔[۶۶] ان دنوں جو صاحب اس منصب پر تعینات تھے، ان کا نام غالباً احمد تھا اور مخالفین نے انہی کے توسط سے اب اپنی بات گورنرِ حجاز تک پہنچانے کی ٹھانی۔

گورنرِ حجاز سے شکایت:

احمد راتب پاشا، جو ۱۳۲۶ھ تک پندرہ برس سے زائد گورنرِ حجاز رہے، آپ بالعموم مکۂ مکرمہ یا جدہ میں رہتے اور فاضلِ بریلوی کے بقول: آدمی ناخواندہ، مگر دیندار، ہر روز بعدِ عصر طواف کیا کرتے۔ وہابیہ نے خیال کیا کہ گورنرِ مکۂ مکرمہ ذی علم تھے، کتاب سن کر معتقد ہو گئے۔

یہ بے پڑھا فوجی آدمی، ہمارے بھڑکائے سے بھڑک جائے گا۔ ایک روز یہ طواف سے فارغ ہوئے، تو نائب الحرم نے ان سے گذارش کی کہ ایک ہندی عالم نے ہندوستان میں بہت لوگوں کے عقیدے بگاڑ دیئے ہیں اور اب اہلِ مکہ کے عقیدے خراب کرنے آیا ہے اور ساتھ ہی دل میں سوچا کہ یہ کیوں کر جچے گی کہ ایک ہندی مکیوں کے عقیدے بگاڑ دے۔

لہٰذا مجبوراً اس کے ساتھ یہ کہنا پڑا کہ اور اکابر علمائے مکہ مثل شیخ العلماء سید محمد سعید بابصیل ومولانا شیخ صالح کمال ومولانا احمد ابوالخیر میرداد اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ کی شان کہ یہ واقعی بات، جو انہوں نے مجبورانہ کہی، اس پر الٹی پڑی۔ گورنر پاشا نے بکمالِ غضب ایک چپت نائب الحرم کی گردن پر جمائی اور اسے مغلظات سناتے ہوئے کہا: جب یہ اکابر اس کے ساتھ ہیں؟ تو وہ خرابی ڈالے گا یا اصلاح کرے گا؟؟ [٦٧] یوں مخالفین کا یہ وار بھی ناکامیوں سے دوچار ہوا۔

فاضلِ بریلوی کی مدینہ منورہ روانگی:

۲۴؍صفر ۱۳۲۴ھ کو فاضلِ بریلوی کعبۂ تن سے کعبۂ جاں کی طرف روانہ ہو گئے۔[٦٨] اور مکۂ مکرمہ میں آپ کا قیام تقریباً تین ماہ رہا۔ [٦٩] جس دوران آپ نے مناسکِ حج خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ گورنرِ مکۂ مکرمہ اور پھر گورنرِ حجاز کو، وہابیہ کی گوش گذار کردہ شکایات والزامات کا سامنا کر کے انہیں بے اثر کیا۔ تین عربی کتب' **حسام الحرمین، الدولة المكية، كفل الفقيه**، تصنیف کیں۔ اول الذکر دونوں کتب پر وہاں کے اٹھارہ سے زائد اکابر علماء سے تقاریظ حاصل کیں۔ جن میں سے متعدد نے آپ سے اجازت وخلافت پائی۔ آپ' مکتوب بریلی' کے گورنر مکۂ مکرمہ کو پیش کئے جانے کے بعد دو ماہ تک وہاں مقیم رہے۔ جب کہ مخالفین کے سرکردہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اس کے تیسرے چوتھے روز ہی وہاں سے چل نکلے۔

دولتِ مکیہ مدینہ منورہ میں:

فاضلِ بریلوی مدینہ منورہ حاضر ہوئے، تو روضۂ اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ودیگر مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے بعد، مکۂ معظّمہ کی طرح زیادہ اہم '**حسام الحرمین**' کی

تصدیقات تھیں۔ جو بحمد اللہ بہت خیر وخوبی کے ساتھ ہوئیں۔ زیادہ زمانۂ قیام انہیں میں گزر گیا۔

'حسام الحرمین' کے پورا ہونے کے بعد 'دولتِ مکیہ' پر تقریظات کا خیال ہوا۔ سب سے پہلے حضرات مفتیٔ حنفیہ مولانا تاج الدین الیاس و مفتیٔ حنفیہ سابق مولانا عثمان بن عبد السلام داغستانی نے تقریظیں تحریر فرمائیں۔ تیسری باری مفتیٔ شافعیہ کی آئی۔

ان دنوں شیخ سید احمد بن اسماعیل برزنجی، مفتیٔ شافعیہ کے منصب پر تعینات تھے۔ جو چند روز قبل 'حسام الحرمین' پر تقریظ لکھوا چکے تھے۔ آپ آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ یہ ٹھہری کہ ان کے داماد سید عبد اللہ صاحب کے مکان پر 'دولتِ مکیہ' سننے کی مجلس ہو۔ چنانچہ عشا کی نماز کے بعد فاضلِ بریلوی نے کتاب سنانا شروع کی۔ بعض جگہ مفتی برزنجی صاحب کو شکوک ہوئے، جن کے مصنف نے مسکت جواب دیئے، جو انہیں ناگوار ہوئے۔ اسی ماحول میں بارہ بجے مجلس ختم ہوئی۔

پھر ایک رات ان کے شاگرد شیخ عبد القادر طرابلسی شلبی، جو قبل ازیں **'حسام الحرمین'** پر تقریظ لکھ چکے تھے، آپ فاضلِ بریلوی کے پاس آئے اور بعض مسائل میں الجھنے لگے۔ وہ بھی سینہ میں غبار لے کر اٹھے۔[۶۹]

فاضلِ بریلوی پر دو الزامات: حجازِ مقدس میں فاضلِ بریلوی پر دو الزامات کی بھرپور تشہیر کی گئی۔ اول یہ کہ معاذ اللہ! حضرت شیخ مجدد کو کافر کہتے ہیں۔[۷۰] دوم یہ کہ علمِ الٰہی اور علمِ نبوی میں مساوات کے قائل ہیں۔[۷۱]

پہلا الزام ایک خاص طبقہ کو فاضلِ بریلوی سے دور رکھنے اور بدظن کرنے کے لئے تراشا گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے فوری بعد، ہندوستان سے حضرت مجدد الف ثانی کی نسل سے، جو افراد ہجرت کر کے مدینۂ منورہ گئے، ان میں شاہ احمد سعید بن ابی سعید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما [۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء][۷۲] شاہ عبد الغنی بن ابی سعید دہلوی اور شاہ محمد مظہر بن احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما [وفات: ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۷۹ء][۷۳] بطورِ خاص اہم ہیں۔ جو جلیل القدر و صاحبِ تصانیف علما و نقشبندی مجددی سلسلہ کے مرشدِ کبیر ہوئے اور ان کی ذات سے حجازِ مقدس و عرب دنیا میں مذکورہ سلسلہ کو خاصا فروغ ملا۔

فاضلِ بریلوی جب دوسری بار حجازِ مقدس حاضر ہوئے اور وہاں 'دولتِ مکیہ' تصنیف کی، تو ان

نقشبندی اکابرین کے شاگرد اور مریدین و خلفا وہاں موجود تھے۔ جن میں بڑی تعداد عربوں کی تھی۔ یہ الزام اسی طبقہ کو فاضلِ بریلوی سے بدظن کرنے اور دور رکھنے کے لئے تراشا گیا۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ حقائق سامنے آتے گئے اور اس کے اثرات زائل ہوتے چلے گئے۔

دوسرے الزام کا ہدف اس سے بھی وسیع تر تھا۔ جس کو کچھ تقویت یوں ملی کہ فاضلِ بریلوی و مفتی سید احمد برزنجی کے درمیان مدینہ منورہ میں، جو مجلس منعقد ہوئی، اس سے سید برزنجی، نیز ان کے شاگرد شیخ عبدالقادر شلبی اور ان کا حلقہ نے نتیجہ اخذ کیا کہ آپ مساواتِ علمی کے قائل و داعی ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ مفتی سید برزنجی، مدینۂ منورہ میں شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی کے اہم شاگردوں میں سے تھے۔[۷۴]

فاضلِ بریلوی کی وطن واپسی:

آپ اکیس [اکتیس] روز تک مدینۂ منورہ مقیم رہے۔[۷۵] پھر جدہ، کراچی، بمبئی، احمد آباد سے ہوتے ہوئے واپس بریلی پہنچ گئے۔[۷٦] مدینۂ منورہ قیام کے دوران آپ نے زیارات کے علاوہ 'حسام الحرمین' و 'دولتِ مکیہ' پر تقاریظ حاصل کیں۔ نیز متعدد عرب علما و مشائخ نے یہاں بھی آپ سے سندیں اور اجازتیں لیں۔ دولۃ المکیہ، پر اب تک کل اکیس کے قریب تقاریظ علمائے مکۂ مکرمہ و مدینہ منورہ سے حاصل ہو چکی تھیں اور فاضلِ بریلوی جب وطن روانہ ہوئے، تو مفتی سید احمد برزنجی و شیخ عبدالقادر شلبی سے مذکور گفتگو کے بعد اس پر مزید تقاریظ کا سلسلہ بظاہر رک چکا تھا۔

الدولۃ المکیۃ، کی مزید نقول:

مدینۂ منورہ میں بھی اہلِ علم نے اس کی نقلیں لیں۔ ایک نقل بالخصوص مولانا کریم اللہ نے مزید تقریظات کے لئے اپنے پاس رکھی۔[۷۷]

مدینۂ منورہ کا برزنجی خاندان:

شیخ سید احمد بن اسماعیل برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱٦ء] مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں وفات پائی۔ وہیں کے قبرستان جبل قاسیون میں قبر واقع ہے۔ جامعہ ازہر قاہرہ میں تعلیم پائی۔ نیز فرانس کا مطالعاتی دورہ کیا۔ مسجدِ نبوی کے امام و خطیب و

مدرس، ادیب وشاعر، عثمانی پارلیامنٹ کے رکن، مفتی شافعیہ مدینۂ منورہ، دس سے زائد تصنیفات ہیں۔ جن میں 'مناقب سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مطبوعہ مصر، 'المناقب الصدیقیۃ' مطبوعہ تیونس، 'النصیحۃ العامۃ لملوک الاسلام و العامۃ' مطبوعہ مصر، 'الالھامات الربانیۃ فی اجوبۃ الاسئلۃ القازانیۃ' مخطوط مخزونہ دار الکتب ظاہریہ دمشق، 'النظم البدیع فی مناقب اھل البقیع' مخطوط ذکیرہ کتانی پبلک لائبریری رباط مراکش، وغیرہ کتب ہیں۔ نیز 'حسام الحرمین' پر تقریظ مطبوع ہے۔ [۷۸]

برزنجی خاندان کے جدِ اعلیٰ شیخ سید عبد الرسول بن عبد السید حسینی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عراق کے کرد علاقہ کے باشندہ تھے۔ آپ کے بیٹے وہاں سے مدینۂ منورہ ہجرت کر آئے۔ پھر دو صدیوں سے زائد عرصہ تک یہ گھرانہ مدینہ منورہ کی علمی فضا پر غالب رہا اور اس کے متعدد علما 'مفتیٔ شافعیہ' کے اعلیٰ منصب پر تعینات رہے۔ شیخ سید محمد بن عبد الرسول برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۱۰۳ھ/ ۱۶۹۱ء] [۷۹] اس کے اولین اور شیخ سید محمد ذکی بن احمد بن اسماعیل برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء] [۸۰] آخری فرد تھے، جو اس منصب سے وابستہ رہے۔

اس خاندان کے جدِ امجد سید محمد بن عبد الرسول برزنجی کی تصنیفات کی تعداد نوے سے زائد ہے اور انہوں نے اپنے والد کے احوال پر مستقل کتاب 'الفصول فی ترجمۃ عبد الرسول' لکھی۔ علاوہ ازیں ایمانِ والدینِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تائید و اثبات میں ان کی [کتاب] 'سَداد الدین و سِداد الدین فی اثبات النجاۃ و الدرجات للوالدین' مطبوع و متداول اور اس موضوع پر اہم کتاب ہے اور آپ کے فرزند علامہ سید عبد الکریم شہید بن محمد بن عبد الرسول برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۱۳۸ھ/ ۱۷۲۵ء] جن کا مزار جدہ شہر کے محلہ 'حارۃ المظلوم' میں واقع ہے اور اس محلہ کا نام آپ ہی سے منسوب ہے۔ انہوں نے جشنِ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواز پر کتاب 'نجم الثاقب فی المولد' لکھی۔ [۸۱]

پھر ان کے بیٹے علامہ سید حسن بن عبد الکریم شہید برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جنہوں نے میلاد کے موضوع پر 'النجم الثاقب فی متعلقات مولد الحاشر العاقب' لکھی۔ جس کے مخطوطات ام القریٰ یونیورسٹی مکۂ مکرمہ کی مرکزی لائبریری، نیز مکتبۃ شاہ عبد العزیز مدینۂ منورہ

میں موجود ہیں۔[۸۲]

علاوہ ازیں علامہ سید جعفر بن حسن برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۱۷۷ھ/ ۱۷۶۴ء] جن کی جشنِ میلاد پر کتاب 'العقد الجوھر فی مولد صاحب الحوض و الکوثر' جو 'مولودِ برزنجی' کے نام سے عرب و عجم میں مشہور اور مجالسِ میلاد میں رائج ہے۔ جس کا اردو ترجمہ بھی مطبوع ہے۔[۸۳] اور علامہ سید علی بن حسن برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۱ء] جنھوں نے بھائی کے 'مولودِ برزنجی' کو منظوم کیا۔ جس کے مخطوطات مکتبۂ شاہ عبد العزیز مدینۂ منورہ و دار الکتب ظاہریہ دمشق میں ہیں۔[۸۴]

نیز علامہ سید زین العابدین بن محمد الہادی برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء] جنھوں نے اپنے نانا کے 'مولودِ برزنجی' کو صنفِ نونیہ میں منظوم کیا۔ جو مطبوع و متداول ہے۔[۸۵] اور علامہ سید جعفر بن اسماعیل برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء] نے 'مولودِ برزنجی' کی شرح 'الکوکب الانور علی عقد الجوھر فی مولد النبی الازھر' لکھی۔ جو مطبوع ہے۔[۸۶] اور ان کے بھائی خود شیخ احمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 'حسام الحرمین' پر تقریظ کے پانچ برس بعد ۱۳۲۹ھ میں 'اکمال التثقیف والتقویم لعوج الافھام عما یجب لکلام اللہ القدیم' لکھی۔ جس کی تلخیص کا مخطوط بہاء الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال [پاکستان] میں موجود ہے اور یہ عقائد و معمولاتِ اہلِ سنت کی تائید میں ہے۔

غرضے کہ برزنجی علما کے آثار کی فہرست خاصی طویل ہے۔ یہاں اس کا احاطہ نہیں، فقط اشارہ مقصود ہے کہ یہ خاندان اہلِ سنت و جماعت تھا۔ اس کا وہابی فکر یا منکرینِ تصوف سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ انھی شیخ سید احمد برزنجی نے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہ کی تحریک و خواہش پر مسئلہ علمِ غیب پر چند برس بعد فاضلِ بریلوی کے خلاف قلم اٹھایا؟

یاد رہے کہ فاضلِ بریلوی سے قبل برزنجی خاندان کے ہی علامہ سید محمد بن عبد الرسول نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی بعض عبارات کے خلاف گیارھویں صدی ہجری کے آخر میں دو مستقل عربی کتب 'قدح الزند فی رد جھالات اھلِ سرھند' اور 'الناشرۃ الناجرۃ للفرقۃ الفاجرۃ' لکھی تھیں۔ گو کہ ان کے جواب میں عرب و عجم کے علما نے بہت کچھ لکھا، لیکن

ان کے اثرات آج تک باقی ہیں اور حضرت مجدد پر اعتراض کرنے والے عرب وہابیہ انہی کتب کے نکات اخذ کئے ہوئے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، علامہ سید محمد بن عبد الرسول برزنجی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، علامہ سید احمد بن اسماعیل برزنجی اور شیخ عبد القادر شلبی طرابلسی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین، پانچوں ہی اہلِ سنت کے اکابرین میں سے ہیں اور حضرت مجدد کے خلاف سید محمد برزنجی اور پھر دو صدیوں بعد ان کی نسل میں سے سید احمد برزنجی کا فاضلِ بریلوی کے خلاف قلم اٹھانا راقم السطور کی رائے میں حسبِ ذیل تین حالتوں سے خالی نہیں۔

☆......معاصرانہ چشمک، جو علمی دنیا میں کوئی عجیب بات نہیں۔

☆......علمی تفاخر، اس لئے کہ مدینہ منورہ میں دو صدیوں سے زائد تک برزنجی علما کا طوطی بولتا رہا۔

☆......عدم تفہیم، کہ کہنے ولکھنے والے نے کچھ کہا اور سمجھنے والے کچھ اور سمجھا۔

اور فاضلِ بریلوی کی گفتگو سے، جو مساواتِ علمی کا نتیجہ اخذ کیا گیا، اس پر شواہد موجود ہیں کہ یہ مذکورہ تیسری حالت تھی۔[۸۷] جسے مخالفین نے اپنے حق میں استعمال کیا۔

فاضلِ بریلوی نے 'دولتِ مکیہ' کی تصنیف سے قبل اور اس کے بعد مسئلہ علمِ غیب پر اردو و عربی میں کل آٹھ کتب تصنیف کیں اور مخالفین ومعترضین آج تک ان میں سے ایک بھی عبارت پیش نہیں کرسکے کہ جس میں آپ نے مساواتِ علمی کا دعویٰ کیا ہو۔ کتب کے نام یہ ہیں:

☆...... 'انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفیٰ' سن تالیف: ۱۳۱۸ھ۔

☆......'اللؤ لؤ المکنون فی علم البشیر ما کان و مایکون'۔ ۱۳۱۸ھ۔

☆......'مالی الجیب بعلوم الغیب'۔ ۱۳۱۸ھ۔

☆......'الدولة المکیة بالمادة الغیبیة'۔ ۱۳۲۳ھ۔

☆...... 'الفیوضات المکیة لمحب الدولة المکیۂ۔ ۱۳۲۶ھ۔

☆...... 'انباء الحی ان کلامه المصون تبیان لکل شیٔ'۔ ۱۳۲۶ھ۔

☆......'حاسم المفتری علی السید البرزنجی'۔ ۱۳۲۶ھ۔

☆......'خالص الاعتقاد۔ ۱۳۲۸ھ'

شیخ عبد القادر طرابلسی: اور شیخ احمد برزنجی کے شاگرد و معتمد شیخ عبد القادر بن توفیق شلبی، طرابلس، لبنان میں پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت کی اور وہیں پر ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء میں وفات پائی۔ اس دور کے مدینہ منورہ میں علمائے احناف کے سرتاج، مدرس مسجدِ نبوی، نیز وہاں کے دیگر مدارس میں استاذ رہے۔ نعت گو شاعر، مسند، ماہر خطاط، عثمانی میں محکمہ آثارِ قدیمہ کے نگرانِ اعلیٰ اور ہاشمی عہد میں محکمۂ تعلیم کے مدیرِ اعلیٰ رہے۔ پندرہ سے زائد تصنیفات ہیں۔۔ جن میں 'الاجازات الفاخرة' 'قصائدفی المدیح النبوی' مطبوع اور 'نعتیہ دیوان' نیز 'الدر الحسان فی فضائل سلاطین آل عثمان' وغیرہ غیر مطبوع ہیں۔[۸۸]

شیخ عبدالقادر شلبی کے عقیدہ وفکر کے بارے میں فقط تین واقعات ہی ذکر کرنا کافی ہوں گے۔

☆......اول یہ کہ 'حسام الحرمین' پر ان کی تقریظ مطبوع ہے۔

☆......دوم یہ کہ دارالعلوم دیو بند ہندوستان کے مدرس مولوی حسین احمد فیض آبادی کے بڑے بھائی شیخ احمد فیض آبادی [وفات: ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء] نے ۱۳۴۰ھ کو مدینہ منورہ میں 'دارالعلوم شرعیہ' نامی مدرسہ قائم کیا۔ جو اس شہرِ مقدس میں اولین وہابی مدرسہ تھا۔

چنانچہ اہلِ مدینہ تشویش میں مبتلا ہوئے۔ تا آں کہ یہ معاملہ حکام تک پہنچا۔ یہ ہاشمی دورِ حکومت تھا اور شیخ عبدالقادر شلبی ان دنوں محکمۂ تعلیم کے مدیرِ اعلیٰ تھے۔ آپ نے خود اس قضیہ کی تحقیق کی۔ جس کے نتیجہ میں اسے نئے افکار کی ترویج واشاعت میں ملوث پایا گیا۔ آپ کے حکم پر یہ مدرسہ بند کیا گیا اور پورے ہاشمی دور میں یہ مقفل رہا۔ تا آں کہ مدینہ منورہ پر خود وہابیہ کی حکومت قائم ہوئی۔ تو انہوں نے اسے پھر سے جاری کیا۔[۸۹] مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اس مدرسہ سے وابستہ رہے اور اس کی بندش پر انہیں رنجیدہ و غمگین دیکھا گیا۔[۹۰]

☆......اور سوم یہ کہ شیخ عبدالقادر شلبی سعودی عہد میں بھی بقیدِ حیات رہے۔ جس دوران محکمۂ تعلیم سے مستعفی ہو گئے اور گوشہ نشین ہو کر گھر میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

تقریظات کا دوسرا دور: فاضلِ بریلوی کے ہندوستان واپس آنے کے بعد ادھر مدینہ منورہ میں بظاہر یہ موضوع سرد پڑ گیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد وہاں پر مقیم خطۂ ہند کے چند علمائے اہلِ سنت اور ان کے احباب نے 'الدولة المکیہ' پر تقاریظ کے سلسلہ کو پھر سے آگے بڑھانے کا عزم کیا

اور انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس عمل میں حصہ لینے والے حضرات کا تعارف یہ ہے:

☆......مولانا سید احمد علی قادری رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

آپ کو 'الدولۃ المکیۃ' کی ایک نقل بریلی سے مدینہ منورہ بھیجی گئی۔ [۹۱] پھر آپ نے اپنے عزیز دوست مولانا محمد کریم اللہ پنجابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ احباب کے ساتھ مل کر عرب علما و مشائخ سے روابط اور ان سے تقاریظ حاصل کرنے کا کام شروع کیا۔ آغاز میں انہیں دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ صورتِ حال ان کے عزائم کو کمزور نہ کرسکی اور فضا سازگار ہونے لگی۔ جیسا کہ فاضلِ بریلوی کے نام ایک مشترکہ خط میں مولانا احمد علی اور مولانا کریم اللہ نے وہاں کی علمی فضا کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

'دشمنوں، حاسدوں کے شر وفتنہ سے، تو یہ خیال ہوتا تھا کہ ایک تقریظ بھی نہ ہوے گی'۔ [۹۲]

۱۴ / ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ تک ان حضرات نے مزید سات عرب علما سے تقاریظ وتصدیقات حاصل کرلیں۔ نیز مولانا احمد علی نے خود بھی عربی تقریظ قلم بند کی اور یہ سب بذریعہ ڈاک فاضلِ بریلوی کو ان کے وطن ارسال کردی گئیں۔ [۹۳]

یوں اب تقاریظ کی تعداد کل تیس سے تجاوز کرگئی اور یہ سلسلہ پورے زور وشور سے جاری رہا۔

☆......مولانا محمد کریم اللہ پنجابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

آپ کا مقام وسن ولادت اور وفات پیشِ نظر کتب میں کہیں مذکور نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ پنجاب کے باشندہ تھے اور بچپن سے ہی یہاں کے ایک بزرگ وعالمِ جلیل حضرت خواجہ شاہ غلام محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء] کے مرید تھے۔ [۹۴] اور ۱۳۲۳ھ سے کچھ ہی عرصہ قبل پنجاب سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔ جہاں مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شاگردی اختیار کی [۹۵] اور رجب ۱۳۳۱ھ میں زندہ و مدینہ منورہ میں ہی تھے۔ [۹۶]

بہاء الدین زکریا لائبریری چکوال [پاکستان] میں آپ کا ایک خط بزبانِ اردو اصل حالت میں محفوظ ہے۔ جو آپ نے محرم ۱۳۳۱ھ کو مدینہ منورہ سے کراچی مولانا ابوالرجاء محمد غلام رسول قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء] مدفون قادری مسجد، سولجر بازار، کراچی

کے نام لکھا۔[۹۷]

مدرسہ صولتیہ، مکۂ مکرمہ کے بانی مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ’تقدیس الوکیل‘ پر تقریظ لکھی تھی۔ اس کے عربی متن کی تلخیص مع تمہید، جو چار صفحات پر مشتمل ہے، بخطِ مولانا کریم اللہ، کتب خانہ مسعودیہ کراچی میں، جب کہ اس کا عکس مذکورہ بالا لائبریری میں محفوظ ہیں۔

آپ عقائد اسلامیہ کی اشاعت ودفاع میں اتنے جری ومخلص تھے کہ کسی خطرہ ومصلحت کو خاطر میں نہ لاتے۔ اسی باعث آپ کے دوست مولانا احمد علی رام پوری نے آپ کو ’مولانا کریم اللہ جانباز فی سبیل اللہ‘ کا لقب دے رکھا تھا۔[۹۸]

فاضلِ بریلوی کے قیامِ مدینہ منورہ کے دوران آپ نے ’حسام الحرمین‘ و’الدولۃ المکیہ‘ پر تقریظات میں بڑی سعئ جمیل فرمائی اور ان کی وطن واپسی پر ’الدولۃ المکیہ‘ کی ایک نقل اپنے پاس رکھی اور مصر وشام وبغداد وغیرہا کے علما، جو خاک بوسِ آستانۂ اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتے، جن کا ذرا بھی قیام دیکھتے اور موقع پاتے، ان کے سامنے کتاب پیش کرتے اور تقریظیں لیتے اور بذریعہ رجسٹری بریلی بھیجتے رہتے۔[۹۹] آپ کا ایک اہم کارنامہ شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تقریظ حاصل کرنا ہے۔[۱۰۰]

☆......شیخ سید محمد عبد الباری رضوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

آپ نے نہ صرف خود تقریظ لکھی، بلکہ آپ کی مدد سے ہی مولانا کریم اللہ نے شیخ نبہانی سے تقریظ حاصل کی۔[۱۰۱] جس کا علامہ نبہانی نے اپنی تقریظ میں بھی ذکر کیا ہے۔

☆......شیخ عبد الحمید عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

آپ دمشق کے باشندہ تھے اور ۱۳۳۰ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے، تو خود تقریظ لکھی۔ پھر ’الدولۃ المکیہ‘ مع جملہ تقاریظ اپنے ساتھ شام لے گئے۔ اس ارادے سے کہ وہاں علمائے شام سے تقاریظ کرائیں گے۔[۱۰۲]

☆......شیخ سید احمد بن عبد القادر طرابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

آپ کے بھائی شیخ سید حسین طرابلسی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریظ ’الدولۃ المکیۃ‘ پر موجود

ہے۔ جب کہ خود آپ کی سعی سے ۱۳۳۰ھ کو مدینہ منورہ آنے والے دو علما شیخ عبد الحمید عطار اور شیخ عبد القادر خطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے تقاریظ لکھیں۔ [۱۰۳] آپ نے اس کام کے لئے مزید کوشش کی اور جب کسی ذاتی غرض سے ملکِ شام جانے کا ارادہ کیا، تو 'الدولۃ المکیۃ' کی ایک نقل تیار کرائی، جو علمائے شام سے تقاریظ حاصل کرنے کے لئے ساتھ لے جانے کا عزم کیا۔ [۱۰۴] آپ کے تین بھائی فاضلِ بریلوی سے ملاقات و استفادہ کے لئے مختلف اوقات میں بریلی آئے۔ [۱۰۵]

☆......مولانا شاہ محمد اعظم حسین بن لطف حسین صدیقی خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ بھوپال میں مقیم رہے اور ۱۳۲۶ھ کو مدینہ منورہ ہجرت کی۔ وہیں پر ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء کو وفات پائی۔ اردو، فارسی کے شاعر، صحافی، مدرس مسجد نبوی، مسند، اپنی اسانید و مرویات پر عربی کتاب '**الاسناد الاعظم باعلیٰ سند فی العالم**' لکھی۔ جو آپ کی زندگی میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ آپ کے حالات پر آپ کے فرزند مولانا محمد حسین مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء] نے عربی کتاب '**سیرۃ الشیخ اعظم حسین**' لکھی۔ جس کا مخطوطہ مدینہ منورہ میں علم و فضل سے وابستہ آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ [۱۰۶]

آپ کے اکابر علمائے شام سے قریبی روابط تھے۔ چنانچہ ۱۳۳۱ھ میں جشنِ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موقع پر دمشق کے مشہور عالم محدثِ اعظم شام علامہ سید محمد بدر الدین حسنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حسبِ عادت مدینہ منورہ آئے، تو ان کے ساتھ دس آدمی تھے۔ جو آپ کے مکان پر اترے۔ وہاں پر مولانا احمد علی رام پوری و مولانا کریم اللہ نے ایک روز ان سب کی دعوت کی۔ نیز بعض اشیاء بطورِ ہدیہ پیش کیں۔ وہ حضرات ایک مہینہ سے زیادہ رہے۔ جس دوران شیخ تاج الدین صاحب نے 'الدولۃ المکیہ شریف' پر تقریظ اپنے ہاتھ سے لکھی۔ [۱۰۷]

☆......مولانا محمد عبد الباقی بن علی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت کی اور ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء کو وہیں پر وفات پائی۔ کچھ عرصہ بغداد و دمشق میں مقیم رہے۔ مدرس مسجدِ نبوی، صوفیہ کے سلسلۂ قادریہ کے مرشد،

استاذ العلماء، بیس سے زائد عربی تصنیفات ہیں۔ جن میں 'الاسعاد بالاسناد' مطبوعہ قاہرہ، المناھل السلسلة فی الاحادیث المسلسلة' مطبوعہ قاہرہ و بیروت، 'نشر الغوالی فی الاحادیث العوالی' مطبوعہ مکہ مکرمہ، 'المنح المدنیة فی مذھب الصوفیة' مطبوعہ مدینہ منورہ، وغیرہ کتب ہیں۔

آپ سے اخذ کرنے والوں میں شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء] اور سجادہ نشین گولڑا مولانا سید غلام محی الدین شاہ المعروف بہ بابو جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء] نیز ان کے فرزندان پیر سید غلام معین الدین شاہ المعروف بہ بڑے لالہ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء] و پیر سید عبدالحق شاہ المعروف بہ چھوٹے لالہ جی حفظہ اللہ تعالیٰ [ولادت: ۱۹۲۶ء] کے علاوہ مولانا ضیاء الدین قادری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام شامل ہیں۔

مولانا لکھنوی نے مسئلہ علمِ غیب پر انہی ایام میں عربی میں مستقل کتاب 'کشف رین الریب عن مسئلۃ علم الغیب' لکھی۔ جو تا حال شائع نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے مخطوط کے بارے میں کوئی اطلاع ہے۔ علاوہ ازیں جب اہلِ علم نے مدینہ منورہ میں فاضلِ بریلوی کی تحریر پر یہ اعتراض کیا کہ علمِ الٰہی اور علمِ نبوی کے اعداد متناہی ہیں۔ تو آپ ان علما میں سے تھے، جنہوں نے کہا کہ ان کو وہم ہے۔ سمجھ کا قصور ہے۔ اعداد غیر متناہی ہیں۔

اور 'الدولۃ المکیہ' پر حصولِ تقاریظ کے لئے فعال مدنی احباب کو جب مدینہ منورہ میں مخالفین کی طرف سے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ تو آپ نے فریقین میں صلح کے لئے کوشش کی۔ [۱۰۸]

☆......مولانا قاضی محمد نور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

محمد نور بن عالم نور بن حافظ سردار، پنجاب کے شہر چکوال سے ملحق گاؤں 'چکوڑہ' میں پیدا ہوئے اور عین عالمِ شباب میں وہیں پر ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۴ء کے لگ بھگ وفات پائی اور جڑواں گاؤں 'اَوڈھروال' کے بڑے قبرستان میں واقع اپنے خاندانی احاطہ میں قبر واقع ہے۔ عالمِ جلیل، مفتی، سلسلۂ چشتیہ سے وابستہ، عربی، اردو، پنجابی میں نظم ونثر پر مشتمل پندرہ سے زائد کتب

تصنیف کیں۔ جن میں سے کوئی ایک بھی شائع نہ ہوسکی۔ علامہ حسین احمد فیض آبادی کی 'الشھاب الثاقب' کے رد میں 'الشھاب علی الکاذب' لکھی۔ جس کا مخطوط آپ کے ورثاء کے پاس محفوظ ہے۔ نیز مولوی گنگوہی کے تعاقب میں دو عربی کتب [۱] 'الخزی المزید لمن ھو مداح الوھابی الرشید' [۲] 'ضرب الحدید علی رأس الرشید' لکھیں۔

محدثِ جلیل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء] کے ساتھ عربی میں مراسلت رہی۔

۱۳۳۰ھ میں مولانا قاضی محمد نور، مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ تو وہاں مولانا سید احمد علی رام پوری و مولانا کریم اللہ سے ملاقات و رابطہ ہوا۔ آپ کی بینائی ضعیف تھی۔ لہٰذا مولانا احمد علی نے 'الدولۃ المکیہ' کے بعض مضامین پڑھ کر سنائے۔ جس پر آپ نے خوشی ظاہر کی۔ تب مولانا کریم اللہ نے آپ سے تقریظ لکھنے کو کہا۔ آپ نے کہا: میں جانے والا ہوں۔ ہندوستان جا کر عربی میں اچھے الفاظ میں تقریظ لکھوں گا اور بریلی جا کر مولانا احمد رضا خان صاحب کی زیارت کروں گا۔

چنانچہ آپ حجازِ مقدس سے بغداد پہنچے اور وہاں کے اکابرین سے اخذ کیا۔ پھر بریلی گئے اور فاضلِ بریلوی سے سندِ اجازت حاصل کی۔ قبل ازیں آپ نے مکۂ مکرمہ میں شیخ الدلائل مولانا عبد الحق الہ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی سندِ اجازت حاصل کی تھی اور یہ دونوں آج بھی آپ کے ورثاء کے پاس محفوظ ہیں۔

وطن واپس آنے کے بعد آپ کی مولانا کریم اللہ سے مراسلت جاری رہی۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ آپ 'الدولۃ المکیہ' پر تقریظ لکھ پائے یا نہیں۔ البتہ آپ نے اس موضوع پر مستقل کتاب 'النیر الوضی فی علم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' لکھی۔ جس کے مخطوط کی کوئی خبر نہیں۔[۱۰۹]

☆...... بادل خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

آپ مدینہ منورہ میں مقیم ہندی نژاد، فعال و علم دوست فرد تھے۔ 'الدولۃ المکیہ' پر شیخ رمضان کی تقریظ ان کی کوشش سے ہوئی۔ آئندہ دنوں میں آپ ان مقدمات میں بھی ملوث کئے گئے، جن کا دیگر احباب کو سامنا کرنا پڑا۔[۱۱۰]

☆......مولانا ضیاء الدین قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

ضلع سیال کوٹ کے مقام کلا والا میں پیدا ہوئے۔ چند برس بغداد میں مقیم رہے اور ۱۳۲۷ھ میں مدینہ منورہ پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ تا آں کہ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں وفات پائی۔ عالمِ جلیل وصوفی کامل، فاضلِ بریلوی کے خلیفۂ اجل، آپ کے خلفا میں سب سے آخر میں وفات پائی۔ عرب وعجم کے اکابر علما ومشائخ نے آپ سے اجازت وخلافت پائی۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے، تو حصولِ تقاریظ کا سلسلہ آئندہ کئی برسوں تک جاری رہا اور روایت ہے کہ آپ نے بھی اس عمل میں حصہ لیا۔[۱۱۱]

☆......مولانا عبدالحق الہ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

آپ مکۂ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے۔ جہاں فاضلِ بریلوی سے متعدد ملاقاتیں اور تبادلۂ خیالات ہوا۔ اس دوران ہندوستان سے جو احباب و متعلقین فاضلِ بریلوی کی خیریت معلوم کرنا چاہتے، وہ مولانا الہ آبادی کو خط لکھتے۔ جن کے جواب میں آپ نے متعدد افراد کو خطوط لکھے اور ان میں فاضلِ بریلوی کی تصنیفات کو مکۂ مکرمہ میں ملنے والی پذیرائی کو بخوبی بیان کیا۔ مولانا الہ آبادی کے ان خطوط سے یہاں کے سنیوں کا دل باغ باغ ہوگیا۔[۱۱۲] فاضلِ بریلوی جب وطن واپس آگئے۔ تو دونوں اکابرین کے درمیان مراسلت جاری رہی۔[۱۱۳]

آپ نے 'حسام الحرمین' اور پھر 'الدولۃ المکیہ' پر نہ صرف تقاریظ لکھیں، بلکہ اپنے حلقۂ احباب کو بھی اس کی ترغیب وتحریک دی۔ چنانچہ اسی ضمن میں آپ نے ۲۱؍شوال ۱۳۲۸ھ کو مکۂ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے دو علما شیخ الدلائل سید محمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وشیخ الدلائل سید محمد عباس رضوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام الگ الگ خطوط لکھے۔ جن میں انہیں 'الدولۃ المکیہ' پر تقریظ لکھنے کو کہا۔[۱۱۴] ان میں سے اول الذکر کے نام دو صفحات پر مشتمل اس عربی خط کی نقل کتب خانہ مسعودیہ کراچی میں اور اس کا عکس بہاء الدین شاہ زکریا لائبریری چکوال میں محفوظ ہیں۔

مدینہ منورہ میں جن احباب نے 'الدولۃ المکیہ' پر تقاریظ حاصل کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ ان میں سے بعض غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ چنانچہ مولانا الہ آبادی ہر برس ان کی مالی مدد کیا کرتے۔[۱۱۵]

☆......مولوی حسین احمد فیض آبادی:

ان ایام کے مدینہ منورہ میں، جو ہندی نژاد مخالفین سرگرمِ عمل تھے، ان میں مولوی حسین احمد کا نام سرِ فہرست ہے۔ جو ضلع فیض آباد [یوپی] کے گاؤں بانگر موٗ میں پیدا ہوئے۔ دار العلوم دیو بند میں تعلیم پائی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے مرید ہوئے۔ ۱۳۱۶ھ میں والد کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت کی اور ۱۳۱۸ھ میں واپس ہندوستان آئے۔ ۱۳۲۰ھ میں پھر مدینہ منورہ پہنچے اور وہاں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۳۳ھ تک وہیں مقیم رہے اور ۱۳۴۶ھ میں دار العلوم دیو بند سے وابستہ ہوئے۔ تا آں کہ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء کو دیو بند ہی میں وفات پائی۔ اردو میں چند تصنیفات ہیں۔[۱۱۶]

تحریکِ آزادئ ہند کے دوران ہندو سیکولر جماعت کانگریس کا ساتھ دیا۔ تحریکِ قیامِ پاکستان و مسلم لیگ، نیز محمد علی جناح کی بھر پور مخالفت کی اور قیامِ پاکستان کو انگریز کی سازش قرار دیا مفکرِ پاکستان محمد اقبال نے فیض آبادی فکر کی مذمت میں چند اشعار موزون کئے۔

مدینہ منورہ قیام کے دوران درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ دنیاوی مال بھی بہت کچھ جمع کیا۔ دو تین مکان عالی شان تیار کرائے۔ جدہ اور شام سے تجارت کا مال کثرت سے آتا اور فروخت ہوتا۔ مزید یہ کہ ریاست بھوپال وغیرہ سے معاش بھی تھی۔ اس باعث وہاں پر حلقۂ اثر بڑھا۔[۱۱۷]

مولوی فیض آبادی نے ایک تو فاضلِ بریلوی و اہلِ سنت کے خلاف دو مستقل اردو کتب تصنیف کیں۔ نیز وہ خود اور ان کے متعلقین، مفتی سید احمد برزنجی اور شیخ عبد القادر طرابلسی و مدینہ منورہ کے دیگر اہلِ علم کو فاضلِ بریلوی بدظن کرنے اور غلط فہمیاں برقرار رکھنے میں فعال رہے۔

☆......مولانا بشیر احمد مدنی:

مولوی حسین احمد فیض آبادی کی علمی سرگرمیوں پر مدینہ منورہ میں مقیم اہلِ سنت میں سے، جو افراد کڑی نظر رکھے ہوئے تھے، ان میں ایک اہم نام مولانا محمد بشیر احمد کا ہے۔ آپ کا وطن اور سن ولادت کہیں مذکور نہیں۔ جب کہ ۱۳۲۳ھ کے لگ بھگ ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا بسے اور ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء کو وہیں پر وفات پائی۔

آپ نے مولوی فیض آبادی کے جواب الجواب میں ایک تحریر اردو میں لکھی۔ پھر ایک اور رسالہ تصنیف کر کے اصلاح وتقریظ کے لئے بذریعۂ ڈاک فاضلِ بریلوی کو بھیجا۔ علاوہ ازیں موصوف [فیض آبادی] کی کتاب 'الشہاب الثاقب' کے مندرجات پر ان سے بذریعۂ خطوط مناظرہ و مباحثہ کیا۔ جن میں سے بعض ہفت روزہ 'دبدبۂ سکندری' رام پور میں اشاعت پذیر ہوئے۔

مزید برآں آپ نے 'براہینِ قاطعہ' میں درج محفلِ میلاد وقیام کے بارے میں مولوی فیض آبادی کے مرشد مولوی گنگوہی کے مشہور قول کے تعاقب میں مستقل عربی کتاب 'سیوف المسلمین علی الوہابیہ المردودین' اپنی وفات سے چند ماہ قبل ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ کو مکمل کی۔ آپ اس کی مصر وشام سے اشاعت کے لئے کوشاں تھے کہ وفات پائی۔ جس پر آپ کے دوست مولانا سید احمد علی ومولانا کریم اللہ وغیرہ نے اس کی طباعت اپنے ذمہ لی اور ۱۳۳۰ھ میں ہی یہ مولانا عبد الحق الہ آبادی کے شاگرد وخلیفہ مولانا حافظ نور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بنارس کے مقام 'رسڑا' روانہ کی گئی۔ جہاں ان کا ذاتی مطبع تھا اور وہاں ان دنوں مولانا الہ آبادی کی اپنے عربی تصنیف 'حاشیہ تفسیر نسفی' بھی زیر طبع تھی۔[۱۱۷]

'سیوف المسلمین' مذکورہ مطبع میں طباعت کے مرحلہ سے گذری یا نہیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ بہاء الدین شاہ زکریا لائبریری چکوال میں اس کا مخطوط محفوظ ہے۔ جب کہ یہ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء میں استنبول، ترکی سے طبع ہو کر پوری دنیا میں مفت تقسیم ہوئی۔

مفاہمت کی کوشش: فاضلِ بریلوی کے بارے میں شیخ احمد برزنجی وشیخ عبد القادر طرابلسی، جن غلط فہمیوں میں مبتلا ہوئے اور شاہ محمد معصوم مجددی تک، جو الزامات پہنچائے گئے، ان کی تفہیم وازالہ کے لئے، یوں تو مولانا احمد علی رام پوری ومولانا کریم اللہ پنجابی وغیرہ آغاز سے ہی فعال تھے۔[۱۱۸] لیکن اس دوران مدینہ منورہ وارد ہونے والے مزید دو اکابرین کی کوششیں بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مولانا محمد سعد اللہ سکاوی اور دوسرے حضرت شاہ بہاء الدین امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

☆ ......مولانا محمد سعد اللہ سکاوی:

آپ بنگال کے باشندہ تھے۔ ۱۳۲۹ھ کو مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ تو مولانا احمد علی رام پوری ومولانا کریم اللہ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے 'الدولۃ المکیہ' مطالعہ کے لئے لی اور اسے نقل

کرنے کا عزم کیا۔ پھر علامہ سید احمد برزنجی اور ان کے شاگرد شیخ عبدالقادر شلبی سے ملاقات اور رسم وراہ پیدا کیا اور علامہ برزنجی سے ان کی تصنیف 'اکمال التثقیف' لے کر اسے نقل کیا۔ جو فاضلِ بریلوی کو بھیجی گئی۔ اس میں مولوی انبیٹھوی وغیرہ کے بعض افکار کی تردید و مذمت کی گئی تھی۔ مزید یہ کہ آپ نے شیخ عبدالقادر شلبی کو 'براہینِ قاطعہ' کی متنازع عبارات پر مطلع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ جس پر شیخ شلبی نے آپ سے فرمایا کہ آپ ان عبارات کا ترجمہ عربی بین السطور لکھ کر ضرور اور جلدی مجھے بھیج دیں۔ چنانچہ آپ نے یہ کام انجام دیا۔[۱۱۹]

☆......حضرت شاہ بہاء الدین امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

آپ امروہہ [یوپی] کے عالمِ دین ونقشبندی پیرِ طریقت تھے۔ بریلی شہر میں بھی آپ کے مریدین تھے۔ جہاں آپ ہر سال آیا کرتے۔ لیکن فاضلِ بریلوی سے اس بات پر بدظن تھے کہ آپ حضرت مجدد کے مخالف ہیں۔ لہٰذا آپ سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ شاہ بہاء الدین کا معمول تھا کہ دو تین سال بعد مدینہ منورہ حاضر ہوا کرتے۔ ۱۳۲۹ھ میں وہاں جانا ہوا۔ تو علمی محافل میں 'الدولۃ المکیہ' کا تذکرہ عام تھا۔

مولانا سید احمد علی رام پوری و مولانا کریم اللہ پنجابی سے ملاقات کے دوران علمائے ہند کا ذکر آیا۔ تو آپ نے فاضلِ بریلوی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ حسنِ اتفاق کہ فاضلِ بریلوی کی تصنیف 'تمہیدِ ایمان بآیات القرآن' پاس رکھی تھی۔[۱۲۰] جو آپ کو دِکھائی گئی۔ بعد مطالعہ بہت سے ساکت رہے اور نادم ہوئے اور کہا کہ میں ہر سال بریلی میں اپنے مریدین کے ہاں جاتا ہوں۔ مگر احمد رضا خان سے بدظن تھا۔ لہٰذا ان ملاقات نہیں کی۔ اس سال ضرور بریلی جا کر ان سے ملاقات کروں گا۔ اب صفائی ہوگئی۔ جو بات سنی تھی، غلط نکلی۔ والحمدللہ علی ذالک۔

آپ 'تمہیدِ ایمان' ساتھ لے گئے اور اسے میاں شاہ محمد معصوم مجددی دہلوی کے صاحبزادے کو دِکھایا اور کہا کہ آپ لوگوں کا جو خیال ہے، وہ غلط ہے۔ ان کو بھی تعجب ہوا۔ پھر بہاء الدین صاحب نے کتاب ان کو دے دی اور کہا: اپنے حضرت والد صاحب کو بھی دِکھانا۔[۱۲۱]

☆......مقدمات وعدالت کا سامنا:

'دولۃ مکیہ' مکۂ مکرمہ میں لکھی گئی، لیکن عملاً یہ 'دولۃ مدنیہ' بن گئی اور کئی برس تک مدینہ منورہ کے موافق ومخالف علمی حلقوں میں اور وہاں وارد ہونے والے علما کے ہاں زیرِ بحث رہی۔ مولانا محمد بشیر وغیرہ مہاجر علماء کی قلمی کارروائی، مولانا سید احمد علی کا اخلاص ورہنمائی، مولانا کریم اللہ کا بے باک رویہ، مسجدِ نبوی میں ملازم فیض محمد [۱۲۲] مولود خواں وواعظ مولانا عبد اللطیف [۱۲۳] کی اس موضوع سے گہری دلچسپی، مکۂ مکرمہ سے مولانا عبدالحق الہ آبادی اور بریلی سے مولانا احمد رضا خان کی قلمی و مالی معاونت، ہندوستانی اخبار 'دبدبۂ سکندری' اور دمشق کے رسالہ 'الحقائق' کا اس قلمی جنگ میں فعال ہونا، مولانا محمد سعد اللہ سکاوی وشاہ بہاء الدین امروہوی کی کوشش، شیخ سید احمد برزنجی کا 'اکمال التثقیف' تصنیف کرنا، شیخ محمود عطار دمشقی و شیخ محمد قاسمی حلاق، نیز شیخ سید یسین احمد خیاری مدنی کے الگ الگ مضامین کی دمشق وطرابلس سے اشاعت، ان میں بطورِ خاص آخر الذکر کے مضمون کے اثرات، جو خود وہابیہ کے رسالہ 'البیان' میں شائع ہوا اور سب سے اہم یہ کہ 'دولۃ مکیۃ' پر تقاریظ کا تانتا بندھ جانا، مخالفین کا دم گھٹنے لگا۔

لیکن یہ ماحول بننے میں کئی برس لگے۔ مخالفین نے ۱۳۲۳ھ کو حجازِ مقدس میں 'اعلام الاذکیاء' کی عبارت اور 'مکتوبِ بریلی' کے ذریعے اہلِ سنت و فاضلِ بریلوی سے، جس اعتقادی وفکری جنگ کا آغاز کیا تھا، اب اسی کے نتائج کا ان کو سامنا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حجازِ مقدس میں مقیم ہندی نژاد بعض سنی افراد، جو عالمِ دین نہیں تھے، ان پر جوش وجذبہ اس قدر غالب آیا کہ وہ سرِ عام مخالفین کے سرکردہ افراد پر تشدد برتنے لگے۔ [۱۲۴] یہاں ان واقعات کی تفصیل درج کرنا ضروری نہیں۔ اس لئے کہ راقم کا مقصد تاریخی حقائق بیان کرنا ہے۔ کسی اہم فرد یا جماعت کی تنقیص وتذلیل مقصود نہیں۔

رجب ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء کے ایام میں مولوی حسین احمد فیض آبادی اور ان کے چھوٹے بھائی محمود احمد فیض آبادی [وفات: ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء] جو ان دنوں محکمۂ میں محرر تھے، [۱۲۵] دونوں نے عدالت میں درخواست پیش کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض ہندی مہاجرین ہمارے مخالف ہیں اور سات برس سے ہم کو طرح طرح سے برا کہتے اور کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے دشمن

ہیں۔ہم کو اور ہمارے مشائخ کو وہابی وغیرہ الفاظ سے عام وخاص مجلسوں میں یاد کرتے ہیں اور اخباروں میں طبع کراتے ہیں اور بہت سے خطوط بھیج کر ہم کو اذیت دی۔ سات برس سے ان لوگوں کا یہی کام ہے اور ہم لوگ پکے حنفی سنی ہیں۔

پس ہم لوگ حاکمِ شرع سے چاہتے ہیں کہ اس بلدۂ طاہرہ کو ان کے شر سے پاک کرے اور ان لوگوں کو سزا دیوے۔ ان میں بعض کے اسماء ہم ظاہر کرتے ہیں۔ بعض کے پھر آئندہ، یرنی سید احمد، محمد کریم اللہ، فیض محمد و عبد اللطیف[۱۲۶] پھر بادل خان پر الگ سے مقدمہ دائر کردیا گیا۔[۱۲۷] یہاں پر یہ واضح رہے کہ مقدمات میں نامزد کئے گئے ان پانچوں حضرات نے کسی بھی پر تشدد واقعہ میں قولی یا عملی حصہ نہیں لیا تھا۔

☆......**مجلس التعزیرات الشرعیة:** جب یہ مقدمات قائم کئے گئے، تو پینتیسویں عثمانی خلیفہ سلطان محمد رشاد پنجم [۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء] کا دور حکمرانی تھا[۱۲۸] جس کے محض چار برس بعد حجازِ مقدس سے عثمانی عہد کا صدیوں بعد خاتمہ ہو گیا اور بصری پاشا ان دنوں مدینہ منورہ کے گورنر تھے، جو ۱۳۳۱ھ ۱۳۳۴ھ تک اس منصب پر رہے۔[۱۲۹]

مرکزی حکومت کے قریب المرگ ہونے پر ملک بھر میں اضطراب اور انتشار کی کیفیت نمایاں تھی۔ جن کے اثرات مدینہ منورہ میں بھی واضح تھے۔ مزید یہ کہ دوسری جنگِ عظیم، جس نے پوری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لیا، اس کی ابتدا ہونے کو تھی۔ ان ملکی و عالمی حالات میں امورِ مملکت کو بہر حال جاری رکھنے کے لئے مدینہ منورہ میں چند مجلسیں بنائی گئیں۔ جن میں ایک 'مجلسِ تعزیراتِ شرعیہ' تھی۔ جس کا کام شرع شریف کے موافق فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے چار رکن تھے۔ دو شافعی اور دو حنفی۔ جن کے نام یہ ہیں۔[۱] شیخ زاہد حنفی[۲] شیخ احمد کیخلی یا کماخی حنفی[۳] شیخ عمر کردی شافعی[۴] اور شیخ سید ذکی برزنجی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ جب کہ نائب قاضیٔ شہر اس مجلس کے صدر تھے۔

اور عملی طور پر ان ایام میں مدینہ منورہ کی حکومت ان چاروں کے ہاتھ میں تھی۔ اعلیٰ حکام مثلاً نائب قاضی، اور گورنر سب ان کے زیرِ اثر تھے۔ ان اعضائے مجلس میں سے اول الذکر شیخ عبد القادر شلبی کے شاگرد، جب کہ دوسرے و تیسرے رکن خود مولوی حسین احمد فیض آبادی کے

شاگرد اور چوتھے رکن شیخ سید احمد برزنجی کے فرزند تھے۔[۱۳۰] مزید برآں مدعیان میں سے ایک یعنی مولوی محمود فیض آبادی شہر کے عدالتی نظام سے وابستہ تھے۔ گویا عدالت میں اپنا موقف بیان کرنا مشکل مرحلہ تھا اور پھر فیصلہ میں کسی رعایت کی امید بھی محض خیال ٹھہرا۔

الحاصل پہلے مقدمہ میں چاروں کی طلبی محکمۂ تعزیرات میں ہوئی اور بتاریخ پانچ، چھ اور سات ماہِ رجب تین روز کئی گھنٹے تک یہ وہاں حاضر رہے اور ان کے الگ الگ بیانات قلم بند کئے گئے۔ اگرچہ یہ کام اظہار نویس ومحرر کا تھا، مگر خلافِ قانون شیخ عمر کردی نے مخالفین کی خاطر داری سے ان کے ذمہ مقدمات ثابت کردینے کی غرض سے خود بیانات لئے۔[۱۳۱]

چودہ رجب کو مقدمہ کی پیشی حکام کے سامنے ہوئی۔ چاروں اعضائے مجلس اور رئیسِ مجلس نائب قاضی صاحب موجود تھے اور مدعی مولوی حسین احمد فیض آبادی، نیز مقدمہ میں نامزد کے گئے چاروں افراد بھی بلائے گئے۔ پہلے عرضی، دعویٰ اور پھر بیان تب پڑھے گئے۔ پھر حکام نے سختی سے سوالات کئے۔ بالآخر عدالت برخاست ہوئی اور اگلی سمعت ۱۷ر رجب کو قرار پائی۔ جس روز گواہوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔[۱۳۲] اسی دوران دوسرے مقدمہ میں بادل خان کو بھی طلب کر کے ان کا بیان لکھ لیا گیا تھا۔[۱۳۳]

☆...... بدو سردار شیخ احمد بن حنیف: اس مرحلہ پر ایک غیبی مدد یہ ہوئی کہ مدینہ منورہ کے نواح میں مسجدِ قبا کے اردگرد آباد 'محلہ عوالی' کی آبادی، یوں تو روافض پر مشتمل ہے۔ لیکن اسی محلہ میں بدوؤں کے مشائخ میں سے ایک احمد بن حنیف سنی دیندار رہتے تھے۔ جو عرصہ دراز سے بادل خان کے دوست تھے۔ جن کی وجہ سے مولانا سید احمد علی و مولانا کریم اللہ سے بھی قدرے شناسائی تھی۔ ہر جمعہ کو مسجد نبوی میں یک جا نماز پڑھا کرتے۔ ان دنوں 'عوالی' کے بدوؤں کا زور تھا۔ اہلِ مدینہ اور سرکار بھی ان کے قول کو رد کرنے سے ڈرتے تھے۔ جب بادل خان پر دعویٰ ہوا اور اس شیخ کو اطلاع ہوئی، تو اس نے اعضائے مجلسِ تعزیرات سے کہا:

'بادل خان اور ان کے چاروں رفیق ہماری حمایت میں ہیں۔ اگر تم لوگ ان لوگوں کو تکلیف دوگے، تو بعد ازاں ہم اور ہماری جماعت قبیلہ کے لوگ تم کو تکلیف دیویں گے۔ آئندہ تم کو اختیار ہے'۔[۱۳۴] پھر شیخ احمد بن حنیف نے مولوی حسین احمد فیض آبادی سے یوں کہا: تم

لوگ ہندی باہم صلح کرلو اور اذیت رسانی سے باز آؤ۔ ورنہ ہم تم کو سمجھ لیویں گے‘۔[۱۳۵]

مقدمات کا انجام: ۱۴؍رجب کی عدالتی کارروائی کے دوران مجلس تعزیرات شرعیہ کے چاروں میں سے ایک رکن سید ذکی برزنجی، خوش اخلاقی اور نرمی وحق گوئی اور خیر خواہی سے پیش آئے۔ حالاں کہ ان کی ذات سے زیادہ تر خوف اذیت رسانی کا تھا۔لیکن اول مقدمہ سے اخیر تک وہ ان علما کی تکلیف کے درپے نہیں ہوئے۔ برخلاف تینوں اعضائے مجلس کے، کہ وہ حبسِ شدید و مدید کرنا چاہتے تھے۔ سید ذکی صاحب نے فرمایا: میری رائے یہ کہ بالفعل صلح ہو جائے۔لیکن مجلس کے دیگر تینوں اعضاء اور مدعی مولوی حسین احمد فیض آبادی نے ان کی رائے پسند نہیں کی۔[۱۳۶] ان کے علاوہ اس عدالت کے اظہار نویس ومحرر بھی تمام مقدمہ کے دوران اس میں ملوث کئے گئے، تمام افراد کے خیر خواہ رہے۔[۱۳۷]

شاہ محمد معصوم مجددی دہلوی اور مولانا سید احمد علی رام پوری کے درمیان ہندوستان میں خاندانی تعلقات تھے اور مولانا رام پوری کی شادی میاں محمد معصوم صاحب کے رشتہ داروں میں تھی اور ان کی اہلیہ کے دو بھائی مولانا حافظ مسعود احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ومحمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شاہ محمد معصوم کے مرید تھے۔لیکن جب سے وہ ’مکتوبِ بریلی‘ کو گورنرِ مکہ تک پہنچانے کا ذریعہ بنے تھے۔مولانا احمد علی نے شاہ محمد معصوم مجددی اور ان کے بیٹے ندیم احمد مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تعلقات منقطع کرر کھے تھے۔[۱۳۸] اب جو یہ مقدمات قائم ہوئے، تو مولانا عبد الباقی لکھنوی وغیرہ احباب نے اس کی اطلاع شاہ محمد معصوم مجددی کو پہنچائی[۱۳۹] جس پر آپ فعال ہوئے اور مولوی حسین احمد فیض آبادی کو بلایا اور صلح کی نسبت کہا۔[۱۴۰]

عدالت میں سید ذکی برزنجی کا رویہ، اس پر بدو قبیلہ کے سردار شیخ احمد حنیف کا اقدام اور اب شاہ محمد معصوم مجددی کا طلب کرنا، ان عوامل میں مولوی فیض آبادی نے مقدمات سے دست بردار اور صلح ہی میں عافیت سمجھی۔

قصہ کوتاہ اب مدعی نے تاریخِ مقدمہ مؤخر کرائی[۱۴۱] اور ۱۸؍رجب کو فریقین شاہ محمد معصوم مجددی کے مکان پر جمع ہوئے اور صلح نامہ لکھ گیا۔ پھر ۲۱؍رجب کو محکمۂ قضا میں سب حاضر ہوئے اور راضی نامہ ہوا۔[۱۴۲] جس پر فریقِ اول کی طرف سے مولانا سید احمد علی رام پوری،

مولانا کریم اللہ پنجابی، مولانا عبد اللطیف، فیض محمد اور بادل خان نے اور فریقِ دوم کی طرف سے مولوی حسین احمد فیض آبادی نے، جب کہ ثالث کے طور پر شاہ محمد معصوم مجددی اور گواہ کے طور پر چار افراد شاہ ندیم احمد مجددی، محمد مسعود احمد مجددی، خلیل مجددی اور عبد العلیم نے اس دستاویز پر دستخط ثبت کئے۔[۱۴۳] اور اولین گواہ شاہ ندیم احمد مجددی رام پوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عدالت میں پانچوں اہلِ سنت کی ضمانت دی۔[۱۴۴]

صلح کی شرائط:

صلح کی دستاویز میں طے پایا کہ آئندہ ہم شیخ حسین احمد، ان کے والد اور بھائیوں، نیز ان کے متعلقین اور ان کے مشائخ یا ان سے منسوب کسی بات سے زبانی وتحریری طور پر کوئی غرض نہیں رکھیں گے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تصنیفات کے لئے کسی سے تقریظ طلب نہیں کریں گے اور نہ ہی ان کتب لوگوں میں تقسیم کریں گے اور اس بلدۂ طاہرہ میں خاموشی وسکون سے رہیں گے۔ جب کہ زبانی شرائط میں قرار پایا کہ فاضلِ بریلوی کی جو کتب ہندوستان سے کسی کے نامزد آویں اور اپنے ہاتھ سے کسی کے نام لکھ کر بھیج دیں، تو اس امانت کو پہنچا دو اور یہ بھی کہ عن قریب 'دولتِ مکیہ' شام میں یا مصر میں یا ہند میں طبع ہوگی اور اس کے متعدد نسخے یہاں آویں گے اور مقرظین کو دیئے جاویں گے۔[۱۴۵]

مولانا محمد کریم اللہ، ان شرائط پر کسی صورت صلح کے لئے آمادہ نہ تھے اور بد وسردار کی حمایت میں چلے جانے کے حق میں تھے۔ لیکن 'دولتِ مکیہ' کے مقرظین شیخ سید عبد الوہاب ارزنجانی وشیخ سید یعقوب رجب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے انہیں اس سے باز رکھا اور کہا کہ اس سے مدینہ منورہ میں فسادِ عظیم ہوگا اور مدتوں دراز تک رہے گا[۱۴۶] کیوں کہ ادھر مولوی حسین احمد فیض آبادی وغیرہ نے اپنے کو ایک شخص، جو شیخِ قبیلہ ہے، اس کی حمایت میں داخل کیا تھا۔ اگر صلح نہ ہوتی اور سزا ہوتی، تو ضرور مابین شیخ مذکور اور شیخ احمد بن حنیف کے سخت خلاف ہوتا اور واللہ اعلم! انجامِ کار کیا ہوتا۔[۱۴۷] مولانا احمد علی نے اسے صلح حدیبیہ کے مشابہ قرار دیا۔[۱۴۸]

منزلِ مقصود:

۱۸؍رجب ۱۳۳۱ھ کو مولانا سید احمد علی رام پوری نے فاضلِ بریلوی کو ایک طویل خط

لکھنا شروع کیا۔جس میں مقدمات اور پھر صلح تک پیش آنے والے تمام حالات آپ کو لکھ بھیجے۔ اس خط کا ایک اقتباس یہ ہے:

’آخری عرض یہ ہے کہ درحقیقت ہمارا کام تمام ہو چکا اور فی الحقیقت مقصود حاصل ہو گیا ہے۔یعنی غرض اصل، جو اشاعتِ مذاہبِ وہابیہ دیوبندیہ اور تقاریظِ ’دولتِ مکیہ‘ تھی۔ وہ پورے طور پر حاصل ہو گیا۔ بہت سے اہلِ حرمین، بلکہ شام اور مغرب [مراکش وغیرہ] کے لوگ بھی سب حالات سے واقف ہو گئے اور بہت سے اہلِ مدینہ جان گئے کہ حسین احمد وغیرہ کے عقائد اہلِ سنت کے عقائد کے خلاف ہیں‘۔[۱۴۹]

مولوی حسین احمد فیض آبادی پر مدینہ منورہ میں، جو کچھ بیتی، اس کے آثار ان کی تحریروں میں بھی نمایاں ہوئے اور اہم علمائے دیوبند کے برعکس انہوں نے کہیں پر شیخ ابن تیمیہ و شیخ محمد بن عبدالوہاب کی شخصیت و افکار کی تردید ہی نہیں، بلکہ مذمت کر دی اور دوسرے مقام پر ان کے ترجمان و مبلغ ہوئے۔ یہ مدینہ منورہ کی سنی فضا کا اثر تھا کہ وہ تحریر و عمل میں دیوبندی افکار کی ترجمانی نہیں کر پائے۔ان ایام کے علمائے ہند میں، جو مسائل زیرِ بحث تھے، ان میں ولادتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں محافلِ میلاد و قیام منعقد کرنا ایک مسئلہ تھا۔

۳؍ربیع الاول ۱۳۳۱ھ کو مدینہ منورہ میں ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمود احمد فیض آبادی کا نکاح اور ولیمہ ہوا۔تو اس موقع پر مولود شریف پڑھا گیا اور قیام بھی ہوا۔[۱۵۰] جو اس مسئلہ میں دیوبندی مکتبِ فکر سے کھلا انحراف اور اپنے مرشد مولوی گنگوہی کی ’براہینِ قاطعہ‘ کا عملی رد تھا۔

☆......**تقریظات کا تیسرا دور:** مقدمات اور پھر صلح انجام پانے تک ’دولتِ مکیہ‘ پر تقاریظ کی تعداد ساٹھ تک پہنچ چکی تھی۔اب صلح کی شرائط کے بعد بظاہر لگ رہا تھا کہ مدینہ منورہ میں اس پر مزید تقاریظ تو کجا؟ اس کا ذکر بھی محال ٹھہرا۔ اس عمل میں فعال لگ بھگ تمام ہندی مہاجرین کو مقدمات میں ملوث کر کے اس کارروائی سے روک دیا گیا تھا۔لیکن مقامِ حیرت ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور مخالفین کا یہ وار بھی بے اثر ہوا اور کچھ ہی عرصہ بعد اس پر مدینہ منورہ میں ہی پھر سے تقاریظ لکھنے کا عمل آگے بڑھا اور وہاں وارد ہونے والے متعدد اکابر علمائے عرب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ بلکہ مقامِ تعجب یہ کہ ’مجلسِ تعزیراتِ شرعیہ‘ جن کے ہاں یہ مقدمات پیش ہوئے تھے، اس

کے سب سے اہم رکن شیخ سید زاہد، جو مخالفین کے زیرِ اثر اور مددگار تھے،[۱۵۱] خود انہوں نے ان واقعات کے محض پندرہ ماہ بعد ۶/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ کو 'دولتِ مکیہ' پر تقریظ لکھی۔

مفتیٔ اعظم شام شیخ محمد عطاء اللہ حنفی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔تو ربیع الاول ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء کو اس پر تقریظ لکھی۔ جو 'دولتِ مکیہ' پر علمائے عرب وعجم کی آخری تقریظ ثابت ہوئی اور یہ حجازِ مقدس میں عثمانی عہد کے بالکل آخری ایام میں لکھی گئی۔ 'دولتِ مکیہ' کا جو اڈیشن مکتبہ نبویہ لاہور نے شائع کیا اور ان دنوں بازار میں دستیاب ہے، اس پر مذکورہ دور میں مدینہ منورہ میں لکھی گئی اکثر تقاریظ کا مختصر اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

اسی دوران پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوا۔جس کے اثرات مدینہ منورہ میں واضح طور پر محسوس کئے گئے۔

۱۳۳۴ھ میں مولوی حسین احمد فیض آبادی نے مدینہ منورہ کی سکونت ترک کردی۔البتہ ان کے بھائی مولوی محمود احمد فیض آبادی نے کئی عشروں بعد وہیں وفات پائی۔جن کی اولاد آج بھی مدینہ منورہ میں موجود اور دار العلوم شرعیہ سے وابستہ ہے۔[۱۵۲]

حجازِ مقدس میں انقلاب:

سید حسین بن علی ہاشمی [۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء] جو دار الخلافہ استنبول کی طرف سے مکۂ مکرمہ کے گورنر تعینات تھے، نے ۹/ شعبان ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء کو مرکز سے علیحدگی کا اعلان کر کے صوبہ حجاز اور اس کے ملحق بعض علاقوں پر مشتمل 'مملکتِ ہاشمیہ حجاز' قائم کر لی۔[۱۵۳] اور اسی ہاشمی عہد کے دوران مولوی حسین احمد فیض آبادی کے بڑے بھائی مولوی احمد فیض آبادی نے مدینہ منورہ میں دار العلوم شرعیہ کی بنیاد رکھی۔ جو اس بلدِ مقدس میں وہابیت پھیلانے کے جرم میں محکمۂ تعلیم کے مدیر شیخ عبد القادر طرابلسی کے حکم پر بند کیا گیا اور ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء میں وہابیۂ نجد نے مملکتِ ہاشمیہ حجاز کا خاتمہ کر کے اسے نئی مملکت سعودی عرب میں شامل کر لیا اور آج تک یہ اسی کا ایک صوبہ ہے۔

☆ ......**شیخ عمر کردی کی ہجرت:** مجلسِ تعزیراتِ شرعیہ کے دوسرے رکن شیخ عمر کردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مولوی حسین احمد فیض آبادی کے ساتھ کتنا گہرا تعلق تھا۔اس بارے میں مولانا سید احمد

علی رام پوری کا یہ قول ہے:

'بالخصوص عمر کردی صاحب تو جان سے حسین احمد کے دوست، نیز شاگرد اور سراسر خیر خواہ اور طرف دار ہیں'۔[۱۵۴]

شیخ ابوالفضل عمر بن عبد المحسن کردی کورانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ مسجدِ نبوی کے خطیب و مدرس اور پھر ہاشمی عہد میں قاضئ مدینہ منورہ رہے۔ آپ نے ۱۲/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کو ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مناسبت سے ایک نعتیہ قصیدہ موزون کیا۔ جس میں اس دن کو'اسلام کی عید' سے تعبیر کیا۔ یہ قصیدہ'اعلام من ارض النبوۃ' میں درج ہے۔ حجازِ مقدس پر اہلِ نجد نے قبضہ کیا۔ تو آپ نے ان کی حکومت کے زیرِ سایہ رہنا گوارا نہ کیا اور ۱۳۴۴ھ میں وطن سے ہجرت کر کے بغداد جا بسے اور ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء کو وہیں پر وفات پائی۔ تقریباً تین جلدوں پر مشتمل دیوان غیر مطبوع ہے۔[۱۵۵]

محدثِ ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۴۳ھ میں حجازِ مقدس حاضر ہوئے۔ تو مدینہ منورہ میں انہی شیخ عمر کردی کے جدِ اعلیٰ شیخ ابو طاہر محمد کورانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات ۱۱۴۵ھ/ ۱۷۳۳ء] کی شاگردی اختیار کی[۱۵۶] اور فاضلِ بریلوی دوسری بار حجازِ مقدس گئے، تو شیخ عمر کردی کے استاذ و ماموں وخسر مفتئ احناف مدینہ منورہ شیخ سید مامون بری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ سے مختلف اسلامی علوم میں اجازت وخلافت پائی۔[۱۵۷]

'دولۃ مکیۃ' بریلی میں: فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے مدینہ منورہ سے رابطہ کا اہم کام مستقل طور پر ایک عالم مولانا سید عبد الرحمان قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سپرد کر رکھا تھا۔ جو مراسلت، کتب کی ترسیل اور موصول شدہ تقاریظ کو محفوظ کرنے میں پوری طرح فعال تھے۔ نیز بریلی سے مدینہ منورہ میں فعال ان حضرات کی مالی معاونت بھی کی جاتی۔[۱۵۸]

☆......اردو ترجمہ:

☆......مولانا سید عبد الرحمٰن قادری رضوی بیتھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

'دولۃ مکیۃ' کے ساتھ آپ کا بہت بڑا گہرا تعلق رہا اور سب سے پہلے آپ ہی نے اس کے اردو ترجمہ کے لئے قلم اٹھایا اور ۱۳۲۸ھ میں کتاب کے متن، نیز بیس تقاریظ کا مختصر ترجمہ کیا۔

☆......**مولانا محمد حامد رضا خان بن مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما،**
بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۲ء میں وفات پائی۔ فقیہ حنفی، سلسلۂ قادریہ کے مرشد، مناظر، استاذ العلما، سیاسی قائد، عربی، فارسی و اردو کے شاعر، مدرسہ منظرِ اسلام بریلی کے ناظمِ اعلیٰ، حجۃ الاسلام، متعدد تصانیف ہیں۔

آپ ہی دوسرے سفرِ حجاز میں اپنے والدِ گرامی کے ہمراہ تھے اور مکۂ مکرمہ میں 'دولتِ مکیہ' کا مبیضہ تیار کیا۔ ہندوستان آ کر اس پر عربی تمہید لکھی اور پھر پوری کتاب، نیز اس پر مصنف کے حواشی بنام 'الفیوضات المکیۃ' اور اکثر تقاریظ کا اردو ترجمہ کیا۔[۱۵۹]

☆......**مولانا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی بن مولانا انور فاروقی رحمۃ اللہ علیہما:**
صوبہ پنجاب کے شہر گجرات کے قریب گاؤں شہاب دیوال میں ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ عالمِ جلیل، ادیب و صحافی، خطیب، نعت خواں، کاتب، تحریک ختمِ نبوت میں فعال، مکتبۂ نبویہ لاہور کے نگراں، مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے موجودہ سرپرست، ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور کے اڈیٹر، نیز متعدد کتب کے مصنف و مترجم ہیں۔ 'دولتِ مکیہ' کا جو اردو ترجمہ مولانا حامد رضا خان بریلوی نے کیا تھا، آئندہ ایام میں علامہ اقبال احمد فاروقی نے اسے جدید اردو میں ڈھالا۔[۱۶۰]

☆......**مخطوطات:**
آج 'دولۃ مکیۃ' کی تصنیف پر ایک صدی گذرنے کے بعد پاک و ہند میں اس کا کوئی قلمی نسخہ محفوظ ہے یا نہیں۔ اس بارے میں پورے وثوق کے ساتھ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ البتہ غالب امکان ہے کہ دار العلوم امجدیہ کراچی کے کتب خانہ یا اس مدرسہ سے وابستہ اکابر علما کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں سے کسی میں اس کا کم از کم ایک قلمی نسخہ موجود ہوگا۔

ادھر مسجدِ نبوی مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں اس کا مخطوط اور مکتبہ حرم مکۂ مکرمہ میں اسی کی مائیکروفلم زیرِ نمبر ۱۹۱۶ر آج بھی محفوظ ہیں۔[۱۶۱]

☆......**اشاعت کا اشتیاق:** مدینہ منورہ میں 'دولتِ مکیہ' کے اولین اڈیشن کی اشاعت کا شدت سے انتظار تھا اور وہاں سے مولانا سید احمد علی و مولانا کریم اللہ کے، جو خطوط فاضلِ بریلوی کے نام آ رہے تھے، ان میں اس اشتیاق کا واضح ذکر ہے:

☆...... ۱۴؍ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء کو لکھے گئے ان کے خط میں اس کا ذکر یوں ملتا ہے: اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالۂ شریفہ [دولتِ مکیہ] کی طبع بہت ہی جلدی ہو اور اشاعت ہووے'۔[۱۶۲]

☆......یکم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کے خط میں ہے: دولتِ مکیہ' کی طباعت جلد از جلد شروع ہو جائے۔شائقین بہت ہیں'۔[۱۶۳]

☆...... ۲۰؍ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کے خط کا خلاصہ یہ ہے: دولتِ مکیہ' کے متعلق اول سے اب تک سب کارروائی معجزات صاحب المعجز ات علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ ....سید موسیٰ صاحب بہت ہی خوش وفرحاں وممنون ومشکور ہیں اور مداح وثنا گو ہیں۔سب سے زیادہ محبت ان کو ہوئی ہے اور ہر دوست، احباب، اہلِ علم، طالبِ علم سے'دولتِ مکیہ' کا تذکرہ کرتے ہیں۔جو تقریظیں لکھنے والے ہیں۔ ان سے خوش ہیں اور جو منکر ہیں، ان پر خفا ہوتے ہیں اور اس دولت، مطالعۂ 'دولتِ مکیہ' سے مشرف نہیں ہوئے، ان کو رغبت دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت استاذ شیخ مؤلف سلمہ اللہ تعالیٰ کا کلام مثل کلام ابن عربی [۱۶۴] وامام رازی [۱۶۵] کے ہے۔................'دولتِ مکیہ، کے طبع ہونے اور مطالعہ کرنے کے سب لوگ مشتاق ومنتظر ہیں۔ اس کا طبع ہونا بہت ہی ضروری ہے۔حضور جلدی سے اس کو طبع کرادیں کہ نفع عام ہو'۔[۱۶۶]

☆...... ۱۰؍جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ کے خط میں بتایا کہ مولانا شیخ عباس رضوان اس کی طباعت کا تقاضہ کرتے ہیں'۔[۱۶۷]

☆......۱۱؍جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ کو لکھے گئے خط میں ہے: اب'دولتِ مکیہ' کے طبع کی بہت ہی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔خدا کرے، جلدی سے طبع ہو کر شائع ہو۔............'دولتِ مکیہ' کا اہلِ عرب نے مطالعہ کیا۔جس نے دیکھا، خوش ہوا۔علم وفضل کا قائل ہوا اور دیگر رسالہ مؤلفہ حضور کا مشتاق ہوا۔پس اگر اور رسالے عربی میں طبع ہو جاویں، تو بہت اچھا ہے'۔[۱۶۸]

☆......۲۹/شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ کے خط میں یوں لکھا:

'مقرظین سے، جو ملتے ہیں، دریافت کرتے ہیں کہ'دولتِ مکیہ' ابھی تک طبع نہ ہوئی۔اب ہم ہر کسی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ طبع ہو رہی ہے۔ان شاء اللہ طبع ختم ہووے گی اور رسائل یہاں

آ کر ختم ہو جاویں گے اور تقسیم ہوں گے‘۔[۱۶۹]

۱۷رمضان ۱۳۳۰ھ کو تحریر کئے گئے خط میں ہے:

’ہم لوگوں کے اور مقرظین کے یہ خوشی ہے کہ ’دولتِ مکیہ‘ جلدی سے طبع ہو کر شائع ہو جائے، تو اچھا ہے‘۔[۱۷۰]

☆......۲۵/۱/۱۳۳۱ھ کو لکھے گئے خط میں ہے کہ بعض لوگ یہاں مکۂ معظّمہ سے آئے اور زبان سے مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے سن کر آئے کہ بریلی میں رسالہ شریف ’دولتِ مکیہ‘ زیرِ طبع ہے۔ بہت ہی خوش ہوئے۔ مگر حضور نے ہم کو مطلع نہیں فرمایا‘۔[۱۷۱]

☆......**اشاعت میں تاخیر کے اسباب:** ’دولتِ مکیہ‘ کی اشاعت کا عرب وعجم میں جس شدت سے انتظار تھا، بعض اسباب کی بنا پر اس میں اتنی ہی تاخیر ہوتی گئی۔ اور یہ کہ اس پر تقاریظ کی موصولی کا سلسلہ دس برس تک جاری رہا۔ دوم، اس کے مصنف اس موضوع پر عرب وعجم سے آنے والے مزید اعتراضات اور شکوک وشبہات کے ازالہ میں مصروف رہے۔ چنانچہ آپ نے نہ صرف ’دولتِ مکیہ‘ کے متن میں اضافات کئے، بلکہ ۱۳۲۶ھ میں اس پر مستقل عربی حاشیہ ’الفیوضات المکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ‘ لکھا۔ نیز اس مسئلہ پر عربی میں دیگر کتب تصنیف کیں۔ سوم، آپ دیگر اسلامی موضوعات پر تصنیفی عمل سے غافل نہیں رہے اور مزید یہ کہ اس دوران ’براہینِ قاطعہ‘ وغیرہ کتب مخالفین کی مسئلہ علمِ غیب وغیرہ پر بعض پر تشدد عبارات کے تعاقب میں فاضلِ بریلوی کی ایک اور عربی کتاب ’حسام الحرمین‘ متعدد علمائے حرمین شریف کی تقریظات کے ساتھ شائع ہو چکی تھی اور فریقین کی توجہ کا مرکز تھی۔

☆......**اشاعت کا آغاز:** ۱۸رجب المرجب ۱۳۳۱ھ کو، جو صلح نامہ طے پایا۔ اس کی عبارت سے واضح ہے کہ مذکورہ تاریخ تک ’دولتِ مکیہ‘ شائع نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اردو خواں دنیا مولانا عبدالرحمٰن قادری کے توسط سے اس کے مندرجات پر کسی قدر مطلع ہو چکی تھی۔

☆......**افتائے حرمین کا تازہ عطیہ:** فاضلِ بریلوی کو حجازِ مقدس سے وطن واپس آئے چار برس سے زائد بیت چکے تھے۔ اس دوران مخالفین نے مسئلہ علمِ غیب پر بعض تحریریں شائع کیں۔ جن میں آپ پر افتراء کیا کہ ’دولتِ مکیہ‘ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو علمِ الٰہی کے برابر

بتایا ہے۔ صرف قدیم و حادث کا فرق رکھا ہے۔ فقط ذات وصفاتِ الٰہی کو مستثنیٰ کیا ہے اور جمیع معلوماتِ غیر متناہیہ بالفعل کو محیط مانا ہے۔ علمِ الٰہی کے ساتھ اس احاطہ کی خصوصیت کا انکار کیا ہے۔ لٰہذا علمائے حرمین شریفین نے اعلیٰ حضرت پر حکمِ کفر لکھا ہے۔

اس پر مرکز بریلی سے ایک اشتہار شائع کیا گیا، جس میں اس دعوی کا ایک ہفتہ کے اندر ثبوت پیش کرنے والے کو پانچ سو روپے دینے کا اعلان کیا گیا۔ پھر ایک اور اشتہار کے ذریعہ تین ہفتہ کی مہلت کے ساتھ تین ہزار روپے انعام کی پیش کش کی گئی۔ لیکن یہ میعاد بھی گذر گئی۔

اب مولانا سید عبد الرحمٰن قادری رضوی بیتھوی نے اردو دنیا کو حقائق سے باخبر کرنے کے لئے قلم اٹھایا اور ۹ رشعبان المعظم ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء کو ’دولتِ مکیہ‘ نیز اس پر اٹھارہ علمائے مکۂ مکرمہ اور دو علمائے مدینہ منورہ، یعنی کل بیس تقاریظ کا مختصر اردو ترجمہ کیا۔ جسے اسی بریلی سے ’افتائے حرمین کا تازہ عطیہ‘ کے تاریخی نام سے اٹھائیس صفحات پر شائع کیا گیا۔ جس کی معرفت اسلامیانِ ہند پہلی بار ’دولتِ مکیہ‘ کے اہم مندرجات سے آگاہ ہوئے۔ ۱۹۹۳ء میں لاہور سے شائع ہونے والے اردو رسالہ ’القول السدید‘ نے اسے پھر سے اپنی ماہانہ اشاعت میں طبع کیا۔ [۱۷۲]

’افتائے حرمین‘ کی اہمیت آج بھی دو پہلو برقرار ہے۔ اول یہ کہ ’دولتِ مکیہ‘ سے وابستہ اکثر علما وافراد کی زندگی میں شائع ہوئی۔ دوم یہ کہ اس میں سلسلۂ چشتیہ کے مرشدِ کبیر حاجی امداد اللہ بن محمد مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء] [۱۷۳] کے خلیفہ مولانا احمد بن محمد ضیاء الدین بنگالی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریظ کا مختصر اردو ترجمہ درج ہے۔ [۱۷۴] جو ’دولتِ مکیہ‘ کے مطبوعہ اڈیشن و دیگر کتب میں دستیاب نہیں۔

☆......مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

ضلع اعظم گڈھ کے قصبہ گھوسی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء کو سفرِ حج و زیارت کے دوران بمبئی میں وفات پائی اور گھوسی میں قبر واقع ہے۔ فقیہ حنفی، طبیب، مدرس مدرسہ منظر اسلام بریلی، سیاسی قائد، فاضلِ بریلوی کے خلیفہ، استاذ العلما، نیز صدر الشریعہ کہلائے۔ بہارِ شریعت علیہ [وفات: ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۳۳ء] کی ’شرح معانی الآثار‘ پر عربی حاشیہ لکھا۔ اول الذکر کتاب، جو فقہ حنفی کا عظیم اردو انسائکلو پیڈیا ہے، یہ لاہور سے بارہا شائع ہوئی، نیز ان دنوں

کمپیوٹر انٹرنیٹ پر واقع برکاتی فاؤنڈیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب ہے اور جدید کتابت کے ساتھ جلد ہی ضیاء الامت نامی ویب سائٹ پر بھی ملاحظہ کی جاسکے گی۔[۱۷۵] علاوہ ازیں آپ 'مطبع اہلِ سنت و جماعت بریلی' کے منتظمِ اعلیٰ تھے۔[۱۷۶]

☆...... بریلی اڈیشن قدیم: مولانا امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

'الدولة المكية' بڑی ضخیم کتاب ہے اور اس پر اعلیٰ حضرت کے حواشی قدیمہ وجدیدہ بھی ہیں۔ ان حواشی کی وجہ سے اس کی ضخامت بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ اس کو چھپوانا شروع کیا تھا۔ چند اوراق اصل کتاب کے چھپے۔ اس کے بعد جو حواشی کا سلسلہ شروع ہوا، تو غالباً دوسوآٹھ صفحے تک چھپے اور بعض وجوہ سے اعلیٰ حضرت کے زمانہ ہی میں اس کی طبع کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ پھر اس کو نہ کسی صاحب نے جاری کیا، نہ اس کی تکمیل فرمائی'۔[۱۷۷]

اور یہی اس کتاب کا دنیا بھر میں اولین اڈیشن تھا اور جیسا کہ گذشتہ صفحات پر پیش کی گئی معلوموت سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ یہ اڈیشن ۱۳۳۱ھ میں مدینہ منورہ میں صلح نامہ تحریر کئے جانے کے بعد اور ۱۳۴۰ھ میں فاضلِ بریلوی کی وفات سے قبل کے آٹھ برسوں کے دوران مولانا امجد علی اعظمی کے زیرِ اہتمام مطبع اہلِ سنت و جماعت بریلی میں طبع کیا گیا۔ لیکن یہ نامکمل طباعت تھی۔ لہٰذا اس کی اشاعت فقط محدود حلقہ میں ہی کی گئی اور اس کے عرب دنیا میں پہنچنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ یہی اڈیشن ۱۳۵۳ھ میں بمبئی میں دیکھا گیا۔[۱۷۸] خیال ہے کہ یہ فقط عربی اڈیشن تھا اور اس میں تقاریظ شامل کئے جانے کا مرحلہ طے نہیں ہوا تھا۔

☆......مکتبۃ المکتبہ اڈیشن: ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں مکتبۃ المکتبہ اندرون کھٹاؤ مارکیٹ نیو نہام روڈ کراچی نے مشہور آفسیٹ لیتھو پریس کراچی سے 'دولتِ مکیہ' دو ہزار کی تعداد میں طبع کرائی۔

اس اڈیشن کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ آغاز میں مصنف ومترجم کے مزارات کی تصاویر دی گئی ہیں اور مہتمم مکتبہ نے یہ اڈیشن فاضلِ بریلوی کے فرزند مولانا الحاج مصطفی رضا خان صاحب قادری رضوی مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء] کے نام منسوب کیا ہے۔[۱۷۹] فہرستِ کتاب نہیں دی گئی اور ص: ۴ر سے ص: ۱۶۱ر تک چالیس تقاریظ اس طرح دی گئی ہیں کہ ایک صفحہ پر ان کا عربی متن اور سامنے کے صفحہ پر اس کا اردو ترجمہ ہے۔ یوں

متن و ترجمہ کی پوری کتاب میں یہی ترتیب ہے۔ص: ۱۶۳ر سے ص: ۴۵۷ر تک پہلے 'دولتِ مکیہ' پھر 'فیوضاتِ ملکیہ' کا متن و ترجمہ ہے۔ جب کہ ص: ۴۵۸ر سے پھر تقاریظ کا آغاز ہوتا ہے۔ جو آخری صفحہ پر ختم ہوتی ہیں۔ یہ چھوٹی تقطیع کے کل ۵۴۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں 'دولتِ مکیہ'، 'فیوضات الملکیہ' نیز انسٹھ[۵۹] تقاریظ کے مکمل متن عربی متن وارد و تراجم درج ہیں۔ یہ ترجمہ مولانا حامد رضا خان قادری حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔لیکن بعض تقاریظ کا ترجمہ کسی اور نے کیا۔اس کے آخری صفحہ پر ناشر کی طرف سے یہ عبارت ہے:

'الحمد للہ کہ یہ کتاب چھپ کر ہدیۂ ناظرین ہورہی ہے۔اس کی کتابت وطباعت اور تصحیح کے سلسلہ میں کافی احتیاط برتی گئی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی غلطی مصحح کی نظر سے بچ کر رہ گئی ہو، تو ناظرینِ کرام برائے خدا معاف کرتے ہوئے مطلع فرمائیں۔تاکہ اس کا تدارک کر دیا جائے۔

اطلاعاً عرض ہے کہ ہمیں کتاب کا مکمل ترجمہ اور چند مترجم تقاریظ دستیاب ہوسکیں۔ جو بعینہ شائع کی جارہی ہیں۔اس کے علاوہ چند تقاریظ کا ترجمہ ادارہ کے ذرائع پر کرایا گیا ہے'۔

گویا اس اڈیشن کی کتابت مہتمم المکتبۃ نے کرائی۔ ادھر اس کے صفحہ اول پر ہے کہ یہ اشاعت اول ہے۔ بنابریں یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ یہی 'دولتِ مکیہ' کا دنیا بھر میں پہلا اہم اڈیشن ہے۔

مکتبۃ المکتبہ کے بانی مولانا شفیع محمد بن صوفی غلام رسول قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہندوستان کے علاقہ راجپوتانہ کے مقام چتوڑ گڑھ میں پیدا ہوئے۔قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔ جہاں ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء کو وفات پائی۔ عالم، فاضل، تاجر، مولانا حامد رضا خان بریلوی کے مرید، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے بانی رکن و نائب صدر، آپ نے ۱۹۵۶ء کو المکتبہ کی بنیاد رکھی۔ جو ۱۹۵۸ء تک فعال رہا۔جس دوران علمائے اہلِ سنت کی تقریباً بیس کتابیں شائع کیں۔[۱۸۰]

☆......استنبول اڈیشن: ۱۹۷۵ء، پھر ۱۹۸۳ء میں مکتبہ ایشتق استنبول، ترکی نے 'دولتِ مکیہ' ۱۵۲ر صفحات پر طبع کرا کے پوری دنیا میں مفت تقسیم کی۔ جو قبل ازیں راقم کی نظر سے گذرا۔ غالباً یہ مکتبۃ المکتبۃ اڈیشن کا عکس ہے۔لیکن اس میں اردو حصہ شامل نہیں۔اس کے ناشر شیخ حسین حلمی

ایشتق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محلہ مقبرہ ایوب سلطان استنبول میں ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے اور ۹ر شعبان ۱۴۲۲ھ/ ۲۵ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کی رات وہیں پر وفات پائی اور اپنے محلہ میں ہی صحابیٔ جلیل سیدنا خالد بن زید المعروف بہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ [وفات: ۵۲ھ/ ۶۷۲ء] کے احاطۂ مزار میں دفن ہوئے۔

آپ عالمِ جلیل، زاہد و عابد اور راضی برضاء اللہ شخصیت، نیز عارف باللہ سید عبد الحکیم ارواسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد و مرید تھے۔ آپ کے قائم کردہ اشاعتی ادارے نے ۶۳ر عربی، ۲۴ر فارسی، ۳ر اردو، ۱۴ر ترکی کتب کے لاتعداد اڈیشن طبع کرا کے بلا معاوضہ دنیا بھر میں پہنچائے۔ نیز ان میں سے متعدد کتب کے فرنچ، جرمن، انگریزی، روسی وغیرہ زبانوں میں تراجم کرا کے شائع کئے۔[۱۸۱]

شیخ حسین حلمی صوفیہ کے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ خالدیہ سے وابستہ اور حنفی المذہب تھے۔ آپ کا یہ ادارہ پہلے 'مکتبہ ایشیق' اور پھر 'دار الحقیقة' کے نام سے کام کرتا رہا اور آخر الذکر نام سے آپ کی وفات کے بعد بھی انہی خطوط پر فعال ہے۔[۱۸۲]

☆ …… مکتبہ رضویہ اڈیشن: ۱۹۷۶ء میں مولانا امجد علی اعظمی کے فرزند مولانا قاری حافظ رضاء المصطفیٰ اعظمی حفظہ اللہ تعالیٰ خطیب نیومیمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی کے زیرِ اہتمام کام کرنے والے 'مکتبہ رضویہ' کراچی نے بڑی تقطیع کے کاغذ پر اسے شائع کیا۔ جو 'دولتِ مکیہ' و 'فیوضات الملکیہ' کے متون و اردو ترجمہ پر مشتمل اور ۲۴۰ر صفحات پر ہے۔ یہ المکتبہ اڈیشن کا ہی عکس ہے۔ لیکن اس میں تقاریظ یا ان کا ترجمہ شامل نہیں۔ نیز آغازِ کتاب پر مصنف و مترجم کے مزارات کی تصاویر بھی موجود نہیں۔ اس اڈیشن میں اضافہ یہ کیا گیا کہ آغاز میں کتاب کے عنوانات کی فہرست دے دی گئی۔ عرضِ ناشر کے تحت قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی یوں رقم طراز ہیں:

'یہ نادر کتاب 'الدولة المكية بالمادة الغيبية' ایک عرصہ سے ناپید تھی، حالات نے اس کے طبع کرانے کی اجازت نہیں دی'۔

☆ …… مکتبہ نبویہ اڈیشن: ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۹۷ء میں مکتبہ نبویہ، داتا دربار مارکیٹ لاہور نے اسے ۱۹۶ر صفحات پر شائع کیا۔ اس اڈیشن میں جدت یہ لائی گئی کہ علامہ اقبال احمد فاروقی نے

اس کے قدیم ترجمہ کو موجودہ اردو اسلوب میں ڈھالا۔ فاروقی صاحب ابتدائیہ میں اس کی اطلاع یوں دیتے ہیں:

'حضرت حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا قدس سرہ کا اردو ترجمہ عالمانہ اور آج سے نصف صدی قبل کا بار بار شائع ہو رہا تھا۔ جس سے کتاب کی افادیت سے آج کا اردو داں طبقہ پوری طرح استفادہ نہیں کرسکتا تھا۔ ہم نے اس علمی اور جامع ترجمہ کو آسان اور سلیس بنا کر عربی متن کے بغیر شائع کرنے کا عزم کیا۔ عنوانات قائم کئے۔ پیرا بندی کی گئی۔ الحمد للہ! ہم اپنی عامیانہ زبان میں ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اب یہ ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے'۔

آغاز میں فہرستِ عنوانات اور پھر علامہ اقبال احمد فاروقی کا تحریر کردہ ابتدائیہ ص:۹ر سے ص:۱۶ر تک ہے اور موضوع کی مناسبت سے ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے سرپرست، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ، نقشبندی مجددی سلسلہ کے مرشد، ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد حفظہ اللہ تعالیٰ [ولادت: ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء] کا قلم بند کردہ افتتاحیہ ص:۱۷ر سے ص: ۳۳ر پر ہے۔ پھر 'دولتِ مکیہ' کا سہل اردو ترجمہ ص:۳۵ر سے ص:۱۵۲ر پر درج ہے اور آئندہ صفحات پر پینتیس تقاریظ کا مختصر اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ جس کے بارے میں لکھا گیا کہ یہ ترجمہ مولانا عبد الرحمٰن قادری بیتھوی نے کیا۔ لیکن راقم کے نزدیک یہ بات مزید تحقیق طلب ہے۔

کتاب کے آغاز میں دی گئی فہرستِ عنوانات میں ایک مقرظ شیخ محمد عارف بن محی الدین محملجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام مذکور ہے۔ لیکن داہنے مقام پر ان کی تقریظ کا ترجمہ شاملِ کتاب ہونے سے رہ گیا ہے۔ مکتبہ نبویہ اڈیشن کی اہمیت دو طرح سے ہے۔ اول یہ کہ عام فہم اردو میں ہے۔ دوم یہ کہ اس میں شامل تقاریظ کے مختصر ترجمہ میں سے چودہ تقاریظ ایسی ہیں کہ جو دیگر مطبوعہ کتب میں دستیاب نہیں۔ نیز ان کے عربی متون بھی غیر مطبوع، مگر مخطوطات محفوظ ہیں۔ ان چودہ مقرظین کے نام اسی تحریر میں کچھ ہی آگے دی گئی فہرست بعنوان: مقرظین کے اسمائے گرامی' میں ساٹھ تا تہتر مذکور ہیں۔

☆......قادری اڈیشن: ۱۹۸۶ء میں قادری بک ڈپو بریلی شہر نے 'دولتِ مکیہ' شائع کی۔ [۱۸۳]

☆......نذیر سنز اڈیشن: ۱۹۹۵ء میں اردو بازار لاہور کے ایک اہم اشاعتی ادارے نذیر سنز

پبلشرز نے شائع کی۔ اس اڈیشن میں جدت وتبدیلی یہ لائی گئی کہ 'علومِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم' کے نام سے شائع کیا گیا۔ البتہ کتاب کا اصل نام بھی ساتھ ہی دیا گیا ہے۔ یہ مکتبۃ المکتبہ اڈیشن کا ہی عکس ہے۔ لیکن اس میں پہلے اردو ترجمہ اور پھر آخری صفحات پر عربی متن یک جا دیئے گئے ہیں۔ ترتیب اس طرح سے ہے:

پہلے چالیس تقاریظ، پھر 'دولتِ مکیہ' و'فیوضات الملکیہ' اور اس کے بعد بقیہ تقاریظ کا اردو ترجمہ ص: ۳؍ سے ص: ۱۹۶؍ تک، اور پھر اسی ترتیب سے عربی متن ص: ۱۹۷؍ سے ص: ۳۷۶؍ تک، جو اس کا آخری صفحہ ہے۔ اس اڈیشن میں ایک سہو یہ ہوا کہ اولین تقریظ کی چار ابتدائی سطور کا متن وترجمہ شاملِ اشاعت ہونے سے رہ گیا ہے۔

☆...... بریلی اڈیشن، جدید: ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں مرکزی دارالاشاعت بریلی شہر نے اسے ۴۱۰؍ صفحات پر شائع کیا۔ مولانا قاضی مفتی محمد عبدالرحیم بستوی رضوی و مولانا مفتی محمد مظفر حسین قادری رضوی نے اس نسخہ پر تصحیح کا عمل انجام دیا۔ جب کہ المجمع الاسلامی مبارک پور کے رکن مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری رضوی نے مصنف کے مختصر حالات قلم بند کئے اور ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی کے اڈیٹر مولانا محمد شہاب الدین رضوی نے طباعت کا اہتمام کیا اور فاروقیہ بک ڈپو دہلی نے طباعت واشاعت میں معاونت کی اور یہ سارا عمل فاضلِ بریلوی کے پڑپوتا مولانا مفتی محمد اختر رضا خان قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں انجام پایا۔

یہ اڈیشن 'دولتِ مکیہ' کے عربی متن و جملہ حواشی پر مشتمل ہے۔ اس میں تقاریظ شامل نہیں اور نہ ہی اردو ترجمہ دیا گیا۔ یوں یہ اس کتاب کا ایک اہم عربی اڈیشن ہے۔ حواشی کے ضمن میں فاضلِ بریلوی کی 'تذئیلِ جلیل و تکمیلِ جمیل' بھی شامل ہے۔ اس اڈیشن میں فقط تصحیح پر توجہ دی گئی۔ اس کی کتابت کمپیوٹر کی مدد سے کی گئی۔ جب کہ کتاب کی ترتیب قدیم طرز پر ہے۔

☆...... رضا فاؤنڈیشن اڈیشن: ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں قائم تحقیقی واشاعتی ادارہ 'رضا فاؤنڈیشن' نے اسے ۲۵۶؍ صفحات پر شائع کیا۔ جس کے لئے مکتبۃ المکتبہ اڈیشن کو بنیاد بنایا گیا اور جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے مہتمم مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ [وفات: ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء] [۱۸۴] کی سرپرستی میں

مولانا پروفیسر ضیاء المصطفیٰ قصوری حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تحقیق کی۔ جس دوران تصحیح متن اور تخریج و ترتیب پر توجہ دی۔ پھر اس کی اشاعت کے لئے جدید اسلوب اور ذرائع سے کام کیا گیا۔ یہ فقط عربی و عالمی اڈیشن 'دولت مکیہ' 'وفیوضاتِ ملکیہ' اور ۵۹ / انسٹھ تقاریظ پر مشتمل ہے۔

☆......رضائے مصطفی اڈیشن: جدید بریلی اڈیشن کا عکس، جسے پاکستان سے 'مکتبہ رضائے مصطفیٰ' گوجرانوالہ نے شائع کیا۔ صفحات، ۴۱۰/۔ اس پر سن اشاعت درج نہیں۔ خیال ہے کہ ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۳ء کے درمیان شائع کی گئی۔

مکتبہ رضائے مصطفی کے بانی مولانا الحاج ابوداؤد محمد صادق حفظہ اللہ تعالیٰ ۱۳۵۰ھ/ ۳۲، ۱۹۳۱ء کو ضلع سیال کوٹ کے علمی گاؤں 'کوٹلی لوہاراں' میں پیدا ہوئے۔ عالمِ جلیل، مبلغ، اصولی، قادری سلسلہ کے مرشد، تحریکِ ختمِ نبوت و تحریکِ آزادیٔ کشمیر وغیرہ میں فعال، جامع مسجد زینت المساجد گوجرانوالہ کے خطیب، ماہنامہ 'رضائے مصطفیٰ' کے بانی، دس سے زائد اردو تصانیف ہیں۔ [۱۸۵]

☆......تقاریظ کی تعداد: ابھی تک اس بارے میں حتمی معلومات سامنے نہیں آئیں کہ 'دولتِ مکیہ' پر لکھی گئی تقاریظ کی کل تعداد کیا ہے اور اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ایک صدی کے عرصہ میں 'دولتِ مکیہ' کا کوئی ایک بھی اڈیشن ایسا سامنے نہیں آیا، جس میں جملہ تقاریظ شامل کی گئی ہوں۔ ۱۹۷۷ء میں اس کے مکتبہ نبویہ اڈیشن پر افتتاحیہ لکھتے ہوئے ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی نے بتایا کہ مقرظین کی تعداد ۷۷ / رہے [۱۸۶] اور اب اس کے ربع صدی بعد، جو معلومات راقم کے پیشِ نظر ہیں، ان کی روشنی میں تقاریظ کی تعداد اکاسی [۸۱] ہے اور یہ تعداد بھی حتمی نہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ دو مقرظین شیخ احمد الجزیری مالکی اور شیخ الدلائل محمد سعید ادریسی رحمہما اللہ تعالیٰ نے پہلے 'دولتِ مکیہ' کے بارے چند سطور پر مشتمل تصدیقات لکھ کر دیں۔ [۱۸۷] پھر کچھ عرصہ بعد دونوں نے ہی مفصل تقاریظ لکھیں اور یہ تصدیقات و تقریظات 'دولتِ مکیہ' پر الگ الگ مقامات پر مطبوع ہیں۔ اسی باعث اکثر اردو تذکرہ نگاروں نے انہیں دو کی بجے چار مقرظین خیال کیا ہے، جو درست نہیں۔

علاوہ ازیں مکتبہ نبویہ اڈیشن میں ایک مقام پر شیخ محمد یحیٰ قلعی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نزیل مدینہ منورہ کا خط اور دوسری جگہ ان کی تقریظ کا ترجمہ مطبوع ہے اور یہ ایک شخصیت ہیں۔

مزید یہ کہ راقم سطور ہٰذا نے تعداد کے تعین میں ان مقرظین کو بھی شمار نہیں کیا، جو تقاریظ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن یہ کسی ذریعہ سے تصدیق نہیں ہوئی کہ وہ اپنے ارادوں پر عمل کر پائے یا نہیں۔ مثلاً شیخ محمد عزیز وزیر [۱۸۸] اور مولانا قاضی محمد نور چکوڑوی [۱۸۹] رحمہا اللہ تعالیٰ۔

۱۹۵۵ء میں مکتبۃ المکتبہ اڈیشن میں عرضِ ناشر کے تحت لکھا گیا:

'ابھی ادارے کے پاس ایک خاص تعداد میں تقاریظ موجود ہیں۔ جو جلد کی ضخامت بڑھ جانے کی بنا پر روک دی گئی ہیں۔ ہم ناظرین کے اصرار پر کسی وقت ان تقاریظ کو بطور ضمیمہ مترجم شائع کر دیں گے'۔

اور ۱۹۷۱ء میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی رقم طراز ہیں:

'بہت سی تقاریظ ابھی تک اشاعت پذیر نہ ہوسکیں اور مہتمم مکتبہ رضویہ کراچی کے پاس محفوظ ہیں'۔ [۱۹۰]

لہٰذا تقاریظ کی تعداد طے کرنے کے لئے ان غیر مطبوعہ تقاریظ کو ملاحظہ و تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ ...... تقاریظ کی اقسام: اشاعتی پہلو سے 'دولتِ مکیہ' پر لکھی گئی اکاسی عربی تقاریظ چھ اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جن کے بارے میں مختصر معلومات یہ ہیں:

☆ ...... [۱] عربی و اردو میں مکمل مطبوع: ایسی تقاریظ کہ جن کا مکمل عربی متن اور مکمل اردو ترجمہ شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی تعداد انسٹھ [۵۹] ہے۔ جب کہ دو تصدیقات ان کے علاوہ ہیں۔ یہ مکتبۃ المکتبہ اڈیشن، نیز نذیر سنز اڈیشن میں عربی و اردو میں، جب کہ رضا فاؤنڈیشن اڈیشن پر فقط عربی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

☆ ...... [۲] اردو میں مکمل مطبوع: مولانا ہدایت اللہ سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واحد مقرظ ہیں، جن کی تقریظ کا اردو ترجمہ تو مکمل شائع ہوا۔ لیکن اصل عربی تقریظ تا حال کلی طور پر غیر مطبوع ہے۔ ۸/ صفحات پر مشتمل اس کا مکمل و خوش خط قلمی نسخہ کتب خانہ مسعودیہ کراچی میں اور اس کا عکس بہاء الدین زکریا لائبریری، ضلع چکوال میں محفوظ ہیں۔

اس کا مختصر اردو ترجمہ 'دولتِ مکیہ' کے مکتبہ نبویہ اڈیشن میں شامل ہے۔ بعد ازاں مولانا شاہ

محمد خالد میاں فاخری نے اس کا مکمل ترجمہ کیا۔ جو مقرظ کے مختصر تعارف کے ساتھ 'معارفِ رضا' میں شائع ہوا۔[۱۹۱]

☆......[۳] مختصر اردو ترجمہ: ایسی تقاریظ کہ جن کا عربی متن اب تک ایک بار بھی کہیں سے شائع نہیں ہوا اور ان کا مختصر اردو ترجمہ طبع ہوا۔ ان کی تعداد چودہ ہے۔ جن میں سے ایک مولانا احمد بنگالی مکی کی ہے۔ جو 'افتائے حرمین کا تازہ عطیہ' اور 'القول السدید' میں شائع ہوئی۔ جب کہ باقی تمام مکتبہ نبویہ اڈیشن میں درج ہیں۔ ان تیرہ [۱۳] مقرظین کے نام ' مقرظین کے اسمائے گرامی' عنوان کے تحت نمبر ۶۱/تا ۷۳/ مذکور ہیں۔ جب کہ ان کی تقریظات کے مخطوطات کتب خانہ مسعودیہ کراچی اور ان کے عکس بہاء الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال میں ہیں۔

ادھر قاہرہ میں پروفیسر سید حازم محفوظ کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں ان میں سے چھ کے مخطوطات کا عکس موجود ہے۔[۱۹۲]

☆......[۴] غیر مطبوعہ تقاریظ: ایسی تقاریظ کہ جن کا کوئی بھی حصہ عربی یا اردو میں شائع نہیں ہوا اور وہ کلی طور پر غیر مطبوع۔ لیکن ان کے قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ ان کی تعداد چھ ہے۔ ان مقرظین کے نام آئندہ دی گئی فہرست میں نمبر ۷۴/تا ۷۹/ درج ہیں۔ جب کہ ان کے مخطوطات کتب خانہ مسعودیہ کراچی میں، نیز ان کے عکس بہاء الدین زکریا لائبریری ضلع چکوال میں موجود ہیں۔

اور پروفیسر سید حازم محفوظ کے ہاں ان میں سے ایک مقرظ شیخ محمد عارد لجی محملجی کی تقریظ کے قلمی نسخہ کا عکس موجود ہے۔[۱۹۳]

☆......[۵] مفقود تقاریظ: ایسی تقاریظ کہ جن کے بارے میں شواہد ملتے ہیں کہ قلم بند کی گئیں۔ لیکن ان کے مخطوط و مطبوع ہونے کے متعلق کوئی خبر نہیں۔ ان کی تعداد دو ہے۔ ایک مولانا احمد بنگالی مکی کی تقریظ، جس کا مختصر اردو ترجمہ شائع ہوا اور اس کا ذکر گذر چکا۔ اس کے عربی متن کے بارے میں راقم کو کوئی خبر نہیں۔ دوسرے شیخ محمد بن جعفر کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جن کے فرزند کے بقول آپ نے تقریظ لکھی۔[۱۹۴]

☆......[۶] عرب دنیا سے اشاعت: شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واحد

مقرظ ہیں، جن کی تقریظ انہی ایام میں عرب دنیا سے ماہنامہ ’البیان‘ میں تعارفی کلمات کے ساتھ شائع ہوئی۔ [۱۹۵] اس رسالہ کے متعلقہ صفحات کا عکس ’معارفِ رضا‘ [۱۹۶] اور ’علمائے عرب کے خطوط‘ [۱۹۷] نیز پروفیسر سید حازم محفوظ [۱۹۸] کی کتاب میں شامل ہے۔ یاد رہے! علامہ نبہانی کی تقریظ ’دولتِ مکیہ‘ کے ساتھ مطبوع انسٹھ تقاریظ میں سے ایک ہے۔

☆......مقرظین کے اسمائے گرامی: ان ۸۱ر مقرظین کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔ اس فہرست میں ابتدائی انسٹھ نام ان علما کے ہیں، جن کی تقاریظ کے مکمل عربی متن و مکمل اردو تراجم ’دولتِ مکیہ‘ کے مذکورہ بالا تین مختلف اڈیشنز پر اسی ترتیب سے مطبوع ہیں۔ جیسے یہاں نام درج ہیں اور ۶۰ر نمبر کی تقریظ کا فقط مکمل اردو ترجمہ مطبوع اور اس کے عربی متن کا مخطوط محفوظ ہے۔ پھر نمبر ۶۱ر سے ۷۳ر تک ان مقرظین کے نام ہیں، جن کی تقاریظ کا مختصر اردو ترجمہ مطبوع ہے۔ جب کہ عربی متن طبع نہیں ہو سکا اور ان کے مخطوطات محفوظ ہیں۔ بعد ازاں نمبر ۷۴ر سے ۷۹ر تک کی تقاریظ کا نہ تو عربی متن اور نہ ہی اردو ترجمہ شائع ہوا۔ جب کہ ان کے مخطوطات محفوظ ہیں۔ آخر میں ان دو مقرظین کے نام ہیں کہ جن کی تقاریظ کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔

اور جملہ مقرظین میں سے، جن کے سنینِ وفات دستیاب ہیں، ان کا عیسوی سن وفات ہر نام کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔ تا کہ قارئین کو سہولت میسر رہے۔

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سنہ وفات
۱............	شیخ اسماعیل بن خلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۱ء
۲............	شیخ محمد سعید بن محمد سالم بابصیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۲ء
۳............	شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۹ء
۴............	شیخ محمد عابد بن حسین مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۲۳ء
۵............	شیخ عبداللہ بن علی بن محمد حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۲۸ء
۶............	شیخ محمد صالح بن صدیق کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۴ء
۷............	شیخ احمد بن عبداللہ ابوالخیر میرداد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۶ء

۸............شیخ محمد علی بن صدیق کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۷ء
۹............شیخ عبداللہ بن صادق دَحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۱ء
۱۰............شیخ عمر بن ابوبکر جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۳۵ء
۱۱............شیخ محمد صالح بن محمد فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۴ء
۱۲............شیخ محمد مرزوقی ابوحسین بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۶ء
۱۳............شیخ محمد علی بن حسین مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۸ء
۱۴............شیخ محمد جمال بن محمد امیر بن حسین مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۳۰ء
۱۵............شیخ اسعد بن احمد دَہان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۹ء
۱۶............شیخ عبدالرحمٰن بن احمد دَہان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۸ء
۱۷............شیخ محمد بن یوسف خیاط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۱۸............شیخ محمد بن واسع ادریسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۱۹............شیخ محمد مختار بن عطارد جاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۳۰ء
۲۰............شیخ احمد بن احمد الجزائری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۲۱............شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۰۷ء
۲۲............شیخ محمد تاج الدین بن مصطفی الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۲۳............شیخ سید حسین بن عبدالقادر طرابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۲۴............شیخ حمدان ونّسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۲۵............شیخ علوی بن احمد فقیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۲۶............شیخ عبداللہ بن عودہ صوفان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۲ء
۲۷............شیخ محمد عبدالباری بن محمد امین رضوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۰ء
۲۸............شیخ عباس بن محمد امین رضوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۲۸ء
۲۹............شیخ محمد سعید بن محمد ادریسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۳۰............مولانا احمد علی بن بشیر الدین رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	

۳۱............شیخ علی بن احمد محضار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۲............شیخ احمد بن محمد اسعد گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۳............مولانا غلام محمد برہان الدین بن نورالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۴............شیخ عبدالقادر بن محمد ابن سودہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۶۹ء

۳۵............شیخ محمد عبدالوہاب بن محمد یوسف ارزنجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۶............شیخ عطیہ محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۷............شیخ مصطفی بن تارزی عزوز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۸............شیخ احمد بن محمد بن محمد خیر سَناری عباسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۹............مولانا محمد عبدالحق بن شاہ محمد الہ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۱۵ء

۴۰............شیخ موسیٰ بن علی شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۱............شیخ محمد یعقوب بن رجب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۲............شیخ یٰسین بن احمد خیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۲۵ء

۴۳............شیخ محمد یٰسین بن سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۴............شیخ عبدالرحمٰن ودیدار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۵............شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۳۲ء

۴۶............شیخ حسین بن محمد علی بن علی حسنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۷............مولانا محمود بن صبغۃ اللہ مدراسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۸............شیخ محمد سعید بن عبدالقادر نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۲۰ء

۴۹............شیخ محمد توفیق بن محمد ایوبی انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۳۲ء

۵۰............شیخ علی بن علی رحمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۵۱............شیخ عبدالحمید بن محمد ادیب عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۱۷ء

۵۲............شیخ محمد یحیٰ بن احمد زَمَّیتا مکتبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۵۸ء

۵۳............شیخ عبدالوہاب نائب بن عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۲۶ء

۵۴	شیخ یوسف بن محمد نجیب عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۵۱ء
۵۵	مولانا سید عثمان قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۵۶	شیخ محمد امین بن محمد سوید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۳۶ء
۵۷	شیخ ابراہیم بن عبد المعطی سقار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۵۸	شیخ عبد الرحمان بن احمد خلف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۵۹	شیخ محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۶۰	مولانا ہدایت اللہ بن محمود سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۶۱	شیخ محمد یحیٰ بن رشید قلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۲۲ء
۶۲	شیخ عمر بن مصطفی عیطہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۱ء
۶۳	شیخ عبد القادر بن ابی الفرج الخطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۳۲ء
۶۴	شیخ عبد الکریم بن تارزی عزوز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۶۵	شیخ محمود بن علی بن عبد الرحمٰن شَویل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۵۳ء
۶۶	شیخ محمد بن احمد رمضان شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	
۶۷	شیخ محمد بن علی حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۷ء
۶۸	شیخ محمد امین بن محمد بن خلیل سَفَرجَلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۶ء
۶۹	شیخ محمود بن رشید عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۴ء
۷۰	شیخ محمد تاج الدین بن محمد بدر الدین حسنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۳ء
۷۱	شیخ محمد عطاء اللہ بن ابراہیم کُسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۳۸ء
۷۲	شیخ محمد بن قاسم المعروف بہ محمد قاسمی حلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۱۸ء
۷۳	شیخ مصطفی بن احمد شَطّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۲۹ء
۷۴	شیخ حسن بن مصطفی اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۳۳ء
۷۵	شیخ محمد بن ادریس قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۳۱ء
۷۶	شیخ محمد حبیب اللہ بن عبد اللہ ما یابی شنقیطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۹۴۴ء

۷۷............شیخ محمد زاہد بن عمر زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۳۰ء
۷۸............شیخ محمد عارف بن محی الدین محملجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۱۶ء
۷۹............شیخ مختار بن احمد مؤید عظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۲۱ء
۸۰............مولانا احمد بن محمد ضیاء الدین بنگالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۸۱............شیخ محمد بن جعفر بن ادریس کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۲۶ء

مقرظین کی اہمیت: 'دولتِ مکیہ' کے ۸۱ر مقرظین کی بنیادی اہمیت تو یہ ہے کہ سب اپنے دور کی اسلامی دنیا کے جید علمائے دین تھے اور ان تعلق مذاہبِ اربعہ سے تھا۔ پھر یہ مختلف علمی اوصاف سے متصف تھے۔ مثلاً مفسر، محدث، مسند، فقیہ، اصولی، صوفی، مرشد السالکین، شیخ الدلائل، مبلغینِ اسلام، اسلامی دنیا کی اہم مساجد کے امام وخطیب و مدرس، مصنف، نحوی، لغوی، ادیب وشاعر، صحافی، اسلامی مدارس کے بانی وسرپرست، قاری، خطاط، فلکی، مؤرخ اور نقاد وغیرہ۔ مزید یہ کہ ان میں سے اکثر اعلیٰ سرکاری مناصب پر متمکن رہے۔ مثلاً صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، نائب وزیرِ تعلیم، چیف جسٹس، جسٹس، قاضی، شیخ العما، شیخ الخطبا والائمہ، مفتیٔ اعظم، مفتیٔ احناف، مفتیٔ مالکیہ، مفتیٔ شافعیہ، مفتیٔ حنابلہ، مسجدِ حرم مکی ومسجدِ نبوی کے امام وخطیب و مدرس، شیخ السادۃ، مجلسِ شوریٰ کے رکن اور اسلامی علوم کے پروفیسر وغیرہ۔

علاوہ ازیں یہ آج کی اسلامی دنیا کے متعدد ممالک کے باشندے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں: الجزیرٔ، انڈونیشیا، پاکستان، تیونس، سعودی، عرب، شام، عراق، فلسطین، مراکش، مصر، موریتانیہ، ہندوستان اور یمن۔ ان معلومات کی بنا پر کہا سکتا ہے کہ 'دولتِ مکیہ' پر ان قلم بند کردہ تقاریظ، مسئلۂ علمِ غیبِ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اجماعِ امت کی علامت اور سوادِ اعظم کے مسلک کا واضح اظہار ہیں۔





حوالہ جات وحواشی

۱......فهرس مخطوطات بعض المكتبات،ص:۱۶۲۔
۲......فهرس مخطوطات مكتبة مكة المكرمة،ص:۲۲۵تا۲۲۶۔
۳......علمائے عرب کے خطوط،ص:۲۴تا۲۵/معارفِ رضا،شمارہ دسمبر ۲۰۰۵ء،ص:۳۸تا ۴۱۔
۴......برکاتی فاؤنڈیشن کی ویب سائٹ کا پتہ:www.barkati.net
۵......علامہ سید حسین جمل اللیل کے حالات:الاجازات المتينة، ص:۲۰، ۳۷، ۵۲/ الامام احمد رضا خان والعالم العربی، ص:۶۷،۱۲۹،۲۱۶تا۲۱۷/اعلام المكيين، جلد۱،ص:۲۴۶/تشنيف الاسماع،ص:۴۰۳/فهرس الفهارس والاثبات، جلد ۱، ص:۳۶۹/مختصر نشر النور، ص:۱۷۷/ مرأة التصانيف، جلد ۱ ص:۸۴/معارفِ رضا شمارہ۱۹۹۸ء ص:۱۸۲تا۱۸۹/معجم المطبوعات العربية،ص:۱۳۶/نظم الدرر،ص:۱۷۳۔
۶...... پروفیسر سید حازم محفوظ کے حالات: الامام احمد رضا خان والعالم العربی، ص: ۲۲۸تاہ ۲۳،۲۴۱/بساتين الغفران،ص:۱۸تا۲۵۔
۷......الامام احمد رضا خان والعالم العربی،ص:۱۳،۲۲۲۔
۸......ڈاکٹر حسین مجیب مصری کے حالات:معارفِ رضا،شمارہ نومبر ۲۰۰۰ء،ص:۲۸/شمارہ دسمبر ۲۰۰۰ء،ص:۲۵/شمارہ جنوری ۲۰۰۱ء،ص:۲۹،۳۲/شمارہ مارچ ۲۰۰۲ء،ص:۲تا۶/ شمارہ جنوری ۲۰۰۵ء،ص:۳۴/معجم الادباء، جلد ۲،ص:۲۲۹/معجم الشعراء، جلد ۲، ص:۱۲۲/المنظومة السلامية،ص:۱۵۵۔
۹......جمعیتِ اہلِ حدیث کے اہم ومشہور رہنما مولوی احسان الٰہی ظہیر [وفات: ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء] کے بقول:

’شاہ اسماعیل دہلوی اس خطہ پر شرک و بدعت کے خلاف زبان وقلم سے معرکہ آرا ہوئے اور آپ ہندوستان میں اولین فرد ہیں، جنھوں نے نماز میں رکوع سے قبل وبعد رفع یدین شروع کیا۔ بعد ازاں ردِ شرک پر کتاب ’تقویت الایمان‘ لکھی‘۔ [حضارة الاسلام، شمارہ اپریل ۱۹۶۵ء، ص:۱۰۸]

اور شاہ اسماعیل دہلوی کے مشہور سوانح نگار مولوی غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

’تقویت الایمان‘ پہلی مرتبہ ۱۲۴۳ھ میں چھپی۔ سرسری اندازہ ہے کہ ۱۴۱۰ھ تک یہ چالیس پچاس لاکھ سے کم نہ چھپی ہوگی۔ کروڑوں آدمیوں نے اسے پڑھا اور ہدایت کی روشنی حاصل کی۔ یہ ایسا شرف ہے، جو ’تقویت الایمان‘ کے سوا اردو کی کسی دوسری کتاب کو شاید ہی نصیب ہوا ہو‘۔ [تقویت الایمان، مقدمہ ص:۱۲]

۱۰......مولوی رشید احمد گنگوہی کے حالات: الاعلام، جلد ۳، ص:۲۲، ۲۶/ تذکرہ علمائے ہند، ص:۵۷۰/ علماء العرب فی شبہ، ص:۷۵۱ تا ۷۵۲/ نزھة الخواطر، ص:۱۲۲۹ تا ۱۲۳۱۔

۱۱......مولوی خلیل احمد انبیٹھی کے حالات: علماء العرب فی شبه، ۷۴۶ تا ۷۴۷/ نزھة الخواطر، ص:۱۲۲۲ تا ۱۲۲۳، ۱۲۳۱۔

۱۲......الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۲۷، ۱۳۲ تا ۱۳۵۔

۱۳......الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۲۱۔

۱۴......علمائے عرب کے خطوط، ص:۴۶۔

۱۵......سلطان عبد الحمید دوم کے حالات: الاعلام الشرقیة، جلد ۱، ۲۹ تا ۳۰/ تاریخِ مکہ، ص:۵۵۸ تا ۵۵۹/ السلطان المظلوم، کل صفحات: ۲۹۱۔

۱۶......گورنر احمد راتب پاشا کے حالات: اعلام الحجاز، جلد ۳، ص:۳۴۷ تا ۳۴۸، ۳۵۲، ۳۵۴، ۳۶۸، ۳۸۱، ۳۸۲/ تاریخِ مکہ، ص:۵۵۲، ۵۵۹/ الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۳۱۔

۱۷......گورنر سامی پاشا فاروقی کے حالات: تاریخ امراء المدینة المنورة، ص:۴۲۰۔

۱۸......گورنر سید علی پاشا کے حالات: اشراف مکة المکرمة، ص:۲۲۶ تا ۲۲۷/ اعلام من

ارض النبوۃ، جلد ۲ ص:۲۴، ۳۳ تا ۳۴/الاعلام، جلد ۴ ،ص:۳۰۹/تاریخ مکۃ، ص:۵۵۷ تا ۵۶۰/ الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۳۱۔

۱۹......الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۲۰۔

۲۰......الاجازات المتینۃ،ص:۲۰۔

۲۱......الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۲۶۔

۲۲......الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۲۶۔

۲۳......مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی کے حالات: تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت،ص:۱۷۲ تا ۱۷۹/ تذکرۂ علمائے اہلِ سنت،ص:۱۶۸ تا ۱۶۹/ الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۲۷/ الیواقیت المہریۃ،ص: ۸۷۔

۲۴......مولانا سلامت اللہ رام پوری کے حالات: تذکرۂ علمائے اہلِ سنت،ص:۹۶ تا ۹۷/ مرأۃ التصانیف، جلد۱،ص:۱۸ تا ۱۹، ۵۴، ۵۷، ۸۶، ۲۴۹/ الملفوظ، جلد ۲ ص:۱۲۷/ نزھۃ الخواطر، ۱۲۳۴ تا ۱۲۳۵۔

۲۵......الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۲۷،ملخصاً۔

۲۶......مولانا غلام دستگیر قصوری کے حالات: تذکرۂ اکابر اہلِ سنت،ص:۹۶ تا ۹۷/تذکرۂ علمائے اہلِ سنت،ص:۲۰۵ تا ۲۰۶/تذکرۂ علمائے اہلِ سنت و جماعت لاہور،ص:۲۰۰ تا ۲۱۷/ تقدیس الوکیل، مقدمہ/ جہانِ رضا، شمارہ ۴۶، سال ۱۹۹۸ء،ص:۲۶ تا ۴۳/ مرأۃ التصانیف، جلد۱ ص: ۳۰۰/الملفوظ، جلد ۲ ص:۱۳۲، ۱۳۳/الیواقیت المہریۃ، ص:۱۳۹ تا ۱۴۰۔

۲۷......مولانا وصی احمد محدث سورتی [وفات:۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء] کے احوال وآثار پر ان پڑپوتا، قائدِ اعظم اکیڈمی کراچی سے وابستہ محقق خواجہ رضی حیدر بن مولانا قاری حکیم احمد پیلی بھیتی بن مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی بن مولانا وصی احمد محدث سورتی کی اردو تصنیف 'تذکرۂ محدث سورتی' ۱۹۸۱ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔

۲۸......الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۲۷۔

۲۹......مولانا شاہ محمد معصوم مجددی کے حالات: تذکرۂ حضرت محدثِ دکن، ص: ۶۲۵ / علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۵ تا ۴۶، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۱۰۶ / فہرس الفہارس والاثبات، جلد ۱، ص: ۹۰ تا ۹۱، جلد ۲، ص: ۷۵۳ / نزھۃ الخواطر، ص: ۱۳۷۳۔

۳۰......تذکرۂ حضرت محدثِ دکن، ص: ۶۲۵ تا ۶۲۷۔

۳۱......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۵۔

۳۲......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۵۹، ملخصاً۔

۳۳......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۶۔

۳۴......اعلام الحجاز، جلد ۲ ص: ۱۱۰ تا ۱۱۲ / الاعلام، جلد ۳ ص: ۱۸۱، جلد ۴، ص: ۲۰۷۔

۳۵......اعلام الحجاز، جلد ۲، ص: ۱۱۲ تا ۱۱۳ / جلد ۴، ص: ۱۰۸ تا ۱۰۹ / تاریخ مکۃ، ص: ۵۶۸ تا ۵۶۹۔

۳۶......شیبی خاندان کے مشاہیر علما کے حالات: اعلام المکیین، جلد ۱، ص: ۵۸۲ تا ۵۹۵ / الاعلام، جلد ۶، ص: ۱۳۳، ۲۸۷ تا ۲۸۸ / تشنیف الاسماع، ص: ۳۲۲ تا ۳۲۳ / سراج الاخبار، شمارہ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۰۳ء، ص: ۳/ سیر وتراجم، ص: ۱۶۸/ معجم ما الف عن مکۃ، ص: ۳۷/ معجم الشعراء، جلد ۵، ص: ۱۴/ معجم المؤلفین، جلد ۳، ص: ۳۰۸، ۵۳۶ / من رجال الشوریٰ، ص: ۳۸، ۱۰۰ تا ۱۰۲ / نزھۃ الفکر، جلد ۱، ص: ۱۹۰ تا ۱۹۱، جلد ۲، ص: ۶۸، ۸۷ تا ۸۹، ۲۱۰، ۲۲۷ تا ۲۲۸ / الیمامۃ، شمارہ ۲۴/ جنوری ۱۹۹۸ء، ص: ۵۸ تا ۶۰۔

۳۷......شیبی خاندان کی تاریخ پر پانچ عربی کتب لکھی گئیں، جن کے کوائف یہ ہیں: رسالۃ تتعلق بسدانۃ البیت الحرام و سدبتہ و سبب و لا یتھم لذالک، از شیخ محمد بن محمد رعینی حطاب مالکی [وفات: ۸۵۴ھ/ ۱۵۴۷ء] مخطوط مخزونہ مکتبہ مکہ مکرمہ، سنہ کتابت ۹۸۸ھ/ اسھم المصیبۃ لکبد الطاعن فی نسب بنی شیبیۃ، از شیخ محمد بن عبدالعزیز جاراللہ فہد حنفی [وافت: ۹۵۴ھ/ ۱۵۴۷ء] مخطوط مکتبہ عیدروس بن عمر حبشی یمن/ السلسلۃ الذھبیۃ فی الشجرۃ

الحجبية الشيبية، از شیخ عبد الستار صدیقی دہلوی مکی [وفات: ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء] مخطوط مکتبہ حرم مکی/ رسالة تتعلق بآل الشيبي و نسبهم، از شیخ محمد حبیب اللہ، مخطوط مکتبہ مکہ مکرمہ، سنہ کتابت ۱۳۰۷ھ/ رسالة فی تقديم الاكبر من بنی شيبة و فی الرد علی من طعن فی صحة نسبهم، از گمنام مؤلف، مخطوط مکتبہ مکہ مکرمہ سنہ کتابت ۱۳۰۷ھ۔ [معجم ما الف عن مكة، ص: ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۸۰، ۱۸۱]

۳۸......نزهة الفكر، جلد ۲، ص: ۸۷ تا ۸۹۔

۳۹......اعلام المكيين، جلد ا، ص: ۵۸۵ تا ۵۸۶ /تشنیف الاسماع، ص: ۳۲۲ تا ۳۲۳۔

۴۰......سراج الاخبار، شمارہ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۰۳ء، ص: ۳۔

۴۱......شیخ محمد صالح شیبی کے حالات: اعلام الحجاز، جلد ۴، ص: ۱۰۹ / اعلام المكيين، جلد ا، ص: ۵۸۴، ۵۹۱ تا ۵۹۲ / معجم ما الف عن مكة، ص: ۷۳/ معجم مؤلفی مخطوطات مكتبة الحرم، ص: ۳۴۵ / نشر الرياحيين، جلد ۲، ص: ۵۲۰ تا ۵۲۲۔

۴۲......شیخ عبد القادر بن علی شیبی کے حالات: اعلام المكيين، جلد ا، ص: ۵۸۵ / افتائے حرمین کا تازہ عطیہ، ص: ۶ / القول السديد، شمارہ اگست ۱۹۹۳ء، ص: ۴۸۔

۴۳......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۶۔

۴۴......تاریخ مکۃ، ص: ۱۹۱ تا ۱۹۷۔

۴۵......الاعلام، جلد ۲، ص ۲۹۹ تا ۳۰۰ / تاریخ مکۃ، ص: ۶۴۴ تا ۶۴۷۔

۴۶......گورنر سید علی پاشا بن عبد اللہ بن محمد بن عبد المعین عون حسنی، اور شاہِ اردن سید عبد اللہ دوم بن حسین بن طلال بن عبد اللہ اول بن حسین بن علی بن محمد بن عبد المعین عون حسنی۔

۴۷......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۶ / الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۲۸۔

۴۸......مولوی نذیر حسین دہلوی کے حالات: تذکرۂ علمائے ہند، ص: ۵۹۵/علماء العرب فی شبہ، ص: ۸۷۵ تا ۸۷۶ / نزهة الخواطر، ص: ۱۳۹۱ تا ۱۳۹۳۔

۴۹......گورنر حجاز عثمان پاشا نوری کے حالات: اعلام الحجاز، جلد ۳، ص: ۴۴، ۱۰۸ تا ۱۱۲، ۱۲۱ تا ۱۳۰ / تاریخ امراء المدينة المنورہ، ص: ۴۱۲ تا ۴۱۴ / تاریخ مکۃ، ص: ۵۵۱۔

۵۰......مولانا وکیل احمد سکندر پوری کے حالات: تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص:۲۵۶ تا ۲۵۷ / تذکرۂ علمائے ہند، ص:۵۹۷ / علماء العرب فی شبه، ص: ۸۸۳ / مرأة التصانیف، جلد ۱، ص:۳۰۸ / معجم المطبوعات العربیة فی شبه، ص:۵۱۸ تا ۵۱۹ / نزهة الخواطر، ص:۱۴۰۰۔

۵۱......الفقیہ، شمارہ ۵، جولائی ۱۹۱۹ء، ص:۱۱ تا ۱۲۔

۵۲......الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۲۸۔

۵۳......غیوب خمس سے مراد وہ پانچ علوم ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ یعنی قیامت کب آئے گی۔ بارش کب برسے گی۔ حمل میں کیا ہے۔ کل کیا ہوگا۔ موت کہاں آئے گی۔ [پارہ ۲۱ / سورہ، لقمان، آخری آیت]

۵۴......الدولة المکیة، متن کا آخری صفحہ / الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۲۸ تا ۱۳۰۔

۵۵......ان دونوں کے نام تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئے اور پیشِ نظر کتب ان کے حالات و تذکرہ سے خالی ہیں۔ شیخ احمد فقیہ کے بارے میں فقط اتنا معلوم ہے کہ مکہ مکرمہ میں اپنے منفرد افکار کے باعث ان کا گھر سے نکلنا دوبھر ہو گیا۔ آخر بھاگ کر ہندوستان پناہ لی اور کچھ عرصہ بعد یہاں سے مصر کی راہ لی۔ [افتائے حرمین کا تازہ عطیہ، ص:۵ / القول السدید، شمارہ اگست ۱۹۹۳ء، ص:۴۷۔

۵۶......الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۳۰ تا ۱۳۱، ملخصاً۔

۵۷......الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۳۱۔

۵۸......ان ایام میں مولوی انبیٹھوی کے ہم خیال و حلقۂ احباب میں شامل، جو ہندی نژاد علماء مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے، ان میں دو اہم نام یہ ہیں۔ مولوی مظہر حسین انصاری بھوپالی [وفات: ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء] مولوی محمد شفیع الدین نگینوی [وفات: ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء]۔ [اعلام المکیین، جلد ۲، ص:۹۵۸، ۱۰۰۳ / علمائے عرب کے خطوط، ص:۸۶ تا ۸۷ / نشر الدرر، ص:۶۷ تا ۶۸، ۷۶] اور اندازہ ہے کہ یہی حضرات اس ملاقات و رابطہ میں ان کے ساتھ تھے۔

۵۹......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۳۲ تا ۱۳۵ ملخصاً۔

۶۰......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۲۸۔

۶۱......تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص: ۲۳۸، ۲۴۹، ۲۵۰۔

۶۲......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۳۱۔

۶۳......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۳۲۔

۶۴......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۴۰۔

۶۵......شیخ عبد اللہ میرداد شہید [وفات: ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء] کے حالات: الاجازات المتینة، ص: ۳۳، ۴۹ / اعلام المکیین، جلد ۲، ص: ۸۵۵ تا ۸۵۶ / الاعلام الشرقیة، جلد ۲، ص: ۹۰۲ تا ۹۰۳، الاعلام، جلد ۴، ص: ۷۰ / اھل الحجاز، ص: ۲۷۶ / انوارِ قطبِ مدینہ، حاشیہ ص: ۱۵۸ / تاریخ مکة، ص: ۵۸۴ / تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص: ۶۴ تا ۶۶ / تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، حاشیہ ص: ۴۵ / سیر و تراجم، ۱۹۳ تا ۱۹۵ / مختصر نشر النور، ص: ۳۱ تا ۳۲ / معارفِ رضا، شمارہ ۱۹۹۹ء، ص: ۱۹۷ تا ۱۹۸ / شمارہ جولائی ۲۰۰۰ء، ص: ۲۵ تا ۳۰ / شمارہ اگست ۲۰۰۰ء، ص: ۱۸ تا ۲۰ / معجم الادباء، جلد ۴، ص: ۵۰ / معجم ما الف عن مکة، ص: ۲۲۲، ۲۳۶، ۲۸۸ / الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۳۱، ۱۳۷ / نثر الدرر، ص: ۴۳ / نشر الریاحین، جلد ۱، ص: ۲۶۶ تا ۲۶۷ / نظم الدرر، ص: ۱۔

۶۶......الملفوظ، جلد ۰ ۱۳۰ تا ۱۳۱ ملخصاً۔

۶۷......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۳۱۔

۶۸......اعلام المکیین، جلد ۲، ص: ۹۵۸ / تاریخ مکة، ص: ۵۶۹ / من رجال الشوریٰ، ص: ۱۰۷۔

۶۹......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۳۱۔

۷۰......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۵۲۔

۷۱......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۴۷۔

۷۲......الملفوظ، جلد ۲، ص: ۱۵۶ ملخصاً۔

۷۳......علمائے عرب کے خطوط، ص:۴۵ / الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۵۹۔
۷۴......علمائے عرب کے خطوط، ص:۴۲، ۹۴ / الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۵۹ تا ۱۶۰۔
۷۵......شاہ احمد سعید مجددی دہلوی کے حالات: انوارِ قطبِ مدینہ، ص:۴۶ تا ۴۸ / تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص: ۲۲ تا ۲۴ / حدائق الحنفیة، ص: ۴۹۷ / الحدائق الوردیة، ص: ۲۱۹ تا ۲۲۳ / حلیة البشر، جلد ۱، ص:۲۹۹ تا ۳۰۱ / مرأة التصانیف، جلد ۱، ص:۲۹۲ / معجم المطبوعات العربیة المعربة، جلد ۲، ص:۱۶۱۸ / معجم المؤلفین، جلد ۱، ص: ۱۴۴ / نزھة الخواطر، ص:۹۰۶ تا ۹۰۷ / نفائس السانحات، ص:۹۸ تا ۱۱۴۔
۷۶......شاہ محمد مظہر مجددی دہلوی کے حالات: علمائے عرب کے خطوط، ص: ۷۴ تا ۷۵ / فھرس الفھارس والاثبات، جلد ۲، ص: ۶۱۷ / مرأة التصانیف، جلد ۱، ص: ۲۱۴ تا ۲۲۹ / معجم المطبوعات العربیة فی شبه، ص:۴۵۹ / نزھة الخواطر، ص:۱۳۷۲ / نفائس السانحات، ص:۱۱۴ تا ۱۳۱۔
۷۷......فھرس الفھارس والاثبات، جلد ۲، ص:۶۱۷۔
۷۸......الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۵۵۔
۷۹......الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۵۸ تا ۱۵۹۔
۸۰......الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۵۵۔
۸۱......شیخ سید احمد برزنجی کے حالات: اعلام من ارض النبوة، جلد ۱، ص: ۱۰۹ تا ۱۱۰ / الاعلام، جلد ۱، ص: ۹۹ / تایخ علماء دمشق، جلد ۱، ص:۳۴۴ / الرحلة السامیة، ص: ۲۰۶ تا ۲۰۸ / علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۱ تا ۴۵ / فھرست المخطوطات دار الکتب المصریة، جلد ۳، ص: ۱۱۱ / فھرس الفھارس والاثبات، جلد ۲، ص: ۶۱۷ / فھرس المخطوطات دار الکتب الظاھریة، تصوف، جلد ۱، ص: ۱۱۱ تا ۱۱۲ / المدھش المطرب، ص: ۸۴ تا ۸۸ / معجم الادباء، جلد ۱، ص: ۱۰۸ / معجم المطبوعات العربیة فی المکة، جلد ۱، ص: ۲۶۳ / معجم المطبوعات عربیة والمعربة، جلد ۱، ص: ۵۴۷ تا ۵۴۸ / معجم المؤلفین، جلد ۱، ص: ۱۰۴ / الملفوظ، جلد ۲، ص:۱۵۶۔

۸۲......شیخ سید محمد بن عبد الرسول برزنجی کے حالات: الاعلام، جلد ۶، ص: ۲۰۳ تا ۲۰۴ / تراجم اعیان، ص: ۱۱۶ / دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، جلد ۱۱، ص: ۴۰۷ تا ۴۰۵ / سلک الدرر، جلد ۴، ص: ۸۷ تا ۹۷ / ضیائے حرم، شمارہ ستمبر ۲۰۰۱ء، ص: ۴۴ تا ۴۷ / فهرست المخطوطات دار الکتب المصریة، مصطلح، جلد ۱، ص: ۱۱۸ / فهرست المخطوطات الحدیث الشریف، ۱۴۳۱، ص: ۵۰۸ تا ۵۰۹ / فهرس المخطوطات دار الکتب الظاهریة، تصوف، جلد ۱، ص: ۲۲۳، ۳۰۷ تا ۳۰۸ / فهرس المخطوطات العربیة فی مکتبة الاوقاف، جلد ۲، ص: ۳۰۹ تا ۳۱۰، ۴۳۳ / فهرس مخطوطات مکتبة الاحقاف، ص: ۳۰۵ تا ۳۰۶ / ۳۰۷ تا ۳۰۸، ۴۶۸ تا ۴۶۹ / فهرس مخطوطات مکتبة مکة المکرمة، ص: ۲۱۱ / معجم المطبوعات العربیة و المعربة، جلد ۱، ص: ۵۴۹ تا ۵۵۰ / معجم مؤلفی مخطوطات مکتبة الحرم، ص: ۱۹۲ / معجم المؤلفین، جلد ۳، ص: ۵۴۹ تا ۵۵۰۔

۸۳......شیخ سید محمد زکی برزنجی کے حالات: اعلام المکیین، جلد ۱، ص: ۲۸۳ تا ۲۸۴ / اعلام من ارض النبوة، جلد ۱، ص: ۱۰۵ تا ۱۱۹ / تشنیف الاسماع، ص: ۲۲۷ تا ۲۲۹ / الدلیل المشیر، ص: ۱۰۲ تا ۱۰۶ / طیبة و ذکریات الاحبة، جلد ۱، ص: ۶۸ تا ۶۹ / علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۵، ۸۶، ۹۴۔

۸۴......شیخ سید عبد الکریم برزنجی شہید کے حالات: اعلام الحجاز، جلد ۲، ص: ۲۳۳ تا ۲۳۴ / جلد ۳ ص: ۱۸۰ تا ۱۸۴ / تراجم اعیان، ص: ۱۱۷ / الدلیل المشیر، ص: ۱۰۵ / نزهة الفکر، جلد ۲، ص: ۱۸۰۔

۸۵......شیخ سید حسن برزنجی کے حالات: تراجم اعیان، ص: ۱۱۸ / معجم ما الف عن مکة، ص: ۲۸۴۔

۸۷......شیخ سید جعفر بن حسن برزنجی کے حالات: الاعلام، جلد ۲، ص: ۱۲۳ / تراجم اعیان، ص: ۱۲۰ / سلک الدرر، جلد ۲، ص: ۱۳ / طیبة و ذکریات الاحبة، جلد ۱، ص: ۴۸ تا ۴۹ / معجم المطبوعات العربیة فی شبه، ص: ۵۷ تا ۵۸ / معجم المطبوعات العربیة

والمعربة، جلد۱،ص:۵۴۹ /معجم مؤلفی مخطوطات مکتبة الحرم،ص:۱۹۱/معجم المؤلفین، جلد۱،ص:۴۹۰ /نزھه الفکر، جلد۱،ص:۲۴۷ تا۲۵۱ /نعت،شمارہ ستمبر ۱۹۹۱ء، ص:۲۰ تا۳۹ /نورالحبیب،شمارہ اگست،ستمبر ۱۹۹۳ء،ص:۹۹ تا ۱۰۰۔

۸۸......شیخ سید علی برزنجی کے حالات: تراجم اعیان،ص:۸۷،۱۲۰ / فھرس مخطوطات دار الکتب الظاھریة، جلد۲،ص: ۵۲۱ / معجم ما الف عن مکة،ص: ۲۹۰/ معجم المطبوعات العربیة فی شبه، ص: ۵۸، ۵۰۶، ۵۳۱ / معجم المؤلفین، جلد۲،ص: ۴۲۱۔

۸۹......شیخ سید زین العابدین برزنجی کے حالات: الاعلام، جلد ۳،ص: ۶۵ / تراجم اعیان، ص:۱۱۹/معجم الادباء، جلد ۲،ص:۴۴۰/معجم مؤلفی مخطوطات مکتبة الحرم، ص: ۱۹۲ / نعت،شمارہ اگست ۲۰۰۲ء،ص:۳۱ تا ۶۸ / نورالحبیب،شمارہ اگست، ستمبر ۱۹۹۳ء،ص:۱۰۱ تا ۱۰۲۔

۹۰......شیخ سید جعفر بن اسماعیل برزنجی کے حالات: اعلام من ارض النبوة، جلد۱،ص:۱۱۱ تا ۱۱۳/معجم الادباء، جلد۲،ص:۲۶/معجم الشعراء، جلد۱،ص:۴۰۱ تا۴۰۲/معجم ما الف عن مکة، ص:۲۲۷/ معجم المطبوعات العربیة والمعربة، جلد۱،ص:۵۴۸/ معجم المؤلفین، جلد۱،ص:۴۸۸ تا۴۸۹ / نشر المآثر،ص:۲۸ تا۲۹ / نزھة الفکر، جلد۱،ص:۲۵۲ تا۲۵۵ /نورالحبیب،شمارہ اگست،ستمبر ۱۹۹۳ء،ص:۱۰۰۔

۹۱......علمائے عرب کے خطوط،ص:۴۲ / القول السدید،شمارہ اگست ۱۹۹۳ء،ص:۴۵ تا۴۶ / الملفوظ،جلد۲،ص:۱۵۹ تا۱۶۰۔

۹۲......شیخ عبدالقادر بن توفیق شلبی طرابلسی کے حالات: اعلام العلم والادب،ص:۲۶۰ تا ۲۶۶ / اعلام من ارض النبوة، جلد۱،ص: ۱۳۹ تا ۱۴۸/ الاعلام، جلد ۴،ص: ۳۸/ تشنیف الاسماع، ص: ۳۱۷ تا ۳۱۸/ الدلیل المشیر، ص:۱۸۴ تا ۱۸۹/ الرحلة السامیة، ص:۲۲۲ تا۲۲۵ /ضیائے حرم،شمارہ اپریل ۲۰۰۳ء،ص:۴۹/طیبة وذکریات الاحبة، جلد۱،ص:۱۶۲ /علمائے عرب کے خطوط،ص:۴۱،۶۳/المدینة المنورة فی القرن

الرابع عشر الهجری، ۲۱۲ تا ۲۱۳/ معجم الشعراء، جلد ۳ ص: ۲۰۳/ معجم المطبوعات العربیة فی المملکة، جلد۱،ص: ۲۰۴/ معجم المؤلفین، جلد ۲،ص: ۱۸۶ / الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۵۶ / المنھل،شمارہ دسمبر ۱۹۸۸ء،ص:۵۵ تا ۵۶۔

۹۳......اعلام الحجاز،جلد ۴،ص:۱۷ تا ۱۸۔

۹۴......المنھل،شمارہ دسمبر ۱۹۸۸ء،ص:۵۸۔

۹۵......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۱۔

۹۶......علمائے عرب کے خطوط،ص:۴۰۔

۹۷......علمائے عرب کے خطوط،ص:۴۰،۴۶۔

۹۸......علمائے عرب کے خطوط،ص:۶۲ تا ۶۳،۷۱۔

۹۹......الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۵۵۔

۱۰۰...........علمائے عرب کے خطوط،ص:۱۰۶۔

۱۰۱......ابوالرجاء مولانا غلام رسول قادری کے حالات: سندھ کے اکابرین قادریہ،ص: ۳۹۳ تا ۴۱۶ / ......علمائے عرب کے خطوط،ص:۱۱۰ /محراب ومنبر،شمارہ اکتوبر دسمبر ۱۹۹۱ء،کل صفحات ۱۲۰۔

۱۰۲...........علمائے عرب کے خطوط،ص:۸۲، ۸۳، ۸۴، ۹۲، ۱۰۴۔

۱۰۳......الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۵۵۔

۱۰۴......علمائے عرب کے خطوط،ص:۷۷۔

۱۰۵......علمائے عرب کے خطوط،ص:۱۱۵۔

۱۰۶......علمائے عرب کے خطوط،ص: ۷۴،۷۵،۱۰۲۔

۱۰۷......علمائے عرب کے خطوط،ص: ۷۴۔

۱۰۸......علمائے عرب کے خطوط،ص:۷۵،۷۶،۱۰۲۔

۱۰۹......الملفوظ،جلد ۲،ص:۱۴۷ تا ۱۵۱۔

۱۱۰......مولانا محمد اعظم حسین خیرآبادی کے حالات:**الاسناد الاعظم، کل صفحات:۴۰** / انوارِ

قطبِ مدینہ،ص: ۴۲ تا ۴۴ / تذکرۂ علمائے اہلِ سنت،ص:۱۵، ۳۴ تا ۳۶، ۱۹۲ / علمائے عرب کے خطوط،ص:۷۹ تا ۸۰ / نزہۃ الخواطر،ص:۱۱۹۰۔

۱۱۱......علمائے عرب کے خطوط،ص:۷۹ تا ۸۰۔

۱۱۲......مولانا عبد الباقی لکھنوی کے حالات: اعلام من ارض النبوۃ، جلد۱،ص: ۱۹۷ تا ۲۰۳ / انوارِ قطبِ مدینہ،ص:۵۱، ۱۶۴، ۱۶۵ / تذکرۂ علمائے اہلِ سنت،ص: ۱۷۳ تا ۱۷۴ / الدلیل المشیر، ص: ۱۱۸ تا ۱۴۷ / ضیائے مہر،ص: ۱۳۸، ۱۴۱، ۲۸۴ / علماء العرب فی شبہ، ص: ۵۷۵ / علمائے عرب کے خطوط،ص: ۷۰، ۹۶، ۹۷ / مرأۃ التصانیف، جلد۱،ص: ۹۵، ۱۱۶، ۱۲۴، ۲۰۷ / معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ، ص: ۳۹۸ / معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ، جلد۲،ص: ۱۵۹۷ / معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم، ص: ۴۳۶ / نزہۃ الخواطر،ص: ۱۲۶۰۔

۱۱۴......مولانا قاضی محمد نور چکوڑوی کے حالات: تذکرۂ علمائے اہلِ سنت چکوال،ص: ۱۱۸ تا ۱۲۲ / علمائے عرب کے خطوط،ص: ۱۱۰ تا ۱۱۲۔

۱۱۵...........علمائے عرب کے خطوط،ص: ۴۷، ۸۳، ۹۵، ۱۰۶۔

۱۱۶......مولانا ضیاء الدین قادری کے حالات: انوارِ قطبِ مدینہ، کل صفحات: ۴۸۰ / تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت،ص: ۱۴۰ تا ۱۴۳ / تذکرۂ علمائے اہلِ سنت،ص: ۱۰۷ تا ۱۰۸ / الدعوۃ شمارہ نومبر ۱۸۱،ص: ۱، ۶ / شیخ المشائخ الامام الاجل ضیاء الدین احمد المدنی، کل صفحات: ۸ / قطبِ مدینہ، از خلیل احمد رانا، کل صفحات: ۴۸ / قطبِ مدینہ، از محمد طاہر رضا، کل صفحات: ۹۶ / ماہِ طیبہ، شمارہ ستمبر ۱۹۶۰ء،ص: ۴۵ تا ۴۸۔

۱۱۷......الملفوظ، جلد۲،ص: ۱۳۵ تا ۱۳۶، ۱۵۹۔

۱۱۸......علمائے عرب کے خطوط،ص: ۱۰۹۔

۱۱۹......علمائے عرب کے خطوط،ص: ۴۷۔

۱۲۰......علمائے عرب کے خطوط،ص: ۸۴۔

۱۲۱......مولوی حسین احمد فیض آبادی کے حالات: اعلام الحجاز، جلد۴،ص: ۱۲ تا ۱۳ /

اعلام من ارض النبوۃ، جلد ۲ ص: ۴۵ تا ۴۹/ تشنیف الاسماع، ص: ۱۷۰ تا ۱۷۱/ طیبۃ وذکریات الاحبۃ، جلد ۱، ص: ۶۷/ نزہۃ الخواطر، ص: ۱۲۱۴ تا ۱۲۱۶۔

۱۲۲......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۴۔

۱۲۳......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۵۲، ۶۴، ۷۰، ۲۷ تا ۳۷، ۸۳ تا ۸۴۔

۱۲۴......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۲۔

۱۲۵......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۰، ۴۱ تا ۴۲۔

۱۲۶......تمہید ایمان، برقی پریس کان پور میں ۱۳۲۶ھ کو طبع ہوئی۔ [مرأۃ التصانیف، جلد ۱، ص: ۹۱۔]

۱۲۷......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۴۵ تا ۴۶۔

۱۲۸......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۸، ۸۹، ۹۲، ۱۰۶۔

۱۲۹......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۲، ۸۳، ۸۷، ۸۸، ۹۲، ۹۳، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۱۰۴، ۱۰۶۔

۱۳۰......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۷۔

۱۳۱......مولوی محمود احمد فیض آبادی کے حالات: اعلام الحجاز، جلد ۴، ص: ۲۱۳ تا ۲۱۸/ علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۱۔

۱۳۲......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۸، ۸۹۔

۱۳۳......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۹۵۔

۱۳۴......سلطان محمد رشاد پنجم کے حالات: اعلام الشرقیۃ، جلد ۱، ص: ۴۰ تا ۴۱/ تاریخ مکۃ، ص: ۵۵۹، ۵۶۱۔

۱۳۵......گورنر بصری پاشا کے حالات: تاریخ امراء المدینۃ المنورۃ، ص: ۴۲۲ تا ۴۲۳/ علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۵۔

۱۳۶......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۸۴ تا ۸۶۔

۱۳۷......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۹۰۔

۱۳۸......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۳،۹۴۔

۱۳۹......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۵۔

۱۴۰......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۵۔

۱۴۱......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۶۔

۱۴۲......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۴۔

۱۴۳......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۳۔

۱۴۴......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۷۔

۱۴۵......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۶ تا ۹۷۔

۱۴۶......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۸۔

۱۴۷......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۴؍۹۵۔

۱۴۸......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۸۔

۱۴۹......علمائے عرب کے خطوط،ص:۱۰۶ تا ۱۰۷۔

۱۵۰......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۵۔

۱۵۱......علمائے عرب کے خطوط،ص:۱۰۲،۱۰۶۔

۱۵۲......علمائے عرب کے خطوط،ص:۱۰۳۔

۱۵۳......علمائے عرب کے خطوط،ص:۱۰۵۔

۱۵۴......علمائے عرب کے خطوط،ص:۹۵۔

۱۵۵......علمائے عرب کے خطوط،ص:۱۰۱۔

۱۵۶......علمائے عرب کے خطوط،ص:۸۱۔

۱۵۷......علمائے عرب کے خطوط،ص:۸۶۔

۱۵۸......المنہل،شمارہ دسمبر ۱۹۸۸ء،ص:۱۴۹۔

۱۵۹......مملکتِ ہاشمیہ حجاز کے بانی شاہ حسین کے حالات: اشراف مكة المكرمة، ص: ۲۲۸ تا۲۳۳/ الاعلام الشرقية، جلد۱،ص:۲۲ تا۲۳ / الاعلام، جلد۲،ص: ۲۴۹ تا

۲۵۰/تاریخ مکۃ، ص:۵۶۱ تا ۵۶۲، ۵۹۷ تا ۶۷۹۔

۱۶۰......علمائے عرب کے خطوط، ص:۸۶۔

۱۶۱......شیخ عمر کردی کے حالات: اعلام من ارض النبوۃ، جلد ۲، ص:۱۴۷ تا ۱۶۲/نموذج من اعمال الخیریۃ، ص:۴۳۵۔

۱۶۲......اعلام من ارض النبوۃ، جلد ۲، ص:۱۵۰/القول الجلی، ص:۱۵۴ تا ۱۵۶۔

۱۶۳......شیخ سید مامون بری کے حالات پیشِ نظر کتب میں درج نہیں۔ البتہ حسبِ ذیل میں آپ کا ذکر ملتا ہے: الاجازات المتینۃ، ص:۱۷ تا ۱۸، ۲۲ تا ۲۳/الامام احمد رضا خان والعالم العربی، ص:۱۰۶/اعلام من ارض النبوۃ، جلد ۲، ص:۱۵۱/تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص:۶۷ تا ۹۷/ طیبۃ و ذکریات الاحبۃ، جلد ۱، ص:۱۲۹/علمائے عرب کے خطوط، ص:۳۸ تا ۴۰، ۴۵، ۴۶، ۸۶۔

۱۶۴......علمائے عرب کے خطوط، ص:۴۴ تا ۴۵، ۱۰۱۔

۱۶۵......مولانا حامد رضا خان بریلوی کے حالات: الامام احمد رضا خان و اثرہ، ص:۲۲ تا ۲۳/تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص:۲۳۴ تا ۲۵۴/تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص:۸۰ تا ۸۲، ضیائے حرم، شمارہ اگست ۱۹۹۷ء ص:۶۰ تا ۶۱/مرأۃ التصانیف، جلد ۱، ص:۱۷، ۸۰، ۸۹، ۹۹، ۱۶۵/المظہر، شمارہ جولائی، اگست ۲۰۰۲ء ص:۹/الملفوظ، جلد ۲، ص:۸۱۲/نموذج من اعمال الخیریۃ، ص:۶۹۴۔

۱۶۶......پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کے حالات: تذکرۂ علمائے اہلِ سنت و جماعت لاہور، ص:۴۲۹ تا ۴۴۳/مرأۃ التصانیف، جلد ۱، ص: ۴۱، ۸۹، ۹۰، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۲۰۱، ۲۳۵۔

۱۶۷......معجم مؤلفی مخطوطات مکتبۃ الحرم، ص:۲۵۴۔

۱۶۸......علمائے عرب کے خطوط، ص:۴۱، ۴۶۔

۱۶۹......علمائے عرب کے خطوط، ص:۶۱، ۶۲۔

۱۷۰......شیخ ابوبکر محمد بن علی حاتمی طائی المعروف بہ شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء] اسپین کے شہر ’مرسیہ‘ میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں وفات پائی۔

جہان آپ کا مزار مشہور و معروف ہے۔ اسلامی تاریخ کی منفرد علمی شخصیت، جمیع علوم کے ماہر، فلسفی اسلام، شاعر، عارف باللہ و امام الصوفیہ، مالکی عالم، کثیر التصانیف، جن میں 'الفتوحات المکیۃ' اور 'فصوص الحکم' کو شہرتِ دوام ملی۔ ان دنوں آپ کے احوال و آثار پر عربی وانگریزی وفرنچ زبانوں میں بھرپور کام ہو رہا ہے۔

ملک شام اور برطانیہ میں اس غرض سے دو مستقل ادارے قائم ہیں اور بغداد یونیورسٹی سے ڈاکٹر عبد المنعم عزیز جبوری نے 'ابن عربی شاعراً' کے نام سے مقالہ لکھ کر ۱۹۹۳ء میں ایم، فل اور مہا فاروق ھنداوی نے 'ادب المعراج عند ابن عربی' کے عنوان پر ایم، فل کیا۔ ادھر سوربون یونیورسٹی، پیرس، فرانس سے ڈاکٹر عثمان یحیٰ حلبی ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء] (اتمام الاعلام: ص: ۱۸۲) نے آپ پر فرنچ زبان میں پی، ایچ، ڈی کی۔ عالمِ اسلام کے مؤقر تعلیمی ادارہ ازہر یونی ورسٹی قاہرہ کے موجودہ صدر پروفیسر ڈاکٹر شیخ احمد محمد طیب حفظہ اللہ تعالیٰ [ولادت: ۱۹۴۱ء] کلام ابن عربی کے خاص ماہرین میں ہیں اور آپ پر متعدد کتب تصنیف و ترجمہ کر چکے ہیں۔ جیسا کہ 'الفتوحات المکیۃ' پر تحقیق انجام دے کر شائع کرائی۔ نیز ڈاکٹر عثمان یحیٰ کے مقالہ ڈاکٹریٹ کا فرنچ سے عربی ترجمہ کیا۔ جو 'مؤلفات ابن عربی: تاریخھا و تصنیفھا' کے نام سے مطبوع ہے۔ اس کتاب میں ابن عربی کی ۹۹۴/ رسائل و کتب کے نام، ان کے مخطوطات، نیز اشاعت اور حواشی و شروح و تراجم کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ قبل ازیں 'الذخائر الشرقیۃ' میں آپ کی ۵۲۷/ تصنیفات کے بارے میں مختصر معلومات دی گئی تھیں۔ ان دنوں پیرس میں مقیم مراکش کے محقق مولائی طیب بیتی علوی حفظہ اللہ تعالیٰ بھی ابن عربی کے اہم ماہرین میں سے ہیں۔

مولانا عبد الغنی پھلواری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء] نے 'الفتوحات المکیۃ' کی ادق عبارات کے حل میں کتاب 'مواطن التنزیل' لکھی اور مولانا محمد برکت اللہ لکھوی فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 'فصوص الحکم' کا اردو ترجمہ کیا۔ جب کہ خانقاہِ چشتیہ گولڑا کے سجادہ نشین و عالمِ جلیل مولانا پیر سید مہر علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء] کلام ابن عربی کے اہم شارح تھے۔ [الذخائر الشرقیۃ، جلد ۶، ص: ۱۶۱ تا ۲۱۵/

مرأۃ التصانیف، جلد ا،ص:۱۰۹، ۱۱۱، ۱۲۴/معجم المؤلفین و الکتاب العراقیین، جلد ۵،ص:۱۹۲،جلد ۷،ص: ۳۷۴ / مؤلفات ابن عربی، کل صفحات:۷۳۶]

۱۷۱......شیخ محمد بن عمر قریشی المعروف بہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [وفات: ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء] رے میں پیدا ہوئے۔ ہرات میں وفات پائی۔ اسلامی تاریخ کی جلیل القدر شخصیت، شیخ الاسلام، افضل المتاخرین، سید الحکماء المحدثین، فلسفی اسلام، عقلی و نقلی علوم کے عظیم ماہر، فقیہ شافعی، مفسر، صوفی کامل، شاعر، کثیر التصانیف، جن میں آپ کی ضخیم عربی تفسیر قرآن مجید 'مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر' کو لازوال شہرت و قبولیت ملی۔

عرب جامعات میں اس تفسیر پر بھرپور کام ہوا اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ جیسا کہ بغداد یونی ورسٹی سے ڈاکٹر ماہر مہدی ہلال [ولادت:۱۹۴۵ء] نے 'فخر الدین رازی بلاغیاً' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ۱۹۷۵ء میں ایم۔فل کیا۔ جسے وزارت ثقافت و اطلاعات بغداد نے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا اور ڈاکٹر عبد الرسول سلیمان ابراہیم زیدی نے 'البحث اللغوی عند فخر الدین الرازی' کے نام سے مقالہ پر ۱۹۸۷ء میں پی، ایچ، ڈی کی اور احمد جمعی محمود حسینی نے 'العلل التعبیر عند الرازی فی التفسیر الکبیر' نامی مقالہ پر ۱۹۹۹ء میں ایم۔فل کیا۔

ادھر قاہرہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر محسن عبد الحمید نے 'الرازی مفسراً' کے عنوان سے مقالہ پر ۱۹۷۲ء میں پی، ایچ، ڈی کی۔ جو اسی برس قاہرہ سے اور ۱۹۷۴ء میں بغداد سے شائع ہوا اور ازہر یونیورسٹی قاہرہ سے ڈاکٹر احمد ھنداوی ہلال نے 'المباحث البیانیة فی تفسیر الفخر الرازی دراسة بلاغیة تفصیلیة' نامی مقالہ پر ۱۹۸۹ء میں پی، ایچ، ڈی کی۔ جو ۱۹۹۹ء میں قاہرہ ہی سے شائع ہوا۔

عرب دنیا کے اخبارات و رسائل میں بھی اس تفسیر کا چرچا رہتا ہے۔ جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر شیخ عبد المجید ہاشم حسینی ازہری رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون 'من امھات الکتب، مفاتیح الغیب المشتھر بالتفسیر الرازی' کویت کے روزنامہ 'الوطن' میں شائع ہوا۔

امرتسر سے شائع ہونے والے دو رسائل 'اہلِ فقہ' اور 'الفقیہ' سے معلوم ہوتا ہے کہ 'تفسیر کبیر' کی پہلی جلد کا اردو ترجمہ بیسویں صدی عیسویں کے پہلے عشرہ کے اختتام پر ۵۳۶ رصفحات پر شائع

ہوا۔ جب کہ جدید اردو ترجمہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری و مفتی محمد خان قادری حفظہما اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں۔ جو ماہنامہ اہلِ سنت، سوئے حجاز، النظامیہ، وغیرہ رسائل میں قسط وار شائع ہو رہا ہے۔ [اہلِ سنت، شمارہ مئی ۲۰۰۲ء ص: ۴ تا ۸ / اہلِ فقہ، شمارہ، ۶ر مئی ۱۹۱۲ء، ص: ۱۰ / سوئے حجاز، شمارہ دسمبر ۲۰۰۱ء، ص: ۷ تا ۲۶ / الفقیہ، شمارہ ۵، جولائی ۱۹۱۸ء، ص: ۱۶/ المباحث البیانیة، کل صفحات: ۷۴۳/ معجم المؤلفین و الکتاب العراقیین، جلد ۱، ص: ۱۲۳ / جلد ۵، ص: ۳۶، ۷۴ تا ۷۵ / النظامیہ، شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۱ء، ص: ۱۲ تا ۱۵ / الوطن، شمارہ ۱۸ر نومبر ۱۹۸۸ء، ص: ۵]

۱۷۲......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۶۶ تا ۷۰۔

۱۷۳......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۵۱۔

۱۷۴......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۵۱، ۵۲۔

۱۷۵......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۵۹۔

۱۷۶......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۷۲، ۷۳۔

۱۷۸......علمائے عرب کے خطوط، ص: ۱۰۸۔

۱۷۹......القول السدید، شمارہ اگست ۱۹۹۳ء، ص: ۴۳ تا ۷۶۔

۱۸۰......حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے حالات عربی کتب میں: اعلام المکیین، جلد ۲، ص: ۷۰۸ / علماء العرب فی شبه، ص: ۲۸۷ تا ۲۹۷ / مختصر نشر النور، ص: ۱۳۴ / معجم المطبوعات العربیة فی شبه، ص: ۴۳ / نزهة الخواطر، ص: ۱۱۹۴ تا ۱۱۹۵ / نظم الدرر، ص: ۱۶۸۔

۱۸۱......افتائے حرمین کا تازہ عطیہ، ص: ۲۶ تا ۲۷ / القول السدید، شمارہ اگست ۱۹۹۳ء، ص: ۷۳ تا ۷۴۔

۱۸۲......ضیاء الامت ویب سائٹ کا پتا: www.ziaulummat.com

۱۸۳......مولانا امجد علی اعظمی کے حالات: الامام احمد رضا خان و اثرہ، ص: ۱۲۶ تا ۱۲۸ / تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص: ۲۰۱ تا ۲۱۰ / تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص: ۵۱ تا ۵۴ /

حیات صدر الشریعہ کل صفحات/ ضیائے حرم، شمارہ اگست ۱۹۹۷ء، ص: ٦١ تا ٦٦ / مرأة التصانیف، جلدا، ص: ۳۲، ۵۸، ۷۴/ نموذج من اعمال الخیریة، ص ٤٦٩/ الیواقیت المھریة، ص: ۷۹ تا ۸۳۔

۱۸۴......حیاتِ صدرالشریعہ، ص: ۳۴۔

۱۸۵......الدراسات الاسلامیة، شمارہ جولائی ستمبر ۲۰۰۰ء، ص: ۲۵٦ تا ۲۵۷۔

۱۸٦......مولانا مصطفی رضا خان بریلوی کے حالات: تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص: ۲۸۴ تا ۲۹۸ / تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، ص: ۲۲۲ تا ۲۲۴ / مرأة التصانیف، جلدا، ص: ۷۵، ۲۴۴، ۲٦۲، ۲٦۴، ۲٦٦۔

۱۸۷......مولانا شفیع محمد قادری کے حالات: اعلیٰ حضرت، شمارہ مئی ۲۰۰۵ء، ص: ۹۹ تا ۱۰۰ / معارفِ رضا، شمارہ اپریل ۲۰۰۲ء، ص: ۹ / شمارہ فروری ۲۰۰۵ء، ص: ٦ تا ۷۔

۱۸۸......شیخ حسین حلمی ایشیق کے حالات: اتحاف اھل الزمان، حاشیہ، ص: ۱۷۔

۱۸۹......مکتبہ دار الحقیقہ استنبول کا پتا: hakikat kitabevi darussse faka cad.no:57p.k.3534262.fatihastanbulturkey.

۱۹۰......ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی کے حالات پر علامہ محمد عبدالستار طاہر کی متعدد مستقل کتب شائع ہو چکی ہیں۔ نیز ہندوستان میں مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی کٹیہاری نے بہار یونیورسٹی مظفر پور میں آپ پر مقالہ لکھ کر ۱۹۹۷ء میں پی، ایچ، ڈی کی۔ جسے ضیاء الاسلام پبلی کیشنز کراچی نے ۲۰۰۱ء میں 'پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: حیات، علمی اور ادبی خدمات' کے نام سے کتابی صورت میں ۹۲۸ رصفحات پر شائع کیا۔

۱۹۱......علمائے عرب کے خطوط، ص: ٦۵۔

۱۹۲......مولانا مفتی عبد القیوم ہزاروی کے حالات: اعلیٰ حضرت، شمارہ اگست ۲۰۰۴ء، ص: ۴۱ تا ۴۸ / افکارِ رضا، شمارہ اکتوبر دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۵۹ تا ٦۲ / تذکرۂ علمائے اہلِ وجماعت لاہور، حاشیہ، ص: ۴۰۰ / ضیائے حرم، شمارہ ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۸، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص: ۸۹ تا ۹۴ / شمارہ دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵ / مرأة التصانیف، جلدا، ص: ۹۱ / النظامیہ، شمارہ

ستمبر اکتوبر ۲۰۰۳ء، 'مفتی اعظم نمبر کل صفحات: ۴۱۶/نور الحبیب، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص:۵ تا۷، ۵۵ تا۵۹۔

۱۹۳......مولانا ابو داؤد صادق کے حالات: تذکرۂ علمائے اہلِ سنت و جماعت لاہور، حاشیہ، ص:۴۱۶ تا۴۱۷/مرأة التصنیف، جلد ا ص:۳۰۵۔

۱۹۴...الدولة المکیة، مکتبہ نبویہ اڈیشن، ص:۲۵۔

۱۹۵......علمائے عرب کے خطوط، ص:۴۰، ۷۵۔

۱۹۶......علمائے عرب کے خطوط، ص:۴۷۔

۱۹۷......علمائے عرب کے خطوط، ص:۱۱۱۔

۱۹۸......فاضلِ بریلوی: علمائے حجاز کی نظر میں، ص:۱۱۲۔

۱۹۹......معارفِ رضا، شمارہ ۱۹۸۶ء، ص:۹۹ تا ۱۰۷۔

۲۰۰......الامام احمد رضا خان و العالم العربی، ص:۱۰۳۔

۲۰۱......الامام احمد رضا خان و العالم العربی، ص:۱۰۳۔

۲۰۲......الدراسة الاسلامیة، شمارہ جولائی، ستمبر ۲۰۰ء، ص:۲۵۶۔

۲۰۳......البیان، شمارہ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ ص:۹۰ تا ۹۲۔

۲۰۴......معارفِ رضا، شمارہ ۱۹۹۴ء ص:۱۵ تا ۲۰۔

۲۰۵......علمائے عرب کے خطوط، ص:۱۱۳ تا ۱۱۶۔

۲۰۶......الامام احمد رضا خان و العالم العربی، ص:۱۹۵ تا ۱۹۸۔

☆......☆......☆

امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی کی قلمی خدمات

پیش کش: شاہ محمد ریان رضا، بمبئی

☆ **مطبوعات:**

۱ مسلکِ مختار، صفحات: ۳۲ / مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ، ۱۹۹۳ء

۲ آئینۂ امام احمد رضا، صفحات: ۱۵۰، مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۳ء

۳ فضائلِ رمضان وتلاوت، صفحات: ۳۲ / مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۴ء

۴ اجالا، (ہندی) صفحات: ۴۸ / مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۴ء

۵ کلیاتِ مکاتیبِ رضا، (دوجلدیں) صفحات: ۸۰۰ / مطبوعہ ہندو پاک ۲۰۰۵ء

۶ پروازِ خیال، (فکر انگیز انشائیہ) صفحات: ۸۰ / مطبوعہ ہندو پاک، ۲۰۰۵ء و ۲۰۱۱ء

۷ حیاتِ رضا کی نئی جہتیں، (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۲۰۰ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۷ء

۸ خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، (دریافت و ترتیب) دو جلدیں، صفحات: ۱۲۲۴ / مطبوعہ بمبئی، ۲۰۰۷ء

۹ امام احمد رضا: خطوط کے آئینے میں، صفحات: ۴۷۰ / مطبوعہ بمبئی، ۲۰۰۸ء

۱۰ آئینۂ حیاتِ قادری، صفحات: ۴۸ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۸ء

۱۱ بولتی تصویریں، (واردات قلب، انشائیہ) صفحات: ۱۴۰ / مطبوعہ، مرادآباد و بمبئی، ۲۰۰۹ء

۱۲ تین تاریخی بحثیں، (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۱۴۴ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۹ء

۱۳ مجموعۂ مقالاتِ جہانِ ملک العلما، (تحقیق وترتیب) صفحات: ۱۲۰۰ / مطبوعہ، بمبئی ۲۰۰۹ء

۱۴ انتخابِ کلام عاطفؔ [شاعری: تریب وتقدیم] صفحات ۲۰۰، مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۹ء

۱۵ کلیاتِ عاطفؔ (شاعری: ترتیب وتقدیم) صفحات: ۶۷۴ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۰ء

۱۶ کاملانِ پورنیہ، سوانحی تذکرہ (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۹۶۴ / مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۰ء

۱۷ لمعاتِ ولی، (ترتیب وتقدیم) صفحات: ۲۴۰، مطبوعہ، باسنی، ناگور شریف، ۲۰۱۰ء

۱۸ امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، (ترتیب وتقدیم) صفحات: ۱۹۲ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۱ء

۱۹ سفر خوشبو دیش کا، (سفر نامہ) تحقیق و تصنیف، صفحات: ۱۴۴ ر مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۱ء
۲۰ فردوسِ شفاعت، (شاعری: ترتیب و تقدیم) صفحات: ۳۶۰ ر مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۱ء
۲۱ تحقیقاتِ امام علم و فن، (دریافت و ترتیب) صفحات: ۲۷۴ ر مطبوعہ، بریلی شریف ۲۰۱۲ء
۲۲ فکرِ رضا کے نقشہائے رنگ رنگ، (مقالاتِ سیمینار) صفحات: ۳۰۴ ر مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۲ء
۲۳ سیمانچل: آج اور کل، (تحقیق و تجزیہ) صفحات: ۳۲ ر مطبوعہ، بائسی، پورنیہ، ۲۰۱۳ء
۲۴ اعلیٰ حضرت اور علمائے جبل پور، (تحقیق و ترتیب) صفحات: ۲۰۰ ر مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۴ء
۲۵ اسفار امام احمد رضا: ایک تحقیقی و تاریخی جائزہ، صفحات: ۴۰ ر مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۵ء
۲۶ سفر نامۂ اعلیٰ حضرت، [تحقیق و تدوین] صفحات: ۴۸۸ ر طبع بنگلور، دسمبر ۲۰۱۵ء
۲۷ شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات [شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی] صفحات: ۴۰۰ ر طبع کلکتہ ۲۰۱۵ء
۲۸ حیات حبابیؔ [مفتی شعبان علی نعیمی بلرام پوری] صفحات: ۱۱۲ ر طبع بمبئی فروری ۲۰۱۶ء
۲۹ مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی و تحقیقی پس منظر، صفحات: ۸۰ ر طبع بمبئی، مئی ۲۰۱۶ء
۳۰ جہانِ منصور ملت [خانوادۂ شیر بیشہ اہل سنت] صفحات: ۳۳۶ ر طبع بمبئی ستمبر ۲۰۱۶ء
۳۱ بمبئی میں وہابیت کا پہلا قدم، صفحات: ۱۲۸ ر طبع مسولی شریف ولکھنو، اکتوبر ۲۰۱۶ء
۳۲ کاملان پورنیہ، جلد دوم، [تحقیق و تصنیف] صفحات: ۵۱۲ ر طبع بمبئی، دسمبر ۲۰۱۶ء
۳۳ اجمیر معلیٰ میں شہزادگان اعلیٰ حضرت، صفحات: ۸۷ ر طبع باسنی ناگور، ۲۰۱۷ء
۳۴ نقش قدم رسول، از شاہ محمد یوسف رشدی، ترتیب جدید شمس، طبع پورنیہ، فروری ۲۰۱۸ء
۳۵ تاج الشریعہ: ماہ و سال کے آئینے میں، بموقع عرس چہلم بریلی شریف ۳۰ر اگست ۲۰۱۸ء

☆ زیرِ طبع و تکمیل:

۳۶ ندوۃ العلما: ایک تحقیقی مطالعہ [تحقیق و تجزیہ] صفحات: قریب ۵۰۰
۳۷ مسئلۂ اذان ثانی کا ایک تفصیلی و تحلیلی مطالعہ، صفحات: ۴۰۰ سے زائد
۳۸ اجمیر پاک میں اعلیٰ حضرت (تحقیق و تصنیف) تخمینہ صفحات: ۵۰۰ ر
۳۹ تاج الفحول بدایونی اور اعلیٰ حضرت (تحقیق و ترتیب) تخمینہ: ۲۵۰ ر
۴۰ شاہ فاروق حسن صابری رام پوری: حیات و مکتوبات اور صحافتی خدمات کا تحقیقی جائزہ، تخمینہ صفحات: ۵۰۰ ر

۴۱ رشکِ مہر و ماہ (مشائخِ مارہرہ وعلمائے بریلی کا جامع تعارف وتذکرہ) تخمینہ صفحات: ۴۰۰ر
۴۲ حیات قطب پورنیہ، [شاہ محمد یوسف رشیدی] صفحات: ۲۵۰ر سے زائد
۴۳ دیوانِ رشیدیؔ، [شاہ محمد یوسف رشیدی] صفحات سے زائد
۴۴ حیات مظہر، [مفتی محمد ایوب مظہر رضوی] صفحات: ۲۰۰ر سے زائد
۴۵ نذرِ فاروق (پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پوری کی حیات وعلمی وادبی کارنامے) تخمینہ صفحات: ۳۰۰ر
۴۷ سمائے سیمانچل کے سات ستارے، صفحات: ۲۰۰
۴۸ سیمانچل کے مسائل [فکری زاویئے] صفحات: ۸۰
۴۹ افکارِ مودودی کا ایک علمی جائزہ، صفحات: ۴۸
۵۰ ممبئی کا مذہبی منظر نامہ، صفحات: ۱۴۴
۵۱ اسفار امام احمد رضا: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، صفحات: ۱۱۲
۵۲ اعلیٰ حضرت ومفتی اعظم بمبئی میں، صفحات: ۹۶
۵۳ بمبئی میں مفتی اعظم کا جلوۂ صد رنگ، صفحات: ۶۴

☆ ادارت وایڈیڈ نگ: [۱] مجلس ارادت ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، مجلس ارادت ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی، مجلس مشاورت سہ ماہی 'نور الہدیٰ' مدھوبنی بہار، ماہ نامہ 'الثقافہ' اردو، مرکز الثقافہ السنیہ، کالیکٹ، کیرالا، [۲] ماہ نامہ 'ضیائے صابر' ملاڈ، بمبئی، [۳] سال نامہ 'مرکزِ رضا' ۱۹۹۸ء کیرالا و دہلی، ماہ نامہ 'سراجِ رضا' بمبئی

☆ مقالات ومضامین: ساٹھ سے زائد مقالات ومضامین، جو فرمائش اور ذاتی داعیۂ دل پر لکھے گئے اور سمیناروں وکانفرنسوں میں پڑھے گئے، خصوصی شماروں، نمبروں، ہندو پاک کے مؤقر جرائد ورسائل اور کتابوں میں شائع ہوئے۔ وہ رسائل واخبارات، جن میں متواتر میری تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں، مثلاً: ماہ نامہ 'کنز الایمان' دہلی، ماہ نامہ 'ماہِ نور' دہلی، ماہ نامہ 'جامِ نور' دہلی، سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام، ماہ نامہ 'اشرفیہ' مبارک پور، سہ ماہی 'جامِ شہود' کلکتہ، سہ ماہی 'رفاقت' پٹنہ، سہ ماہی 'رضا بک ریویو' پٹنہ، ماہ نامہ 'سنی دعوتِ اسلامی' بمبئی، حج میگزین، بمبئی، ماہ نامہ 'بطحا' حیدرآباد، ماہ نامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی شریف، ماہ نامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، روز نامہ، اردو ٹائمز، انقلاب، راشٹریہ

سہارا، بمبئی، راشٹریہ سہارا، دہلی، ماہ نامہ 'جہانِ رضا' لاہور، سال نامہ و ماہ نامہ 'معارفِ رضا' کراچی، مجلہ 'المظہر' کراچی، وغیرہ وغیرہ۔

☆ مضامین ومقالاقات کا ایک اجمالی اشاریہ:

[۱] فکر رضا: نئے نئے علاقے فتح کر رہی ہے، الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

ب: ماہنامہ 'جام شہود' کلکتہ، مارچ/اپریل ۱۹۹۹ء

[۲] عرس غریب نواز: ایک لمحۂ فکریہ، الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

ب: سالنامہ 'مرکز رضا' کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء، ج: سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام، جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء

[۳] صحن مرکز میں سربراہی ملاقات کا ایک منظر، ماہنامہ 'الثقافہ' کالی کٹ، کیرلا، جولائی ۱۹۹۹ء

[۴] 'حدائق بخشش' ملیالم، ماہنامہ 'الثقافہ' کالی کٹ، کیرلا، شمارہ اگست ۱۹۹۹ء

[۵] حضرت شیخ شہاب الدین احمد کویا شالیاتی، الف: سالنامہ 'مرکز رضا' کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء

ب: ماہنامہ 'اشرفیہ' مبارک پور شمارہ مارچ اپریل ۲۰۰۰ء، ج: ماہنامہ 'بطحا' حیدرآباد، دکن، شمارہ فروری ۲۰۰۹ء

[۶] شیخ ابوبکر احمد مسلیار، الف: سالنامہ 'مرکز رضا' کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء

ب: ماہنامہ 'الثقافہ' کالی کٹ، کیرلا، شمارہ اپریل ۲۰۰۰ء، ج: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی فروری ۲۰۰۶ء

[۷] ملک العلما: مکتوبات رضا کی روشنی میں، الف: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی شمارہ اکتوبر ۲۰۰۰ء

ب: عظیم وضخیم 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس، مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۹ء میں شامل،

[۹] 'حدائق بخشش' کی اولین اشاعت: ایک تحقیقی وتاریخی جائزہ، ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی ۲۰۰۱ء ب: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور اپریل ۲۰۰۱ء

[۱۰] علامہ ارشد القادری: مکاتیب کے آئینے میں، ماہنامہ 'جام نور' کا 'رئیس القلم نمبر' جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء

[۱۱] علامہ ارشد القادری: اہل سنت کے میر کارواں، ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، جولائی ۲۰۰۲ء

[۱۲] مجموعہائے مکتوباتِ رضا کا تعارف وتجزیہ، الف: سہ ماہی 'رفاقت' پٹنہ اپریل تا جون ۲۰۰۳ء
ب: ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، خصوصی شمارہ مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء
ج: کلیات مکاتیب رضا، جلد اول، دوم مطبوعہ ۲۰۰۵ء کے مقدمے میں بھی شامل ہے۔
[۱۳] جامع الشواہد: ایک تحلیل وتجزیہ، ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، فروری ۲۰۰۵ء
[۱۴] امام احمد رضا کا اسلوب تحقیق، ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، جولائی ۲۰۰۵ء
[۱۵] فکر رضا کا ارتقائی سفر اور مکتوباتِ مسعودی، الف: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی، اکتوبر ۲۰۰۵ء
ب: ماہنامہ 'ماہِ نور' دہلی، دسمبر ۲۰۰۷ء
[۱۶] سید شاہ رضوان الدین نعیمی سے ایک ملاقات، ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، جولائی ۲۰۰۶ء
[۱۷] امام احمد رضا کا سیاسی زاویۂ نگاہ، الف: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی، نومبر ۲۰۰۵ء
ب: کتاب 'پروازِ خیال' مطبوعہ ہندوپاک میں شامل۔
[۱۸] دنیا کو دہشت گردی کی لعنت سے کیسے بچایا جائے، [تحریری مباحثہ] ماہنامہ 'جام نور' دہلی جون ۲۰۰۶ء
[۱۹] حضرت امام ابوالعباس احمد، ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی نومبر ۲۰۰۶ء
[۲۰] امام احمد رضا کے ساتھ اپنوں اور بیگانوں نے کتنا انصاف کیا؟۔مؤثر تدابیر کیا ہوسکتی ہیں؟۔ [تحریری مباحثہ] ماہنامہ 'جام نور' دہلی، اکتوبر ۲۰۰۶ء
[۲۱] امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی، الف: ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، مئی ۲۰۰۷ء، ب: ہفت روزہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی کا 'امام احمد رضا نمبر' ۲۰۰۷ء، ج: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، مارچ ۲۰۰۸ء
[۲۲] غیر مطبوعہ خطوط رضا کا جائزہ، سالنامہ 'یادگار رضا' رضا اکیڈمی بمبئی ۲۰۰۷ء
[۲۳] فکر رضا میں ذکر مجدد الف ثانی، الف: سہ ماہی 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی/ستمبر ۲۰۰۸ء
ب: مجلہ 'المظہر' کرچی اور ج: 'جہان امام ربانی' کراچی میں شامل۔
[۲۴] دیکھتے ہی دیکھتے شوال آ گیا، ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی، اکتوبر ۲۰۰۸ء
[۲۵] پروفیسر محمد مسعود احمد: چراغ صد انجمن، الف: ماہنامہ 'جام نور' دہلی جون ۲۰۰۸ء
ب: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، خصوصی شمارہ جولائی ۲۰۰۸ء، ج: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور خصوصی شمارہ اگست

۲۰۰۸ء

[۲۶] نادر دہر تھے: پروفیسر محمد مسعود احمد، الف: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، جولائی ۲۰۰۸ء
ب: سہ ماہی 'رضا بک ریویو' پٹنہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء، ج: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی جولائی ۲۰۰۸ء،
د: ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی کا 'مسعود ملت نمبر' جولائی، اگست ۲۰۰۸ء
ر: حج ہاؤس بمبئی کے سالانہ 'میگزین' ۲۰۰۸ء میں شامل۔

[۲۷] حضور غریب نواز کا ستانۂ حق پرستانہ اور یہ ملت مرحومہ، ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی ۲۰۰۸ء

[۲۸] علامہ ارشد القادری: یادوں کے نقوش، ماہنامہ 'جام نور' دہلی جولائی ۲۰۰۸ء

[۲۹] ملک العلما کی اولیات: ایک چشم کشا تحریر، الف: روز نامہ 'اردو ٹائمز' بمبئی میں ۳/و ۴/ جولائی ۲۰۰۸ء کو دو قسطوں میں شائع ہوا۔ ب: ماہنامہ 'جام نور' دہلی، اگست ۲۰۰۸ء
ج: ضخیم کتاب 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، میں شامل۔

[۳۰] صدر العلما: قدیم اسلاف کے حقیقی وارث، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، ستمبر ۲۰۰۸ء

[۳۱] شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی: کچھ یادیں، کچھ باتیں، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، نومبر ۲۰۰۸ء

[۳۲] الف: اب دیکھا میں نے اپنا گھر: پورنیہ کی علمی سیر، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، جنوری ۲۰۰۹ء
ب: ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی جنوری ۲۰۰۹ء، ج: 'کاملانِ پورنیہ' جلد اول مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء کے شروع میں شامل، د: سفر خوشبو دیش کا [سفر نامہ پورنیہ] طبع بمبئی ۲۰۱۱ء میں بھی شامل۔

[۳۳] صحیح البہاری: قدیم وجدید تقریظات، الف: ماہنامہ 'جام نور' دہلی، اکتوبر ۲۰۰۸ء
ب: ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی، جنوری ۲۰۰۹ء
ج: 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، میں شامل۔

[۳۴] طوطیٔ ہند علامہ قادر بخش سہسرامی: بندگی کے شہر میں، ماہنامہ 'جام نور' دہلی فروری ۲۰۰۹ء
ب: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی، دسمبر ۲۰۱۰ء

[۳۵] امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کا ایک عمومی جائزہ، الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی ۲۰۱۰ء
ب: کتاب 'خط وجواب خط' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع دہلی، ۲۰۱۰ء میں شامل۔

[۳۶] توقیر عرب تنویر عجم پروفیسر مختار الدین احمد، ماہنامہ جام نور دہلی اگست ۲۰۱۰ء
ب: ماہنامہ ’بطحا‘ حیدر آباد، جون، جولائی، اگست ۲۰۱۰ء
[۳۷] مولانا کرامت حسین تمنآ: حیات و شاعری، الف: ماہنامہ ’سیارگان‘ بمبئی فروری ۲۰۱۱ء
ب: کتاب ’کاملان پورنیہ‘ جلد اول مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء میں بھی شامل ہے۔
[۳۸] قصہ آل انڈیا تنظیموں کا، سہ ماہی ’سواد اعظم‘ دہلی مئی، جون، جولائی ۲۰۱۱ء
ب: کتاب ’بولتی تصویریں‘ مطبوعہ مراد آباد ۲۰۰۹ء اور مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء میں بھی شامل ہے۔
☆ الف: فکر رضا کے نئے زاویے، نئے آفاق، ماہنامہ ’سنی دعوت اسلامی‘ بمبئی جولائی ۲۰۱۱ء
ب: کتاب ’امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل‘ مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء میں شامل۔
[۳۹] شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی: ایک صد رنگ شخصیت، الف: ماہنامہ جام نور دہلی جنوری ۲۰۰۹ء
ب: کتاب: شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی اور جہان علم و دانش، مطبوعہ خانقاہ لطیفی رحمان پور ۲۰۰۹ء میں شامل
ج: ماہنامہ ’ضیائے صابر‘ بمبئی، مئی ۲۰۱۲ء
و نیز د: مجموعۂ مقالات ’عرفانِ حفیظ‘ مطبوعہ خانقاہ لطیفی رحمان پور، بارسوئی، کٹیہار ۲۰۱۵ء میں شامل۔
[۴۰] حسان الہند علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی، الف: خصوصی شمارہ سالنامہ ’اہل سنت کی آواز‘ مارہرہ مطہرہ نومبر ۲۰۱۲ء، ب: ماہنامہ ’سنی دعوت اسلامی‘ بمبئی، مئی ۲۰۱۳ء
ج: ’روضۃ الاولیا، مصنفہ حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی کا اردو ترجمہ ’نزہۃ الاولیا‘ از مفتی محمد صابر رضا پورنوی، مطبوعہ سنی جمعیۃ العلما، مالیگاؤں، ۲۰۱۴ء میں بطور حیات مصنف شامل ہے۔
[۴۱] کوہ عزم آہنی کردار پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، [مدیر ماہنامہ ’جہانِ رضا‘ لاہور کے وصال پر]
الف: ماہنامہ ’سنی دعوت اسلامی‘ بمبئی، فروری ۲۰۱۴ء، ب: ماہنامہ ’کنز الایمان‘ دہلی شمارہ مارچ ۲۱۴ء
ج: ماہنامہ ’جہانِ رضا‘ لاہور کے خصوصی شمارہ ۲۰۱۴ء میں شامل۔
[۴۲] اعلیٰ حضرت کا سفر جبل پور: ایک تحقیقی جائزہ، ماہنامہ ’سنی دعوت اسلامی‘ بمبئی مئی ۲۰۱۴ء
ب: کتاب ’اعلیٰ حضرت اور علمائے جبل پور‘ مطبوعہ بمبئی والہ آباد ۲۰۱۳ء میں شامل۔
[۴۳] اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت، الف: ماہنامہ ’سنی دعوت اسلامی‘ بمبئی جولائی ۲۰۱۴ء

ب: کتاب 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بنگلور ۲۰۱۵ء میں شامل۔
ج: نیز کتاب 'اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت' از غلام جابر شمس، زیر طبع میں شامل۔
[۴۴] شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں اور افکار مودودی، آل انڈیا شیخ الاسلام سیمنار منعقدہ ۱۳/تا ۱۵/جنوری ۲۰۱۵ء، بمقام بلگام کرناٹک میں پیش کیا گیا مقالہ، مشمولہ 'شیخ الاسلام: شخص وعکس نمبر مطبوعہ، بلگام، کرناٹک ۲۰۱۵ء میں شامل۔ صفحات: ۳۲/
[۴۵] 'سیمانچل کے مسائل اور ان کے حل' پر خصوصی اشاعت منتخب از 'سیمانچل: آج اور کل' مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۳ء، مشمولہ ششماہی 'وجدان' اتر دیناج پور اگست ۲۰۱۴ء تا جنوری ۲۰۱۵ء
[۴۶] خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ غلام احمد شوق فریدی سنبھلی، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی ۲۰۱۵ء
ب: زیر طبع کتاب 'خلفائے اعلیٰ حضرت' از مولانا محمد شاہد القادری کلکتہ میں شامل۔
[۴۷] مکتوبات امام احمد رضا کی عصری اہمیت ومعنویت، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی اگست ۲۰۱۴ء، نوٹ: اردو کونسل دہلی کے اشتراک سے رضا فاؤنڈیشن جلگاؤں کے زیر اہتمام منعقدہ سیمنار ۲۹/مارچ ۲۰۱۵ء میں پڑھا گیا مقالہ، اس سیمنار کی صدارت خود مقالہ نگار نے کی تھی۔
[۴۸] امام احمد رضا: اپنے مرشد کے در پر، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی نومبر ۲۰۱۵ء
ب: سفر نامۂ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ بنگلور دسمبر ۲۰۱۵ء میں شامل۔
[۴۹] سیمانچل کے مدارس اہل سنت، الف: سالنامہ 'روشنی' ویشالی کا 'مدارس بہار نمبر' ۲۰۱۵ء، ب: سالنامہ 'فکر ملت' میرا روڈ، بمبئی ۲۰۱۵ء میں شامل، ج: زیر طبع 'سیمانچل کے مسائل' میں شامل۔
[۵۰] افکار مودودی: اپنے پرانے ہم نوؤں کی نظر میں، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، نومبر ودسمبر ۲۰۵۱ء میں دو قسط میں شائع شدہ، ب: سالنامہ 'فکر ملت' میرا روڈ، بمبئی ۲۰۱۵ء میں شامل،
ج: زیر طبع کتاب 'افکارِ مودودی کا علمی جائزہ' میں شامل۔
[۵۱] بنگال و بہار کا ایک علمی دورہ: شیخ الاسلام: حیات ومکتوبات، طبع کلکتہ میں شامل،
[۵۲] الف: شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی، اپریل ۲۰۱۶ء
ب: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جون ۲۰۱۶ء، ج: کتاب 'شیخ الاسلام: حیات ومکتوبات' میں

شامل،

[۵۳] الف: مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی و علمی پس منظر، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، قسط وار اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۶ء، ب: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، قسط وار ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۶ء۔

[۵۴] الف: اودھ کی دو بستیاں، بانسہ و مسولی: ایک قلبی تاثر سہ ماہی 'تجلیات حبیب' مسولی شریف نومبر ۲۰۱۶ء، ب: کتاب 'بمبئی میں وہابیت کا پہلا قدم' طبع مسولی شریف بارہ بنکی، ۲۰۱۶ء میں شامل۔

[۵۵] آہ! سید شاہ تراب الحق قادری: اے شہر خوباں کے شہریار، اے جلوۂ صد رنگ! تو کہاں کھو گیا، مطبوعہ کراچی، بریلی شریف، بمبئی، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی دسمبر ۲۰۱۶ء

[۵۶] ریاست راجستھان میں حجۃ الاسلام کی خدمات، الف: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، اپریل ۲۰۱۷ء، ب: سہ ماہی 'رضا بک ریویو' پٹنہ کے حجۃ الاسلام نمبر' ۲۰۱۷ء میں شامل، ب: کتاب 'اجمیر معلیٰ میں شہزاد گان اعلیٰ حضرت' طبع باسنی، ناگور ۲۰۱۷ء میں شامل، زیر طبع کتاب 'اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت' میں شامل

۔

[۵۷] حسام الحرمین پر علما و مفتیان بمبئی کی تصدیقات، ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، اپریل ۲۰۱۷ء،

[۵۸] نامورانِ اردو: ایک معروضی جائزہ، بطور اداریہ، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی فروری ۲۰۱۷ء۔

[۵۹] مکاتیب صدر الافاضل پر نظرے خوش گذرے، مشمولہ 'مکاتیب صدر الافاضل' مطبوعہ کاشی پور، اتراکھنڈ، ۲۰۱۷ء، ص: ۹ر تا ۱۱ر۔

[۶۰ حسام الحرمین پر علما و مفتیان برصغیر کی تصدیقات، اداریہ ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی، اپریل ۲۰۱۷ء،

[۶۱] شہر نگاراں بمبئی میں مفتی اعظم کا جلوۂ صد رنگ، الف: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف میں قسط وار جون، جولائی، اگست ۲۰۱۷ء، تین قسطوں میں شائع شدہ، ب: کتاب: اجمیر معلیٰ میں شہزادگان اعلیٰ حضرت' طبع باسنی ناگور ۲۰۱۷ء میں شامل، د: زیر طبع کتاب 'اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت' میں شامل۔

[۶۲] سیمانچل میں سیلاب کی تباہ کاریاں، الف: ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی، اکتوبر ۲۰۱۷ء، ب: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی اکتوبر ۲۰۱۷ء، ج: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، اکتوبر ۲۰۱۷ء، د: کتاب 'کاملان پورنیہ' جلد دوم، طبع بمبئی ۲۰۱۶ء میں شامل۔

[۶۳] تاج الشریعہ: ماہ و سال کے آئینے میں، الف: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف کے 'نقوش تاج الشریعہ

نمبر'، ب: سالنامہ 'تجلیات رضا' بریلی شریف کے 'جہان تاج الشریعہ'ج: ماہنامہ 'پیغام رضا' اجین، مدھیہ پردیش کے 'تاج الشریعہ نمبر' میں شریک اشاعت، د: ۶۴ رصفحات پر مشتمل بمبئی کی بشکل مطبوعہ کتاب عرس چہلم ۳۰/اگست ۲۰۱۸ء کو بریلی شریف میں برسر منبر اجراو مفت تقسیم عام۔

[۶۴] مفتی عبد الواجد قادری: ایک آفاقی شخصیت، سہ ماہی 'نور الہدای' مدھوبنی، بہار ستمبر، دسمبر ۲۰۱۸ء

[۶۵] اعلیٰ حضرت کی سفری تصانیف: ایک جائزہ، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی کا 'مصنف اعظم نمبر' بموقع جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء

☆ اعزازات وسپاس نامے:

[۱] شال وگل پوشی ونقد انعام، بموقع شہید اعظم ومفتی اعظم کانفرنس، سنی بڑی مسجد مدن پورہ بمبئی، بدست علامہ منصور علی خان وسید شاہ کوثر ربانی صاحب وغیرہم ۲۰۰۵ء

[۲] بیسٹ ٹیچر ایوارڈ، من جانب: ملاڈ ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج ملاڈ بمبئی، ۲۰۰۶ء

[۳] شال وگل پوشی وگولڈ میڈل، من جاب: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، بموقع امام احمد رضا سیمنار وکانفرنس، منعقدہ ۱۷/ مارچ ۲۰۰۷ء، بدست سید شاہ محمد تراب الحق قادری رضوی، سید شاہ وجاہت رسول قادری، پروفیسر قاسم رضا وائس چانسلر کراچی یونیورسیٹی ووزیر دفاع حکومت سندھ وغیرہ علماودانشوران۔

[۴] اعزازیہ واستقبالیہ نشست وشال وگل پوشی ونقد انعام، من جانب ادارۂ مسعودیہ کراچی، بدست پروفیسر محمد مسعود احمد مارچ ۲۰۰۷ء

[۵] اعزازیہ وگراں قدر تعارف وکتابی ہدیہ از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایڈیٹر ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، بدست حضرت سید سلیم حماد صاحب سجادہ نشین داتا دربار مارچ ۲۰۰۷ء

[۶] اعزاز واستقبال وکتابی تحفہ ونقد ہدیہ، بدست حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ مارچ ۲۰۰۷ء

[۷] کلمات تحسین ونقد انعام، بوقت اشاعت کتاب 'خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا' بدست امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قبلہ، بموقع عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۷ء

[۸] شال وگل پوشی وٹرافی، من جانب: ضیاء القرآن ایجوکیشن ٹرسٹ بھیونڈی مہاراشٹر ۲۰۰۸ء

[۹] شال وگل پوشی وٹرافی، من جانب: الحمد ہائی اسکول، بھیونڈی مہاراشٹرا، ۲۰۰۹ء

[۱۰] شال وگل پوشی و ملک العلما ایوارڈ' ونقد انعام، بموقع 'ملک العلما کانفرنس' واجرا 'جہانِ ملک العلما' بدست پروفیسر سید شاہ طلحہ برق رضوی، سید شاہ طاہر میاں بلگرامی، سید شاہ سراج اظہر رضوی ودیگر علما وحضار، قیصر باغ ہال بمبئی، ۲۰۰۹ء

[۱۱] 'جہانِ ملک العلما' کی تحقیق وتدوین وطباعت کے خوشگوار پس منظر میں شال وگل پوشی ونقد انعام، بدست پروفیسر مختار الدین احمد مرحوم علی گڈھ، نومبر ۲۰۰۹ء

[۱۲] شال وگل پوشی و'رئیس الاولیا ایوارڈ' ونقد انعام، بدست سید شاہ امین میاں مارہروی، سید شاہ اویس میاں بلگرامی، سید شاہ گلزار میاں، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین پورنوی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری گھوسوی ودیگر علما وحضار، بموقع عرس اسماعیلی مسولی شریف بارہ بنکی ۲۰۱۱ء

[۱۳] رضویات، دیگر علمی وتحقیقی خدمات اور سیمانچل کے سلسلہ وار فکر انگیز مضامین وتاریخ وتذکرہ پر کتب سے خوش ہو کر نقد انعام، از امام علم وفن خوجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ ۲۰۱۲ء

[۱۳] رضویات وادبیات کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں 'منظوم ہدیۂ سپاس' من جانب انجمن برکات رضا پھوگلی بمبئی، بموقع ملک العلما کانفرنس ۲؍مئی ۲۰۱۳ء

[۱۴] شال وگل پوشی وٹرافی وہدیۂ خاص، من جانب: حضرت سید عبداللہ باشیبان اکیڈمی بموقع شیخ الاسلام سیمنار، ۱۵؍جنوری ۲۰۱۵ء

[۱۵] 'قطب العارفین شاہ محمد یوسف ایوارڈ' بدست ابوالایتام شیخ ابوبکر احمد صاحب کیرالا ومفتی محمد عبدالواجد قادری مفتی اعظم ہالینڈ، سرکار محبی اکیڈمی، مدھوبنی بہار، ۱۳؍مارچ ۲۰۱۵ء

[۱۶] اعزاز و'پچیس سالہ علمی وادبی اعتراف خدمات وہدیۂ سپاس' من جانب: ڈاکٹر محمد احسن و دیگر اراکین واسٹاف کھریال ہائی اسکول کھریال کٹیہار، بہار ۱۹؍مارچ ۲۰۱۵ء

[۱۷] گل پوشی وٹرافی ونقد انعام، من جانب رضا فاؤنڈیشن، جلگاؤں مہاراشٹرا، بدست ڈاکٹر محمد رفیق رجسٹرار نارتھ مہاراشٹرا یونیورسیٹی ناسک واراکین ودیگر شرکائے سیمنار ۲۹؍مارچ ۲۰۱۵ء

[۱۸] نشان تاج العلما مومنٹو، شال پوشی ونقد انعام بدست امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں صاحب قبلہ زیب مسند ارشاد سجادۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، ۱۲؍نومبر ۲۰۱۶ء

[۱۹] اعلیٰ حضرت ایوارڈ، بدست شہزادۂ صدر العلما شاہ حسان میاں بریلی شریف، ۳۰؍ستمبر بموقع اعلیٰ حضرت سمینار منعقدہ ۲۹؍۳۰؍ستمبر ۲۰۱۸ء، من جانب تنظیم خدام آل رسول و جامعہ انوار الحق بمقام مینار گارڈن فنکشن ہال، نزد سالار جنگ میوزیم، حیدر آباد، دکن۔

☆......☆......☆



رضا ہی رضا بس ہے نوک قلم پر

جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت کے زریں موقع پر ڈاکٹر غلام جابر شمس زید مجدہ کی گراں قدر کتابی خدمات سے متاثر ہو کر ایک مخلص قدر دان علم و فن شعرا نے ڈاکٹر موصوف کی خدمت میں درج ذیل تہنیتی اشعار پیش کیے ہیں اور ان صاحبان کی خواہش ہے کہ یہ تہنیت شامل کتاب بھی ہو، اس لیے ہدیہ نظر ناظرین و قارئین ہے:

از نتیجہ فکر: حضرت مفتی محمد اشفاق احمد رضوی حامدؔ، جامعہ سعدیہ کاسرکوڈ، کیرالا

بیاں کیا ہو مدحت امیر القلم کی ہے دنیا میں شہرت امیر القلم کی
در اعلیٰ حضرت پہ کب سے جھکی ہے جبین عقیدت امیر القلم کی
کتابیں بتاتی ہیں احمد رضا سے ہے کتنی محبت امیر القلم کی
رضا ہی رضا بس ہے نوک قلم پر نرالی ہے الفت امیر القلم کی
چہ صد سالہ عرس رضا کچھ کتابیں ہیں نذر عقیدت امیر القلم کی
ہزاروں پہ بھاری قلم ہے سواری عجب شان و شوکت امیر القلم کی
گلاب چمن جیسے اعلیٰ گلوں میں وہی نور و نکہت امیر القلم کی
سوائے قلم اور قرطاس حامد نہیں کچھ حقیقت امیر القلم کی
'خطوط مشاہیر' 'پرواز' دیکھو ہے علمی رشاقت امیر القلم کی
'حیاتِ رضا' اور 'سفر نامہ' سے بھی عیاں ہے مہارت امیر القلم کی
'حیاتِ حبابیؔ' و 'فکر رضا' بھی ہیں غماز رفعت امیر القلم کی
'فضائل' و 'لمعات' 'تاریخیں بخشیں' باتی ہیں عظمت امیر القلم کی
'اجالا' 'مکاتیب' 'مختار مسلک' 'شفاعت' بھی امیر القلم کی
بیاں کیا ہو مجھ سے تصانیف ساری میرے شمس ملت امیر القلم کی



نتیجہ فکر از: علامہ محمد مبارک رضوی، بائسی، پورنیہ

نبی کے عشق سے بھرپور ان کا سینہ تھا
سفر پہ نکلے تو حج کا وہی مہینہ تھا
امام عشق حرم کو چلے یوں شان کے ساتھ
بہانہ حج کا تھا مقصود تو مدینہ تھا

....

مدینہ جا کے رضاؔ نے بڑا کمال کیا
برائے دید نبی سے وہاں سوال کیا
نبی کو دیکھ کے احمد رضا یہ بول اٹھے
’سگان کوچہ میں چہرہ میرا بحال کیا‘

....

نبی کے در پہ رضاؔ کا قیام کیا کہنا
وہاں پہنچ کے درود و سلام کیا کہنا
رضاؔ نے دیدۂ ظاہر سے دیکھا آقا کو
رضاؔ کا ہو گیا عاشق میں نام کیا کہنا

....

کر کے طے سب مرحلے وہ آ گئے اجمیر میں
خود بریلی سے چلے وہ آ گئے اجمیر میں
اللہ اللہ اعلیٰ حضرت ہند کے سلطان سے
ملنے روحانی گلے وہ آ گئے اجمیر میں

....

رب کی رحمت سے ملا اس کو عطائی تمغہ
تمغہ تو تمغہ ہی ہے کچھ بھی ہو بھائی تمغہ
اللہ اللہ یہ جابر کے قلم کی شوکت
اس نے پایا ہے انعام میں طلائی تمغہ

....

کر دیا جابر نے اظہارِ امام احمد رضا
ہوں اکٹھے سارے افکار امام احمد رضا
اے مبارکؔ اس مؤرخ کو سدا میرا سلام
جس نے لکھا ہے یہ ’اسفار امام احمد رضا‘

....

رب جسے چاہے عطا کر دے وہ وہبی تمغہ
اور کسی کو ملے دنیا میں ہی کسبی تمغہ
یہ تو اکرام خداوندی ہے جابر تم پر
تم نے جو پایا ہے ایوارڈ میں ذہبی تمغہ




WWW.MUFTIAKHTARRAZAKHAN.COM

فروغ اہلسنت کے لیے امام اہلسنت کا دس نکاتی پروگرام

۱۔عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

۲۔طلباء کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

۳۔مدرّسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں۔

۴۔طبائع طلبہ کی جانچ ہو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دیکر اس میں لگایا جائے۔

۵۔اُن میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کے تحریراًو تقریراًووعظاًومناظرۃً اشاعتِ دین ومذہب کریں۔

۶۔حمایت مذہب ورد بدمذہب میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

۷۔تصنیف شدہ اور نوتصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کئے جائیں۔

۸۔شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپکو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعداء کیلئے اپنی فوجیں میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

۹۔جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

۱۰۔آپ کے مذہبی اخبار شائع ہو اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایتِ مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت وبلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ "آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درم ودینار سے چلے گا" اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد نمبر۱۲ صفحہ نمبر۱۴۳)

ادارۃ الاضیاء رضا کراچی